نئے فقہی مسائل کا مستند اور مدلل مجموعہ

نوازل الفقہ

جلد پنجم

جدید تعلیمی سماجی طبی اور سائنسی مسائل

اختر امام عادل قاسمی

دائرة المعارف الربانية

جامعہ ربانی منورواشریف، سمستی پور بہار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(نئے فقہی مسائل کا مستند اور مدلل مجموعہ)

نوازل الفقہ (جلد پنجم)

جدید

تعلیمی، سماجی، طبی، اور سائنسی مسائل

اختر امام عادل قاسمی

دائرۃ المعارف الربانیۃ

جامعہ ربانی منورواشریف، سمستی پور بہار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب:- نوازل الفقہ جلد پنجم

جدید تعلیمی، سماجی، طبی، سائنسی مسائل

(تعلیم، سماج، طب، سائنس اور جدید ذرائع ابلاغ سے متعلق نئے مسائل)

مصنف:- مولانا مفتی اختر امام عادل قاسمی

صفحات:- ۶۱۳

سن اشاعت:- ۱۴۴۵ھ مطابق ۲۰۲۳ء

ناشر:- دائرۃ المعارف الربانیۃ جامعہ ربانی منورواشریف سمستی پور بہار

اس جلد کی قیمت:- 650-00

مکمل سیٹ کی قیمت:- 3000-00

ملنے کے پتے

☆ مرکزی مکتبہ جامعہ ربانی منورواشریف، پوسٹ سوہما، ضلع سمستی پور بہار

848207 موبائل نمبر: 9473136822

☆ مکتبہ الامام، سی 212، امام عادل منزل، گراؤنڈ فلور، شاہین باغ، ابوالفضل پارٹ

۲، اوکھلا، جامعہ نگر، نئی دہلی 25 موبائل نمبر: 9934082422

فہرست مندرجات نوازل الفقہ جلد پنجم

جدید تعلیمی، سماجی، طبی اور سائنسی مسائل

☆تعلیم

☆خواتین کی اعلیٰ دینی وعصری تعلیم (اسلامی نقطۂ نظر): ص ۱تا۵۸

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۱	اسلام سے قبل علم کا معیار	۱
۲	عورت اسلام سے قبل	۲
۳	علم کا آغاز	۳
۴	علم پر زور	۳
۵	خواتین کی تعلیم سے متعلق ابواب اور کتابیں	۴
۶	علم انسانی عظمت کی ضمانت ہے	۶
۷	مسلمانوں کے یہاں علم وعلماء کی قدر افزائی	۷
۸	علم کے باب میں غیر مسلم اقوام کی تنگ نظری	۹
۹	آیات قرآنی	۱۱
۱۰	احادیث وآثار	۱۳
۱۱	خاص تعلیم نسواں سے متعلق روایات	۱۹
۱۲	تعلیم وتربیت کا عمومی ماحول	۲۳
۱۳	چند ممتاز اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین	۲۴
۱۴	علوم قرآنی	۲۴
۱۵	علم حدیث	۲۷

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۱۶	خواتین کی صنفی حیثیت کا لحاظ	۲۹
۱۷	خواتین کی علمی تصنیفات	۳۰
۱۸	فقہ وفتاوی	۳۰
۱۹	عصری علوم وفنون میں خواتین کا حصہ	۳۲
۲۰	شعر وادب	۳۲
۲۱	خطاطی وخوشنویسی	۴۰
۲۲	علم طب (میڈیکل سائنس)	۴۳
۲۳	تقریر وخطابت	۴۴
۲۴	دیگر علوم وفنون	۴۶
۲۵	خواتین کو اعلی علمی خطابات	۵۰
۲۶	حکم شرعی	۵۱
۲۷	علم کی قسمیں	۵۲
۲۸	تعلیم نسواں کے بنیادی حدود	۵۳

سماجی مسائل

☆مشترکہ خاندانی نظام (شرعی نقطۂ نظر): ص ۵۹ تا ۱۰۶

۲۹	انسانی فطرت	۵۹
۳۰	طبقاتی فرق کا مقصد	۶۰
۳۱	احکام وہدایات میں ہر طبقہ کی رعایت-چند نمونے	۶۱

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۳۲	اجتماعی زندگی کے چند رہنما اصول	۷۱
۳۳	خاندان کی اہمیت	۷۴
۳۴	قربت میں اعتدال کی ضرورت	۷۵
۳۵	مشترکہ خاندانی نظام بہتر نہیں ہے	۷۵
۳۶	اسباب ووجوہات	۷۶
۳۷	حضور ﷺ کا گھریلو نظام	۷۸
۳۸	ازواج مطہراتؓ کی خوش رنجیاں	۷۹
۳۹	نکاح کے بعد حضرت علیؓ کی رہائش	۸۱
۴۰	فقہاء کا تجویز کردہ نظام سکونت	۸۲
۴۱	عہد اسلامی کے بعض علاقوں کی رہائش	۸۴
۴۲	مشترکہ نظام کے مقاصد	۸۵
۴۳	جداگانہ نظام کے ذریعہ مقاصد کا حصول-مشترکہ نظام کی بڑی خرابیاں	۸۶،۸۷
۴۴	مشترکہ نظام میں گھر کے اخراجات کی تقسیم	۹۰
۴۵	گھر میں جمع شدہ آمدنی سے کسی چیز کی خرید	۹۲
۴۶	زیادہ کمانے والے بھائی کی زائد آمدنی میں دوسرے بھائیوں کا حصہ	۹۴
۴۷	کمانے والے افراد کی کمائی میں گھر کا کام دیکھنے والوں کا حصہ	۹۵
۴۸	والدین کی خدمت و کفالت کی ذمہ داری	۹۶
۴۹	والدین کے لئے اولاد کی ذمہ داریاں	۹۷
۵۰	قریبی رشتہ داروں سے پردہ کا مسئلہ	۱۰۱
۵۱	تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا	۱۰۴

☆ماحولیاتی آلودگی-احکام ومسائل: ص ۱۰۷ تا ۱۸۲

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۵۲	موجودہ زمانہ میں آلودگی- محققین کی نگاہ میں	۱۰۷
۵۳	انسان کی منصبی ذمہ داری	۱۱۴
۵۴	ماحولیاتی تحفظ کے لئے شجرکاری کی اہمیت	۱۱۴
۵۵	بے ضرورت پیڑ پودے کاٹنا	۱۲۰
۵۶	زمین میں فساد برپا کرنا	۱۲۰
۵۷	فطری نعمتوں کو مسخ کرنا	۱۲۱
۵۸	مہلکات سے بچنے کا حکم	۱۲۲
۵۹	اجتماعی مفادات کا تحفظ	۱۲۲
۶۰	اسلام میں طہارت ونظافت کی اہمیت	۱۲۳
۶۱	حدود سے تجاوز	۱۲۷
۶۲	آلودہ شخص یا مقام سے اجتناب کا حکم	۱۲۷
۶۳	منکرات پر خاموش رہنا	۱۲۸
۶۴	ضرررساں چیزوں سے گریز کا حکم	۱۲۸
۶۵	بدبو پھیلانا	۱۲۹
۶۶	اصول نفع وضرر	۱۳۰
۶۷	اجتماعی مواقع پر عجلت کے مظاہرہ سے اجتناب	۱۳۴
۶۸	نفع وضرر کا توازن-فقہاء حنفیہ کے نزدیک	۱۳۴
۶۹	ضرر فاحش کا معیار	۱۳۸

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۷۰	مشترکہ مفادات کے خلاف کوئی ضرر قابل برداشت نہیں	۱۴۲
۷۱	شافعیہ کے یہاں ضرر کا تصور	۱۴۴
۷۲	مالکیہ کے یہاں تصور ضرر	۱۴۷
۷۳	حنابلہ کا نقطۂ نظر	۱۵۲
۷۴	آلودگی کی مختلف شکلیں	۱۵۵
۷۵	دھواں چھوڑنے والی اشیاء	۱۵۵
۷۶	گاڑیوں کا استعمال	۱۵۸
۷۷	حکومتی قوانین کی رعایت	۱۶۰
۷۸	روشنی کے لئے جنریٹر کا استعمال	۱۶۱
۷۹	سولر لائٹ کا استعمال	۱۶۱
۸۰	کارخانوں کی کثرت	۱۶۲
۸۱	عوامی مقامات پر فضلات اور کچرے ڈالنا	۱۶۲
۸۲	پلاسٹک کی تھیلیاں	۱۶۵
۸۳	سگریٹ وغیرہ کا استعمال	۱۶۶
۸۴	عوامی مقامات پر استنجا کرنا	۱۶۶
۸۵	عوامی مقامات پر تھوکنا	۱۶۷
۸۶	شعاعوں کو جنم دینے والی مشینیں	۱۶۸
۸۷	جنگلات اور درختوں کا تحفظ	۱۶۸
۸۸	تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا	۱۷۱

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۸۹	☆صوتی آلودگی کے مسائل	۱۷۵
۹۱	پر شور کارخانے	۱۷۹
۹۲	گاڑیوں کے تیز ہارن	۱۷۹
۹۳	جلسے اور مشاعرے	۱۸۰
۹۴	تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا	۱۸۱

☆جانوروں کے حقوق اور احکام: ص ۱۸۲ تا ۲۳۷

۹۵	حیوانات بھی انسانی مفادات کے لئے ہیں	۱۸۳
۹۶	جانوروں کے حقوق اور انتفاع کے حدود	۱۸۳
۹۷	جانور کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید	۱۸۴
۹۸	جانوروں کو ستانا گناہ ہے	۱۸۵
۹۹	بعض نفع بخش جانوروں کی نسل کشی سے روکا گیا	۱۸۷
۱۰۰	ذبح میں بھی حقوق کی رعایت	۱۸۹
۱۰۱	بے مقصد جانور کو قتل کرنا اس کی حق تلفی ہے	۱۹۱
۱۰۲	کسی ذی روح کو نشانہ بنانا اور اس کے ہاتھ پاؤں کاٹنا درست نہیں	۱۹۳
۱۰۳	جانوروں کو باہم لڑانا ممنوع ہے	۱۹۴
۱۰۴	جانوروں کو ذہنی اذیت پہونچانا بھی گناہ ہے	۱۹۵
۱۰۵	جانوروں کو زندہ جلانا ممنوع ہے	۱۹۶
۱۰۶	موذی جانوروں میں آسان طریقۂ قتل اختیار کیا جائے	۱۹۷
۱۰۷	گھر میں برآمد ہونے والے سانپ کو فوراً نہ مارا جائے	۱۹۷

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۱۰۸	چارہ خور جانوروں کو لحمی غذائیں دینا	۱۹۸
۱۰۹	لحمی غذائیں اگر جانور کے لئے نقصان دہ ہوں	۱۹۸
۱۱۰	لحمی غذاؤں میں اگر حرام اجزاء کی شمولیت ہو	۲۰۰
۱۱۱	دودھ یا گوشت میں اضافے کے لئے جانوروں کو انجکشن دینا	۲۰۲
۱۱۲	حلال اور حرام جانوروں کا جنسی اختلاط	۲۰۳
۱۱۳	جائز مقاصد کے لئے دو مختلف الجنس جانوروں کا اختلاط جائز ہے	۲۰۴
۱۱۴	جانوروں کا اختلاط کبھی موجب عیب بھی ہوتا ہے	۲۰۸
۱۱۵	جانوروں میں بچے ماں کے تابع ہوتے ہیں	۲۰۹
۱۱۶	شوقیہ جانور کو پنجرہ میں رکھنا	۲۱۰
۱۱۷	موذی جانوروں کو شوقیہ قید رکھنا	۲۱۱
۱۱۸	جانوروں پر میڈیکل تجربات	۲۱۴
۱۱۹	خصی کرنے کے مسئلہ سے استیناس	۲۱۵
۱۲۰	طبی اغراض کے لئے جانور کو بے ہوش کر کے اس کا عضو نکالنا	۲۱۶
۱۲۱	قانونی طور پر ممنوع جانور کا شکار کرنا	۲۱۷
۱۲۲	اسلامی حکومتوں میں گھوڑے کو یگگونہ خصوصی جانور کا درجہ حاصل تھا	۲۱۹
۱۲۳	مخصوص حالات میں بعض جانوروں کے قتل پر پابندی عائد کی جاسکتی ہے	۲۲۰
۱۲۴	کسی خاص جانور کی مکمل نسل کشی کا منصوبہ درست نہیں	۲۲۱
۱۲۵	کسی فرقہ کے یہاں مقدس مانے جانے والے جانور کو ذبح کرنا	۲۲۱
۱۲۶	ذبیحۂ گاؤ کا مسئلہ	۲۲۵

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۱۲۷	بعض جنگلی جانوروں کے شکار پر پابندی	۲۲۷
۱۲۸	وبائی امراض سے بچنے کے لئے جانوروں کو قتل کرنا	۲۲۷
۱۲۹	جانوروں کو زندہ جلانا درست نہیں	۲۲۸
۱۳۰	جانوروں کو کن انسانی مصالح کے لئے مارا جاسکتا ہے؟	۲۳۰
۱۳۱	جانوروں کو کن حالات میں مارا جاسکتا ہے؟	۲۳۱
۱۳۲	قتل حیوانات کا اجتماعی پہلو	۲۳۲
۱۳۳	انفرادی پہلو	۲۳۳
۱۳۴	موذی جانوروں کا قتل	۲۳۴
۱۳۵	نقصان پہونچانے والے جانوروں کا قتل	۲۳۴
۱۳۶	تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا	۲۳۶

☆ تشبہ کی حقیقت اور متعلقہ مسائل: ص ۲۳۸ تا ۲۶۲

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۱۳۷	غیر اسلامی اختلاط و تشبہ سے بچنے کی ہدایات	۲۳۸
۱۳۸	تشبہ کی حقیقت اور اقسام	۲۴۲
۱۳۹	تشبہ حرام	۲۴۳
۱۴۰	تشبہ مباح	۲۴۵
۱۴۱	تشبہ مکروہ	۲۴۷
۱۴۲	حدیث "من تشبه بقوم فهو منهم" کی سندی حیثیت	۲۴۷
۱۴۳	کسی قوم کا کوئی مخصوص عمل جب عام ہو جائے	۲۴۹
۱۴۴	مذہبی امور میں تشبہ	۲۵۰

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۱۴۵	شعائرِ کفر میں تشبہ	۲۵۳
۱۴۶	تہذیبی و قومی امور میں تشبہ	۲۵۴
۱۴۷	ساڑی، دھوتی، ٹائی، سیندور وغیرہ کا حکم	۲۵۶
۱۴۸	ہاتھ میں ڈوری باندھنا	۲۵۶
۱۴۹	نئے مکانات اور گاڑیوں پر لیموں اور مرچ کا ہار لٹکانا	۲۵۷
۱۵۰	نیا سال یا پیدائش اور شادی کی سالگرہ منانا	۲۵۷
۱۵۱	اپریل فول منانا	۲۵۸
۱۵۲	دوسری جنس سے تشبہ	۲۵۹
۱۵۳	خواتین کا اپنے سر کے بال کٹوا کر چھوٹے کرنا	۲۵۹
۱۵۴	مرد کے لئے سونا، چاندی اور لوہے کا کڑا پہننا	۲۶۰
۱۵۵	مردوں کے لئے عورتوں جیسا لباس پہننا	۲۶۱
۱۵۶	مردوں کے لئے مہندی لگانا	۲۶۲

☆طب اور جدید میڈیکل سائنس

طبی اخلاقیات - مسائل و احکام: ص ۲۶۳ تا ۳۰۸

۱۵۷	محور اول	۲۶۳
۱۵۸	تعدی اور ضمان سے متعلق مسائل	۲۶۳
۱۵۹	نقصانات کا ڈاکٹر ذمہ دار نہیں - ائمہ اربعہ کا مسلک	۲۶۵
۱۶۰	حنفیہ	۲۶۵
۱۶۱	مالکیہ	۲۶۶

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۱۶۲	شافعیہ	۲۶۶
۱۶۳	حنابلہ	۲۶۷
۱۶۴	طبابت کے اصول وشرائط	۲۶۷
۱۶۵	طبی اہلیت ومہارت	۲۶۷
۱۶۶	حسن نیت اور سچی دلچسپی	۲۶۸
۱۶۷	طبی اصولوں کی مکمل رعایت	۲۶۹
۱۶۸	مریض یا اس کے اعزہ کی طرف سے اجازت	۲۷۰
۱۶۹	غیر قانونی علاج	۲۷۱
۱۷۰	طبی بے احتیاطی	۲۷۳
۱۷۱	بلا اجازت آپریشن	۲۷۳
۱۷۲	محور دوم-متعدی امراض کے احکام	۲۷۵
۱۷۳	ایڈز کا مریض کیا کرے؟	۲۷۹
۱۷۴	مریض کی بے احتیاطی کے وقت ڈاکٹر کا رویہ	۲۸۱
۱۷۵	ایڈز کے مریض کے لئے خاندان کا رویہ	۲۸۳
۱۷۶	مرض کی منتقلی کی کوشش	۲۸۳
۱۷۷	ایڈز کی بنا پر فسخ نکاح	۲۸۴
۱۷۸	ایڈز کی بنا پر اسقاط حمل	۲۸۶
۱۷۹	تعلیمی اداروں میں ایڈز کے مریض بچوں کا داخلہ	۲۸۷
۱۸۰	ایڈز مرض الموت کے حکم میں نہیں	۲۸۸

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۱۸۱	وبائی علاقہ میں آمد ورفت	۲۹۰
۱۸۲	کسی ضرورت سے وبائی علاقہ میں آمد ورفت	۲۹۳
۱۸۳	محور سوم-امانت اور غیبت سے متعلق مسائل	۲۹۴
۱۸۴	امانت کے حدود	۲۹۵
۱۸۵	غیبت کے نقطۂ نظر سے	۲۹۷
۱۸۶	بوقت نکاح تحقیق حال	۲۹۸
۱۸۷	طبی معائنہ کے بعد داکٹر کا رویہ	۲۹۹
۱۸۸	دوسری شکل	۲۹۹
۱۸۹	مریض چشم ڈرائیور کے لئے ڈاکٹر کا رویہ	۳۰۱
۱۹۰	منشیات کا مریض ڈرائیور	۳۰۱
۱۹۱	ناجائز حمل کی پردہ داری	۳۰۲
۱۹۲	منشیات کے مریض کا نفسیاتی علاج	۳۰۲
۱۹۳	جرائم پیشہ افراد کے بارے میں ڈاکٹر کا رویہ	۳۰۳
۱۹۴	ایک بے گناہ کی رہائی کے لئے ڈاکٹر کا اقدام	۳۰۴
۱۹۵	تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا	۳۰۵

☆ کرونا وبا-شرعی تصور اور فقہی احکام: ص ۳۰۹ تا ۳۷۳

۱۹۶	کرونا سے قبل تاریخ انسانی کی مہلک ترین وبائی بیماری	۳۰۹
۱۹۷	محور اول-کرونا جیسی وبائی بیماریوں کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر	۳۱۰
۱۹۸	☆☆☆☆	

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۱۹۹	محور دوم- کرونا کے زمانہ میں عبادات میں تخفیف	۳۱۵
۲۰۰	مساجد کے بجائے گھروں میں نماز	۳۱۵
۲۰۱	مساجد میں تعدد جماعت کا مسئلہ	۳۱۷
۲۰۲	ایک مسجد میں تعدد جمعہ کا مسئلہ	۳۲۰
۲۰۳	مساجد کے علاوہ گھروں میں جمعہ کی چھوٹی جماعتیں	۳۲۰
۲۰۴	جمعہ کے دن گھروں میں ظہر کی نماز تنہا ادا کی جائے گی	۳۲۲
۲۰۵	وبا کے زمانہ میں گھروں میں عیدین کی نماز پڑھنا	۳۲۳
۲۰۶	ماسک لگا کر نماز پڑھنا	۳۲۴
۲۰۷	صف میں نمازیوں کے درمیان فاصلہ رکھنا	۳۲۵
۲۰۸	کرونا سے متأثر افراد کا جماعت کے وقت مسجد آنا	۳۲۷
۲۰۹	کرونا سے متأثر افراد کے لئے روزہ کا حکم	۳۲۹
۲۱۰	اسپتالوں کے کرونا سیکشن میں کام کرنے والے ملازمین کے لئے روزہ کا حکم	۳۳۰
۲۱۱	کرونا کی وجہ سے حج وعمرہ پر پابندی عائد کرنا	۳۳۱
۲۱۲	اگر کوئی حج کا احرام باندھنے کے بعد کرونا میں مبتلا ہو جائے	۳۳۲
۲۱۳	محور سوم- کرونا کے زمانہ میں مساجد سے متعلق احکام	۳۳۴
۲۱۴	کرونا کے زمانہ میں مساجد کو بند کرنا	۳۳۴
۲۱۵	مسجد میں جماعت موقوف ہونے کی صورت میں اذان دینا	۳۳۷
۲۱۶	جماعت نماز میں مطلوب افراد اور حکومتی ہدایات	۳۳۹
	☆☆☆☆	

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۲۱۷	مساجد کے کسی حصہ یا اس سے ملحق جگہ پر کووڈ سینٹر بنانا	۳۴۱
۲۱۸	محور چہارم - کرونا سے متأثر مریض کی تیمارداری	۳۴۸
۲۱۹	محور پنجم - کرونا سے فوت ہونے والوں کی تجہیز و تکفین اور جنازہ کے مسائل	۳۵۳
۲۲۰	کرونا سے مرنے والے شخص کو غسل دینے کا مسئلہ	۳۵۳
۲۲۱	کرونا سے مرنے والے شخص کی تکفین کا مسئلہ	۳۵۴
۲۲۲	کرونا سے مرنے والے شخص پر نماز جنازہ	۳۵۶
۲۲۳	کرونا سے مرنے والا مسلمان شہید کے حکم میں	۳۵۷
۲۲۴	محور ششم - کرونا ویکسین سے متعلق مسائل	۳۵۹
۲۲۵	الکوحل آمیز سینیٹائزر کا استعمال	۳۵۹
۲۲۶	کرونا ویکسین لگوانے کا حکم	۳۶۱
۲۲۷	محور ہفتم - کروناوائرس کے پھیلاؤ کو روکنے کے لئے اسلامی ہدایات	۳۶۳
۲۲۸	وبا کے دفعیہ کے لئے اذان دینا	۳۶۳
۲۲۹	دفع وبا کے لئے اجتماعی نماز و دعا کا حکم	۳۶۸
۲۳۰	تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا	۳۶۹
۲۳۱	تجاویز مجلس تحقیقات شرعیہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ	۳۷۰

☆یوتھینیزیا (EUTHANASIA) کا شرعی حکم: ص ۳۷۴ تا ۳۹۲

۲۳۲	زوال پذیر زندگی	۳۷۴
۲۳۳	موت کی تمنا جائز نہیں	۳۷۵
۲۳۴	خودکشی جائز نہیں	۳۷۶

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۲۳۵	انسانی جان کی حرمت	۳۷۷
۲۳۶	جواز قتل کے اسباب	۳۷۸
۲۳۷	یوتھینیزیا	۳۷۸
۲۳۸	یوتھینیزیا کی قسمیں	۳۷۹
۲۳۹	عملی یوتھینیزیا	۳۸۰
۲۴۰	تحفظ جان فرض ہے	۳۸۰
۲۴۱	مرض الموت کی تکالیف بھی نعمت ہیں	۳۸۲
۲۴۲	غیر عملی یوتھینیزیا	۳۸۲
۲۴۳	تحفظ جان کی تدبیر کرنا	۳۸۳
۲۴۴	علاج کی شرعی حیثیت	۳۸۳
۲۴۵	تنقیح مسئلہ	۳۸۴
۲۴۶	ترقی یافتہ طب	۳۸۶
۲۴۷	مباح کا غلط استعمال جائز نہیں	۳۸۹
۲۴۸	ترک عمل بھی عمل ہے	۳۹۰
۲۴۹	جب علاج کلیتاً مفید نہ رہے	۳۹۱
۲۵۰	تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا	۳۹۱

☆موت کی حقیقت - چند مسائل واحکام: ص ۳۹۳ تا ۴۰۸

۲۵۱	حقیقت روح	۳۹۳
۲۵۲	حقیقت موت	۳۹۵

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۲۵۳	فلاسفہ کی رائے	۳۹۷
۲۵۴	مراحل تخلیق وموت	۳۹۸
۲۵۵	کسی کو مردہ قرار دینا	۴۰۱
۲۵۶	نظام جسم میں دل ودماغ کی اہمیت	۴۰۱
۲۵۷	موت کا تعلق دل اور دماغ سے	۴۰۴
۲۵۸	چند مسائل	۴۰۶
۲۵۹	تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا	۴۰۷

☆سر پر بالوں کی افزائش وزیبائش کے مسائل: ص ۴۰۹ تا ۴۳۳

۲۶۰	حدود شریعت کو قائم رکھنے کا نام اعتدال ہے	۴۰۹
۲۶۱	اعتدال سے تجاوز کا نام تبدیل خلق اللہ ہے	۴۱۱
۲۶۲	انسان اپنے جسم کا مالک نہیں ہے	۴۱۲
۲۶۳	گنجاپن ایک مرض ہے	۴۱۳
۳۶۴	بالوں کی افزائش کے لئے سرجری کا حکم	۴۱۶
۲۶۵	افزائش کے لئے انسانی بالوں کا استعمال درست نہیں	۴۱۹
۲۶۶	بالوں کی عارضی افزائش کا حکم	۴۲۱
۲۶۷	افزائش کردہ بالوں پر وضو اور مسح کا حکم	۴۲۲
۲۶۸	حرج کا معیار	۴۲۵
۲۶۹	بالوں کو تراش خراش کر ڈیزائن بنانا	۴۲۵
۲۷۰	بالوں کو مختلف رنگوں میں رنگنے کا حکم	۴۲۷

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۲۷۱	تجاویز ادارۃ المباحث الفقہیۃ	۴۳۲

☆ مصنوعی طریقۂ تولید سے ثبوت نسب کا حکم: ص ۴۳۴ تا ۴۴۳

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۲۷۲	ٹیوب زادہ کا نسب زوجین سے ثابت ہوگا	۴۳۴
۲۷۳	زوجین کا نطفہ ٹیوب کے بعد بیوی کے رحم میں منتقل کرنا	۴۳۶
۲۷۴	شوہر کا نطفہ اجنبی عورت کے بیضہ سے مخلوط کر کے بیوی کے رحم میں منتقل کرنا	۴۳۶
۲۷۵	اجنبی شخص کے مادۂ منویہ سے بیوی کے رحم کو بارآور کرنا	۴۳۸
۲۷۶	زوجین کا نطفہ اجنبی عورت کے رحم میں بارآور کرنا	۴۳۹
۲۷۷	اجنبی مرد وعورت کے نطفہ کو بارآوری کے لئے اپنی بیوی کے رحم میں داخل کرنا	۴۳۹
۲۷۸	ایک بیوی کا بیضہ اپنے نطفہ کے ساتھ بارآور کر۔ دوسری بیوی کے رحم میں داخل کرنا	۴۳۹
۲۷۹	تجاویز ادارۃ المباحث الفقہیۃ	۴۴۱

☆ مشینی ذبیحہ کا شرعی حکم: ص ۴۴۴ تا ۴۶۹

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۲۸۰	ذبح شرعی	۴۴۵
۲۸۱	ذبح اختیاری	۴۴۵
۲۸۲	شرائط	۴۴۵
۲۸۳	ذبح غیر اختیاری	۴۴۶
۲۸۴	ذبح اختیاری اور غیر اختیاری کے درمیان فرق	۴۴۷
۲۸۵	ذبح اختیاری کے مواقع میں ذبح غیر اختیاری	۴۴۸
۲۸۶	محور ثانی	۴۴۹
۲۸۷	ذابح کے لئے ضروری شرائط	۴۴۹

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۲۸۸	کتابی کا ذبیحہ	۴۵۰
۲۸۹	کتابی سے مراد	۴۵۲
۲۹۰	آج کے اہل کتاب	۴۵۳
۲۹۱	محور ثالث	۴۵۴
۲۹۲	تسمیہ جمہور امت کے نزدیک	۴۵۴
۲۹۳	امام شافعیؒ کے اختلاف کی حیثیت	۴۵۶
۲۹۴	تسمیہ کی شرائط	۴۵۷
۲۹۵	تسمیہ عمل ذبح پر یا مذبوح پر	۴۵۸
۲۹۶	محور رابع-عہد جدید میں مشینی ذبیحہ	۴۶۰
۲۹۷	درجۂ شرائط کی مشکلات	۴۶۰
۲۹۸	تسمیہ کا مسئلہ	۴۶۱
۲۹۹	(۱) سبب محض	۴۶۱
۳۰۰	(۲) سبب فی معنی العلۃ	۴۶۱
۳۰۱	(۳) سبب قائم مقام علت	۴۶۲
۳۰۲	(۴) سبب مجازی	۴۶۲
۳۰۳	انہار دم کا مسئلہ	۴۶۵
۳۰۴	آداب ذبح کی خلاف ورزی	۴۶۶
۳۰۵	تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا	۴۶۸

☆جنیٹک سائنس سے مربوط شرعی مسائل: ص ۴۷۰ تا ۵۳۵

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۳۰۶	انسان عالم اصغر ہے	۴۷۰
۳۰۷	موضوع کا تعارف	۴۷۱
۳۰۸	جین کا مفہوم	۴۷۶
۳۰۹	اسٹیم خلیے	۴۷۹
۳۱۰	اسٹیم خلیوں کے ذرائع	۴۷۹
۳۱۱	اسٹیم خلیوں کی معالجاتی اہمیت	۴۸۰
۳۱۲	اسٹیم خلیے پر ریسرچ اور بین الاقوامی نظریہ	۴۸۲
۳۱۳	اسلام نئی تحقیقات کی حوصلہ افزائی کرتا ہے	۴۸۳
۳۱۴	خلقت انسانی کے مراحل قرآن کی روشنی میں	۴۸۶
۳۱۵	ڈی این اے ٹسٹ-مسائل واحکام	۴۸۹
۳۱۶	ڈی این اے ٹسٹ سے ثبوت نسب	۴۹۰
۳۱۷	اسلام میں نسب کی اہمیت	۴۹۰
۳۱۸	ثبوت نسب کی معتبر بنیاد	۴۹۳
۳۱۹	ثبوت فراش کے ذرائع	۴۹۵
۳۲۰	اختلاف کی صورت	۵۰۰
۳۲۱	قرعہ	۵۰۰
۳۲۲	ثبوت نسب میں ڈی این اے ٹسٹ کی شرعی حیثیت	۵۰۲
۳۲۴	ثبوت جرم کے لئے ڈی، این، اے ٹسٹ کی شرعی حیثیت	۵۰۵

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۳۲۵	قاتل کی شناخت	۵۰۹
۳۲۶	زانی کی شناخت	۵۰۹
۳۲۷	نکاح سے قبل زوجین کا طبی معائنہ	۵۱۰
۳۲۸	طبی معائنہ کے مقاصد	۵۱۱
۳۲۹	اسلامی نقطۂ نظر	۵۱۱
۳۳۰	قواعد فقہیہ سے رہنمائی	۵۱۳
۳۳۱	طبی تحقیقات کا حکم	۵۱۴
۳۳۲	حالت حمل میں جنیٹک تحقیقات کا حکم	۵۱۵
۳۳۳	طبی معائنہ کی بنیاد پر سلسلۂ تولید روکنے کا حکم	۵۱۷
۳۳۴	طبی معائنہ کی بنیاد پر فسخ نکاح	۵۱۸
۳۳۵	جینی اسٹیم سیل کے ذریعہ علاج و معالجہ کا شرعی حکم	۵۱۸
۳۳۶	علاج کے بارے میں شرعی ہدایات	۵۱۹
۳۳۷	غیر فطری طریقۂ علاج کی اجازت نہیں	۵۲۱
۳۳۸	علاج کے لئے مریض یا اسکے اولیاء کی اجازت ضروری ہے	۵۲۳
۳۳۹	مقاصد، وسائل اور نتائج کا اعتبار	۵۲۵
۳۴۰	حیوانات میں افزائش نسل کا شرعی معیار	۵۲۶
۳۴۱	جنیٹک علاج کے کچھ ضابطے	۵۳۰
۳۴۲	جنیٹک عمل سے وابستہ چند مسائل	۵۳۲
۳۴۳	تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا	۵۳۴

☆ذرائع ابلاغ

جدید ذرائع ابلاغ کا شرعی حکم: ص۵۳۶ تا ۵۶۲

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۳۴۴	آلات لہو ولعب کا حکم	۵۳۶
۳۴۵	اعتبار مقاصد کا ہے	۵۳۸
۳۴۶	نفع ونقصان کا موزنہ	۵۳۹
۳۴۷	دینی مصالح کے لئے معصیت کی اجازت نہیں	۵۳۹
۳۴۸	دینی مصلحت کی بنیاد پر کعبہ کی تعمیر ترک کر دی گئی	۵۴۰
۳۴۹	ریڈیو کا استعمال شرعی اصول پر ممکن ہے	۵۴۱
۳۵۰	ریڈیو کا منفی رخ	۵۴۳
۳۵۱	ایک روایت سے استدلال	۵۴۳
۳۵۲	کراہت بمقابلۂ ضرورت	۵۴۵
۳۵۳	ٹی وی کی بنیاد تصویر پر	۵۴۶
۳۵۴	تصویر کی حرمت پر جمہور کا اجماع	۵۴۷
۳۵۵	تصویر کے قائل بعض علماء ہند کا رجوع	۵۴۸
۳۵۶	ٹی وی میں تصویری استعمال کا جائزہ	۵۵۰
۳۵۷	تصویر سازی	۵۵۰
۳۵۸	تصویر رکھنا	۵۵۳
۳۵۹	چھوٹی تصویریں	۵۵۳
۳۶۰	غیر محترم تصویریں	۵۵۴

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۳۶۱	تصویریں دیکھنا	۵۵۵
۳۶۲	تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا	۵۵۸
۳۶۳	تجاویز ادارۃ المباحث الفقہیۃ	۵۶۰

☆ انفارمیشن ٹیکنالوجی سے متعلق مسائل: ص ۵۶۳ تا

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۳۶۴	محور اول - اسمارٹ فون رکھنے کا حکم	۵۶۳
۳۶۵	موبائل میں قرآن کریم رکھنا اور پڑھنا	۵۶۴
۳۶۶	جس موبائل میں قرآن کریم محفوظ ہو اس کو بے وضو چھونا	۵۶۶
۳۶۷	موبائل پر دینی یا معلوماتی میسیج بھیجنا	۵۶۸
۳۶۸	موبائل پر غیر محرم کو میسج بھیجنا	۵۶۹
۳۶۹	موبائل پر تصویری پیغامات بھیجنا	۵۷۰
۳۷۰	مساجد اور مدارس میں سی سی ٹی وی کیمرہ لگانا	۵۷۱
۳۷۱	اسکیننگ مشینوں کا استعمال	۵۷۲
۳۷۲	محور دوم	۵۷۴
۳۷۳	انٹرنیٹ پر کسی کی محفوظ معلومات سے چھیڑ چھاڑ کرنا	۵۷۴
۳۷۴	کسی کی خفیہ معلومات دوسروں تک پہونچانا	۵۷۶
۳۷۵	انٹرنیٹ کے ذریعہ میاں بیوی کا ایک دوسرے کی جاسوسی کرنا	۵۷۶
۳۷۶	محکمۂ پولیس کا دوسروں کی خفیہ معلومات تک رسائی حاصل کرنا	۵۷۸
۳۷۷	ضرر رساں خفیہ معلومات سے متعلقہ شخص کو آگاہ کرنا	۵۷۹
۳۷۸	فیس بک اکاؤنٹ سے معلومات جمع کرنا	۵۸۰

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۳۷۹	خفیہ کیمروں کا استعمال	۵۸۰
۳۸۰	مسروقہ سافٹ ویر کی خرید وفروخت	۵۸۰
۳۸۱	دوسروں کے کمپیوٹر ہیک کرنا یا ان میں وائرس چھوڑنا	۵۸۱
۳۸۲	محور سوم-سوشل میڈیا پر آنے والی خبروں کو آگے بھیجنا	۵۸۲
۳۸۳	کسی کے مراسلہ میں کمی بیشی کرنا	۵۸۳
۳۸۴	حکومت کا کسی کی نجی معلومات کو عام کرنا	۵۸۴
۳۸۵	انٹرنیٹ پر آنے والے تجارتی اشتہارات کو آگے بھیجنا	۵۸۴
۳۸۶	معزز شخصیات کے کارٹون بنانا	۵۸۵
۳۸۷	موبائل پر ہونے والی گفتگو کو ریکارڈ کرنا	۵۸۵
۳۸۸	تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا	۵۸۶

تعلیم

خواتین کی اعلی دینی وعصری تعلیم

(اسلامی نقطۂ نظر)[1]

اسلام علم ومعرفت کا مذہب ہے، علم وفن کے فروغ اور فکر وشعور کے ارتقاء میں اسلام اور مسلمانوں کا کردار بنیادی اہمیت رکھتا ہے، اسلام سے پہلے دنیا علم وعرفان کی حقیقی عظمت سے ناآشنا تھی۔

اسلام سے قبل علم کا معیار

عرب تو خیر نوشت وخواند سے بھی محروم تھے، مگر اس دور کی نسبتاً زیادہ مہذب اقوام (یہودی اور عیسائی وغیرہ) میں بھی تعلیم وتعلم کا نام ونشان نہ تھا، عیسائی علماء (پادریوں) میں جو تعلیم رائج تھی وہ صرف بائبل کے حروف سیکھ لینے تک محدود تھی، ترجمہ وتشریح کا کوئی تصور موجود نہ تھا، بعض یہودی داستان نویسوں نے جو افسانے اور کہانیاں لکھی تھیں ان کو حقیقی علم کا درجہ دیدیا گیا تھا، پھر رفتہ رفتہ انہی بے سروپا داستان کا درجہ وحی الہی کے برابر تسلیم کرلیا گیا تھا۔

ہندستان میں شریمد بھاگوت اور ۱۸/ پرانوں کی حکومت تھی، یہاں مہابھارت اور رامائن کے فرضی قصے علم کی معراج تصور کئے جاتے تھے، دیوتاؤں اور فرشتوں کی برتری کے ذکر سے ہنود اور یہود کی کتابیں بھری پڑی ہے، انسان کو ہمیشہ ان کے سامنے ایک پرستار اور پجاری کی شکل میں ظاہر کیا گیا ہے۔۔۔

یہی حال چین اور ایران کا بھی تھا، اور یورپ کا تو کوئی شمار ہی نہیں تھا، پورے یورپ میں علم کی کوئی کرن تک

----- حواشی ---

1 - تحریر بمقام جامعہ ربانی منوروا شریف، قریب ۲۰۰۵ء

موجود نہ تھی[2]

اور اس پر المیہ یہ کہ بعض اقوام میں جو تھوڑی بہت تعلیم تھی وہ بھی انسانیت کے ہر طبقہ کے لئے عام نہ تھی، اس کے چہار طرف ایسی سنگینیاں حائل تھیں، جن کو عبور کرنا ہر ایک کے لئے آسان نہ تھا، مثلا ہندو مذہب کی رو سے 'شودروں' کے لئے 'ویدوں' کا شلوک سننا بھی ناجائز تھا، اور اس کی سزا یہ تھی کہ ان کے کانوں میں گرم پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جاتا تھا۔ عیسائی مذہب میں علم و تحقیق کی بالکل اجازت نہ تھی کوئی نیا علمی نظریہ پیش کرنا عیسائی علماء کے یہاں ناقابل معافی جرم تھا۔ چنانچہ ان کی کوتاہ نظری کی وجہ سے بہت سے مفکر بے دین اور بہت سے حکماء جادوگر قرار دیئے گئے[3]

عورت اسلام سے قبل

بے چاری غریب عورت کا تو پوچھنا ہی کیا، اس کا وجود ہی باعث شرم تھا بہت سی قوموں میں اسی ذلت سے بچنے کیلئے لڑکیوں کے قتل کر دینے کا رواج ہو گیا تھا، جہلاء تو درکنار علماء اور پیشوایان مذہب تک میں مدتوں یہ سوال زیر بحث رہا کہ آیا عورت انسان بھی ہے یا نہیں؟ ہندو مذہب میں ویدوں کی تعلیم کا دروازہ عورت کیلئے بند تھا، بودھ مت میں عورت سے تعلق رکھنے والے کیلئے نروان کی صورت نہ تھی، مسیحیت و یہودیت کی نگاہ میں عورت ہی تمام برائیوں کی جڑ مانی جاتی تھی، یونان میں شریف گھرانوں کی عورتوں کیلئے نہ علم تھا نہ تہذیب و ثقافت تھی اور نہ کوئی تمدنی حق، یہ چیزیں پیشہ ور طوائف کا شیوہ سمجھی جاتی تھی، اور ایران، چین، مصر اور تہذیب انسانی کے دوسرے مرکزوں کا حال بھی قریب قریب ایسا ہی تھا[4]

قرآن مجید نے عورت کے تعلق سے اس جاہلی تصور کو نہایت بلیغ انداز میں بیان کیا ہے۔

واذا بشر احدهم بالانثىٰ ظل وجهہ مسودا وهو كظيم يتوارى من القوم من سوءما بشر بہ ا يمسكہ على هون ام يدسہ فى

----- حواشی -----

2 ۔رحمۃ اللعالمین ج۳/ص۳۴۸ مصنفہ قاضی سلیمان سلمان منصور پوری

3 ۔سہ ماہی دعوت حق تعلیم نسواں نمبر ص۳۰/ج۱/ش۳،۴/شائع کردہ جامعہ ربانی منورواشریف بہار

4 ۔بحوالہ پردہ ص۱۸۸/مولانا مودودی

التراب[5]

ترجمہ: اور ان میں سے جب کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر دی جاتی ہے تو اس کے چہرہ پر سیاہی چھا جاتی ہے اور وہ زہر کا ساگھونٹ پی کر رہ جاتا ہے اس خبر سے جو شرم کا داغ اس کو لگ گیا ہے اس کے باعث لوگوں سے منہ چھپاتا پھرتا ہے اور سوچتا ہے کہ آیا ذلت کے ساتھ بیٹی کو لئے رہوں یا مٹی میں دبا دوں۔

علم کا آغاز

ایسے ہی جاہلانہ اور ظلمت گزیدہ ماحول میں اسلام آیا اور پیغمبر اسلام پر پہلی وحی پڑھنے اور لکھنے سے متعلق نازل ہوئی۔

اقرء باسم ربک الذی خلق،خلق الانسان من علق،اقرء و ربک الاکرم، الذی علم بالقلم،علم الانسان مالم یعلم[6]

ترجمہ: اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا، انسان کو بستہ خون سے پیدا کیا، پڑھ اور تیرا رب تو بڑا اکرم والا ہے، اسی نے قلم کے ذریعہ علم کی تعلیم دی، اس نے ان علوم کی تعلیم دی انسان کو جنہیں وہ نہیں جانتا تھا۔

علم پر زور

قرآن و حدیث میں علم پر کس قدر زور دیا گیا اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ "المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم" کے اعداد و شمار کے مطابق قرآن میں علم کا ذکر اسی (۸۰) بار اور علم سے نکلے ہوئے الفاظ کا ذکر سیکڑوں بار آیا ہے۔ عقل کی جگہ "الباب" کا لفظ سولہ (۱۶) بار اور "نہیٰ" کا ذکر دو بار آیا ہے، پھر عقل کے مصدر سے نکلنے والے الفاظ انچاس (۴۹) جگہ آئے ہیں، نیز فکر کے مصدر سے نکلنے والے الفاظ اٹھارہ (۱۸) جگہ اور فقہ سے نکلنے والے الفاظ اکیس (۲۱) جگہ آئے ہیں، اسی طرح لفظ حکمت بیس

----- حواشی --

5 - النحل:۵۸،۵۹

6 - علق:۱،۵

(۲۰) بار اور برھان سات (۷) دفعہ ہے، پھر وہ الفاظ جن کا تعلق علم وفکر سے ہے مثلا: دیکھو، غور کرو، وغیرہ ، یہ ان کے علاوہ ہیں۔

یہی حال احادیث کا ہے حدیث کی تقریبا تمام کتابوں میں علم سے متعلق پورے ابواب ملیں گے مثلا صحیح بخاری میں وحی اور ایمان کے ابتدائی ابواب کے بعد کتاب العلم ہے، جس میں حافظ ابن حجرؒ کے بقول چھیاسی (۸۶) مرفوع حدیثیں مکررات کو چھوڑ کر اور صحابہ و تابعین کی بائیس (۲۲) روایتیں ہیں، مؤطا امام مالکؒ اور صحاح ستہ کی دیگر کتابوں میں بھی علم سے متعلق ابواب ہیں، مسند احمد کی ترتیب سے متعلق کتاب الفتح الربانی میں علم سے متعلق اکیاسی (۸۱) حدیثیں ملتی ہیں، حافظ نورالدین ہیثمی کی کتاب "مجمع الزوائد" میں علم کی موضوع پر احادیث چوراسی (۸۴) صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں، مستدرک حاکم میں علم سے متعلق حدیثیں چوالیس (۴۴) صفحات پر ہیں، حافظ منذری کی کتاب "الترغیب والترھیب" میں ایک سو چالیس (۱۴۰) روایتیں ہیں، علامہ محمد بن سلیمانؒ کی "جمع الفوائد" میں ایک سو چون (۱۵۴) احادیثیں ہیں[7]۔

خواتین کی تعلیم سے متعلق ابواب اور کتابیں

خاص عورتوں کی تعلیم وتربیت سے متعلق بہت سی احادیث وروایات موجود ہیں، حدیث کی اہم کتابوں میں عورتوں کی تعلیم کے لئے مستقل ابواب موجود ہیں، امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے، باب عظۃالنساءوتعلیمھن[8]، ایک دوسرا باب ہے، باب موعظۃالامام النساء یوم العید[9]، ایک اور باب ہے، باب هل تجعل للنساءیوم علی حدة فی العلم[10]، ایک باب ہے، باب تعلیم النبی ﷺ من الرجال والنساء مماعلمه الله[11]، امام نسائی نے باب قائم کیا، باب موعظة

----- حواشی---

7 - مقدمہ کتاب العلم للنسائی ص ۱۴ تا ۱۵ ڈاکٹر طٰہٰ جابر علوانی، امریکہ

8 - بخاری ج ۱ / ص ۱۹۳

9 - بخاری ج ۲ / ص ۴۶۶

10 - بخاری ج ۱ / ص ۱۹۵

11 - بخاری ج ۲ / ص ۲۹۲

الامام النساء بعد الفراغ من الخطبۃ وحثّھن علی الصدقہ[12]،ھل یجعل العالم للنساء یو ما علی حدۃ فی طلب العلم[13]۔

علماء طبقات نے اپنی کتابوں میں خاص طور سے عورتوں کی دینی تعلیمی خدمات اور جلالت شان کا اعتراف کیاہے اور علماء کی طرح عالمات کے ذکر جمیل سے کتابوں کو زینت بخشی ہے، چنانچہ تمام کتب طبقات ورجال کے آخر میں "کتاب النساء" کے عنوان سے ان کے مستقل حالات وواقعات موجود ہیں بلکہ خواتین کی دینی خدمات وواقعات پر مستقل کتابیں تصنیف کی گئی ہیں یہاں تک کہ بہت سے اہل علم وکمال خواتین کے لیکچرز اور تقاریر بھی پوری طرح محفوظ کئے گئے ہیں اس سلسلہ میں متقدمین کی چند کتابوں کے نام یہ ہیں:

(۱) عشرۃ النساء (امام طبرانیؒ) (۲) عشرۃ النساء (حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد شامی) (۳) بلاغات النساء (ابن طیفور) (۴) آداب النساء (ابن جوزی) (۵) کتاب النساء (امام مسلمۃ بن قاسم اندلسی) (۶) اشعار النساء (مرزبانی) (۷) نزہۃ الجلساء فی اشعار النساء (امام سیوطی) وغیرہ،

یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے، چنانچہ زمانہ قریب کی تصنیفات میں درج ذیل کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

(۸) الدر المنثور فی طبقات ربات الخذور (سیدہ زینب بنت علی سعدیہ مصر) (۹) اعلام النساء فی عالمی العرب والاسلام (عمر رضا کحالہ) (۱۰) المرأۃ المسلمۃ (وھبی سلیمان غاوجی البانی) (۱۱) المرأۃ فی القرآن (عباس محمود عقاد) (۱۲) المرأۃ المسلمۃ (محمد فرید وجدی) (۱۳) خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات (قاضی اطہر مبارک پوریؒ) (۱۴) تذکرہ نسوان ہند (فصیح الدین بلخی) (۱۵) مشاہیر نسواں (مولوی محمد عباس ایم، اے) (۱۶) تذکرۃ النساء نادری (منشی درگا پرساد نادر کھتری) (۱۷) تذکرۃ الخواتین (عبد الباری آستی) (۱۸) مشاہیر النساء (ذہنی آفندی) (۱۹) بیگمات اودھ (تصدق حسین) (۲۰) بیگمات شاہان اودھ (خواجہ عبد الرؤف عشرت لکھنوی) (۲۱) خواتین اسلام کی بہادری (مولانا سید سلیمان ندویؒ) (۲۲) خواتین اسلام اور دین

----- حواشی

12 ۔سنن نسائی ج۳/ ص ۱۹۲

13 ۔کتاب العلم لنسائی / ص ۱۶۹

خدمت (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) (۲۳) مسلمان خواتین کی دینی و علمی خدمات (سید محمد سلیم) (۲۴) باکمال مسلمان خواتین (مولانا عبد القیوم ندوی) (۲۵) نیک بیبیاں (ڈاکٹر شائستہ اکرام اللہ سہر وردی) (۲۶) خواتین کشمیر (منشی محمد الدین فوق کاشمیری) (۲۷) شرف النساء (جناب عنایت عارف) (۲۸) تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین (طالب الہاشمی) (۲۹) سہ ماہی دعوت حق "تعلیم نسواں نمبر" (شائع کردہ جامعہ ربانی منورواشریف سمستی پور، بہار)

مذکورہ بالا اعداد وشماریہ سمجھنے کے لئے کافی ہیں کہ اسلام نے تعلیم و تعلم کے معاملہ میں کسی تنگ نظری سے کام نہیں لیا ہے، اس نے پوری وسعت کے ساتھ انسانیت کے ہر طبقہ کو اس میں شامل کیا ہے، علم اور علماء کی ایسی پذیرائی اور قدر افزائی انسانی تاریخ میں پہلی بار اسلام کی طرف سے کی گئی۔

علم انسانی عظمت کی ضمانت ہے

پچھلی قوموں کے مذہبی تصورات اور کتابوں میں انسان جیسی بالادست اور قابل تعظیم مخلوق کو دیوی دیوتاؤں اور فرشتوں کے سامنے سجدہ ریز بتایا گیا تھا، اسلام نے بتایا کہ علم زندگی کی علامت اور عظمت وقوت کی ضمانت ہے، علم کی بدولت فرد و قوم کو زندگی کی عظمت نصیب ہوتی ہے، اور علم کے فقدان سے پوری پوری قوم مردہ ہو جاتی ہے، جس کے پاس علم کا سرمایہ موجود ہو اسے کوئی طاقت ذلت وپستی میں نہیں ڈھکیل سکتی، قرآن پاک کی درج ذیل آیات اسلام کے نظریۂ علم کو دوٹوک طور پر ظاہر کرتی ہے۔

یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتو العلم درجات[14]

ترجمہ: اللہ ان لوگوں کے درجات بلند کرتا ہے، جو صاحب ایمان اور صاحب علم ہیں

اسلام نے انسانیت کی عظمت کا راز بتایا کہ انسان کو اللہ نے ایسے علم کی دولت سے نوازا ہے جس میں کائنات کا کوئی طبقہ اس میں شریک نہیں، بابائے انسانیت حضرت آدم علیہ السلام کو علامتی طور پر جو "علم الاسماء" دیا گیا اس کی عظمت ورفعت کے سامنے فرشتوں اور جنوں کی پیشانیاں بھی جھک گئیں:

----- حواشی ---

14 ۔ مجادلہ ١١

ولقد خلقناکم ثم صورناکم ثم قلنا للملٰئکۃ اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس لم یکن من الساجدین[15]

ترجمہ: اور ہم نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہاری صورت بنائی، پھر فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو، تو وہ سجدہ میں گر پڑے، سوائے ابلیس کے وہ سجدہ کرنے والوں میں نہیں تھا۔

اسلام تعلیم کو کتنی اہمیت دیتا ہے؟ اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک ناپاک کتا بھی تعلیم سے بہرہ ور کر دیا جائے اور شکار کرنے کے اصول اسے سکھا دیئے جائیں تو وہ بھی جارحۂ انسانی کا درجہ حاصل کرلیتا ہے اور اس کا شکار بھی انسانی شکار کی طرح حلال ہو جاتا ہے۔

قرآن پاک میں ہے:

یسئلونک ماذااحل لھم قل احل لکم الطیبات وماعلمتم من الجوارح مکلبین تعلمونھن مماعلمکم اللہ فکلوا مما امسکن علیکم واذکروا اسم اللہ علیہ واتقوااللہ ان اللہ سریع الحساب[16]

ترجمہ: لوگ آپ سے حلال چیزوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہدیجئے کہ تمہارے لئے پاک چیزیں حلال ہے، اور جن کتوں کو تم نے سدھا کر شکار کر نے کے طور طریق سکھا دیئے ہوں ان کا شکار بھی تم کھا سکتے ہو اگر انہوں نے تمہارے لئے شکار کئے ہوں اور اس پر اللہ کا نام لیا کرو اور ان سے ڈرو بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

مسلمانوں کے یہاں علم و علماء کی قدر افزائی

علم کے تعلق سے اسلام کے اسی توسع پسندانہ نظریہ کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں نے ابتدائی صدیوں میں علم سے جو گہرا تعلق رکھا، اور ہر پہلو سے انکی علمی خدمات سامنے آئیں، اس کی کوئی مثال تاریخ میں نہیں

----- حواشی ---

15 - اعراف ۱۱

16 - مائدہ ۴

ملتی، مسلمانوں نے نہ صرف مسلم علماء اور مشائخ کی توقیر و تعظیم کی بلکہ ان اصحاب علم و فن کی قدر افزائی اور پذیرائی میں بھی کوئی کسر روانہ رکھی جو غیر مسلم تھے مثلاً:

☆ خلیفہ منصور عباسی کے دربار میں" جیور جیش بن بختیشوع اور جیسی بن شہلا تار" یکے بعد دیگرے طبیب خاص کے منصب پر فائز رہے، جب کہ یہ دونوں عیسائی تھے۔

☆اسی دور میں نوبخت اور ابو سہل کو بلند مناصب حاصل تھے، اور یہ دونوں پارسی تھے۔

☆مہدی کے دربار میں تیوفیل لینائی (صابی) بڑے افسروں میں تھا۔

☆ہارون رشید کے دربار میں بختیشوع اور جبریل (عیسائی) اعلی منصب دار تھے۔ یوحنا بن مانسویہ سریانی (عیسائی) محکمۂ تعلیم کا ڈائریکٹر تھا۔

☆مامون رشید کے دربار میں بطریق یوحنا (عیسائی) اور سہل بن سابور (عیسائی) اعلی مناصب پر تھے۔

☆معتصم کا طبیب خاص سلمویہ بن بنان نصرانی تھا۔

☆متوکل کے دربار میں حنین بن اسحاق (عیسائی) معزز عہدہ پر فائز تھا، وہ جتنے اوراق دوسری زبانوں سے ترجمہ کر کے پیش کرتا تھا ان کے برابر طلائے ناب وزن کر کے دیا جاتا تھا، ماہانہ مشاہرہ اور سالانہ انعامات اس کے علاوہ ہوتے تھے۔

☆راضی باللہ کے دربار میں طیفوری (عیسائی) متی بن یونس نسطوری (گرجا کا بشپ) کافی باعزت مانا جاتا تھا۔

☆معتضد کے دربار میں ابراہیم وسنان فرزندان ثابت بن مرہ (صابی) اور ابو الحسن حفید ثابت (صابی) بہت زیادہ قابل اعتماد سمجھے جاتے تھے۔

☆قسط بعلبکی اور یحیٰ بن عدی بن حمید (عیسائی) کو بھی دربار خلافت میں کافی وقار و احترام حاصل

تھا۔[17]

یہ تو صرف خلافت عباسیہ سے چند مثالیں ہیں اگر مسلم حکمرانی کی پوری تاریخ سے ایسے نمونے تلاش کئے جائیں تو فہرست بہت لمبی ہو جائے گی۔

غیر مسلم اقوام کی تنگ نظری

اسلام کے علاوہ کسی مذہب کے حکمرانوں نے علم اور علماء کے تعلق سے ایسی بے نظیر فراخدلی کا ثبوت نہیں دیا ہے، اور نہ کسی غیر مسلم حکومت نے کسی مسلم عالم کو اتنا احترام بخشا، بلکہ اس کے برعکس ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ:

☆ابن رشد مسلم فلاسفر کی کتابوں کے مطالعہ کرنے کے جرم میں ۲۰/ مارچ ۱۴۵۲ء کو یہودیوں کو اسپانیا سے خارج کر دیا گیا۔

☆اور فروری ۱۵۰۲ء میں اشبیلیہ کے مسلمانوں کو علوم کی نشرو اشاعت کے جرم میں ملک بدر کر دیا گیا[18]

اور یہ تعصب صرف مسلمانوں ہی کے حق میں نہیں تھا، بلکہ خود عیسائی علماء اور محققین کے ساتھ بھی ان کی حکومتوں کا یہی تنگ دلانہ رویہ تھا، چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

☆پروفیسر برونو نے مسئلہ وحدۃ الوجود کو بیان کیا، اسے قید کر دیا گیا، پھر ۱۶۰۰ء میں طویل قید کے بعد زندہ جلا دیا گیا۔

☆زمین گول ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ پر یورپ میں بہت خونریزی ہوئی۔

☆پروفیسر غالیلی نے کہہ دیا تھا "سیارات کی حرکات " بہت با قاعدہ ہیں، یہ اس کی ہلاکت کا سبب بن گیا۔

----- حواشی ---

17 ۔رحمۃ للعالمین قاضی سلیمان ۳/ ص ۲۵۴

18 ۔رحمۃ للعالمین قاضی سلیمان ۳/ ص ۲۵۵

☆خاتون ماری مونتا ۱۷۲۱ء میں قسطنطنیہ سے چیچک کا ٹیکہ سیکھ کر یورپ پہونچی تو کنیسہ نے شاہ انگلستان کے حضور میں عرضداشت پیش کی کہ بذریعہ ٹیکہ علاج کو حکماً بند کیا جائے۔

☆ولادت کے وقت عورتوں کو بے ہوش کرنے کا طریقہ نکلا کہ وہ احساس تکلیف سے محفوظ رہیں، پادریوں نے اسے خدا کے اس حکم کا مخالف سمجھا کہ "عورت دکھ سے جنے گی" اور اس کے خلاف سخت شورش کی گئی۔

☆پلاج نے اپنا خیال پیش کیا کہ آدم سے پیشتر بھی موت (حیوانات وغیرہ کو) آتی تھی، اسے قتل کر دیا گیا اور اس کے جملہ ہم خیال لوگوں کو بھی واجب القتل قرار دیا گیا۔

☆ڈی رومینس نے اپنا تصور پیش کیا کہ "قوس قزح" اللہ کی حربی کمان نہیں ہے، بلکہ پانی کے قطرات پر سورج کی شعاعوں کا عکس پڑنے کا نتیجہ ہے، اس جرم میں وہ قید کر دیا گیا، اور قتل بھی کیا گیا، اور اس کی لاش اسکی کتابوں سمیت نذر آتش کر دی گئی۔

☆کتب خانہ اسکندریہ "قیصر حول" کے عہد میں جلا دیا گیا اس لئے کہ یہاں ایسی کتابیں بھی موجود تھیں جو مذہبی نظریات کے خلاف تھیں ------ اس کے رہی سہی کتابوں کو بطریق تیوفیل ماموره اسکندریہ نے نذر آتش کیا۔

☆کتب خانہ غرناطہ مسلمانوں کی علمی جائداد کی آٹھ ہزار قلمی کتابیں "کردینال اکسیمس" نے سوخت کر دیں، وغیرہ[19]

مندرجہ بالا تفصیلات یہ سمجھنے کے لئے کافی ہیں کہ علم و تحقیق کا جو کھلا ماحول اسلام اور مسلمانوں نے فراہم کیا ہے، وہ دنیا کی کسی قوم و مذہب نے نہیں کیا، اسلام نے علم کے معاملہ میں کوئی تقسیم نہیں کی، اور نہ اس سلسلے میں کسی امتیاز سے کام لیا، علم اور تعلیم و تعلم کی فضیلت واہمیت سے متعلق جس قدر نصوص و روایات موجود ہیں، ہر ایک کے لئے عام ہیں، ان میں مرد و عورت کی کوئی تقسیم نہیں کی گئی ہے، اور نہ علم کو

----- حواشی--

19 - رحمۃ للعالمین قاضی سلیمان ۳/ ص ۲۵۵

کسی دائرہ میں محدود کیا گیا ہے، اور فقہ اسلامی کے ضابطہ کے مطابق قرآن وحدیث کا حکم عام بھی قریب وہی اہمیت رکھتا ہے جیسا کہ حکم خاص۔

اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان احکام سے عورتیں بھی اسی طرح استفادہ کر سکتی ہیں جتنا کہ مرد، بشرطیکہ علم نافع اور خود اس کے اور معاشرہ کے حق میں مفید ہو۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک نظر ان آیات قرانی اور احادیث وآثار پر ڈال لی جائے جن میں علم کی فضیلت، علم کے حصول اور علم واصحاب علم سے تعلق قائم کرنے کی تلقین کی گئی ہے ،ان میں سے کسی ایک مقام پر بھی ہلکی سی جھلک ایسی نہیں مل سکتی جس میں علم کے کسی بھی مرحلے میں صنف اناث کے ساتھ کسی امتیاز کا اشارہ دیا گیا ہو۔

آیات قرآنی

۱-یرفع اللہ الذین آمنو منکم والذین اوتواالعلم درجات[20]

ترجمہ: اللہ تم میں سے اہل ایمان اور اصحاب علم کے درجات بلند فرمائے گا۔

حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ عام مؤمنین کے مقابلے میں علماء سات سو (۷۰۰) درجہ اوپر ہوں گے جن میں ہر دو درجہ کے درمیان پانچ سو (۵۰۰) سال کی مسافت ہوگی[21]

۲- قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون[22]

ترجمہ: آپ کہدیجئے کہ کیا اہل علم اور بے علم دونوں برابر ہوسکتے ہیں۔

۳-انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء[23]

ترجمہ: اللہ کا ڈر اللہ کے بندوں میں علماء ہی کو ہوتا ہے۔

----- حواشی ---

20 -مجادلۃ ۱۱

21 -احیاء العلوم للغزالی ج ا ص ۱۵

22 -زمر ۹

23 -فاطر: ۲۸

۴-قل کفی با للہ شہیدا بینی وبینکم ومن عندہ علم الکتاب[24]

آپ کہدیں کہ میرے تمہارے درمیان گواہی کیلئے اللہ کافی ہے اور اہل علم۔

۵-وتلک الامثال نضربھا للناس وما یعقلھا الا العالمون[25]

ترجمہ اور یہ مثالیں ہم لوگوں کیلئے بیان کرتے ہیں اور انکو اہل علم ہی سمجھ سکتے ہیں۔

۶-ولوردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم[26]

ترجمہ: اور اگر وہ رسول اور ارباب حل وعقد کی طرف رجوع کرتے تو اصحاب اجتہاد اور اہل تحقیق مسئلہ کو سمجھ سکتے تھے۔

۷-خلق الانسان علمہ البیان[27]

ترجمہ: اللہ نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بیان کا علم دیا۔

۸-فلولانفرمن کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوافی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون[28]

ترجمہ: ہر جماعت میں سے کچھ لوگ کیوں نہیں سفر کرتے تاکہ وہ علم دین حاصل کریں اور واپسی پر اپنی قوم میں دعوت واصلاح کا کام کریں، ممکن ہے ان کی قوم احتیاط وتقوی کی زندگی اختیار کرلے۔

۹-فاسئلوااھل الذکران کنتم لا تعلمون[29]

----- حواشی---

24 ۔رعد ۴۳

25 ۔ عنکبوت:۴۳

26 ۔نساء:۸۳

27 ۔الرحمن:۳/۴

28 ۔ توبہ:۱۲۲

29 ۔النحل ۴۳

ترجمہ: اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرو۔

۱۰-واذااخذاللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب لتبینہ للناس ولا تکتمونہ[30]

ترجمہ: اور جب اللہ نے ان لوگوں سے جنہیں کتاب کا علم دیا گیا تھا، اس بات کا عہد لیا کہ تم لوگوں سے ضرور اس کو بیان کروگے اور چھپاؤگے نہیں۔

۱۱-وان فریقا منہم لیکتمون الحق وھم یعلمون[31]

ترجمہ؛ اور بیشک ایک فریق حق کو جان بوجھ کر چھپاتا ہے۔

۱۲-ومن احسن قولاممن دعاالی اللہ وعمل صالحا[32](۳۱)

ترجمہ؛: اور اس شخص سے بہتر بات کس کی ہو سکتی ہے، جو اللہ کی طرف دعوت دے اور نیک کام کرے۔

۱۳- ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ و الموعظۃ الحسنۃ[33]

ترجمہ: راہ خدا کی طرف دعوت دو حکمت اور حسن سلوک کے ساتھ۔

اس طرح کی بہت سی آیات قرآنی میں بلا کسی تفریق علم اور اہل علم کی فضیلت بیان کی گئی ہے، اور علمی سلسلہ کو آگے بڑھانے اور خوب سے خوب وسعت دینے کی تلقین کی گئی ہے۔

احادیث و آثار

اس مضمون کی روایات بھی بکثرت وارد ہوئی ہیں، بطور مثال چند روایات پیش کی جاتی ہیں:

(۱) ارشاد نبوی ہے:

----- حواشی---

30 - آل عمران ۱۸۷

31 -البقرۃ :۱۴٦

32 - فصلت ۳۳

33 - نحل ۱۲۵

العلماء ورثۃ الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دیناراولا درھماً وانما ورثوا العلم فمن اخذہ اخذ بحظ وافر[34]

ترجمہ: علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء اپنی وراثت میں دینار ودرہم نہیں چھوڑ تے، انبیاء کی وراثت علم ہے جو جتنا علم حاصل کرے گا وراثت انبیاء کا وہ اتنا ہی حقدار ہو گا۔

(۲) حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لاحسدالافی اثنین ،رجل اعطاہ اللہ مالافسلطہ علی ھلکتہ فی الحق ورجل اعطا ہ اللہ الحکمۃ فھو یقضی بھا و یعلمھا[35]

ترجمہ: صرف دو طرح کے انسان قابل رشک ہیں ایک وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا اور حق کے راستہ میں خرچ کرنے کی اسے خوب سے خوب توفیق دی، دوسرے وہ شخص جس کو اللہ نے علم وحکمت سے نوازا، اور وہ پھر اس علم کے ذریعہ لوگوں کے مسائل حل کرے اور تعلیم وتربیت کا کام کرے۔

(۳) حضرت عبد اللہ ابن عمرو ابن العاصؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بلغوا عني ولو آية وحدثوا عن بني إسرائيل ولا حرج الحديث[36]

ترجمہ: میری کوئی ایک بات بھی معلوم ہو تو لوگوں تک پہونچاؤ اور بنی اسرئیل کی

----- حواشی---

[34] - **الجامع الصحيح سنن الترمذي ج 5 ص 48 حديث نمبر :2682المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت تحقيق : أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء : 5 الأحاديث مذيلة بأحكام الألباني عليها**

[35] - بخاری: ج ۱ ص ۱۵۳، ۱۵۲

[36] - **الجامع الصحيح المختصر 3 ص 1275 حديث نمبر :3274 المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا**

باتیں بیان کرسکتے ہو، اس میں کوئی حرج نہیں۔

(۴) حضرت ابوہریرہؓ فرمان رسول نقل فرماتے ہیں:

من سلک طریقایلتمس فیہ علماسھل اللہ لہ بہ طریقاالی الجنۃ[37]

ترجمہ: جو شخص علم کی جستجو میں سفر کرے، اللہ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں۔

(۵) حضرت ابوہریرہؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذامات ابن آدم انقطع عملہ الامن ثلاث صدقۃ جاریۃاو علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعولہ[38]

ترجمہ: جب انسان مرجاتا ہے اس کا سلسلۂ عمل رک جاتا ہے، البتہ تین چیزیں جاری رہتی ہیں:

(۱) صدقۂ جاریہ (۲) نفع بخش علم (۳) یا صالح اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔

(۶) حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من خرج فی طلب العلم فھوفی سبیل اللہ حتی یرجع[39]

ترجمہ: جو علم کی طلب میں نکلتا ہے وہ اللہ کے راستہ میں ہوتا ہے جب تک واپس نہ ہو جائے۔

----- حواشی---

[37] - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج 8 ص 71 حديث نمبر : 7028 المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق :الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت الطبعة :عدد الأجزاء : ثمانية أجزاء في أربع مجلدات

[38] - الجامع الصحيح سنن الترمذي ج 3 ص 660 حديث نمبر : 1376 المؤلف:محمدبن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت تحقيق : أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء : 5 الأحاديث مذيلة بأحكام الألباني عليها

[39] - الجامع الصحيح سنن الترمذي ج 5 ص 29 حديث نمبر :2647 المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت

(۷) حضرت ابو امامہؓ کی رویت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فضل العالم على العابد كفضلى على ادناكم ثم قال رسول الله ﷺ ان الله و ملٰئكته واهل السمٰوٰت والارض حتى النملة فى جحرها وحتى الحوت يصلون على معلمى الناس الخير[40]

ترجمہ: عالم کی فضیلت عابد پر اسی طرح ہے جس طرح میری فضیلت تمہارے ادنی شخص پر، یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنی بلوں میں اور مچھلیاں پانی میں ایسے شخص کے لئے دعاء خیر کرتی ہیں، جو لوگوں کو خیر کی تعلیم دیتا ہے۔

(۸) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے:

من سئل عن علم فكتمه الجم يوم القيامة بلجام من نار[41]

ترجمہ: جس شخص سے علم کے بارے میں سوال ہو اور وہ جانتے ہوئے نہ بتائے قیامت کے دن اسے آگ کا لگام پہنایا جائے گا۔

(۹) حضرت معاذ ابن جبلؓ کی روایت ہے:

من يرد الله به خيرا يفقهه فى الدين متفق عليه[42]

ترجمہ: جس شخص کے ساتھ اللہ ارادۂ خیر فرماتے ہیں اس کو دین کا علم نوازتے ہیں۔

(۱۰) حضرت انسؓ کی روایت ہے:

ان الحكمة تزيد الشريف شرفا وترفع المملوك حتى يدرك

----- حواشی---

[40] - الجامع الصحيح سنن الترمذي ج 5 ص 50 حديث نمبر :2685 المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت

[41] - الجامع الصحيح سنن الترمذي ج 9 ص 247 حديث نمبر :2573 المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت

[42] - الجامع الصحيح ج 1 ص 39 حديث نمبر : 71 المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987

مدارک الملوک[43]

ترجمہ: علم و حکمت شریف کی شرافت کو دوچند کر دیتی ہے اور غلام کے درجہ کو بلند کر دیتی ہے یہاں تک کہ کبھی علم و حکمت کی بدولت کوئی غلام بادشاہوں کے درجہ کو پہونچ جاتا ہے۔

(۱۱) حضرت ابو الدرداءؓ کی روایت ہے:

لموت قبیلۃ ایسر من موت عالم[44]

ترجمہ: ایک پورے قبیلہ کی موت کسی ایک عالم کی موت سے ہلکی ہے۔

(۱۲) حضرت ابو ہریرۃؓ کی روایت ہے۔

الناس معادن کمعادن الذہب والفضۃ فخیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام اذافقھوا متفق علیہ[45]

ترجمہ: لوگوں کی مثال کانوں کی ہے، جیسے سونے اور چاندی کی کانیں ہوتی ہیں، جو لوگ اسلام سے قبل اچھے تھے، وہ اسلام میں بھی اچھے مانے جائیں گے، بشرطیکہ علم حاصل کریں۔

(۱۳) حضرت ابو الدرداءؓ کی روایت ہے:

یوزن یوم القیامۃمداد العلماءبدم الشہداء[46]

ترجمہ: قیامت کے دن علماء کے قلم کی روشنائی شہداء کے خون کے برابر وزن کی جائے گی۔

----- حواشی ---------------------------------------

43- المحلّٰی لابی نعیم، بیان العلم لابن عبد البر، آداب المحدث لعبد المغنی الازدی، المغنی عن حمل الاسفار للعراقی ج ۱/ ص ۱۶

44- طبرانی، ابن عبد البر، المغنی عن حمل الاسفار للعراقی ج ۱/ ص ۱۶

45- المغنی عن حمل الاسفار للعراقی ج ۱/ ص ۱۶

46- ابن عبد البر، المغنی عن حمل الاسفار للعراقی ج ۱/ ص ۱۶

(۱۴) حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے:

صنفان من امتی اذاصلحوا صلح الناس واذاافسدوا افسد الناس،الامراء و الفقہاء[47]

ترجمہ: امت کے دو طبقے اگر ٹھیک ہو جائیں تو سارے لوگ ٹھیک ہو جائیں گے، اور اگر وہ خراب ہو جائیں تو سارے لوگ خراب ہو جائیں گے وہ دو طبقے ہیں: (۱) ارباب اقتدار (۲) اور اصحاب علم۔

(۱۵) حضرت عثمان بن عفانؓ کی روایت ہے:

یشفع یوم القیامۃ ثلاثۃ الانبیاء ثم العلماء ثم الشہداء،[48]

ترجمہ: قیامت کے دن تین طرح کے لوگوں کو شفاعت کا اختیار دیا جائے گا، پہلے انبیاء کو پھر علماء کو اور پھر شہداء کو۔

(۱۶) طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم[49]

ترجمہ: علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے (خواہ مرد ہو یا عورت)

(۱۷) حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی روایت ہے:

لاینبغی للجاہل ان یسکت علی جہلہ ولاللعالم ان یسکت علی علمہ[50]

ترجمہ: جاہل کے لیے اپنی جہالت پر قانع رہنا اور عالم کے لئے اپنے علم پر خاموش رہنا درست نہیں۔

(۱۸) حضرت علیؓ کی روایت ہے:

----- حواشی --

47- ابو نعیم، ابن عبد البر، المغنی عن حمل الاسفار للعراقی ج ا / ص ۱۷

48- ابن ماجہ، المغنی عن حمل الاسفار للعراقی ج ا / ص ۱۷

49 - مشکوۃ ص ۳۴ / احیاء علوم الدین للغزالی ج ا / ص ۱۹

50 - الاوسط للطبرانی، المغنی ج ا ص ۱۹

العلم خزائن مفاتیحها السؤال الافاسئلوا فانه یؤجر فیه اربعة، السائل ، والعالم ،والمستمع ،والمحب لهم[51]

ترجمہ: علم کے بہت سے خزانے ہیں، ان کی کنجی سؤال ہے، اسلئے سوال کرتے رہو، کیونکہ ایک سوال سے چار آدمیوں کو فائدہ ہوتا ہے: (۱) پوچھنے والے کو (۲) عالم کو (۳) سننے والے کو (۴) ان لوگوں سے محبت کرنے والے کو۔

(۱۹) حضرت ابو مسعود البدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من دل علی خیر ،فله مثل اجر فاعله[52]

ترجمہ: جو شخص کسی کو خیر کی تلقین کرے تو اس کو اس کے کرنے والے کے برابر ثواب ملے گا۔

(۲۰) حضرت حسن بن علیؓ کی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

علی خلفائی رحمة الله،قیل من خلفاءک؟قال الذین یحیون سنتی ویعلمونهاعبادالله[53]

ترجمہ: میرے خلفاء پر اللہ کی رحمت نازل ہو، آپ سے عرض کیا گیا، آپ کے خلفاء کون ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا، جو میری سنت کو زندہ کرتے ہیں، اور اللہ کے بندوں کو تعلیم دیتے ہیں۔

ان آیات واحادیث میں عورت ومرد کی کوئی تفریق نہیں ہے، اور علم کی جو بھی فضیلت و تلقین ہے وہ بلاقید مرد وعورت دونوں طبقات کے لئے ہے۔

خاص تعلیم نسواں سے متعلق روایات

بعض روایات میں صراحت کے ساتھ بھی خاص عورتوں کی تعلیم وتربیت کا ذکر کیا گیا ہے:

----- حواشی --

51 - ابونعیم، المغنی، ج ا ص ۱۹

52 - مسلم، ابوداؤد، ترمذی، المغنی ج ا ص ۲۲

53 - ابن عبد البر، المغنی ج ا ص ۲۲

(۲۱) آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

ثلثۃ لهم اجران ، رجل من اهل الکتاب آمن بنبیہ وآمن بمحمد، والعبدالمملوک اذا ادی حق اللہ وحق موالیہ ،ورجل کانت عندہ امۃ یطأها فادبهافاحسن تادیبها ثم اعتقها فتزوجها فلہ اجران[54]

ترجمہ: تین اشخاص دو اجر کے مستحق ہیں: (۱) ایک وہ شخص جو اہل کتاب سے تھا ،اور اپنے نبی پر ایمان رکھتا تھا، پھر حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر بھی ایمان لے آئے (۲) وہ غلام جو اللہ کا حق اور اپنے آقا کا حق دونوں کی رعایت کرے، (۳) تیسرا وہ شخص جس کے پاس باندی ہو اور وہ اس کو تعلیم و تربیت سے آراستہ کرے، پھر آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ یہ حکم صرف باندیوں کے لئے نہیں ہے، بلکہ اپنی جملہ اولاد اور عام لڑکیوں کے لئے بھی یہی حکم ہے[55]

☆خود عہد رسالت میں خواتین کے لئے دینی تعلیم کا باقاعدہ انتظام تھا، ان کے لئے کوئی مستقل درسگاہ اگرچہ نہیں تھی مگر ان کی تعلیم کے لئے گھروں میں انتظام کیا جاتا تھا، اور صحابہ خود اپنے طور پر عورتوں اور لڑکیوں کی تعلیم و تعلم کا نظم فرماتے تھے، اس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ:

(۲۲) ایک مرتبہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے علم دین کے اٹھ جانے کا ذکر فرمایا تو ایک صحابی حضرت زیاد بن لبید انصاریؓ نے عرض کیا:

کیف یختلس منا وقد قرأنا القرآن فواللہ لنقرأنہ ولتقرأنہ نسائنا وابنائنا[56]

----- حواشی---

[54] -بخاری ج ا ص ۲۰

[55]-مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ا ص ۷۹

[56] - الجامع الصحيح سنن الترمذي ج 5 ص 31 حديث نمبر : 2653 المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت تحقيق : أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء : 5

ترجمہ: علم دین کیسے ختم ہو جائے گا؟ جبکہ ہم نے قرآن پڑھا ہے، اور خدا کی قسم ہم اسے پڑھتے رہیں گے، اور ہماری عورتیں اور ہمارے بچے بھی اس کو پڑھتے رہیں گے

(۲۳) ایک صحابیہ حضرت شفاء بنت عبد اللہ عدویہ تعلیم یافتہ خاتون تھیں، اور لکھنا پڑھنا جانتی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم نے جس طرح حفصہ کو "نملہ" (پھوڑے) کا رقیہ سکھایا ہے، لکھنا بھی سکھا دو[57]۔

(۲۴) خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے خصوصی اجتماع میں ان کی تعلیم کی غرض سے تشریف لے جاتے تھے، اور خواتین کی خواہش پر ایک دن ان کے لئے مقرر کیا گیا، حضرت ابو سعید خدری روایت کرتے ہیں:

قالت النساء للنبی ﷺ غلبنا علیک الرجال فاجعل لنا یوما من نفسک فوعدھن یوما لقیھن فیہ فوعظھن و امرھن[58]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ سے عورتوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ سے تعلیمی استفادہ میں مرد ہم سے آگے ہیں، اس لئے آپ خود ہمارے لئے ایک دن مقرر فرمائیں، اس پر آپ نے ان سے ایک دن وعظ و تلقین کے لئے وعدہ فرمایا، اور حضور ﷺ تشریف لے گئے۔

(۲۵) حضرت اسماء بنت یزید بن سکن انصاریہؓ بڑی دیندار اور سمجھدار خاتون تھیں، ان کو خواتین نے اپنا نمائندہ بنا کر خدمت اقدس میں بھیجا، انہوں نے آکر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میں مسلم عورتوں کی طرف سے نمائندہ بن کر آئی ہوں، ہم عورتوں کا مشترکہ احساس یہ ہے کہ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو عوررتوں اور مردوں دونوں کے لئے مبعوث فرمایا ہے، چنانچہ ہم آپ پر ایمان لائے، اور آپ کی اتباع کی، مگر پردہ نشیں ہیں، گھر میں رہنا ہوتا ہے، مردوں کی ہر خواہش ہم پوری کرتی ہیں، اور مرد نماز

----- حواشی -----------------------------------

57 - فتوح البلدان ص ۴۵۸

58 - بخاری، کتاب العلم باب ھل یجعل للنساء یوماً علیٰ حدۃ فی العلم ج ۱ ص ۵۷

باجماعت ادا کرتے ہیں، جنازہ اور جہاد میں شریک ہوتے ہیں، اور اس وجہ سے وہ فضیلت اور ثواب پاتے ہیں ،جب وہ جہاد میں جاتے ہیں تو ہم ان کے مال واولاد کی حفاظت کرتی ہیں، یارسول اللہ ﷺ کیاان صورتوں میں ہم بھی اجر وثواب میں مردوں کی شریک ہو سکتی ہیں؟

رسول ﷺ نے اسماء بنت یزید کی دل پذیر گفتگو سن کر صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے، اور ان سے پوچھا کہ اسماء بنت یزید سے پہلے تم لوگوں نے دین کے بارے میں اس سے بہتر سوال کسی عورت سے سنا ہے؟ صحابہ نے نفی میں جواب دیا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسماء! جاؤ! ان عورتوں کو بتادو کہ:

ان حسن تبحل احداکن لزوجها وطلبها لمرضاته واتباعها موافقته يعدل كل ما ذكرت للرجال

ترجمہ: تم میں سے کسی عورت کا اپنے شوہر کے ساتھ حسن سلوک، اس کی رضاجوئی اور اس کے مزاج کو مطابق اتباع ان تمام باتوں کے برابر ہے جن کا ذکر تم نے مردوں کے متعلق کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ بشارت سن کر حضرت اسماء خوشی کے ساتھ تہلیل وتکبیر کہتی ہوئی چلی گئیں، اور عورتوں کو رسول اللہ ﷺ کی بشارت سنائی[59]

(۲۶) رسول اکرم ﷺ ایک مرتبہ حضرت بلالؓ کو ساتھ لیکر عورتوں کے مجمع میں تشریف لے گئے، ان کو وعظ سنا کر صدقہ کرنے کی ترغیب دی، اور عورتیں اپنی اپنی بالیاں اور انگوٹھیاں دینے لگیں، اور حضرت بلال ان کو دامن میں رکھنے لگے،[60]

(۲۷) حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابیات کو جس بات میں شک وشبہ ہوتا تھا، اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے معلومات حاصل کرتی تھیں۔

(۲۸) نیز صحابیات حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کے ذریعہ رسول ﷺ سے مسائل

----- حواشی--

59 - الاستیعاب لابن عبد البر ج۲ ص۷۲۶

60 - بخاری ج ۱ ص ۲۰

اور دین کی باتیں معلوم کرتی تھیں، سن رسیدہ اور رشتہ کی عورتیں براہ راست آپ سے مراجعت کرتی تھیں۔

ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں خواتین میں حصول علم کا کیسا شوق اور اہتمام تھا، اور رسول ﷺ حسب موقع انفرادی اور اجتماعی دونوں طریق سے عورتوں کو تعلیم فرمایا کرتے تھے۔

تعلیم وتربیت کا عمومی ماحول

تعلیم وتربیت کے اسی عمومی ماحول کا فیض تھا کہ عہد صحابہ میں بلند پایہ اہل علم خواتین کے ذکر سے ہماری سیر وتاریخ کی کتابیں لبریز ہیں، ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ فقہ وحدیث اور تحقیق ودرایت میں انتہائی بلند مقام رکھتی تھیں، ان کے بارے میں علماء تاریخ کا بیان ہے، کہ:

كانت من افقه نساء اهل زمانها[61]

ترجمہ: وہ اپنے زمانے کی عورتوں میں سب سے بڑی فقیہ تھیں۔

☆حضرت ام ابو الدرداء الکبریٰؓ نہایت اونچے درجہ کی عالمہ اور فقیہہ صحابیہ تھیں[62]

☆حضرت سمرہ بنت نہیک اسدیہؓ کے حال میں لکھا ہے کہ انہوں نے لمبی عمر پائی، بازاروں میں جاکر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتی تھیں، اور کوڑوں سے لوگوں کو مارتی تھیں[63]

☆حضرت حفصہؓ، حضرت ام کلثوم بنت عقبہؓ اور حضرت کریمہ بنت مقدادؓ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں[64]

پوری تاریخ اسلامی میں ایک بھی ایسا واقعہ نہیں ملتا جس میں کبھی بھی عورتوں کو علمی میدان میں آگے بڑھنے سے روکا گیا ہو، بلکہ اس کے برعکس بیسیوں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ عورتیں علم کی بے پناہ

----- حواشی---

61 - الاستیعاب ج ۲ ص ۷۵۶

62 - تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۴۰۹

63 - الاستیعاب ج ۲ ص ۷۶۰

64 - فتوح البلدان ص ۴۵۸

بلندیوں تک پہونچ گئیں، انہوں نے علم کے مختلف میدانوں میں مثالی خدمات انجام دیں، اور بڑے بڑے علمی و دینی القاب وخدمات سے نوازی گئیں، اور کبھی کسی دینی حلقہ سے عورتوں کی ان علمی ترقیات و خدمات کے خلاف آواز نہیں اٹھائی گئی، اگر اسلام میں اس پر کوئی دینی یا اخلاقی پابندی ہوتی تو ضرور کسی نہ کسی جانب سے اس پر نکیر کی جاتی، اور پوری امت اس پر بالکل چپ نہ سادھ لیتی۔

چند ممتاز اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین

اس ذیل میں ہم چند ایسی مثال پیش کرتے ہیں جن سے ظاہر ہو گا کہ قدیم عہد اسلامی میں خواتین نے اعلی دینی علوم، قرآن، حدیث اور فقہ اسلامی کے ساتھ، اعلی عصری علوم، لسانیات، کتابت وخطاطی، انشاء پردازی، شعر وشاعری اور منطق وفلسفہ (سائنس قدیم) وغیرہ میں بھی اتنا نمایاں حصہ لیا، کہ آج تک تاریخ میں ان کے نام محفوظ ہیں:

علوم قرانی

(۱) اس ذیل میں ام المومنین حضرت عائشہؓ اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کا نام سب سے زیادہ نمایاں ہے، یہ دونوں مکمل حافظ قران تھیں، اور قرآنی علوم و معارف پر بڑی گہری نگاہ رکھتی تھیں، ان کے قرآنی افکار و تشریحات سے اسلامی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

(۲) بعد کے ادوار میں یہ بھی زریں سلسلہ جاری رہا، مثلاً: حضرت حفصہ بنت سیرین (وفات ۱۰۱ھ) نے بارہ (۱۲) سال کی عمر میں قرآن کریم کو پورے معنی و مفہوم کے ساتھ حفظ کر لیا تھا[65] یہ فن تجوید و قرات میں بھی مہارت رکھتی تھیں، اور ایسی فیصلہ کن مہارت کہ ان کے یکتائے روزگار فاضل بھائی امام محمد بن سیرینؒ کو قرأت کے بارے میں کوئی شبہ ہوتا تو اپنے شاگردوں کو حفصہ کی طرف رجوع کرنے کی تلقین فرماتے،، حفصہ ہر رات نصف قرآن پڑھتی تھیں[66]

----- حواشی ---

65 - تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۴۰۹

66 - صفۃ الصفوۃ لابن جوزی ج ۴ ص ۱۶، بحوالہ خواتین اسلام کی علمی خدمات / ۶۲ مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

(۳) نفیسہ بنت حسن: ان کا شمار دوسری صدی ہجری کی سرآمد روزگار عالمات میں ہوتا ہے، یہ حضرت حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالبؓ کی صاحبزادی اور حضرت اسحاق بن جعفر صادقؒ کی اہلیہ تھیں۔ ۱۴۵ھ (اور بروایت دیگر ۱۳۴ھ) میں پیدا ہوئیں، حفظ قرآن کے بعد تفسیر، حدیث، اور دیگر دینی علوم میں کمال پیدا کیا، انہوں نے مدت تک مدینہ منورہ میں قیام کیا، اور ہزاروں تشنگان علوم نے ان کے جوئے علم سے اپنی پیاس بجھائی، اور وہ "نفیسۃ العلم والمعرفہ" کے لقب سے مشہور ہوئیں، تیس مرتبہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا۔

حضرت امام شافعیؒ سیدہ نفیسہؒ کے ہم عصر تھے، وہ اکثر ان سے علمی مسائل پر تبادلۂ خیال کرتے تھے، وفات ۲۰۸ھ میں ہوئی، اور قاہرہ میں مدفون ہوئیں، کہا جاتا ہے کہ رمضان المبارک کے مہینے میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں کہ اچانک ضعف غالب ہوا اور نبض ڈوبنے لگی، سب نے اصرار کیا کہ روزہ توڑ ڈالیں، لیکن انہوں نے فرمایا کہ تیس (۳۰) سال سے میری یہ آرزو تھی کہ میں روزہ کی حالت میں اپنے خالق کے حضور جاؤں، اب یہ آرزو پوری ہونے کو ہے تو روزہ کیوں توڑوں؟ یہ فرما کر قرآن پاک کی آیات پڑھتے پڑھتے جان جان آفریں کے سپرد کر دی، انا اللہ وانا الیہ راجعون [67]

(۴) شہزادی عباسہ: یہ خلیفہ المہدی عباسی (المتوفی ۱۶۹ھ م ۷۸۵ء) کی بیٹی اور خلیفہ الہادی اور ہارون الرشید کی بہن تھیں (۱۵۴ھ م ۷۷۱ء) میں بمقام کوفہ میں پیدا ہوئیں، انہوں نے مختلف علوم میں کمال حاصل کیا، کہا جاتا ہے کہ وہ قرآن حکیم کی تفسیر و تشریح ایسی عمدگی سے کرتی تھیں کہ بڑے بڑے علماء حیران رہ جاتے تھے، کلام اللہ کی قرآت بھی نہایت سوز اور خوش الحانی سے کرتی تھیں [68]

(۵) نیشاپور کی رہنے والی ایک مشہور مفسرہ "فاطمہ" تھیں قرآن کی فہم و بصیرت میں امتیازی شان رکھتی تھیں، ابن ملوک نامی ایک بزرگ کا بیان ہے کہ ان سے بڑھ کر بزرگ اور عالم قرآن میں نے نہیں دیکھا، میں نے ایک دن حضرت ذون النون مصریؒ سے پوچھا کہ یہ خاتون کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا

----- حواشی---

67 - ابن خلکان، تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین، مرتبہ طالب الہاشمی، ص ۱۲۳، ۱۲۲

68 - اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مشاہیر نسواں، تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ۱۴۲

کہ اللہ تعالی کی اولیاء میں سے ہیں اور میری استاد ہیں [69]

(٦) امام زین الدین ابوالحسن علی بن ابراہیم قاری دمشقی مصری (المتوفی ۵۹۹ھ) زبردست فقیہ، واعظ اور مفسر قرآن تھے اور یہ سب کچھ ان کی والدہ کی دعاؤں کا نتیجہ تھا، جو خود بھی نیک صالح، حافظ قرآن، اور علوم قرآنی کی ماہر خاتون تھیں، امام زین الدین کا بیان ہے کہ جب میں اپنے ماموں امام شرف الاسلام عبد الوہاب سے تفسیر پڑھ کر والدہ کے پاس جاتا تو وہ مجھ سے دریافت کرتیں کہ کیا کیا پڑھے؟ کیا فلاں بات بیان کی؟ اگر میں نفی میں جواب دیتا تو کہتیں کہ بھائی نے یہ چھوڑ دیا ہے؟

ان کے والد شیخ الاسلام امام ابوالفرج عبد الواحد بن محمد شیرازی مقدسی (المتوفی ۴۸٦ھ) نے "کتاب الجواہر" کے نام سے تیس (۳۰) جلدوں میں قرآن کریم کی تفسیر لکھی تھی، یہ پوری کتاب فاضلہ صاحبزادی کو یاد تھیں [70]

(٧) امام ابو محمد سراج الدین عبد الرحمان بن عمر دانی حنبلی (المتوفی جمادی الاولیٰ ۴۴۳ھ) کی ایک نابینا صاحبزادی تھیں، جو قوت حفظ میں عجوبۂ روزگار شمار کی جاتی تھیں، قرآن کریم کے علاوہ پوری صحاح ستہ ان کو ازبر یاد تھیں [71]

(٨) امام القراء ابن جزری نے اپنی صاحبزادی "سلمی" کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے قرآت سبعہ میں قرآن مجید حفظ کر کے سنایا تھا، اور قرأت عشرہ کی تعلیم بھی ان کے اصول کے مطابق حاصل کی تھی وہ فن تجوید پر اس قدر حاوی تھی کہ اس زمانہ میں کوئی قاری و مجود ان کی ہم سری نہیں کر سکتا تھا۔

(٩) ابن فیاض نے اخبار قرطبہ میں لکھا ہے کہ شہر قرطبہ کے مشرقی علاقہ میں ایک سو ستر (١٧٠) عورتیں خط کوفی میں قرآن کریم کی کتابت کرتی تھیں، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ پورے شہر قرطبہ کی

----- حواشی ---

69 - صفۃ الصفوۃ ج۴ ص ١٦

70 - طبقات المفسرین ج ۱ ص ۲٦۲، خواتین کی دینی و علمی خدمات ٦۴

71 - طبقات الحنابلہ ج ۱ ص ۴۴۰

خواتین میں قرآن کریم کی کتابت کا کتنا ذوق رہا ہو گا۔

(۱۰) ہمارے ملک کے بادشاہ شاہ جہاں کی صاحبزادی "شاد خانم" نے "خط ریحان" میں کمال متانت سے ایک قرآن کریم لکھا تھا، جس کے آخر میں "خط رقاع" میں اپنا نام و نسب تحریر کیا تھا۔

علم حدیث

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ مردوں کی طرح خواتین نے بھی سب سے زیادہ جس علم پر توجہ دی ہے وہ علم حدیث ہے، صرف حافظ ابن حجرؒ کی مشہور کتاب "الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ" الٹ لیجیئے تو اسلام کے قرون اولی کی پندرہ سو پینتالیس (۱۵۴۵) محدث خواتین کے حالات مل جائینگے، اس کے علاوہ النووی کی "تہذیب الاسماء" خطیب بغدادی کی "تاریخ بغداد" اور سخاوی کی "الضوء اللامع" میں ایسی بے شمار اصحاب علم خواتین کا ذکر مل جائے گا۔

حیرت انگیز امر یہ ہے کہ مردوں کی طرح عورتیں بھی علم حدیث کے لئے باقاعدہ دور دراز مقامات کا سفر کرتی تھیں، اور اپنی صنفی حیثیت وصلاحیت کے مطابق غربت و بے وطنی کی زندگی بسر کر کے علم دین کی تحصیل کرتی تھیں، مثلاً:

☆ام حسین جحفہ بنت احمد محمیہ نے اپنے وطن نیشاپور سے بغداد کا سفر کر کے یہاں کے شیوخ و محدثین سے روایت کی[72]

☆زینب بنت برہان الدین ابراہیم بن احمد اروبیلیہ نے مکہ معظمہ سے اپنے چچا کے ساتھ بلاد عجم کا سفر کیا اور بیس (۲۰) سال بعد مکہ مکرمہ واپس آئیں[73]

☆ام علی تقیہ بنت ابو الفرج غیث بن علی صوریہ بغدادیہ نے بغداد سے "مصر" جا کر مدتوں قیام

----- حواشی---

72 - تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۴۴۴، خطیب بغدادی

73 - العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین فاسی مکی ج ۴ ص ۲۲۴

کیا اور اسکندریہ میں امام ابو طاہر احمد بن محمد سلفیؒ سے استفادہ کیا[74]

☆ زلیخا بنت الیاس الواعظ شہر غزنین کی رہنے والی تھیں، یہاں سے مکہ مکرمہ گئیں، اور علماء و محدثین سے روایت کرکے کئی سال تک حرم محترم کی مجاورت کے بعد فارس کے شہر "ساوہ" چلی گئیں[75]

☆ ام احمد فاطمہ بنت نفیس الدین محمد بن حسین ملک شام کے شہر حماۃ کی رہنے والی تھیں، انہوں نے یہاں سے مصر اور طرابلس کا سفر کرکے اپنے چچا سے روایت کی[76]

☆ ام محمد زینب بنت احمد بن عمر کا وطن بیت المقدس تھا، اور امام ذہبی نے ان کو "المعمرۃ الراحلۃ" کے لقب سے یاد کیا ہے، کیونکہ وہ دور دراز ملکوں کا سفر کرکے تحصیل علم اور حدیث کی روایت میں مشہور تھیں، اسی وجہ سے بعد میں دور دراز ملکوں کے طلبۂ حدیث ان سے روایت کرتے تھے[77]

☆ کریمہ بنت احمد مروزیہ خراسان کے مشہور شہر "مرو" کی رہنے والی تھیں انہوں نے مستقل طور سے مکہ مکرمہ میں اقامت اختیار کرکے ایک زمانہ تک حدیث کا درس دیا، خطیب بغدادی نے مکہ مکرمہ میں ان سے پانچ دن میں صحیح بخاری پڑھ کر روایت کی، نیز امام سمعانی ابن مطلب اور ابو طالب زینبی جیسے ائمۂ حدیث نے ان سے صحیح بخاری کی روایت کی[78]

☆ ام محمد ہدیہ بنت علی بن عسکر ہراس مقدسیہ نے امام زبیدی سے روایت کے لئے ان کے وطن کا سفر کیا[79]

☆ امۃ الرحمن ست الفقہاء بنت شیخ تقی الدین صرف "جزء بن حرفہ" کے سماع کے لئے شیخ عبد

----- حواشی ---

74 - ابن خلکان ج ا ص ۱۰۳

75 - العقد الثمین ج ۸ ص ۲۳۷

76 - ذیل العبر للذھبی ۸۹، بحوالہ خواتین اسلام کی قلمی و دینی خدمات، ص ۳۱

77 - ذیل العبر للذھبی ۸۹، بحوالہ خواتین اسلام کی قلمی و دینی خدمات، ص ۳۱

78 - العبر فی خبر من غبر للذھبی ج ۳ ص ۲۵۴ بحوالہ خواتین اسلام کی علمی و دینی خدمات ص ۳۱

79 - ذیل العبر ۷۰

الحق کی خدمت میں حاضر ہوئیں[80]

☆عائشہ بنت محمد حرانیہ نے امام زین الدین عراقی اور امام بلخی سے روایت کے لئے ان دونوں حضرات کی درسگاہ کا سفر کیا، عائشہ بنت معمر اصفہانیہ نے محدثہ فاطمہ جوزوانیہ کی خدمت میں حاضری دی۔

☆ست العرب بنت یحی دمشقیہ نے امام ابن طبرزد کی درسگاہ میں پہنچ کر کتاب الغیلانیات کا سماع کیا[81]

خواتین کی صنفی حیثیت کالحاظ

قاضی اطہر مبارکپوریؒ لکھتے ہیں:

"عام طور سے ان تعلیمی اسفار میں طالبات کی صنفی حیثیت وضرورت کا پورا خیال رکھا جاتا تھا، اور ان کی راحت وحفاظت کا پورا پورا اہتمام ہوتا تھا، خاندان اور رشتہ کے ذمہ داران ساتھ ہوتے تھے" امام سہمی نے "تاریخ جرجان" میں فاطمہ بنت ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمن طلقی جرجانی کے حال میں لکھا ہے کہ میں نے فاطمہ کو اس زمانہ میں دیکھا ہے جب ان کے والد ان کو اٹھا کر امام ابو احمد بن عدی جرجانی کی خدمت میں لے جاتے تھے، اور وہ ان سے حدیث کا سماع کرتی تھیں[82]

فاطمہ بنت محمد بن علی لخمیہ اندلس کے مشہور محدث ابو محمد باجی اشبیلی کی بہن تھیں، انہوں نے اپنے بھائی ابو محمد باجی کے ساتھ رہ کر طالبعلمی کی، اور دونوں نے ایک ساتھ بعض شیوخ واساتذہ سے حدیث کی اجازت لی[83]

جن مشائخ اور محدثین کی درسگاہوں میں طلبہ اور طالبات کا رجوع ہوتا تھا وہاں طالبات اور

----- حواشی---

80 - ذیل العبر ۱۴۷

81 - ذیل العبر ۱۴۷

82 - تاریخ جرجان حمزہ بن یوسف سہمی ص ۴۶۳، خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات ۳۲

83 - بغیۃ الملتمس فی رجال الاندلس، احمد بن یحی الضبی، ص ۵۳۱

خواتین کے لئے مخصوص جگہیں ہوا کرتی تھیں، جن میں وہ مردوں سے الگ رہ کر درس سنتی تھیں، جیسا کہ قرویین کے علماء و مشائخ کی درسگاہوں کے حالات سے معلوم ہوتا ہے [84]

خواتین کی علمی تصنیفات

مردوں کی طرح عورتوں نے بھی حدیث کے موضوع پر باقاعدہ کتابیں تحریر کی ہیں۔

☆امام ذہبیؒ نے عجیبہ بنت حافظ محمد بن ابو غالب باقداریہ بغدادیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے صرف اپنے اساتذۂ حدیث کے حالات پر دس جلدوں میں ایک کتاب تیار کی تھی [85] اس سے اس خاتون کے اساتذۂ حدیث کی تعداد کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

☆ام محمد فاطمہ خاتون بنت محمد خطیبہ اصفہانیہ کو تصنیف و تالیف کا بڑا ملکہ تھا، انہوں نے "الرموز من الکنوز" کے نام سے پانچ (۵) جلدوں میں ایک کتاب لکھی تھی، اس کے علاوہ اور بھی ان کی تصنیفات ہیں [86]۔

☆ام محمد بنت فاطمہ بنت نفیس الدین محمد بہنیسہ مکیہ نے بھی حدیث اور دوسرے علوم پر بہت سی کتابیں لکھی تھیں [87]۔

مگر افسوس آج ان اہل علم خواتین کی کوئی کتاب محفوظ نہیں ہے، صرف ان کا تذکرہ کتابوں میں رہ گیا ہے۔

فقہ و فتاوی

فقہ و فتاوی میں بھی خواتین نے بہت حصہ لیا، اور یہ سلسلہ بھی عہد صحابہ ہی سے جاری ہے، تقریباً

----- حواشی -----

84 - خواتین اسلام کی خدمات ۳۳

85 - العبر للذھبی ۷ ۱۴

86 - العقد الثمین ج ۸ ص ۲۰۲

87 - العقد الثمین ج ۸ ص ۲۰۲

ستائیس (۲۷) صحابیات فقہ وفتاوی میں شہرت رکھتی تھیں، جن میں سات (۷) امہات المومنین تھیں۔

☆بعد کے ادوار میں مشہور حنفی فقیہ وعالم شیخ علاؤالدین سمر قندی (متوفی ۵۳۹ھ) مصنف "تحفۃ الفقہاء" کی صاحبزادی "فاطمہ "کافی ممتاز اور مشہور ہوئیں، ان کے شوہر شیخ علاؤالدین کاسانی (متوفی ۵۸۷ھ) نے البدائع والصنائع کے نام سے فقہ اسلامی پر ایک شاہکار کتاب لکھی ہے،"فاطمہ " کے بارے میں بیان کیا گیاہے کہ کتاب لکھنے کے درمیان جب کبھی ان کے شوہر سے غلطی ہوتی تو وہ ان کو اس کی طرف توجہ دلاتی تھیں، اور وہ اپنے والد اور شوہر کے ساتھ باقاعدہ فتوی نویسی بھی کرتی تھیں، لکھاہے کہ ان کے یہاں صادر ہونے والے فتاوی پر فاطمہ ، ان کے والد اور ان کے شوہر تینوں کے دستخط ہوا کرتے تھے[88]۔

☆ قاضی ابو عبد اللہ حسین بن اسماعیل معاملی کی صاحبزادی امۃ الواحد ستیتہ فقہ شافعی میں کافی دسترس رکھتی تھیں، وہ شیخ ابو علی بن ابو ہریرہؓ کے ساتھ فتوی دیا کرتی تھیں، ابن جوزی کا خیال ہے کہ فقہ شافعی کی جزئیات پر جس قدر ان کی نگاہ تھی، اس دور کا کوئی شافعی عالم اس باب میں ان سے ہم سری کا دعوی نہیں کر سکتا تھا[89]

☆مغرب اقصی میں تین خواتین کو فقہ وفتاویٰ کے میدان میں خاص شہرت حاصل ہوئی:

(۱) ام ہانی عیوسیہ (۲) ان کی بہن فاطمہ (۳) اور شیخ زورق کی دادی ام البنین۔

☆ام عیسی بنت ابراہیم بن اسحاق بغدادیہ، بغداد کی مفتیہ تھیں[90]

☆ شیخ تقی الدین ابراہیم بن علی واسطی کی صاحبزادی امۃ الرحمن فقہ وفتاوی میں خاص ملکہ و شہرت رکھتی تھیں، اور ست الفقہاء، یعنی سیدۃ الفقہاء کے لقب سے یاد کی جاتی تھیں[91]

☆اسی طرح امیر سید شریف علاؤالدین علی بن خطیب شرف الدین احمد کی بہن شریفہ بھی فقہ

----- حواشی---

88-العبر ج۳ص ۴، المنتظم ابن جوزی ج۶ص ۱۳۹

89-العبر ج۳ص ۴، المنتظم ابن جوزی ج۶ص ۱۳۹

90 - تاریخ بغداد ج۱۴ص ۴۴۲

91 - ذیل العبر للذھبی ۱۴۷

وفتاوی میں مشہور تھیں [92]

☆فقیہ یوسف بن یحی اندلسی کی بہن فاطمہ بنت یحیٰ قرطبہ کی بڑی فقیہہ تھیں، ان کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کے جنازہ میں اتنے زیادہ لوگ شریک ہوئے جس کی پہلے کوئی نظیر نہیں ملتی [93]

غرض علوم دینیہ کے مختلف شعبوں میں عورتوں نے کمال حاصل کیا، اور ایک زمانہ سے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔

عصری علوم وفنون میں خواتین کا حصہ

یہی حال اس دور کے علوم عصریہ: زبان وادب، منطق وفلسفہ، علم کلام، خطاطی وکتابت صحافت و انشاء، اور تقریر وخطابت وغیرہ کا بھی تھا، مسلم خواتین ان علوم وفنون میں بھی پیش پیش رہیں، اور کسی مسلم حکومت یا معاشرہ نے ان پر روک نہیں لگائی، بلکہ تاریخ کی شہادت تو یہ ہے کہ ہر دور میں ایسی تعلیم یافتہ اور با کمال خواتین کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ ذیل میں بطور مثال علوم عصریہ میں بعض کمال یافتہ خواتین کا تذکرہ کیا جا تا ہے:

شعر وادب

شعر وشاعری اور زبان وادب ہر دور میں فن لطیف کی حیثیت سے کافی اہمیت کے حامل رہے ہیں ، اور ہر عہد کے اصحاب ذوق نے ان سے دلچسپی لی ہے، اور ارباب حکومت نے ان کی سرپرستی کی ہے ۔ خواتین بھی اس باب میں کسی سے پیچھے نہیں رہیں، مثلاً:

☆**حضرت سکینہ**: (وفات ۵ / ربیع الاول ۱۱۷ھ) حضرت حسین بن علی کی صاحبزادی ہیں، ان کا اصل نام امیمہ تھا، لیکن انہوں نے سکینہ کے نام سے شہرت پائی، مؤرخین نے سکینہ کی شرافت ونجابت

----- حواشی

92 ۔خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات ۶

93۔بغیۃ الملتمس ۱۳۵ا

، ذہانت وذکاوت، حسن صورت وسیرت، جود وسخا، نرم دلی، سخن پروری اور تقوی وطہارت کی بہت تعریف کی ہے، "الزرکلی" نے ان کو "سیدۃ نساء عصر" کے لقب سے یاد کیا ہے، بعض روایت میں ہے کہ حضرت سکینہؒ عرب کے کئی نامور شعراء کی سرپرستی کرتی تھیں، ان میں جریر، فرزدق، جمیل کثیر اور ابن سریج کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں[94]

☆**لیلی الاخیلیہ**: پہلی صدی ہجری میں ایک نامور شاعرہ ہوئی ہے، اس کے والد کا نام عبد اللہ بن الرحال بن کعب بن معاویہ تھا، جو قبیلہ عقیل بن کعب سے تھا، اس کے اسلاف میں کسی شخص کا لقب "الاخیل" تھا اس لئے اس خاندان میں یہ نام عام ہو گیا۔

مرثیہ گوئی اور قصیدہ نگاری میں اس کا درجہ بہت اونچا ہے، اس کے مرثیے اور قصائد عربی ادب میں خاص مقام رکھتے ہیں، اس نے اپنے چچازاد بھائی (جس سے وہ شادی کی آرزومند تھی، مگر آرزو پوری نہیں ہوئی) کی وفات پر جو دردناک مرثیے کہے ہیں، اسی طرح خلیفہ عبد الملک بن مروان اور حجاج بن یوسف ثقفی کی مدح میں جو قصائد نظم کئے ہیں، فصاحت وبلاغت میں اپنی نظیر آپ ہیں۔

ایک دفعہ عرب کے نامور شاعر فرزدق سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو بھی کسی کے کلام پر رشک آتا ہے، اس نے کہا کہ مجھے کبھی بھی کسی کے شعر پر رشک نہیں آیا لیکن لیلی الاخیلیہ کے ان اشعار پر جو اس نے عمرو بن خلیع کی مدح میں کہے ہیں، مجھے اکثر رشک آتا ہے۔

لیلی کو کئی مرتبہ حضرت امیر معاویہؓ، خلیفہ عبد الملک اور حجاج سے گفتگو کے مواقع ملے، اس گفتگو کی تفصیلات مختلف کتابوں میں ملتی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑی فصیح البیان، روشن دماغ اور ذہین خاتون تھیں[95]

☆**عقیلہ بنت ضحاک**: پہلی صدی ہجری کے مشہور عرب شاعر الفرزدق کا بیان ہے کہ ہماری قوم کے ایک شخص کے دو غلام گم ہو گئے، وہ اونٹنی پر سوار ہو کر ان دونوں کی تلاش میں نکلا، راستہ میں طوفان باد

----- حواشی---

94 - ابن خلکان، ابن سعد وغیرہ، تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ٦٦

95 - دائرہ معارف اسلامیہ، باکمال خواتین ٩٢

وباراں میں گھر گیا، قریب ہی بنو حنیفہ کا ایک گھر نظر آیا، وہ پناہ لینے کے لئے بطور مہمان اس گھر کے اندر چلا گیا اور اپنی اونٹنی کو باہر ایک طرف بٹھا کر باندھ دیا، وہاں اسے ایک عجیب واقعہ پیش آیا، جسے اس نے اس طرح بیان کیا ہے:

"مجھے وہاں بیٹھے کچھ دیر گذری تھی کہ ایک حسین لڑکی جس کی آنکھیں ہیروں کی طرح چمکتی تھیں آئی، اور پوچھا کہ یہ کس کی اونٹنی ہے؟ ایک سیاہ فام کنیز جو پہلے سے ہی میرے پاس بیٹھی تھی کہا کہ یہ تمہارے اس مہمان کی، اس نے میری طرف رخ کر کے کہا "السلام علیکم"، میں نے سلام کا جواب دیا تو اس نے پوچھا "آپ کس قبیلے سے ہیں؟ میں نے کہا "بنو حنظلہ سے"، اس نے پوچھا "بنو حنظلہ" کے کس خاندان سے؟ میں نے کہا "بنو نہشل" سے۔

اس پر وہ مسکرائی اور کہا، تو آپ ان لوگوں سے ہیں، جن کے گھرانے کی فرزدق نے تعریف کی ہے:

ان الذی سمک السماء بنی لنا
بیتا دعائمہ اعز واطول

ترجمہ: بیشک جس ذات نے آسمان کو بلند وبالا بنایا ہے، اس نے ہمارے لئے ایسا گھر تعمیر کیا ہے جس کے ستون نہایت مضبوط اور طویل ہیں۔

بیتا زوارہ محتب بفنائہ
ومجاشع ابو الفوارس نہشل

ترجمہ: ایسا گھر جس میں بڑے بڑے نامور لوگ آتے رہے، اور مجاشع ابو الفارس بھی آچکے ہیں۔

میں نے کہا، ہاں، اور مجھ کو یہ اشعار بہت اچھے لگے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر وہ ہنسی اور کہا: لیکن ابن الخطفی نے تمہارے اس گھر کو اپنے اس شعر سے ڈھا دیا ہے:

اخزی الذی رفع السماء مجاشعا
و بنی بناء بالحفیض الاسفل

(یعنی جس ذات نے آسمان کو رفعت عطا کی ہے، اس نے مجاشع کو ذلیل ورسوا کر دیا، اور اس کے لئے سب سے نیچے خشک جگہ میں ٹھکانہ بنایا)

یہ شعر سن کر میری طبیعت مکدر ہو گئی اور اس کے آثار میرے چہرے پر بھی نمودار ہوئے، یہ دیکھ کر اس نے کہا، آپ رنجیدہ نہ ہوں، کیونکہ زمانہ کا یہی دستور ہے کہ ایک کہتا ہے اور ایک سنتا ہے، پھر اس نے پوچھا آپ کہاں جائیں گے؟

میں نے کہا: یمامہ۔ اس نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا، آپ کی منزل مقصود آپ کے سامنے ہی ہے ، پھر اس نے یہ شعر پڑھا:

تذکرنی بلادا خیر اہلی
بھا اھل المروءۃ والکرامۃ

(تو نے مجھے ایسا علاقہ یاد دلایا ہے جس کے باشندے میرے بہترین ساتھی ہیں، جو بڑی مروت اور شرافت کے حامل ہیں)

میں نے پوچھا، تمہارا عقد ہو گیا ہے یا نہیں؟

اس نے جوب دیا:

اذا وقد النیام فان عمروا
تورقہ الھموم الی الصباح

(جب سونے والے گہری نیند سو جاتے ہیں، تو عمرو کو تفکرات صبح تک بیدار رکھتے ہیں)

میں نے پوچھا یہ عمرو کون ہے؟

اس نے جواب میں یہ شعر پڑھا:

سئلت و لو علمت کففت عنہ
و من لک بالجواب سوی الخبیر

(تو نے عمرو کے بارے میں پوچھ دیا، اگر تجھے معلوم ہوتا تو اس سوال سے گریز کرتا اور جاننے والے کے سوا تیرے سوال کا جواب کون دے سکتا ہے؟)

پھر کچھ اور شعر پڑھے اور دفعۃً خاموش ہو گئی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کچھ سن رہی ہو، پھر اس کے زبان پر یہ شعر جاری ہو گئے:

یخیل لی ھیاعمرو بن کعب

کانک قد حملت علی السریر

(مجھے خیال ہوتا ہے کہ اے عمرو بن کعب! گویا لوگ تیرا جنازہ اٹھائے لئے جاتے ہیں)

فان تک ھکذا یا عمرو انی
مبکرۃ علیک الی القبور

(پس اے عمرو! اگر یہ بات ہے تو میں صبح سویرے تیرے پاس قبروں میں پہونچوں گی)

یہ کہہ کر اس نے ایک دل دوز چیخ ماری اور بیہوش ہو کر اس طرح گری کہ گرتے ہی دم نکل گیا۔

میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ لڑکی کون تھی؟------انہوں نے بتایا کہ ضحاک بن عمرو بن محرق کی بیٹی "عقیلہ" ہے۔

میں نے کہا یہ عمرو کون ہے؟

انہوں نے بتایا کہ اس کا چچازاد بھائی عمرو بن کعب بن محرق ہے۔

میں وہاں سے رخصت ہو کر یمامہ پہونچا تو میں نے عمرو بن کعب کو تلاش کیا، معلوم ہوا کہ وہ فوت ہو چکا ہے اور ٹھیک اسی وقت عقیلہ چیخ مار کر گری تھی، اس کو یمامہ میں دفنایا جارہا تھا[96]

☆ **فرزدق کی بیوی** کو ادب میں اس قدر درک حاصل تھا کہ خود اس کا شوہر اور شاعری میں فرزدق کا حریف جریر دونوں فیصلہ کے لئے اس کی طرف رجوع کیا کرتے تھے، اس کا فیصلہ یہ تھا کہ اعلی درجہ کی نظموں میں دونوں کا پلہ برابر ہے، لیکن ادنی درجہ کی نظموں میں جریر کا کلام فرزدق سے بہتر ہے[97]

☆**صفیہ**: یہ اشبیلہ (Seville) کی رہنے والی تھی، خطابت اور شاعری کی صلاحیتوں میں ممتاز تھی

☆**زینب بنت زیاد اور حمیدہ بنت زیاد** نہایت اعلی درجہ کی شاعرہ تھیں، علم و فن کے ہر شعبہ میں انہیں کمال حاصل تھا، اور دونوں حسین و جمیل بھی تھیں، اور دولت مند بھی[98]

☆**مریم بنت ابو یعقوب** اندلس کی رہنے والی تھیں، اپنے دور کی مشہور شاعرہ اور ادیبہ تھیں،

----- حواشی---

96 - کتاب الاغانی، باکمال خواتین ۹۵،۹۷

97 - البیان والتبیین ۹۳

98 - نفح الطیب ۱۴۲

نہایت دیندار اور باکمال خاتون تھیں، اشبیلیہ میں مستقل قیام تھا عورتوں کو شعر و ادب کی تعلیم دیتی تھیں، چوتھی صدی ہجری کے بعد ان کی شاعری کو بہت شہرت و قبولیت حاصل ہوئی[99]

☆**بدانیہ** نے استاذ ابو المطرب عبد المنان سے پڑھا تھا، لیکن وہ استاذ سے بڑھ گئیں، اس نے "المبرد" کی تصنیف "الکامل پر اور القالی کی "النوادر" پر عبور حاصل کیا تھا، اور علم عروض میں مسلمہ استاذ تھیں[100]

☆**حفصہ الرکونیہ** ساکن غرناطہ اپنی شرافت، اپنے حسن اور دولت و قابلیت کے باعث مشہور تھی، اس کی شاعری میں محبت کے جذبات بھرے ہوئے تھے، وہ خلیفہ کے محل میں خواتین کی استاذ اور اتالیق تھی[101]

☆**غسانیہ** بھی اندلس کی مشہور شاعرہ تھیں، مقام بجایہ میں رہتی تھیں، سلاطین اور امراء کی مدح میں اشعار اور قصائد کہا کرتی تھیں[102]

☆اندلسی شاعرات میں **دادی آسیہ** اس فن میں شہرت رکھتی تھیں، اور امراء کی شان میں اشعار کہا کرتی تھیں، ایک مرتبہ وہ اپنے وطن "آش" سے اشبیلیہ کا سفر کر کے امیر المؤمنین خلیفہ ابو یعقوب کو سر دربار اپنے اشعار سنائے[103]

☆**نزہون** نامی ایک خاتون غرناطہ کی مشہور شاعرہ وادیبہ تھی، فی البدیہ اشعار کہنے اور حاضر جوابی میں مہارت اور شہرت رکھتی تھی[104]

----- حواشی---

99 - نفح الطیب ۱۴۲

100 - نفح الطیب ۱۷۸

101 - ارشاد (یاقوت) ۱۱۹

102 - بغیۃ الملتمس ۵۲۹

103 - بغیۃ الملتمس ۵۲۹

104 - بغیۃ الملتمس ۵۲۹

☆ **مستکفی باللہ محمد بن عبد الرحمن والیٔ اندلس کی صاحبزادی "ولادہ"** تھیں، وہ ادیبہ شاعرہ تھیں ،ان کی باتیں وزنی اور طبیعت شاعرانہ تھی، شعراء وادباء میں رہ کر ان سے ادبی مسائل میں سوال وجواب کرتی تھیں اور سب پر بھاری تھیں [105]

☆**بی بی عروضیہ** (وفات ۴۵۰ھ):اس کا شمار پانچویں صدی ہجری کے اندلس کی شہرۂ آفاق عالمات میں ہوتا ہے، علامہ ابو المطرف عبد الرحمن بن علبون کی آزاد کردہ باندی تھی، بلنسیہ (والنشیا) میں مستقل اقامت اختیار کرلی تھی، علم صرف، نحو، معانی، علم بدیع، علم لغت اور علم عروض میں یگانۂ روزگار تھی، علم نحو اور علم لغت اس نے اپنے آقا ابو المطرب عبد الرحمن سے حاصل کیا تھا، مگر ان دونوں فنون میں وہ استاذ پر فوقیت لے گئی، اس کو مبرد کی کتاب "کامل" اور قالی کی کتاب "نوادر" زبانی یاد تھی، اور ان کی شرح نہایت عمدگی کے ساتھ کرتی تھی، اس دور کے ایک مشہور عالم سلیمان بن نجاح کا بیان ہے کہ میں نے عروضیہ سے کامل اور نوادر پڑھیں، اور علم عروض بھی سیکھا [106]

☆ **مغرب اقصی کی ادیبہ شاعرہ سارہ بنت احمد بن عثمان** (وفات ۷۵۰ھ م ۱۱۰۶ء) شعر وادب میں اس قدر آگے رہیں کہ ابن سلمون نے ان سے "اجازت" حاصل ہونے پر فخر کیا ہے [107]

☆**مکہ مکرمہ کی مشہور محدثہ اور عابدہ وزاہدہ خاتون خدیجہ بنت شیخ شہاب الدین نویری** بھی شاعرہ تھیں اور نہایت عمدہ اشعار کہتی تھیں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی منقبت میں بہت سے اشعار اور نظمیں کہی ہیں [108]

☆ **محدثہ وفقیہہ زینب بنت کمال الدین ہاشمی** بھی مکہ مکرمہ میں رہتی تھیں، عقل وخرد، مروت و شرافت اور عزت وریاست میں بہت آگے تھیں ساتھ ہی شعر وشاعری کا نہایت ستھرا ذوق رکھتی تھیں، اور

----- حواشی --

105 ۔بغیۃ الملتمس ۵۲۹

106 ۔باکمال خواتین ۲۱۰

107 ۔خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات ۷۲

108 ۔العقد الثمین ج ۸ ص ۲۰۸

ان کو بہت سے اشعار یاد تھے۔[109]

☆ **ام الحسین بنت قاضی مکہ شہاب الدین طبری** شاعری کرتی تھیں اور ان کی نظمیں مشہور و مقبول تھیں[110]۔

☆ **تقیہ ام علی بنت ابی الفرح** (متوفیہ ۵۷۹ھ) نہایت قابل خاتون تھیں، ان کے انتہائی اونچے درجہ کے اشعار اور قصائد ہیں، ایک مرتبہ انہوں نے سلطان صلاح لدین کے بھتیجے تقی الدین عمر کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا جو ساقی نامہ کے طرز پر لکھا گیا تھا، اس میں شاعرہ نے نہایت خوبی سے ایک محفل مے نوشی کا بے کم و کاست نقشہ کھینچا تھا، ساغر و مینا اور دیگر کوائف اس طرح بیان کئے گئے تھے کہ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ شاعر خود ایک عادی مے خوار ہے۔۔۔۔ قصیدہ پڑھ کر تقی الدین نے علی الاعلان کہا کہ شاعر کو ضرور محفل مے نوشی کا ذاتی تجربہ ہے۔۔۔۔۔ یہ سن کر اس خاتون نے ایک رزمیہ قصیدہ لکھ ڈالا جس میں اس نے جنگ کی کل جزئیات نہایت تفصیل سے بیان کی تھیں، اور میدان جنگ و جنگجو بہادروں کا نقشہ کھینچا تھا، جب اس نے یہ رزمیہ نظم تقی الدین کو بھیجی تو ایک خط میں لکھا کہ "مجھے جتنا تجربہ بزم کا ہے اتنا ہی تجربہ رزم کا ہے "اس نظم کو پڑھ کر تقی الدین نے اس کے اعلی تخیل کا لوہا مان لیا، اور اس کی بے حد تعریف کی[111]

☆ **اندلس کے خلیفہ حکم ثانی (۳۵۰ھ تا ۳۶۶ھ) بی بی نجم السعید رضیہ**، شعر و سخن اور زبان و ادب میں یگانۂ دہر تھی، شوہر کی وفات کے بعد اس نے بہت سے مشرقی ممالک کا سفر کیا، اور ہر جگہ کے علماء نے اس کی بڑی قدر کی[112]

☆ **اندلس کے اموی خلیفہ الحکم ثانی (متوفی ۳۶۶ھ) کے حرم میں ایک جارجیہ خاتون** تھی، جس کا نام فاطمہ تھا، اس کے باپ کا نام زکاریۃ الزابلیری تھا، جو ایوان خلافت میں عہدہ دار تھا۔

----- حواشی ---

109 - العقد الثمین ج ۸ ص ۲۳۳

110 - العقد الثمین ج ۸ ص ۲۳۱

111 - ابن خلکان ج ا ص ۱۰۳

112 - تاریخ اسلام کی باکمال خواتین ۱۹۴

فاطمہ اکثر "القصر "(داقع لبنہ) میں رہتی تھی، وہ بڑی عالمہ اور فاضلہ خاتون تھی، صرف، نحو، ادب، حساب، اور دیگر علوم مروجہ میں اس کو درجۂ تبحر حاصل تھا، انشاء پردازی میں اس کا کوئی جواب نہ تھا، وہ اکثر "الحکم " کی طرف سے خطوط اور فرامین لکھتی تھی، جو فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے نثر اعلی کا نمونہ ہوتے تھے، ابن حیان کا بیان ہے کہ اندلس میں نہ کوئی دوسری عورت فاطمہ سے بہتر انشاء پرداز تھی، اور نہ کوئی مرد اس کی ہمسری کا دعوی کر سکتا تھا، اسکے یہاں علمی اور صنعتی کتابوں کا ایک بیش بہا ذخیرہ موجود تھا[113]

☆ایک بیش قیمت کتاب (مخطوطہ) "نزہۃ الجلساء فی اخبار النساء" مصنفہ السیوطی دمشق کے کتب خانہ 'الظاہریہ" میں ہے، اس میں ستائیس (۲۷) خواتین شعراء کے سوانح حیات درج ہیں[114]

خطاطی وخوشنویسی

خطاطی وخوشنویسی کو فنون لطیفہ میں بڑی اہمیت حاصل ہے، اور ہر دور میں یہ فن اہل ذوق و نظر اور اصحاب کمال کا منظور نظر رہاہے، اور مردوں کی طرح عورتوں نے بھی اس علم کو بطور فن (آرٹ) قبول کیاہے، اور اس میدان میں نمایاں مقام حاصل کیاہے، مثلاً:

(۱) **ام الفضل فاطمہ بنت حسن بن علی الاقرع** بغداد کی رہنے والی تھیں، "بنت اقرع" کی نسبت سے مشہور تھیں، فن خطاطی وخوشنویسی میں استاد زمانہ تھیں، مشہور خطاط "ابن البواب" کے خط کی پوری نقل کرتی تھیں، اور اہل علم ان سے خطاطی سیکھتے تھے، علامہ ذہبی اور علامہ ابن جوزی نے ان کے حسن خط کی بہت تعریف کی ہے۔

"بنت الاقرع" کو ان کے حسن خط کی وجہ سے وزیر ابو النصر عبد الملک کندری نے بلاد جبل بلایا، اور دیوان عزیزی اور عیسائی شاہ روم کے مابین صلح نامہ کی کتابت کرائی، یہ صلح نامہ صرف ایک ورق میں

----- حواشی --

113 - تاریخ اسلام کی باکمال خواتین ۱۹۴

114 - سہ ماہی دعوت حق تعلیم نسواں نمبر ص ۲۱

لکھا گیا تھا، جس پر بنت الاقرع کو ایک ہزار دینار دیئے گئے تھے[115]

(۲) **امۃ العزیز خدیجہ بنت یوسف** عالمہ، فاضلہ محدثہ کے ساتھ مشہور خوشنویس بھی تھیں، اور اس فن کے مشاہیر سے خطاطی کی تعلیم حاصل کی تھی[116]

(۳) **فخر النساء شہدہ بنت احمد** کاتبہ کے لقب سے مشہور تھیں، ان کا خط نہایت پاکیزہ اور حسین تھا، ابن جوزی اور ابن خلکان نے ان کے حسن خط کی شہادت دی ہے[117]

(۴) **اندلس کی مشہور کاتبہ وادیبہ "مرنہ"** امیر الناصر لدین اللہ کی خاص کاتبہ ومنشیہ تھیں، اور ان کا خط نہایت پاکیزہ اور حسین تھا، ۳۵۸ھ میں فوت ہوئیں[118]

(۵) **"منیہ الکاتبہ"** خلیفہ معتمد علی اللہ عباسی کی باندی تھیں، فن کتابت وانشاء میں خاص شہرت رکھتی تھیں اور "الکاتبہ" کے لقب سے مشہور تھیں[119]

(۶) اندلس کے فرمان روا عبد الرحمن ثالث (۳۰۰ھ تا ۳۵۰ھ) کے عہد میں ایک نامور فاضلہ اور خوشنویس **صفیہ بنت عبد اللہ رازی** گذری ہیں، وہ جملہ علوم مروجہ میں بھی تبحر وکمال رکھتی تھیں، اشعار بھی کہتی تھیں، اور خلیفہ عبد الرحمن ان کے اشعار کا بڑا مداح تھا[120]

(۷) **اندلس ہی کی عالمات میں ایک "لبنی"** نامی کاتبہ ومنشیہ خلیفہ حکم بن عبد الرحمن اموی کی خاص کاتبہ تھی، اور سرکاری خط وکتابت کی ذمہ داری سنبھالتی تھی، ان کو فن کتابت میں بڑی مہارت حاصل تھی، علم الحساب میں بھی ماہر تھیں، ساتھ ہی شاعری، نحو، عروض، اور دیگر علوم وفنون سے بھی حصہ وافر

----- حواشی -----

115 - العبر ج۳ ص ۳۹۸

116 - المنتظم ج ۱۰ ص ۲۸۸

117 - ابن خلکان ج ۱ ص ۲۴۵

118 - بغیۃ الملتمس ۵۳۰

119 - تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۴۴۲

120 - بغیۃ الملتمس ۵۲۸

رکھتی تھیں[121]

(۸)**عائشہ بنت عمارہ بن یحیٰ شریف بجاویہ افریقیہ**، ادیبہ وشاعرہ کے ساتھ نہایت اونچے درجہ کی خوشنویس بھی تھیں، ایک کتاب اٹھارہ (۱۸) جلدوں میں اپنے خط سے نقل کی تھیں[122]

(۹)**بی بی عائذہ بنت احمد بن محمد** قرطبہ کے گورنر احمد بن محمد کی صاحبزادی تھیں، جملہ علوم وفنون میں مہارت رکھتی تھیں، بالخصوص فن کتابت میں ایسا کمال پیدا کیا کہ اس دور میں کسی کو ان کی ہمسری کا چارا نہ تھا، انہوں نے اندلس کے علم دوست خلیفہ الحکم (متوفی ۳۶۶ھ) کے لئے بے شمار کتابیں نقل کی تھیں، ابن حیان کا بیان ہے کہ عائذہ علم وفضل اور فصاحت وبلاغت میں سارے اندلس میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھیں [123]

(۱۰)**بی بی عائشہ بنت احمد** چوتھی صدی ہجری میں نہایت باکمال خاتون گذری ہیں قرطبہ کی رہنے والی تھیں مؤرخ ابن حیان کا بیان ہے کہ اندلس کی خواتین میں کوئی شریف عورت علم وفہم اور شعر وادب میں اس کے پایہ کی نہ تھی اندلس کے حکمراں ان کے مرتبۂ علمی کی بے حد قدر کرتے تھے اور اکثر ان کو انعام واکرام سے نوازتے رہتے تھے جملہ علوم میں کمال رکھنے کے علاوہ ان کو فن کتابت میں عجیب ملکہ حاصل تھا ان کا خط اتنا خوبصورت تھا کہ جو دیکھتا تھا دنگ رہ جاتا تھا انہوں نے بے شمار علمی کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھیں اور علماء اندلس نے ان سے بھرپور فائدہ اٹھایا، شعر وشاعری سے بھی شغف رکھتی تھیں اور اپنے دور کے نہایت بلند پایہ شعراء میں شمار کی جاتی تھیں[124]

(۱۱) **بنت خداویردی** ساتویں صدی ہجری میں بے مثل کاتبہ ہوئی ہے اللہ تعالی نے اسکو بغیر ہاتھوں کے پیدا کیا تھا لیکن پیدائشی لنجی ہونے کے باوجود اس نے پاؤں سے کتابت سیکھی اور اس میں ایسا کمال

----- حواشی--

121 ۔بغیۃ الملتمس ۵۳۰

122 ۔عنوان الدرایۃ فیمن کان من العلماء فی المأۃ السابعۃ فی بجایۃ، ابو العباس احمد غیرینی ص ۴۷

123 ۔باکمال خواتین ۱۹۰

124 ۔باکمال خواتین ۱۹۸

حاصل کیا کہ لوگ اسکی خوش خط کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے تھے، ۶۲۴ھ میں اسکندریہ آئی تو لوگ اس کے کمال فن کو دیکھنے کیلئے ٹوٹ پڑے اور اس کو مالا مال کر دیا، وزیر مصر نے بھی اس کو ملاقات کیلئے بلایا اور اس کا معقول وظیفہ مقرر کر دیا، اس باکمال خاتون کا مقبرہ ابھی تک اسکندریہ میں موجود ہے اور اسکے ساتھ کچھ زمین بھی وقف ہے[125]

(۱۲) ابن فیاض نے اخبار قرطبہ میں لکھا ہے کہ قرطبہ کے مشرقی علاقہ میں ایک سوستر (۱۷۰) عالمات وفاضلات ایسی تھیں جو خط کوفی میں قران شریف لکھتی تھیں[126]۔

اس طرح تاریخ میں بے شمار ایسی خواتین کے نام محفوظ ہیں جنہوں نے خوش نویسی اور کتابت کی دنیامیں امتیاز حاصل کیا۔

علم طب (میڈیکل سائنس)

خدمت خلق کے وہ فرائض جو اس تہذیب یافتہ دور میں "صلیب احمر" کے ادارے سرانجام دیتے ہیں، اکثر اسلامی لڑائیوں میں خواتین اسلام انجام دیتی تھیں۔

☆جب فتح خیبر کے لئے اسلامی فوجیں تیاری کر رہی تھیں، **امیہ بنت قیس الغفاریہؓ** آنحضرت ﷺ کی خدمت میں خواتین کی ایک پوری جماعت کے ساتھ حاضر ہوئیں، اور افواج کے ساتھ چلنے کی اجازت چاہی، تاکہ زخمیوں کی مرہم پٹی کریں، اور دیگر ممکن خدمات انجام دیں، آنحضرت ﷺ نے اجازت دیدی، اور انہوں نے یہ فرائض انجام دیئے[127]

☆ **الربیع بنت معوذہؓ** کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ اسلامی افواج کے ساتھ خواتین بھی رہا کرتی تھیں، تاکہ زخمیوں کی دیکھ بھال کریں، اور انہیں پانی پلائے اور زخمیوں کو واپس مدینہ

----- حواشی ---------------------------------------

125 ۔تذکرۃ الحواشی باکمال خواتین ۲۸۸

126 ۔خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات ۷۶

127 ۔سہ ماہی دعوت حق تعلیم نسواں نمبر ۲۴

پہونچائیں[128]

☆**حضرت ام ایمنؓ** نے بھی غزوہ احد وغزوۂ خیبر میں حضور ﷺ کی معیت میں شریک ہو کر زخمیوں کی مرہم پٹی کی خدمت انجام دیں[129]

☆علاوہ ازیں ایسی خواتین کے بھی حالات ملتے ہیں جنہوں نے علماء طب کی حیثیت سے شہرت حاصل کی:

☆**قبیلہ بنی اود میں زینب** بہت مشہور ڈاکٹر اور ماہر امراض چشم تھیں۔

☆**ام الحسن بنت القاضی ابی جعفر الطنجالی** مختلف مضامین مین بہت وسیع علم کی مالک تھیں، لیکن وہ بحیثیت طبیب بہت مشہور تھیں[130]

☆الحفیظ بن زہیر کی بہن اور اس کی بیٹی "المنصور ابی عامر' کے زمانہ میں بحیثیت طبیب بڑی شہرت حاصل کی، وہ بہت اچھی طبیبہ تھیں، بالخصوص امراض نسواں میں بڑی ماہر تھیں، اور محل شاہی کی خواتین کے علاج ومعالجہ کے لئے ان ہی کو بلایا جاتا تھا[131]

تقریر وخطابت

وعظ وتقریر اور خطابت وجادو بیانی بالعموم مردوں کی میراث مانی جاتی ہے، مگر اس فن میں بھی عورتوں کا خانہ خالی نہیں ہے، تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی پردہ نشینان علم وفضل نے وعظ وتذکیر اور خطابت کے ذریعہ خواتین اسلام کے ایمان وعمل کو تازگی اور رونق بخشی ہیں، اور ان کے ذریعہ مسلم خانوادوں اور کنبوں کی بڑی اصلاح ہوئی ہے، یہ خطیبائیں عورتوں کے مخصوص اجتماعات میں جاکر وعظ سناتی تھی اور ان کے یہاں عورتیں آکر وعظ سنتی تھیں، مثلاً:

----- حواشی

128 - الاصابۃ لابن حجر ج ۸ ص ۵۷۵

129 - الاصابۃ لابن حجر ج ۸ ص ۱۳۷

130 - الاصابۃ لابن حجر ج ۸ ص ۱۳۷

131 - طبقات الاطباء ابن ابی اصیبعہ ص ۷۰

☆**امام حسن بصریؒ** کی والدہ ماجدہ "**خیرہ**" عورتوں کے مجمع میں وعظ سنایا کرتی تھیں[132]

☆**معاذہ بنت عبد اللہ** مشہور تابعی حضرت صلہ بن ریشم کی زوجہ بڑی عالمہ فاضلہ تھیں، وہ عورتوں کی اجتماعات کی صدارت کرتی تھیں، اور انکو وعظ سناتی تھیں[133]

☆**ام الحکم عائشہ بنت محمد بغدادیہ** تو اتنی بڑی خطیب تھیں کہ "الواعظہ" کے لقب سے مشہور ہو گئیں تھیں[134]

☆**ام احمد زلیخا بنت الیاس غزنویہ** بھی "الواعظہ" کے لقب سے مشہور تھیں، امام فاسی کا بیان ہے کہ وہ خرقہ پہن کر عورتوں کے یہاں جاتی تھیں، اور وعظ کرتی تھیں[135]

☆**اس سلسلے میں شیخہ ام زینب فاطمہ بنت عباس بغدادیہ** (وفات ذی الحجہ ۷۱۴ھ) کی خدمات بھی بہت اہم ہیں، ان کے مواعظ سے صرف بغداد ہی کی خواتین نے استفادہ نہیں کیا بلکہ دمشق اور مصر تک ان کا فیض پہونچا، جس کی وجہ سے وہ "سیدۂ خواتین دوراں" کے لقب سے مشہور ہوئیں[136]

☆**حیرونہ فاسیہ**: کے تذکرہ نگاروں نے ان کی دینی خدمات کے سلسلے میں لکھا ہے کہ شہر فاس کی عورتوں میں اشعری عقائد کے پھیلانے میں ان کا بڑا ہاتھ ہے، اور وہ اس بارے میں مغرب میں خاص شہرت رکھتی تھیں[137]

☆**بی بی قدفہ**: خلیفہ حکم ثانی المستنصر کے عہد (۳۵۰ھ تا ۳۶۶ھ) میں اندلس کی ایک نامور فاضلہ ہوئی ہیں، وہ نہایت خوش بیان اور خوش الحان تھیں، اپنی فصیح وبلیغ تقریر سے سامعین کو مسحور کر دیتی

----- حواشی ---

132 - طبقات ابن سعد ج۸ ص ۳۷۶

133 - طبقات ابن سعد ج۸ ص ۴۸۳

134 - العبر للذھبی ج۵ ص ۱۶۸

135 - العقد الثمین ج۸ ص ۲۳۸

136 - ذیل العبر ج ۸۰

137 - خواتین اسلام کی علمی و دینی خدمات ۶۸

تھیں[138]

دیگر علوم وفنون

ان کے علاوہ علم کلام، حکمت وفلسفہ، علم الحساب، اور دیگر علوم وفنون میں بھی خواتین اسلام کا پایہ کافی بلند ہے، تاریخ کے صفحات ایسی بلند پایہ خواتین کے تذکروں سے لبریز ہیں، اس ذیل میں بھی چند نام بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں:

(۱) فقیہۃ الامت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، فقہ، حدیث، فرائض، احکام، حلال وحرام، اخبار واشعار، طب وحکمت، انساب، بہت سے علوم کی جامع اور ان علوم میں اپنے عہد میں سب پر فائق تھیں، آپ کے ذکر جمیل سے تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں[139]

(۲) **حضرت عائشہ بنت طلحہ** حضرت ابو بکر صدیق کی نواسی تھیں، ام المؤمنین حضرت عائشہ کی شاگردہ اور ان کے علوم کی امین تھیں، مختلف علوم وفنون کی جامع تھیں، ان کے علم وفضل کا اعتراف ان کے تمام ہم عصر علماء وفضلاء کو تھا، ایک دفعہ خلیفہ ہشام بن عبد الملک کی دعوت پر اس کے دربار میں گئیں، وہاں مختلف علوم کے بارے میں ان کی گفتگو متعدد نامور علماء سے ہوئی، وہ سب ان کے تبحر علمی اور وسعت معلومات کے قائل ہوگئے، ہشام اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے ان کی خدمت میں ایک لاکھ درہم بطور نذرانہ پیش کئے اور نہایت عزت واحترام سے رخصت کیا[140]

(۳) **ام جعفر عتابہ**: محمد بن حسین بن قحطبہ کی بیٹی، یحی برمکی کی بیوی، اور جعفر برمکی کی والدہ تھیں، اصل نام فاطمہ تھا مگر وہ اپنے لقب، عتابہ، سے مشہور ہوئیں۔ ان کی کنیت، ام جعفر تھی، نہایت عالمہ فاضلہ خاتون تھیں۔ جملہ علوم وفنون بالخصوص علم کلام، کتابت وخوشنویسی اور علم حساب میں کمال رکھتی تھیں،

----- حواشی ---

138 - باکمال خواتین ۱۸۸

139 - طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۷۴، الاستیعاب ج ۲ ص ۷۶۶، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۶ وغیرہ

140 - طبقات ابن سعد، اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ، چار سو باکمال خواتین ۱۶۳

سیکڑوں ارباب ہنر وکمال اس کی جوئے سخاوت سے سیر اب ہوئے۔

عتابہ کی زندگی کا آخری دور بہت عبرت ناک تھا، محمد بن غسان گورنر کوفہ کا بیان ہے کہ میں عید الاضحی کے دن اپنی والدہ کے سلام کو گیا۔ان کی مجلس میں ایک بوڑھی خاتون پرانی چادر اوڑھے نہایت فصیح وبلیغ گفتگو کر رہی تھی، میری والدہ نے کہا بیٹا! اپنی خالہ کو سلام کرو، میں نے پوچھا یہ کون ہیں ؟ کہا کہ یہ عتابہ ام جعفر برمکی ہیں، یہ سن کر میں سکتے میں آگیا، ایک وہ زمانہ تھا کہ ان کی شان و تجمل کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، اور آج وہ کس حال میں ہیں، میں نے ادب سے ان کو سلام کیا، اور حال پوچھا تو کہا، بیٹا کیا پوچھتا ہے، دنیا ایک آنے جانے والی چیز ہے، کل کی بات ہے کہ عید کے دن میرے سرہانے چار سو کنیزیں کھڑی ہوتی تھیں، پھر بھی میں کہتی کہ جعفر میرا خیال نہیں رکھتا، اور آج یہ حالت ہے کہ میرے پاس صرف دو پوستینیں ہیں، ایک کو اوڑھ لیتی ہوں اور ایک کو بچھالیتی ہوں [141]

(۴) **حضرت آمنہ رملیہ** کا شمار دوسری تیسری صدی ہجری کی جلیل القدر عالمات اور اولیاء میں ہوتا ہے، تقریباً ایک سو ترسٹھ ہجری (۱۶۳ھ) میں بغداد کے نواحی شہر رملہ میں پیدا ہوئیں، گھر کی ابتدائی تعلیم کے بعد مکہ معظمہ گئیں، ایک بزرگ عالم دین مسجد حرام میں درس دیتے تھے، ان سے برسوں تک استفادہ کیا، ان کے انتقال کے بعد منورہ کے امام مالکؒ سے استفادہ کیا، ان کے بعد دوبارہ مکہ آکر امام شافعیؒ سے استفادہ کیا، امام شافعیؒ مصر گئے تو وہ کوفہ پہونچ گئیں، جہاں بہت سے علماء وفضلاء موجود تھے، اس طرح انہوں نے مختلف علاقوں کے اہل علم وکمال سے مختلف علوم وفنون میں کمال پیدا کیا، اور یکتائے روزگار ہو گئیں، جب کوفہ سے وطن واپس گئیں، تو ان کے علم وفضل کا چرچا دور دور تک پھیل چکا تھا، مخلوق خدا کو فیض پہونچانے کی خاطر انہوں نے اپنا حلقہ درس قائم کیا تو لوگ تحصیل علم کے لئے جوق در جوق ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے، بڑے بڑے علماء اور اہل فن ان کے درس میں شریک ہوتے تھے۔ بعد میں ان کی زندگی میں انقلاب آیا اور انہوں نے درویشانہ زندگی اختیار کرلی پھر وہ خاصان خدا میں شمار ہونے لگیں [142]

----- حواشی---

141 -چار سو باکمال خواتین ۱۴۵ تا ۱۴۸

142 -چار سو باکمال خواتین ۱۶۰ تا ۱۶۱

(۵) ایک کنیز ہارون رشید کی خدمت میں پیش کی گئی، جس کی قیمت دس ہزار دینار تھی، خلیفہ نے قیمت منظور کرلی، مگر اس شرط پر کہ کنیزہ کا امتحان لیا جائے، چنانچہ دینیات، فقہ، تفسیر، طب، فلکیات، فلسفہ، خطابت اور شطرنج کے مشہور ماہرین نے یکے بعد دیگرے اس کا امتحان لیا، اور ہر مرتبہ اس نے نہ صرف یہ کہ ہر سوال کا جواب اطمینان بخش دیا، بلکہ ان میں ہر ایک عالم سے اس نے خود ایک ایک سوال کیا جس کا وہ جواب نہ دے سکے[143]

(۶) **بی بی عائشہ عباسیہ:** آٹھویں عباسی خلیفہ معتصم باللہ متوفی (۲۲۷ھ) کی صاحبزادی تھیں، والد نے اسکی تعلیم وتربیت نہایت اعلی پیمانہ پر کی، چنانچہ وہ جملہ علوم میں یگانۂ روزگار ہوگئی، نہایت شگفتہ مزاج تھیں اور روتوں کو ہنسا دیا کرتی تھیں[144]

(۷) **ام عباس** ساتویں عباسی خلیفہ مامون الرشید (۱۹۸ھ مطابق ۸۱۳ء تا ۲۱۸ھ مطابق ۸۳۳ء) کی بیگم تھی، نہایت ذہین وفطین اور عالمہ وفاضلہ خاتون تھیں، اگرچہ ان کی پرورش خالص بدویانہ (صحرائی) ماحول میں ہوئی تھی، مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعلق صحرائی علاقہ میں بودوباش رکھنے والے کسی علمی ودینی گھرانے سے تھا، اور ان کی تعلیم وتربیت بہت عمدگی سے کی گئی تھی یہی وجہ تھی کہ عنفوان شباب کو پہونچنے تک ان کو علم الانساب سے سے گہری واقفیت ہوگئی تھی، جس نے مامون الرشید کو ان سے شادی کرنے پر آمادہ کیا، عربی ادب کی بعض کتابوں میں یہ قصہ بہت مزے لے کر بیان کیا گیا ہے مگر یہاں اس تفصیل کا موقعہ نہیں ہے[145]

(۸) **بی بی قدمہ:** ان کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے، ان کے والد کا نام غفار بن نصیر تمیمی تھا، خلیفہ حکم ثانی المستنصر کے عہد (۳۵۰ھ تا ۳۶۶ھ) میں بہت ہی نامور فاضلہ گزری ہیں، انکو مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھنے اور جمع کرنے کا بہت شوق تھا، چنانچہ اس نے ادبیات اور مختلف علوم وفنون کی بیش بہا کتابوں کا

----- حواشی -----

143 - سہ ماہی دعوت حق تعلیم نسواں نمبر ۲۶

144 - باکمال خواتین ۱۶۳

145 - عقد الفرید، باکمال خواتین ۱۶۸

ایک ذخیرہ اپنے لئے جمع کیا تھا[146]

(۹) **فخر النساء شہدہ:** چھٹی صدی ہجری کی شہرۂ آفاق عالمہ و فاضلہ گزری ہیں، والد کا نام ابو نصر احمد بن عمر الابری تھا وہ اپنے دور کے ایک ممتاز عالم دین تھے۔

شہدہ ۴۸۴ھ میں ایران کے شہر دینور میں پیدا ہوئیں، ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی پھر مختلف علوم وفنون کے ماہروں سے بھر پور استفادہ کیا اور اس طرح وہ اعلی تعلیم سے بہرہ ور ہوئیں، وہ علم حدیث کے علاوہ تاریخ، زبان وادب، خوشنویسی اور دیگر کئی علوم وفنون میں کمال رکھتی تھیں، اور اسی بنا پر ان کو فخر النساء کا خطاب دیا گیا تھا۔۔۔۔۔ شوہر کی وفات کے بعد اپنے آپ کو ہمہ تن درس وتدریس کیلئے وقف کر دیا۔ خلیفہ مستضی بامر اللہ عباسی (۵۶۶ھ تا ۵۷۵ھ) نے ان کے فضل وکمال کی شہرت سنی تو ان کو بہت بڑی جاگیر عطا کی، تاکہ وہ یکسوئی کے ساتھ اشاعت تعلیم میں مشغول رہ سکے، شہدہ نے اسکی آمدنی سے دریائے دجلہ کے کنارے ایک عظیم الشان درسگاہ بنوائی جس میں سینکڑوں طلبہ تعلیم حاصل کرتے تھے اور ان کے تمام اخراجات شہدہ خود برداشت کرتی تھیں، شہدہ آخری دم تک درس وتدریس میں مشغول رہیں اور ۵۷۴ھ نوے سال سے زیادہ عمر پاکر بغداد میں اس عالم ناپائیدار سے رحلت کی، نماز جنازہ جامع القصر بغداد میں ادا کی گئی، جنازہ میں عام مسلمانوں کے علاوہ بڑے بڑے علماء وعمائد سلطنت بھی شریک ہوئے[147]

(۱۰) مغرب اقصیٰ کی مسجد الاندلس کو مریم بنت محمد بن عبد اللہ اخدیہ نے تعمیر کرایا تھا، جس میں "طیب بن کیران" کی صاحبزادی مستقل طور پر منطق وفلسفہ اور مختلف علوم وفنون کا درس پردہ کے پیچھے سے دیا کرتی تھیں، اور اس میں باری باری سے مرد اور عورتیں سب شامل ہوتے تھے، مرد ظہر کے بعد اور عورتیں عصر کے بعد[148]۔

(۱۱) قاضی ابو عبد اللہ حسین بن اسماعیل محاملی کی صاحبزادی امۃ الواحد ستیتہ نے اپنے والد اور

----- حواشی ---

[146] ۔عقد الفرید، باکمال خواتین ۱۸۸

[147] ۔عقد الفرید، باکمال خواتین ۲۵۲ تا ۲۵۳

[148] ۔طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۳۲۵

دیگر متعدد نامور علماء وفضلاء سے تعلیم حاصل کی، وہ نہایت اعلی تعلیم یافتہ اور فاضلہ خاتون تھیں، فرائض ،حساب، نحو اور دیگر علوم وفنون میں مہارت رکھتی تھیں، فقہ شافعی پر بڑی گہری نگاہ رکھتی تھیں، وہ شیخ ابو علی بن ابوہریرہؒ کے ساتھ فتوی بھی دیا کرتی تھیں[149]

خواتین کو اعلی علمی خطابات

عہد اسلامی میں خواتین کی علمی پذیرائی اور مقبولیت کا ایک علامتی اظہار اس طور پر بھی ہوتا تھا کہ مرد علماء کی طرح عورتوں کو بھی معزز خطابات سے نوازا جاتا تھا، ذیل میں بطور نمونہ چند ممتاز خواتین کے القاب وخطابات درج کئے جاتے ہیں، جن کو اقلیم علم کی ملکہ اور ان کی علمی ودینی برتری کا سکہ عام طور پر تسلیم کیا گیا۔

(ست بمعنی سیدۃ ہے)

(۱)ست الاجناس: موفقیہ بنت عبد الوہاب بن عتیق بن وردان مصریہ

(۲)ست الاہل: ام احمد بنت علوان بن سعید بعلبکیہ

(۳)ست الشام: خاتون اخت الملک العادل

(۴)ست العرب: ام الخیر بنت یحیٰ بن قائماز کندیہ دمشقیہ

(۵)ست الفقہاء: شریفہ بنت خطیب شرف الدین احمد بن محمد دمشقیہ

(۶)ست الفقہاء: امۃ الرحمن بنت تقی الدین ابراہیم بن علی واسطیہ صالحیہ

(۷)ست الکل: عائشہ بنت محمد بن احمد بن علی قلیسیہ

(۸)ست الکل: بنت امام رضی الدین ابراہیم بن محمد طبریہ مکیہ

(۹)ست الکل: بنت احمد بن محمد مکیہ

(۱۰)ست الملوک: فاطمہ بنت علی بن علی بن ابوبدر بغدادیہ

----- حواشی---

149 ۔العبر للذھبی ج۳ص۴، المنتظم ج۶ص۱۳۹

(۱۱)ست الناس: کمالیہ بنت احمد بن عبد القادر دمرادیہ

(۱۲)ست الوزراء: بنت عمر بن اسعد تنوخیہ

(۱۳)تاج النساء: بنت رستم بن ابورجاء بن محمد اصفہانیہ

(۱۴)شرف النساء: امۃ اللہ بنت احمد بن عبد اللہ بن علی آبنوسیہ

(۱۵)فخر النساء: شہدہ بنت احمد ابن عمر ابریہ بغدادیہ

(۱۶)زین الدار: وجیہہ بنت علی بن یحیٰ انصاریہ بوصیریہ

(۱۷)شجرۃ الدر: ام خلیل

(۱۸)حرۃ: ام المؤید زینب بنت ابو القاسم عبد الرحمن شعریہ نیساپوریہ

(۱۹)جلیلہ: ام عمر خدیجہ بنت عمر بن احمد بن عدیم

(۲۰)معلمہ: غالیمہ بنت محمد اندلسیہ

(۲۱)شیخۃ: ام عبد اللہ حبیبہ بنت خطیب عز الدین ابراہیم مقدسیہ

(۲۲)شیخۃ: ام زینب فاطمہ بنت عباس بغدادیہ

(۲۳)شیخۃ: ام الفضل صفیہ بنت ابراہیم بن احمد مکیہ

(۲۴)شیخۃ: ام احمد زینب بنت مکی بن علی کامل حرانیہ[150]

یہ القاب وخطابات ان خواتین کے علو مرتبت، عظمت اور بے پناہ مقبولیت کی دلیل ہیں۔

حکم شرعی

ان تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے عورت کو تعلیم کے کسی میدان میں آگے بڑھنے سے نہیں روکا، وہ مردوں کے ہم پلہ بلکہ ان سے فائق ہو سکتی ہے، اور اعلی سے اعلی خدمات انجام دے سکتی ہے، بس شرط یہ ہے کہ وہ تعلیم عورت کے صنفی حیثیت کو متاثر نہ کرے، شرعی حدود کو زد نہ پہونچے، اور تعلیم

----- حواشی --

150 ۔خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات ۳۸تا۳۹

مفید، صالح اور ٹھوس حقائق پر مبنی ہو۔

عصر حاضر میں علم کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا ہے، اور ان تمام چیزوں پر علم کا اطلاق ہوتا ہے، جن کا تعلق عقل وفکر یا تجربہ و حس سے ہو، خواہ ان تجربات و خیالات کی کوئی مثبت اور ٹھوس بنیاد موجود ہو یا نہ ہو اور اس تعلیم سے متعلقہ افراد یا دیگر لوگوں پر کیسے بھی اثرات مرتب ہوتے ہوں۔

علم کی قسمیں

ہمارے اسلامی مصنفین و مفکرین نے وسائل اور نتائج کے لحاظ سے علوم کی بعض تقسیمات کی ہیں، تفصیلات سے بچتے ہوئے اس موقعہ پر ان کی طرف خفیف اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، امام غزالی نے احیاء العلوم میں علم پر بڑی تفصیلی بحث کی ہے، اور نصوص و عقلیات دونوں اعتبار سے اس پر روشنی ڈالی ہے، امام غزالیؒ کے نزدیک بنیادی طور پر علوم کی دو قسمیں ہیں:

(۱) شرعی علوم (۲) غیر شرعی علوم

شرعی علوم سے مراد وہ علوم ہیں جو عقل و تجربہ سے حاصل نہ ہو، بلکہ انبیاء کرام کے ذریعہ حاصل ہوں، ان کے علاوہ تمام علوم "غیر شرعی علوم" کے دائرہ میں آتے ہیں، پھر غیر شرعی علوم کی تین قسمیں ہیں (۱) محمود (۲) مذموم (۳) مباح

(۱) محمود سے مراد وہ علوم ہیں جن سے عام لوگوں کی دنیاوی مصالح وابستہ ہوں، مثلا طب (میڈیکل) اور حساب وغیرہ۔

(۲) مذموم سے مراد وہ علوم ہیں جو غلط اور منفی بنیادوں پر قائم ہوں، مثلا سحر، طلسمات شعبدہ وغیرہ۔

(۳) مباح سے مراد وہ علوم ہیں جن میں کسی مضرت کا پہلو نہ ہو، اور کسی نہ کسی درجہ میں فائدہ مند ہو، مثلاً شاعری، تاریخ، ادب وغیرہ[151]

----- حواشی---

151 -احیاء علوم الدین ج ا ص ۲۳

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی علم کی تین قسمیں بیان کی ہیں:

۱-عقلیہ ۲-ملیہ ۳-شرعیہ

۱-عقلیہ سے مرادوہ علوم ہیں جو فلاسفہ اور سائنس دانوں کا موضوع بحث بنیں۔

۲-ملیہ سے مرادوہ علوم ہیں جن میں کلام اور معتقدات سے متعلق مباحث ہوں۔

۳-شرعیہ سے مرادوہ علوم ہیں جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہوں[152]۔

تعلیم نسواں کے بنیادی حدود

دیگر علماء اور مصنفین کے یہاں کچھ اور تقسیمات بھی ملتی ہے، علماء کی ان تقسیمات کا مقصد انسانوں کو ان علوم کی طرف متوجہ کرنا ہے، جو انسانیت اور ملت کیلئے مفید ہوں، اسلام مقصدی علم کو اہمیت دیتاہے، وہ تمام علوم جن کا تعلق تعمیری مقاصد سے ہو اسلام میں مطلوب ہے، اور وہ تمام علوم جو منفی بنیادوں پر استوار ہوں قابل رد ہیں، دونوں کے صنفی تقاضے اور میدان کار جداگانہ ہیں، اور کسی کیلئے جائز نہیں کہ خدا کی بنائی ہوئی اس فطری تقسیم کو باطل قرار دے، اس لئے ہر وہ تعلیم اور طریق تعلیم اسلام میں مسترد کردیا جائے گا جس سے عورت ومرد کی اس فطری تقسیم پر زد پڑتی ہو، جس سے عورت کی صنفی حیثیت متاثر ہوتی ہو ، شریعت نے عورت کیلئے جو حدود مقرر کئے ہیں ان حدود کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو، اور عورت ومرد کے درمیان فطرت نے جو رشتے قائم کئے ہیں اور بہتر زندگی گزارنے کیلئے اسلام نے جو خانگی نظام دیاہے، ان رشتوں کا احترام پامال نہیں ہوناچاہئے، اور نہ اسلام کے عطاکردہ عائلی نظام کا شیرازہ بکھرناچاہئے۔

موجودہ زمانہ میں عصری علوم تو کجا، دینی مضامین میں بھی عورتوں کو اعلی تعلیم اگر حدود اور اصول کی پوری رعایت کے ساتھ نہ دی جائے تو پورا گھریلو نظام متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، اس لئے عورتوں کو عصری علوم میں اعلی سے اعلی قابلیت اور مہارت حاصل کرنا اسلام میں اصلاً ممنوع نہیں ہے، بلکہ گذشتہ تفصیلات سے ثابت ہوچکاہے کہ ماضی میں ہماری تابناک مثالیں بڑی تعداد میں موجود رہی ہیں، لیکن ان حدود کی

----- حواشی ---

152 - فتاوی ابن تیمیہ ج ۲۰ ص ۶۲ تا ۶۳

رعایت کہاں تک ہو گی؟ اور عصری درسگاہوں میں پڑھنے کے بعد عورت ایک مسلمان بیوی، ماں، اور بہن کی حیثیت سے کس حد تک کامیاب ہو گی، یہ درسگاہوں کے معیار انتظام، منتظمین کے اخلاص واحتیاط، اور عورتوں کے اپنے احوال وظروف کے لحاظ سے مضامین کے انتخاب پر موقوف ہے۔۔۔۔۔ اسی لئے ہمارے بہت سے بزرگوں کو اس معاملہ میں اکثر تامل رہا، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کی ایک تقریر کا اقتباس بعض کتابوں میں موجود ہے، وہ فرماتے تھے:

"گھروں کے اندر چھوٹے چھوٹے مدارس قائم کیجئے لڑکیوں کو پڑھانے کے لئے، لیکن اعلی تعلیم کا مسئلہ اور یہ سوال کہ عورتوں کے لئے بی، اے، ایم اے، ہونا ضروری ہے غور طلب ہے"[153]

خواتین کے تعلیم کے مسئلہ پر بعض علماء نے اچھا تجزیہ کیا ہے، مولانا مفتی سعید احمد صاحبؒ کی کتاب "عورت اور اسلام" سے ایک اقتباس سہ ماہی" دعوت حق تعلیم نسواں نمبر" میں شائع ہوا ہے وہ دعوت حق ہی کے حوالہ سے پیش خدمت ہے:

"جملہ علوم مروجہ دس درجوں میں تقسیم کر کے مرد وعورت دونوں کے تعلق سے ہر ایک کا حکم الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) علم عقائد: نماز، روزہ، زکوۃ، حج اور ان کے فرائض وواجبات، سنن مؤکدات وغیر مؤکدات ان چیزوں کی معرفت مرد وعورت دونوں کے لئے ضروری ہے۔

(۲) باقی عبادات ومعاملات اسلامیہ کا علم مرد وزن ہر ایک کے لئے مندوب ہے، بشرطیکہ ہر علاقہ میں ایک مرد یا عورت کم از کم ایسی ہوں جو ان کو اچھی طرح جانتی ہو، اگر علاقہ میں کوئی بھی ایسا نہ ہو گا تو سب گنہگار ہونگے، کیونکہ یہ فرض کفایہ ہے، کسی ایک فرد کے ہوتے ہوئے دوسرے لوگوں پر جاننا فرض یا واجب نہیں رہتا بلکہ مندوب ومستحب ہوتا ہے۔

(۳) علم سیاست مدنیہ: یہ مرد کے لئے تو ضروری ہے بشرطیکہ وہ عاقل، بالغ اور آزاد ہو، البتہ

----- حواشی---

153 - اسلام اور پردہ ۲، مولانا مسعود اعظمی بحوالہ سہ ماہی دعوت حق ۴۰

عورت کے لئے اس علم کا سیکھنا مباح ہے لازم نہیں، اگر سیکھے تو منع بھی نہیں ہے۔

(۴) علم امور خانہ داری: تربیت اولاد اور تحفظ ناموس یہ چیزیں سیکھنا مردوں کے لئے لازم نہیں ہے بلکہ مباح ہے مگر عورتوں کے لئے ضروری ہے۔

(۵) علم جہاد تعرضی: غیر اسلامی ملکوں میں توحید خداوندی کو پہوچانے کے لئے جانا اور اس کے راستے میں ہونے والی رکاوٹوں کو دور کرنا یہ علم مردوں کے لئے ضروری ہے، اور ان ہی کے ساتھ مخصوص ہے، عورتوں کے لئے مباح ہے، نہ ضروری ہے اور نہ مستحب۔

(۶) علم جہاد دفاعی: دشمنوں کی یلغار اور ان کے حملوں کو روکنے کا علم، تاکہ ملک و قوم تباہی و بربادی سے محفوظ ہو جائے، کیونکہ وقتی ضرورت پر اس میں ہر ایک کا شریک ہونا واجب ہے، اس لئے نوع انسانی کی ہر دو صنفوں کے لئے یہ علم لازم وضروری ہے۔

(۷) علم تاریخ وانساب وجغرافیہ اور سائنس: یہ مرد کے لئے تو مستحسن ہے، اور عورت کے لئے مباح ہے۔

(۸) علم اخلاق: جس سے اخلاق وعادات کی اصلاح ہو، یہ ہر ایک کے لئے لازم وضروری ہے۔

(۹) علم حرفت و دستکاری: اس میں کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا تعلق مردوں سے ہے، جبکہ بعض چیزیں عورتوں سے متعلق ہیں، مثلاً توپ، تفنگ، بندوق وطیارہ سازی، کاشت کاری، کپڑا بافی اور ٹیلیگراف وغیرہ کا علم مردوں کے لئے مخصوص ہے، اور کپڑا بننا، سوت کاتنا، جراب وسوئیٹر وغیرہ کا بننا، اور پھول وغیرہ کاڑھنا، عورتوں کے ساتھ خاص ہے، لیکن دونوں چیزوں میں اس کے برعکس کرنے کی بھی گنجائش ہے، مگر جس میں فتنہ ہو، یا خوف فتنہ ہو، مثلاً کاشت کاری، ٹیلیگراف وغیرہ کا علم اور ہتھیار سازی وغیرہ مفتی بہ قول کی رو سے عورت کے لئے جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں دینی و دنیوی دونوں مضرتیں ہیں، جن کا سد باب ہی لازم ہے۔

(۱۰) علم رمل، سحر اور نجوم وغیرہ مرد وعورت ہر دو کے لئے یکساں طور پر حرام وناجائز ہے [154]

خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ عورت کی صنفی حیثیت اور اس سے متعلق شرعی حدود وقیود کی مکمل رعایت ممکن ہو تو خواتین کو اعلی سے اعلی عصری وفنی تعلیم دینا درست ہے، اور اگر یہ کسی وجہ سے ممکن نہ ہو، تو ظاہر ہے کہ اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، کیونکہ تعلیم خواتین کے لئے فضیلت ہے، اور فضیلت کے لئے فطرت کو مسخ کرنا جائز نہیں ہے۔

مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں لڑکیوں کی اعلی عصری وفنی تعلیم کا معقول اور محفوظ انتظام کم از کم ہمارے ملک میں موجود نہیں ہے، جہاں تمام شرعی حدود وقیود کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہو، اور اس کے منتظمین مخلص اور صحیح العقیدہ ہوں، اس لیے بحالات موجودہ لڑکیوں کو مروجہ عصری درسگاہوں میں بھیجنا خطرے سے خالی نہیں، موجودہ حالات ہی کے تناظر میں ہمارے اکثر علماء اور مفتیوں نے اس قسم کی اعلی عصری تعلیم کو ناجائز قرار دیا ہے، حضرت مولانا مفتی عبد الرحیم لاجپوری صاحب فتاوی رحیمیہ نے مختلف اکابر اور مشائخ کے اقتباسات کی روشنی میں تفصیلی کلام کیا ہے، ان کے ایک طویل فتوے کا اقتباس ملاحظہ ہو:

> "انگلش میں نام اور پتہ لکھ سکے، اتنا سیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، کبھی شوہر سفر میں ہو، اور اس کو خط لکھنے میں انگلش پتہ کی ضرورت ہو تو غیر کے پاس جانا نہ پڑے، مگر لڑکیوں کو اسکول اور کالج میں داخل کر کے اونچی تعلیم دلانا اور ڈگریاں حاصل کرانا جائز نہیں، کہ اس میں نفع سے نقصان کہیں زیادہ ہے، (اثمھما اکبر من نفعھما) تجربہ بتلاتا ہے کہ انگلش تعلیم اور کالج کے ماحول سے اسلامی عقائد واخلاق وعادات بگڑ جاتے ہیں، آزادی، بے شرمی، بے حیائی، بڑھ جاتی ہے، جیسا کہ مرحوم اکبر الہ آبادی نے فرمایا ہے:

----- حواشی---

154 ۔ عورت اور اسلام مفتی سعید احمد علی سعید ۱۵۴ تا ۱۵۶، دعوت وتبلیغ نسواں نمبر ۳۸ تا ۳۹

نظر ان کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر
گرا کیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر

سر سید مرحوم لکھتے ہیں:

"اسی طرح لڑکیوں کے اسکول بھی قائم کیئے گئے جن کے ناگوار طرز نے یقین دلایا کہ عورتوں کو بد چلن اور بے پردہ کرنے کے لئے یہ طریقہ نکالا گیا ہے ، (اسباب بغاوت ہند) اگر ایک مسلمان بچی اونچی سے اونچی تعلیم کی ڈگری حاصل کر بھی لے ، لیکن اس کوشش میں مذہب کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تو اس کا ڈگریاں حاصل کرنا قوم کے لئے کیا مفید ہو سکتا ہے، مفید اس وقت ہو سکتا ہے جب مسلمان رہ کر ترقی کرے، کیا خوب کہا ہے اکبر الہ آبادی نے:

فلسفی کہتا ہے کیا پرواہے گر مذہب گیا
میں کہتا ہوں بھائی، یہ گیا تو سب گیا

شریعت کا قانون ہے کہ فائدہ حاصل کرنے کے بجائے خرابی سے دور رہنا اور برائی سے بچنا ضروری ہے، لڑکیوں کی فطرت اثر بد کو جلد قبول کر لیتی ہے، اور مذہبی لحاظ سے معاشی ذمہ داریاں بھی ان پر نہیں ہوتیں، تو ان کو انگریزی تعلیم سے علیحدہ رہنا چاہئے، بقول اکبر الہ آبادی:

تم شوق سے کالج میں پھلو، پارک میں پھولو
جائز ہے غباروں میں اڑو، چرخ پہ جھولو
بس ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو[155]

----- حواشی ---------------------------------------

155- فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۲۱ تا ۲۶

اس لئے ہمارے ملک کے مسلمانوں کو اس جانب توجہ دینی چاہئے، بالخصوص ہمارے سربراہ اور نمائندہ حلقوں کو ادھر بہت دھیان دینے کی ضرورت ہے، کیونکہ جب تک حالات وظروف سازگار نہ ہوں نظریہ کے ساتھ عمل کا اشتراک ناممکن ہے، واللہ اعلم بالصواب

سماجی مسائل

مشترکہ خاندانی نظام

(شرعی نقطۂ نظر)[156]

اللہ پاک نے اس روئے زمین کو انسانوں سے آباد کیا، ان کے آپس میں رشتے ناطے قائم کیے، ایک دوسرے کے ساتھ ضرورتیں وابستہ کیں، باہم تعارف کے لیے خاندانوں اور معاشرتوں کا سلسلہ جاری کیا، اور حقوق وفرائض کا ایک کامل نظام عطا فرمایا، یہ سب چیزیں ظاہر کرتی ہیں کہ انسان باہم مربوط بھی ہے اور ان کے درمیان کچھ فاصلے بھی ہیں، انسان بہت سے سماجی اقدار وروایات کا پابند بھی ہے اور اپنی پرائیوٹ زندگی میں بہت حد تک آزاد بھی، یہ دونوں چیزیں توازن کے ساتھ ہوں تو گھر اور معاشرہ جنت نظیر بن جاتا ہے اور توازن بگڑ جائے تو وہی گھر اور سماج جہنم کا نمونہ بن جاتا ہے۔

انسانی فطرت

انسان فطری طور پر حریت پسند واقع ہوا ہے، وہ سخت اجتماعیت میں بھی انفرادیت کا خواہاں ہوتا ہے اور بے پناہ مشغولیت میں بھی تنہائی کا متمنی ہوتا ہے، اللہ پاک نے انسان کی عجیب خلقت بنائی ہے، وہ سب کے ساتھ رہتے ہوئے بھی اکیلا رہنا چاہتا ہے اور تنہائی میں بھی وہ اکیلا نہیں ہوتا، ہر شخص کی اپنی شناخت ہے، اپنا ذوق اور مزاج ہے، اپنے مسائل اور ضروریات ہیں اور کوئی شخص زندگی کے کسی بھی مرحلے پر اس کے لیے ہرگز رضامند نہیں ہے کہ اس کی شناخت گم ہوجائے اور اس کے ذوق ومزاج اور شخصی مسائل کو

----- حواشی-----

156 - تحریر بمقام جامعہ ربانی منوروا شریف، بتاریخ:۴/ صفر المظفر ۱۴۳۲ھ مطابق ۹/ جنوری ۲۰۱۱ء

دوسروں کی خاطر نظر انداز کیا جائے، ہر اعتدال پسند انسان چاہتا ہے کہ وہ دوسروں کے کام آئے، مگر دوسروں کے لیے خود اس کی شخصیت فنا نہ ہو جائے، عام انسانی اقدار کا لحاظ واحترام ضروری ہے، مگر اس کی اپنی پرائیویسی بھی ختم نہ ہو، وہ دنیا کے ہر رنگ ونوع کو قبول کرنے کو آمادہ ہے، مگر اس کا اپنا امتیاز بھی برقرار رہنا چاہیے، انسان کے اسی مزاج اور طبقاتی اور خاندانی رنگارنگی کے اسی راز کو قرآن کریم نے مختصر اور بلیغ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے:

﴿جَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا﴾[157]

ترجمہ: ہم نے تمہارے اندر مختلف جماعتیں اور خاندان بنائے تاکہ تم باہم پہچانے جاؤ۔

طبقاتی فرق کا مقصد

یہ طبقاتی فرق انسان کے لیے ایک امتحان ہے کہ اس فرق کا استعمال بندہ کس طور پر کرتا ہے؟ قرآن کریم میں ایک دوسرے مقام پر ہے:

وهُوَالذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰئِفَ الاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَکُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِیَبْلُوَکُمْ فِی مَا اٰتٰکُم انَّ رَبّک سریعُ العقابِ وَانه لَغَفُوْرٌ رَّحِیْم[158]

ترجمہ: اللہ پاک ہی نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا اور باہم فرق مراتب رکھا تاکہ تم کو عطا کردہ چیز کے بارے میں آزمائے، بیشک تیرا پروردگار جلد عذاب دینے والا ہے اور وہ یقیناً بخشنے والا اور مہربان بھی ہے۔

اسی لیے شریعت مطہرہ نے اپنے تمام قانونی احکام اور اخلاقی ہدایات میں اس فطری تنوع کا لحاظ رکھا ہے، زندگی کا کوئی مرحلہ ہو اسلام نے اپنے کسی بھی حکم میں یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ اس نے کسی فریق یا زندگی کے کسی پہلو کو نظر انداز کیا ہو، یا کسی کی شناخت کو ختم کرنے کی کوشش کی ہو، اسلامی قانون

----- حواشی ---

157- الحجرات: ۱۳

158 - الانعام: ۱۶۵

سراپا عدل وانصاف پر مبنی ہے، اسی بنیاد پر یہ دین قیم اور دین فطرت ہے، اسلام کے نزدیک عدل ہی تقویٰ کا معیار ہے۔

قرآن کی ہدایت ہے کہ سخت سے سخت حالات میں بھی عدل کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنا چاہیے:

اِعْدِلُوْا ہُوَ اَقْرَبُ للتقویٰ[159]

ترجمہ: انصاف کرو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

احکام وہدایات میں ہر طبقہ کی رعایت-چند نمونے

ہم مثال کے طور پر اسلام کی چند ان ہدایات کا تذکرہ کرتے ہیں، جن کا تعلق دو مختلف المراتب فریقین سے ہے اور جن سے انسان کو روز وشب دوچار ہونا پڑتا ہے مثلاً:

☆ والدین اور اولاد دو مختلف طبقے ہیں، مگر اسلام نے دونوں کے مراتب کا مکمل لحاظ رکھتے ہوئے قانونی ہدایات دی ہیں، ایک طرف والدین کا اتنا عظیم حق بتایا گیا کہ ان کے سامنے اُف تک کہنے کی اجازت نہیں ہے، قرآن کریم میں ہے:

وَبِالْوَالِدَیْنِ احْسَاناًاَمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الکِبَرَ أحَدُہُمَا أوْ کِلاَہُمَا فَلا تَقُل لَّہُمَاأفٍ وَلاَ تَنْہَرْہُمَا وَقُلْ لَّہُمَا قَوْلاً کَرِیْمًا وَاخْفِضْ لَہُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْہُمَا کَمَا رَبَّیَانِی صَغِیْراً [160]

ترجمہ: اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف نہ کہو اور نہ جھڑکو، ان سے اچھے لہجے میں بات کرو اور رحمت وانکسار کے ساتھ ان کے آگے جھک جاؤ اور ان کے لیے دعا کرو کہ پروردگار ان پر رحم فرما، جس طرح انھوں نے بچپن میں میری پرورش کی تھی۔

----- حواشی ---

159 -مائدہ:۸

160 -الاسراء:۲۴

احادیث میں والدین کے حق کو جہاد فی سبیل اللہ سے بھی مقدم بتایا گیا ہے، حضرت عبد اللہ ابن مسعود روایت کرتے ہیں:

﴿قُلْتُ يَا رسولَ اللهِ أيُّ العَمَلِ أحَبُّ الى اللهِ؟ قَالَ: الصلاةُ علٰى وَقْتِهَا قُلْتُ ثُمَّ أيٌّ؟قَالَ بِرُّالْوَالِدَيْنِ، قُلْتُ ثُمَّ أيٌّ؟ قالَ الجهادُ فى سبيلِ الله﴾[161]

ترجمہ: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ پاک کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا، وقت پر نماز پڑھنا، میں نے عرض کیا ، اس کے بعد کس عمل کا درجہ ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا، والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا، میں نے عرض کیا پھر کون سا عمل؟ آپ نے فرمایا جہاد فی سبیل اللہ۔

دوسری طرف والدین کو اپنی اولاد کے حقوق کی طرف توجہ دلائی گئی اور انسان پر اولاد کی تعلیم و تربیت کی پوری ذمہ داری ڈالی گئی اور کہا گیا کہ اس سلسلے میں اللہ کے دربار میں ان کو جوابدہی کا سامنا کرنا ہوگا، ایک حدیث کے الفاظ ہیں:

﴿وَالرَّجُلُ رَاعٍ فى أهلہ ومَسْئُولٌ عن رَعِيَّتِہ﴾[162]

ترجمہ: مرد اپنے گھر والوں کا نگراں ہے، اس سے اس کی رعیت کے بارے میں بازپرس ہوگی۔

اولاد کو انسان کی سب سے بڑی پونجی اور صدقۂ جاریہ قرار دیا گیا، ارشاد نبوی ہے:

﴿اذا مَاتَ العبدُ انقطَعَ عَمَلُہ الاّمِنْ ثلاثٍ:صَدَقَةٌجَارِيةٌ أوعِلمٌ يُنْتَفَعُ بِہ مِنْ بَعْده أووَلَدٌصَالِحٌ يَدْعُولہ﴾[163]

----- حواشی---

161- بخاری مواقیت الصلوۃ:۵۰۴، مسلم کتاب الایمان ۸۵، ترمذی باب البر والصلۃ ۱۸۹۸، نسائی المواقیت ۶۱۰، احمد ۱/ ۴۳۹، دارمی الصلوۃ ۱۲۲۲

162 - بخاری باب الجمعہ:۸۵۳

163 - مسلم الوصیۃ:۱۶۳۱

ترجمہ: جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا عمل بند ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے کہ ان کا ثواب موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے: (۱) صدقۂ جاریہ (۲) ایسا علم جس سے بعد میں بھی نفع اٹھایا جاسکے (۳) نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔

☆ نکاح کے باب میں اولیاء کو ہدایت دی گئی کہ بالغ لڑکیوں کا نکاح ان کی مرضی کے بغیر نہ کیا جائے، ورنہ نکاح درست نہیں ہوگا۔

﴿وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ فی نَفْسِہا وَاذْنُہَا صمَاتُہا، متفق علیہ﴾[164]

ترجمہ: کنواری لڑکی سے اجازت لی جائے گی، اور اس کی اجازت کا مطلب خاموشی ہے۔

دوسری طرف لڑکیوں کو متنبہ کیا گیا کہ اپنے اولیا کے مشورہ کے بغیر نکاح نہ کریں، جو عورت بغیر کسی مجبوری کے ایسا کرے گی وہ بے حیائی اور گناہ کی مرتکب قرار دی جائے گی، ارشاد نبوی ہے:

﴿أيُّمَا امْرَأة نَكَحَتْ نَفْسَہَا بِغَيْرِ اذنِ وَلِيِّہا فَنِكَاحُہَا بَاطِلٌ، رواہ احمد والترمذی﴾[165]

ترجمہ: جو عورت اپنے ولی کی مرضی کے بغیر اپنا نکاح کرے گی اس کا نکاح باطل ہے۔

☆ میاں اور بیوی گھریلو زندگی کے دو ستون ہیں، ازدواجی زندگی میں دونوں کو الگ الگ ہدایات دی گئیں، شوہر سے کہا گیا کہ تمہاری یک گونہ فضیلت کے باوجود ان کے حقوق کے معاملہ میں تم اسی طرح جواب دہ ہو جس طرح کہ وہ تمہارے معاملے میں جواب دہ ہیں:

﴿وَلَہُنَّ مِثْلُ الذی عَلَيْہِنَّ بِالمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيہِن درجة﴾[166]

----- حواشی -----

164 ۔مشکوۃ باب الولی فی النکاح ص:۲۷۰

165 ۔مشکوۃ:۲۷۰

166 ۔بقرہ:۲۲۸

ترجمہ: عورتوں کا مردوں پر اتنا ہی حق ہے، جتنا مردوں کا ان پر ہے، البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

جو لوگ اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھے طور پر رہتے ہیں، ان کو سوسائٹی کا اچھا آدمی قرار دیا گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَہْلِہٖ وَأنَا خَیْرُکُمْ لِاَہْلِی الحدیث رواہ الترمذی والدارمی.[167]

ترجمہ: تم میں بہتر شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم سب سے بہتر ہوں۔

عورتوں کی دلدہی کا اس قدر خیال رکھا گیا کہ ان کی جبری اصلاح سے بھی روکا گیا، ارشاد فرمایا گیا:

﴿انَّ الْمَرْأَۃَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ وَلَنْ تَسْتَقِیم لکَ علٰی طریقۃٍ فانِ اسْتَمْتَعْتَ بِہَا اِسْتَمْتَعْتَ بِہا وَفِیْہا عِوَجٌ وَانْ ذَہَبْتَ تُقِیْمُہا کَسَرْتَہا وَکَسْرُہَا طَلاَقُہا﴾[168]

ترجمہ: بیشک عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور وہ کبھی تمہارے ایک راستے پر سیدھی نہیں چل سکتی، پس اس سے جو نفع اٹھا سکتے ہو اٹھالو، اس میں کجی ہے اگر تم اس کو ٹھیک کرنے کے درپے رہے تو اس کو توڑ ڈالوگے، توڑنے کا مطلب طلاق ہے۔

ایک حدیث میں ہے:

﴿لاَیَفرکُ مؤمنٌ مؤمنۃً ان کَرِہَ منہا خُلُقاً رَضِیَ منہا خُلُقاً آخرَ﴾[169]

----- حواشی ---

167 ۔ مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء: ۲۸۱

168 ۔ صحیح مسلم الرضاع: ۱۴۶۸

169 ۔ مسلم الرضاع ۱۴۶۹، احمد ۲/۳۲۹

ترجمہ: کوئی مومن مرد کسی مومن عورت سے نفرت نہ کرے؛ اس لیے کہ اگر ایک بات ناپسند ہو گی تو دوسری کوئی بات ضرور پسند آئے گی۔

دوسری طرف عورت کو تنبیہ کی گئی کہ:

﴿لَوْكُنْتُ آمِراًأحداًان يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لأمرتُ المرأةَ تَسْجُدُ لِزَوْجِهَا وَلَوأَمَرَهَا أنْ تَنْتَقِلَ مِنْ جَبَلِ أصفرَ الٰى جَبَلِ أسودَ وَمِنْ جَبَلِ أسودَالٰى جَبَلِ أبْيَضَ كَانَ ينبغى لَها أنْ تَفْعَلَہ﴾[170]

ترجمہ: اگر میں کسی کو کسی کا سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کا سجدہ کرے اور اگر شوہر حکم دے کہ زرد پہاڑ سے سیاہ پہاڑ پر چلی جائے اور سیاہ پہاڑ سے سفید پہاڑ کی طرف منتقل ہو تو عورت کو یہ حکم مان لینا چاہیے۔

ایک حدیث میں ہے کہ:

﴿اذَا دَعَا الرَّجُلُ الٰى فِرَاشہ فَأبَتْ أَنْ تَجِیءَ فَبَاتَ غَضْبَانَ عَلَيْہَالَعَنَتْهَا المَلائِكَةُ حتى تَصْبَحَ﴾[171]

ترجمہ: مرد اگر اپنی بیوی کو اپنے پاس بلائے اور عورت آنے سے انکار کر دے، پھر شوہر اس سے ناراض ہو کر سو جائے تو صبح تک فرشتے اس عورت پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

﴿لَايَحِلُّ لامْرَأةٍ أنْ تَصُوْمَ و زَوْجُها شاہدٌ الّا باذنہ، ولا تأذن لأحدفى بيتہ الا باذنہ﴾[172]

----- حواشی --

170 ۔رواہ احمد والترمذی الرضاع ۱۵۹، مشکوۃ باب الخلع والطلاق ص ۲۸۳

171 ۔بخاری باب بدء الخلق ۳۰۶۵، مسلم النکاح ۱۴۳۶

172 ۔البخاری، النکاح ۴۸۹۹، مسلم الزکاۃ ۱۰۲۶، احمد ۲/ ۳۱۶

ترجمہ: کسی عورت کے لیے درست نہیں کہ شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر (نفل) روزہ رکھے یا کسی کو اس کی مرضی کے بغیر اس کے گھر میں آنے کی اجازت دے۔

شوہر کی رضامندی کو عورت کے لیے جنت میں داخلہ کا وسیلہ قرار دیا گیا، حضرت ام سلمہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَيُّما اِمْرَأةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُها رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ [173]

ترجمہ: جو عورت مر جائے اور اس کا شوہر اس سے راضی ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔

☆ ایک طرف امراء وحکام کو عدل وانصاف، ادائے امانت، رحم وکرم، خوف خدا اور قانون کی بالادستی کی تاکید کی گئی:

﴿الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحمٰنُ اِرْحَمُوا مَنْ فِى الأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فى السَّماء﴾[174]

ترجمہ: رحم کرنے والوں پر رحمن رحم کرتا ہے، اہل زمین پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

اعْدِلُوا ہُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوىٰ[175]

ترجمہ: انصاف کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

أَنْ تُؤَدُّوا الأماناتِ الٰى أہْلِہَا وَ اذا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ الآية[176]

ترجمہ: امانتیں اہل امانت کے حوالے کرو اور لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف

----- حواشی ---

173 ۔الترمذی الرضاع ۱۱۶۱، ابن ماجہ النکاح ۱۸۵۴

174 ۔رواہ ابوداؤد والترمذی: ۴۳۲

175 ۔مائدہ: ۸

176 ۔نساء: ۸

کے ساتھ کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ امامٍ يَغْلِقُ بابَہ مِنْ ذَوِی الْحَاجَةِ وَالخُلَّةِ وَالْمَسْكَنَةِ الّاأغْلَقَ اللهُ أبْوَابَ السَّماءِدُوْنَ خُلَّتِہ وَحَاجَتِہ وَمَسْكَنَتِہ[177]

ترجمہ: جو امام وحاکم ضرورت مندوں سے اپنا دروازہ بند کرلیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کے وقت آسمان کے دروازے بند کرلے گا۔

من ولی من امر المسلمين شيئاً فاحتجب دون خلتہم وحاجتہم وفقرہم وفاقتہم احتجب الله عزوجل يوم القيٰمة دون خلتہ وفاقتہ وفقرہ[178]

ترجمہ: جو شخص مسلمانوں کے معاملہ کا ذمہ دار ہونے کے بعد ان کی ضرورت کے وقت سامنے نہ آئے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ضرورت وحاجت کے وقت اس کو نظر نہیں آئے گا۔

الامام الذی علی الناس راع ہو مسئول عن رعيتہ[179]

ترجمہ: وہ امام جو لوگوں پر مقرر ہے وہ نگراں کار ہے اس سے اس کے زیر نگرانی اشخاص کے متعلق بازپرس ہوگی۔

مامن عبد يسترعيہ الله رعية فلم يحطہابنسجتہ الا لم يجد رائحة الجنة[180]

ترجمہ: جس بندہ کو اللہ کسی رعیت کا نگراں بنائے اور وہ اس کی خیر خواہی پوری نہ

----- حواشی---

177 - ترمذی ابواب الاحکام ص ۲۲۷

178 - مستدرک حاکم کتاب الاحکام ج ۴ ص ۹۳ حیدرآباد

179 - بخاری کتاب الاحکام ۲/ ۱۰۵۷

180 - بخاری کتاب الاحکام ۱۰۵۷/۲

کرے تو وہ جنت کی بو بھی نہیں پائے گا۔

دوسری جانب عوام کو اپنے امیر کی ہر جائز امر میں اطاعت کی تلقین کی گئی اور اس کو اللہ اور رسول کی اطاعت کا حصہ قرار دیا گیا، اگر امیر اپنی ذمہ داریوں کے باب میں کوتاہی کا شکار ہو تب بھی اس کو نظر انداز کر کے اپنی ذمہ داریوں کو نباہنے کی ہدایت کی گئی۔

قرآن کریم میں ہے:

﴿یٰأَیُّہَاالذِیْنَ آمنوا أطِیْعُوا اللہَ وَأطِیْعُوا الرَّسُولَ وَأولِی الأمرِ مِنْکُم﴾[181]

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول اور اپنے ذمہ داروں کی اطاعت کرو۔

ارشاد نبوی ہے:

﴿علی المرء المسلم السمع والطاعة فیما أحب وکرہ الا أن یؤمر بمعصیة فاذا أمر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة﴾[182]

ترجمہ: ہر مسلمان پر امیر کی سمع وطاعت ہر معاملہ میں واجب ہے، جی چاہے یا نہ چاہے، الا یہ کہ کسی معصیت کا حکم دیا جائے، اگر امیر معصیت کا حکم دے تو پھر سمع وطاعت واجب نہیں ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا:

یا نبی اللہ! أرأیت ان قامت علینا أمراء یسألوننا حقهم و یمنعوننا حقنافما تأمرنا؟فأعرض عنه ثم سأله مرة ثانیة، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم اسمعوا وأطیعوا فانما علیهم ما حملوا وعلیکم ما حملتم﴾[183]

----- حواشی --

181 - النساء:۵۹

182 - البخاری الاحکام ۶۷۲۵، مسلم الامارۃ ۱۸۳۹، الترمذی الجہاد ۱۷۰۷

183 - مسلم الامارۃ ۱۸۴۶، الترمذی الفتن ۲۱۹۹

ترجمہ: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اگر ہم پر ایسے امراء مسلط ہو جائیں جو ہم سے اپنا حق وصول کریں، لیکن ہمیں ہمارا حق نہ دیں تو ایسے امراء کے بارے میں آپ کا حکم کیا ہے؟ آپ نے اس کی بات کو نظر انداز کر دیا، اور کوئی جواب نہیں دیا، اس نے دوبارہ یہی سوال کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا کام سمع وطاعت ہے تم پر تمہارے کام کی ذمہ داری ہے ان پر ان کے کام کی ذمہ داری ہے۔

☆ ایک طرف مال والوں کو مال خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی اور صدقہ وخیرات کے اتنے فضائل بیان کیے گئے کہ بعض صحابہ نے اپنا سارا مال ہی صدقہ کر دینے کی ٹھان لی تھی۔

پڑوسیوں کا اتنا حق بتایا گیا کہ گھر کے سالن میں بھی ان کو شریک کیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿اذا طبخت مرقة فاكثر مائها وتعاهد جيرانك﴾[184]

ترجمہ: شوربہ پکاؤ تو پانی بڑھا دو اور اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو۔

لیکن دوسری طرف سوال کرنے اور کسی سے مدد مانگنے کو انسانی غیرت کے خلاف کہا گیا اور اس کو چہرہ پر گدائی کے بد نما داغ سے تعبیر کیا گیا[185] اور فرمایا گیا:

اليدُ العُليا خَيْرٌ مِنَ اليدِ السُفلٰى[186]

ترجمہ: اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

☆ ایک طرف انسان کو مواقع تہمت سے بچنے کا حکم دیا گیا تاکہ کسی کو بدگمانی یا قیاس آرائی کا موقعہ نہ ملے تو دوسری طرف اپنے مؤمن بھائیوں کے ساتھ حسن ظن رکھنے کا حکم دیا گیا اور بہت سے گمانوں کو گناہ قرار دیا گیا اور کسی کی ٹوہ میں رہنے سے منع کیا گیا، بلکہ بے اختیار اگر کسی مسلمان کے کسی عیب پر نگاہ بھی

----- حواشی ---

184 - مسلم البر والصلۃ والآداب ۲۶۲۵، الترمذی الأطعمۃ ۱۸۳۳، ابن ماجہ الأطعمۃ ۳۳۲۶

185 - دیکھئے صحیح بخاری کتاب الصدقات باب من سأل الناس تکثراً، ۱/۱۹۹

186 - بخاری کتاب الصدقات باب الاستعفاف عن المسئلۃ ۱/۱۹۹

پڑجائے تو اس کو ہر ممکن طور پر مخفی رکھنے کی تاکید کی گئی۔

﴿يأيُّهَاالذين آمَنُوا اجْتَنِبُوا كثيراً مِنَ الظَّنِ انَّ بَعْضَ الظَّنِّ اثْمٌ وَلاَ تَجَسَّسُوا﴾[187]

ترجمہ: ایمان والو! اکثر گمانوں سے بچو، اس لیے کہ بہت سے گمان گناہ ہوتے ہیں۔

عن عقبة بن عامر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من رأى عورة فسترها كان كمن أحيىٰ موؤدة[188]

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی کا کوئی عیب دیکھا پھر اس کو چھپالیا تو اس نے گویا کسی دفن شدہ لڑکی کو زندہ کر دیا۔

☆ ایک طرف مردوں کو یہ حکم کہ نامحرم عورتوں پہ نظر نہ پڑے اور اپنی نگاہیں نیچے رکھیں۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ أبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوْجَهُمْ ذلك أزكىٰ لَهُمْ[189]

ترجمہ: آپ ایمان والوں سے کہہ دیں کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے پاکی کا باعث ہے۔

دوسری طرف عورتوں کو یہ ہدایت کہ:

قَرْنَ فِيْ بُيُوتِكُنَّ وَلاَ تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الجَاهِلِيَّةِ الأولىٰ[190]

ترجمہ: اپنے گھروں میں رہیں اور پرانی جاہلیت کی طرح بن سنور کر باہر نہ نکلیں۔

----- حواشی ---

187 ۔ حجرات:ع۲

188 ۔ رواہ احمد والترمذی، مشکوۃ ص ۴۲۴

189 ۔ النور:ع۴

190 ۔ الاحزاب:۳۳

☆ بزرگوں کو حکم کہ چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آئیں اور چھوٹوں کو تاکید کہ حد ادب ملحوظ رہے، ارشاد نبوی ہے:

﴿لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا﴾[191]

ترجمہ: جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی عزت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

اس طرح کی بیشمار مثالیں ہیں، جن میں شریعت اسلامیہ نے دو طرفہ اور سہ طرفہ ہدایات دے کر لوگوں کے حقوق، ان کی شناخت اور ترجیحات کا تحفظ کیا ہے، تاکہ نظام عالم قائم رہے، معاشرتی اقدار وروایات جاری رہیں اور ہر شخص کی ذاتیات بھی محفوظ رہیں، اسلام کسی بھی ایسے فکر و عمل کی اجازت نہیں دیتا جس سے کسی فرد یا اجتماع کا مفاد متاثر ہوتا ہو،۔۔۔۔۔۔ خاندانی نظام کے مسائل کو سمجھنے کے لیے اسلام کے اس مزاج اور مذاق کو پیش نظر رکھنا از حد ضروری ہے۔

اجتماعی زندگی کے چند رہنما اصول

اسی طرح اسلام نے اجتماعی زندگی کے لئے جو قواعد وضوابط اور رہنما اصول مقرر کئے ہیں ان کو بھی سامنے رکھنا ہو گا، اس سلسلے کے چند اشارات پیش خدمت ہیں:

☆ رسول اکرم ﷺ کا عام معمول حدیث کی کتابوں میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ آپ کو دو جائز باتوں میں اختیار ملتا تو ان میں عام لوگوں کے لئے جو آسان بات ہوتی اس کو اختیار فرماتے تھے:

عن عائشۃؓ أنہا قالت ماخیررسول اللہ بین أمرین قط إلا إختار أیسرہما مالم یکن إثماً فان کان إثماکان أبعد الناس[192]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جب بھی دو باتوں میں اختیار ملتا تو آپؐ ان میں آسان تر کو اختیار فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو، گناہ ہونے

----- حواشی ---

191 - رواہ الترمذی، مشکوۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق ص ۴۲۳

192 - بخاری کتاب الادب حدیث ۲۵۸۸۸ / ۹۰۴

پر آپ سب سے زیادہ دور رہنے والے تھے۔

☆نیز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لاضرر ولاضرار[193]

ترجمہ: کسی کو نہ نقصان پہونچانے کی اجازت ہے اور نہ اٹھانے کی۔

☆اسی طرح سرکار دوعالم ﷺ کی وہ فکر جس کو بناء کعبہ کے سلسلے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے نقل فرمایا ہے کہ آپؐ خانۂ کعبہ کی تعمیر ابراہیمی بنیادوں پر کروانا چاہتے تھے لیکن مکہ کے لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، فتنہ کا اندیشہ تھا اس لئے آپ نے اپنا ارادہ ترک فرمادیا:

ان روایات سے بہت سے فقہی ضابطے تیار ہوئے، مثلاً:

☆لاضرر فی الاسلام[194]

ترجمہ: اسلام میں کسی کو نقصان پہونچانے کی اجازت نہیں ہے۔

مشہور فقہی ضابطہ ہے:

☆یختار أخف الضررین واہون الشرین[195]

ترجمہ: دو شر میں سے ہلکے شر کو گوارا کیا جائے گا اور مصیبتوں میں ہلکی مصیبت کو اختیار کیا جائے گا۔

☆الضرر الاشد یزال بالضرر الاخف[196]

ترجمہ: بڑے نقصان کو چھوٹے نقصان کے ذریعہ دور کیا جائے گا۔

----- حواشی---

193 ۔قواعد الفقہ ص ۱۰۶، المدخل:۲۲۵

194 ۔الموسوعۃ الفقہیۃ: ج ۳۱ ص ۲۴۰

195 ۔الموسوعۃ الفقہیۃ: ج ۳۱ ص ۲۴۰، قواعد الفقہ ۱۴۰

196 ۔الموسوعۃ الفقہیۃ: ج ۳۱ ص ۲۴۰، الاشباہ ۱۱۱

☆یحتمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام[197]

ترجمہ: ضرر عام کو دور کرنے کے لئے ضرر خاص کو گوارا کیا جائے گا۔

☆الضرر یزال[198]

ترجمہ: ضرر کو دور کیا جائے گا۔

☆الضرر یدفع بقدر الامکان[199]

ترجمہ: ضرر کو ممکن حد تک دور کیا جائے گا۔

☆یہیں سے فقہاء نے یہ ضابطہ بھی اخذ کیا ہے کہ بعض جائز امور کو مفسدہ کے ڈر یا شر کے دروازہ کو بند کرنے کیئے چھوڑ دینا واجب ہے، سدّ اللباب اور سدّ اللذریعۃ کا اصول یہیں سے اخذ کیا گیا ہے۔

☆ قرآن کریم شراب اور جوا کی حرمت کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتا ہے:

یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیہما إثم کبیر ومنافع للناس و إثمہما أکبر من نفعہما[200]

ترجمہ: لوگ آپ سے شراب اور جوا کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیں کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے نفع بھی ہے مگر ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑھ کر ہے۔

☆اس سے یہ فقہی ضابطہ اخذ کیا گیا:

درء المفاسد اولیٰ من جلب المنافع[201]

ترجمہ: حصول نفع کے مقابلے میں دفع مضرت زیادہ مقدم ہے۔

----- حواشی --

197 - قواعد الفقہ: ص ۱۳۹، الاشباہ ۱۱۰

198 - قواعد الفقہ ص ۸۸، الاشباہ ۱۰۷

199 - قواعد الفقہ ص ۸۸

200 - بقرۃ: ۲۱۹

201 - قواعد الفقہ، مفتی عمیم الاحسان ۸۰، الاشباہ ۱۱۴

اس اصولی گفتگو کے بعد اب ہم خاندانی نظام کے مسئلے پر آتے ہیں، یہ مسئلہ نصوص میں تو آیا نہیں ہے اور نہ فقہاء سلف کے یہاں باقاعدہ زیر بحث آیا ہے، اس کو ہمیں اسلام کے قواعد وکلیات اور عرف وعادات کی روشنی میں حل کرنا ہوگا:

خاندان کی اہمیت

☆خاندان اللہ کی بڑی نعمت ہے، اس میں انسان کے لئے سامان مؤدت بھی ہے اور اس کی پشت پر بہت بڑی قوت بھی، اس سے انسان کی شناخت بھی وابستہ ہے اور جاری اقدار وروایات کا تسلسل بھی، خاندانی پس منظر انسان کے لئے ڈھال کی حیثیت رکھتا ہے، اس کے بغیر انسان کٹی پتنگ کے مانند ہے اور زندگی کے منجھدار میں گویا وہ ایک بے پتوار کی کشتی پہ سوار ہو، حضرت شعیبؑ کے قصہ میں یہی خاندانی قوت کافروں کے پاؤں کی زنجیر بن گئی تھی، ان کی زبان سے نکلا ہوا یہ جملہ ان کی اسی بے بسی کا غماز ہے:

ولولا رهطك لرجمنٰك وماأنت علينا بعزيز قال أرهطي أعز عليكم من الله الآية[202]

ترجمہ: اگر تمہارے کنبہ کے لوگ نہ ہوتے تو ہم تم کو سنگسار کر دیتے، ہمارے نزدیک تمہاری کوئی عزت نہیں ہے، حضرت شعیبؑ نے فرمایا کیا اللہ کے مقابلہ میں میرا کنبہ تمہارے نزدیک زیادہ باعزت ہے؟

حضور اکرم ﷺ کی مکی زندگی میں شعب ابی طالب کا واقعہ خاندانی وحدت کی بہترین مثال ہے، جس میں مذہب کی قید کے بغیر خاندان بنوہاشم کے ہر فرد نے شرکت کی۔[203]

اسی طرح دارالندوہ میں حضور ﷺ کے (معاذ اللہ) منصوبۂ قتل پر قریش کو دس بار سوچنا پڑا تھا کہ کہیں پورا بنی عبد مناف مقابلہ پر نہ آجائے اور پھر یہ تجویز پاس ہوئی کہ تمام قبائل کے لوگ اس میں

----- حواشی -----

[202] - ہود: ۹۱، ۹۲

[203] - طبقات ابن سعد ج ا ص ۱۳۹، سیرت ابن ہشام ج ا ص ۱۲۲

شریک ہوں اور ہر قبیلہ سے ایک ایک شخص اس کام میں نمائندگی کرے [204]

حضور ﷺ کے مقاطعہ کے پیچھے بھی جو اصل محرک کار فرما تھا وہ بنو ہاشم کی خاندانی قوت کو کمزور کرنا اور بالآخر حضور ﷺ کی آواز کو بے اثر کرنا تھا۔..... اس سے خاندان کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے، اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح انسان کی ذاتی زندگی کے لئے خاندان کی ضرورت ہے اسی طرح دینی مقاصد میں بھی اس کی بڑی اہمیت ہے۔

قربت میں اعتدال کی ضرورت

مگر اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ باہم معاملات میں جس قدر صفائی اور قربت میں جتنا اعتدال ہوگا یہ رشتہ اتنا ہی زیادہ مستحکم اور دیرپا رہے گا، یعنی قربت اور قرابت میں بھی فاصلہ برقرار رہنا چاہئے، بہت زیادہ نزدیکی رشتوں کو کاٹتی ہے، حد سے زیادہ قربت دلوں میں دوریاں پیدا کردیتی ہے، اور اندھا اعتماد جلد ٹوٹ جاتا ہے۔

مشترکہ خاندانی نظام بہتر نہیں ہے

اس تناظر میں میری حقیر رائے یہ ہے کہ عام لوگوں کے لئے مشترکہ خاندانی نظام کے بالمقابل جداگانہ خاندانی نظام بہتر ہے، مسئلہ جواز وعدم جواز کا نہیں ہے، بلکہ اس کا ہے کہ ایک عام انسان کے لئے کون سا طرز زندگی بہتر ہے، وہ- جس میں خاندان کے تمام افراد ایک ساتھ رہیں، ایک ساتھ کاروبار کریں اور ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھائیں، یا وہ نظام جس میں خاندان کے تمام لوگ اپنی رہائش، کھانے پینے اور کاروبار میں آزاد ہوں لیکن اس کے باوجود وہ باہم مربوط بھی ہوں اور ہر رنج وغم میں ایک دوسرے کے شریک ہوں ......؟ میری رائے میں عام حالات میں مشترکہ خاندانی نظام بہتر نہیں ہے اس میں متعدد ایسی قباحتیں ہیں جن سے جداگانہ نظام محفوظ ہے، اسباب کی تفصیل درج ذیل ہے:

----- حواشی --

204 - طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۵۲

اسباب ووجوہات

(ا) شرعی حدود کی جتنی رعایت جداگانہ نظام میں ممکن ہے، مشترکہ خاندانی نظام میں نہیں، کئی ایسے مراحل ہیں جن میں مشترکہ نظام شرعی حدود کو قائم رکھنے میں ناکام ثابت ہوتا ہے مثلاً:

☆کاروبار، اس میں شراکت اگر پوری امانت ودیانت کے ساتھ ہو تو بڑی باعث برکت ہے، احادیث میں اس کی ترغیب آئی ہے، ابوداؤد کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يد الله على الشريكين ما لم يخن أحدهما صاحبه فإذا خان أحدهما صاحبه رفعها عنهما[205]

ترجمہ: شرکاء کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے جب تک کہ خیانت نہ کریں، ان میں سے کوئی بھی خیانت کرے تو برکت اٹھالی جائے گی۔

عن ابی ہریرۃؓ رفعہٗ قال إن الله عزوجل يقول أناثالث الشريكين مالم يخن أحدہماصاحبہٗ فاذاخانہٗ خرجت من بينہمارواہ ابوداؤد[206]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوع طور پر منقول ہے کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ میں دو شرکاء کے درمیان تیسرا ہوتا ہوں بشرطیکہ ان میں سے کوئی خیانت نہ کرے اگر کوئی خیانت کرتا ہے کہ تو میں بیچ سے نکل جاتا ہوں۔

اس کی اہمیت اس لئے بھی زیادہ ہے کہ شرکت کے کاروبار میں افرادی قوت کے ساتھ دماغی قوت بھی دوچند ہوجاتی ہے، جس سے کاروبار کی ترقی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں...... مگر شرکت کے ساتھ امانت ودیانت کو قائم رکھنا آسان بات نہیں ہے، ایک تو خود تجارت ہی پوری دیانت داری اور سچائی کے ساتھ بہت

----- حواشی ---

205 - سنن الدارقطني ج ٣ ص ٣٥ حديث نمبر : **140** المؤلف : علي بن عمر أبو الحسن الدارقطني البغدادي الناشر : دار المعرفة – بيروت ، **1386 – 1966** تحقيق : السيد عبد الله هاشم يماني المدني عدد الأجزاء : **4**

206 - مشکوۃ باب الشرکۃ ۴۵۲

مشکل ہے اس میں بھی شرکت کی تجارت، بہت کم ایسی مثالیں ہیں جن میں پوری دیانت اور امانت کے ساتھ شرکت کا کاروبار بحسن وخوبی تادیر جاری رہا ہو، بالخصوص اس دور میں جب کہ تاجروں کے اکثر طبقات میں دیانت وامانت کا فقدان پایا جاتا ہے...... یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ شرکت کے کسی معاملے میں خواہ وہ قریب ترین رشتہ داروں ہی کے درمیان کیوں نہ ہو ہر فریق تمام شرعی حدود کا لحاظ رکھ سکے گا، اور کسی طرف سے کوئی خیانت پیش نہیں آئے گی، کسی کی کوئی حق تلفی نہیں ہوگی، کسی کو کسی سے کوئی آزار نہیں پہونچے گا، اس لئے حق تلفی، ایذارسانی اور خیانت کے ان مضبوط اندیشوں سے بچنے کا محفوظ راستہ یہی ہے کہ انسان جہاں تک ممکن ہو کوئی بھی کاروبار انفرادی سطح پر کرے یا کم سے کم لوگ اس میں شریک ہوں، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

المسلم من سلم المسلمون من لسانہٖ ویدہٖ رواہ الترمذی و النسائی[207]

ترجمہ: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

علاوہ ازیں شرکت کی تمام تر فضیلت وبرکت، دیانت کی بنیاد پر ہے اگر دیانت وامانت ہی مفقود یا مشتبہ ہو جائے تو کس بنیاد پر فضیلت ہوگی؟ اور اگر دیانت وامانت موجود ہو تو تنہا تجارت بھی فضیلت سے خالی نہیں، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشہداء رواہ الترمذی والدارمی[208]

ترجمہ: سچا اور ایمان دار تاجر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ مشترک طور پر رہنے میں بالعموم غیر محرموں سے مکمل شرعی پردہ کا اہتمام نہیں ہو پاتا بلکہ بسا اوقات اس کا تصور بھی ختم ہو جاتا ہے جو ایک بڑی شرعی قباحت ہے، جس کو مشترکہ طرز رہائش سے ختم کرنا بہت مشکل ہے، انفرادی طرز رہائش میں جس میں زیادہ سے زیادہ والدین

----- حواشی -----

207 ۔ مشکوۃ ص ۱۵

208 ۔ مشکوۃ باب المساہلۃ فی المعاملۃ ص ۲۴۳

شامل ہوں اس قباحت سے آدمی محفوظ رہ جاتا ہے، اور انسان چاہے تو پوری طرح شرعی پردہ کا اہتمام کر سکتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گھریلو نظام

(۳) جداگانہ خاندانی نظام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی سے زیادہ قریب ہے، اس لئے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیک وقت نو(۹) بیویاں تھیں،[209] اوران سب کی رہائش اور خورد ونوش کا انتظام جداگانہ تھا، تمام کے حجرے الگ تھے، جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے زیادہ پاکدل اور صاف باطن دنیامیں کون ہو سکتا ہے؟ اور ان سے بڑھ کر دوسروں کے حقوق کی نگہ داشت کا خیال کس کو ہو سکتا ہے؟ اگر ان کا مشترکہ نظام بنتا تو بھی ہر طرح کی قباحت سے ان کا بچنا دوسروں کے مقابلہ میں بہت آسان تھا، کہ یہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا گھرانہ تھا، یہاں کے افراد دنیا کے سب سے چنے ہوئے لوگ تھے، یہ دنیا کے انسانوں کے لئے سب سے بہترین نمونہ تھے اور جن کو دیکھ کر تقویٰ وطہارت کے سانچے مقرر کئے جاتے تھے...... خود قرآن کریم نے ان کے امتیاز وانفرادیت کی ضمانت دی ہے:

یٰانساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن الآیۃ[210]

ترجمہ: اے نبی کی عورتو! تم دنیا کی عام عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیا کرو......

لیکن ان سب کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشترکہ نظام اختیار نہیں فرمایا اور تمام ازواج کے لئے قیام وطعام کا جداگانہ نظام قائم فرمایا۔

روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے اور پوچھتے کہ آج گھر میں کچھ ہے؟، اگر ہر گھر سے جواب ملتا، نہیں، تو آپ فرماتے کہ اچھا میں نے روزہ رکھ

----- حواشی--

209 ۔مشکوۃ ۲۷۷

210 ۔احزاب:۳۲

لیا۔[211]

اگر کھانے کا نظام مشترکہ ہوتا تو تمام ازواج کے پاس تشریف لے جانے کی زحمت نہ فرماتے۔

بعد میں جب فتوحات کا آغاز ہوا تو آپ ﷺ کی اجازت سے بنو نضیر کے نخلستان سے جو آمدنی حاصل ہوتی تھی اس میں ہر ایک کا برابر برابر حصہ مقرر کر دیا گیا، جو ان کے سال بھر کے مصارف کے لئے کافی ہوتا تھا[212] پھر خیبر فتح ہوا تو ازواج کے لئے فی کس ۸۰ وسق کھجور اور ۲۰ وسق جو سالانہ مقرر ہو گیا، وسق ۶۰ صاع کا ہوتا ہے[213]

ازواج مطہراتؓ کی خوش رنجیاں

اس احتیاط کے باوجود تمام ازواج مطہرات میں پوری ذہنی ہم آہنگی نہیں تھی ان میں دو گروپ تھے[214] کبھی ان میں خوش رنجیاں بھی ہو جاتی تھیں، مثلاً:

☆شہد کے مسئلے پر ازواج کے درمیان جو خوش رنجی ہوئی وہ تفسیر وحدیث وسیر کی کتابوں میں معروف ہے،[215] جس کے نتیجے میں اللہ کے رسول ﷺ نے شہد سے بالکلیہ اجتناب فرمالیا تھا، لیکن حکم الٰہی آجانے کے بعد آپ نے اپنا فیصلہ تبدیل کر لیا، قرآن میں اس کا تذکرہ موجود ہے:

یٰاایہا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک واللہ غفوررحیم،قدفرض اللہ تحلۃایمانکم واللہ مولٰکم وھو العلیم الحکیم[216]

ترجمہ: اے نبی! آپ بیویوں کی دلجوئی کے لئے اللہ کی حلال کردہ چیز سے کیوں پرہیز

----- حواشی---

211 ۔مسند احمد بن حنبل ۲/۴۹

212 ۔بخاری کتاب النفقات باب حبس الرجل قوت سنۃ علیٰ اہلہ ۲/۸۰۶

213 ۔بخاری کتاب الحرث والمزارعۃ باب المزارعۃ بالشطر حدیث نمبر ۲۲۷۰ ج ۱/۳۱۳

214 ۔مشکوٰۃ باب مناقب ازواج النبی ﷺ ص ۵۷۳

215 ۔نسائی باب الغیرۃ ۴/۱۷ وغیرہ

216 ۔التحریم:۱،۲

کرتے ہیں؟ اللہ بخشنے والے مہربان ہیں، اللہ پاک نے آپ کی قسم توڑنے کو ضروری قرار دیا ہے اللہ آپ سب کا مالک ہے اور وہی علم وحکمت والا ہے۔

☆ایک دفعہ آنحضرت ﷺ گھر تشریف لائے تو ام المؤمنین حضرت صفیہؓ رو رہی تھیں، آپؐ نے رونے کی وجہ دریافت کی، انہوں نے عرض کیا، مجھ کو حفصہؓ نے کہا ہے کہ "تم یہودی کی بیٹی ہو" آپؐ نے فرمایا "تم نبی کی بیٹی ہو، تمہارے چچا پیغمبر، تمہارے شوہر پیغمبر، حفصہؓ تم پر کس بات میں فخر کر سکتی ہے، آپؐ نے حضرت حفصہؓ کو تنبیہ فرائی، حفصہ! اللہ سے ڈرو[217]۔

☆ایک دفعہ حضرت صفیہؓ کے بارے میں حضرت عائشہؓ کی طرف سے بھی اسی طرح کی تنقید پر حضور ﷺ نے مذکورہ جواب دہرایا تھا[218]

☆ایک بار حضرت عائشہؓ نے حضرت صفیہؓ کے بارے میں حضور ﷺ کے سامنے اشارتاً ایسی بات کہی جس سے ان کے چھوٹے قد ہونے پر تعریض جھلکتی تھی، حضور اکرم ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو تنبیہ کی اور فرمایا، عائشہ! تم نے اتنی سخت بات کہی ہے کہ اگر وہ سمندر میں ڈال دی جائے تو پورے سمندر کو متغیر کر دے[219]

☆ایک موقعہ پر حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ دونوں حضور ﷺ کے ساتھ سفر میں تھیں رسول اللہ ﷺ راتوں کو حضرت عائشہؓ کے اونٹ پر چلتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے، ایک دن حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ آج رات تم میرے اونٹ پر اور میں تمہارے اونٹ پر سوار ہوں، تاکہ مختلف مناظر دیکھنے میں آئیں، حضرت عائشہؓ راضی ہو گئیں آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے پاس آئے جس پر حضرت حفصہؓ سوار تھیں جب منزل پر پہونچے اور حضرت عائشہؓ نے آپ کو نہیں پایا تو اپنے

----- حواشی --

217 ۔ترمذی کتاب المناقب ج ۲ ص ۴۷۸

218 ۔سیرۃ النبی علامہ شبلی نعمانی ۲/ ۲۴۳

219 ۔مشکوۃ باب حفظ اللسان والغیبۃ ص ۴۱۴ بروایت ابوداؤد و ترمذی

پاؤں کو اذخر گھاس کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں، خداوندا! کسی بچھو یا سانپ کو متعین کر جو مجھے ڈس جائے[220]

☆ایک بار آنحضرت ﷺ سفر میں تھے اور ازواج مطہرات ؓ بھی ساتھ تھیں، اتفاقاً حضرت صفیہ ؓ کا اونٹ بیمار ہو گیا، حضرت زینب ؓ کے پاس ضرورت سے زیادہ اونٹ تھے، آپ ؐ نے ان سے فرمایا کہ ایک اونٹ صفیہ ؓ کو دے دو، انہوں نے کہا، کیا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دے دوں؟ اس پر آنحضرت ﷺ ان سے اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے سے زیادہ ان کے پاس نہ گئے[221]

☆حضرت صفیہ ؓ کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں ایک دن انہوں نے کچھ پکا کر آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجا، آپ اس وقت حضرت عائشہ ؓ کے گھر میں تشریف رکھتے تھے، حضرت عائشہ ؓ نے خادم کے ہاتھ سے پیالہ چھین کر زمین پر دے مارا، حضور ﷺ نے پیالہ کے ٹکڑے چن چن کر یکجا کئے اور ان کو وڑا، پھر صاحب خانہ سے اس کے بدلے میں دوسرا پیالہ منگوا کر ان کو واپس کیا[222]

بعض روایتوں میں حضرت صفیہ ؓ کے بجائے حضرت ام سلمہ ؓ کا نام ہے اور بعض میں حضرت زینب بنت جحش ؓ کا نام لیا گیا ہے،[223]

نکاح کے بعد حضرت علی ؓ کی رہائش

(۴) جداگانہ خاندانی نظام کے مسئلہ پر حضور ﷺ کی خانگی زندگی کے اس واقعہ سے بھی روشنی ملتی ہے جو حضرت علی ؓ کے بارے میں تاریخ میں موجود ہے:

مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت فاطمہ ؓ سے نکاح سے قبل حضرت علی ؓ کی سکونت حضور ﷺ کے ساتھ تھی، حضرت فاطمہ ؓ سے نکاح کے بعد حضور ﷺ نے ان کو حضرت حارثہ بن النعمان ؓ کے خالی مکان

----- حواشی --

220 ۔سیرۃ النبی علامہ شبلی نعمانی ۲/۳۴۲

221 ۔مشکوٰۃ باب ماینہیٰ من التہاجر ص ۴۲۹ بروایت ابوداؤد

222 ۔بخاری، کتاب المظالم باب اذا کسر قصعۃ او شیئاً لغیرہ ۱/۳۳۷، ۲/۷۸۶ باب الغیرۃ کتاب النکاح، نسائی باب الغیرۃ ۴/۷۰

223 ۔فتح الباری کتاب النکاح ۴۰۴/۹

میں منتقل فرمادیا اور پھر اس کے بعد ہمیشہ ان کا اپنا گھریلو نظام الگ ہی رہا[224]۔

اگر مشترکہ نظام زیادہ پسندیدہ اور قابل ترجیح ہوتا تو حضرت علیؓ کو علاحدہ مکان میں منتقل کرنے کے بجائے اپنے ساتھ ہی ان کی رہائش کا انتظام کیا جاتا، جبکہ صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ دونوں قبل سے آپ کی کفالت میں تھے، اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ خود اپنی اولاد میں بھی شادی کے بعد پرائیویسی اور انفرادیت کا لحاظ رکھا جانا چاہئے۔

فقہاء کا تجویز کردہ نظام سکونت

(۵) فقہاء نے افراد خانہ کے لئے رہائش کا جو نقشہ مرتب کیا اس میں بطور خاص اس پرائیویسی کا لحاظ رکھا ہے، مثلاً:

شریعت اسلامیہ نے شوہر پر یہ حق عائد کیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو رہائش فراہم کرے، قرآن کریم میں ہے:

وأسكنوہن من حيث سكنتم من وجدكم ولاتضاروہن لتضيقوا عليہن[225]

ترجمہ: عورتوں کو رہائش فراہم کرو جو تمہاری حیثیت کے مطابق ہو اور ان کو تکلیف نہ پہونچاؤ کہ وہ تنگ آجائیں۔

اس ذیل میں فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ رہائش کا یہ مطلب نہیں ہے کہ محض عورت کے سرپر ایک چھت فراہم کردی جائے بلکہ جداگانہ اور مخصوص مکان کی فراہمی عورت کا شرعی حق ہے جس میں وہ نجی زندگی گذار سکے اور جو شوہر کے اہل خانہ اور رشتہ داروں کی آمد ورفت سے محفوظ ہو۔

علامہ کاسانیؒ رقمطراز ہیں:

ولواراد الزوج أن يسكنها مع ضرتها أو مع أحمائها كام

----- حواشی -----

[224] ۔سیرۃ النبی جلد اول ص ۲۱۱، ۲۱۲ علامہ شبلی نعمانی

[225] ۔الطلاق: ٦

الزوج وأختہ وبنتہ من غیرہا وأقاربہ فأبت ذلک علیہ أن یسکنہا فی منزل مفردلأنہن ربما یوذینہا ویضرون بہافی المساکنۃ وإبائہادلیل الأذی والضررولأنہ یحتاج إلیٰ أن یجامعہا ویعاشرہا فی أی وقت یتفق،ولایمکنہٗ ذلک إذاکان معہا ثالث حتیٰ لوکان فی الداربیوت ففرغ لہابیتاًوجعل لبیتہا غلقاً علیٰ حدۃ قالوا إنہا لیس لہا أن تطالبہ ببیت آخر[226]

ترجمہ: اگر شوہر اپنی بیوی کو اس کی سوکن، دیوروں، شوہر کی ماں، بہن، لڑکی یا دیگر رشتہ داروں کے ساتھ رکھنا چاہے اور عورت اس کے لئے آمادہ نہ ہو تو شوہر پر لازم ہے کہ اس کو جداگانہ مکان میں رہائش دے، اس لئے کہ ایک ساتھ رہنے پر ایک دوسرے کو تکلیف ہو سکتی ہے، چنانچہ عورت کا انکار اس کی علامت ہے، نیز عورت کو اپنے شوہر کے ساتھ کسی بھی وقت تنہائی کی ضرورت ہے اور تیسرے کی موجودگی میں یہ ممکن نہیں، البتہ ایک بڑے گھر میں کئی کمرے ہوں اور شوہر ان میں سے ایک کمرہ اپنی بیوی کے لئے خاص کر دے اور اس کے لئے تالا چابی الگ کر دے تو فقہاء نے کہا ہے کہ پھر اسے مزید کسی کمرہ یا مکان کے مطالبہ کا حق نہیں رہ جائے گا۔

بعض فقہاء نے یہ وضاحت کی ہے کہ اوسط سے اوپر درجہ کے گھرانوں میں کمرہ کے ساتھ مطبخ، بیت الخلاء اور پانی کا انتظام بھی جداگانہ ہونا چاہئے، درمختار میں ہے:

ومرادہٗ لزوم کنیف ومطبخ وینبغی الافتاء بہ(درمختار)ای بیت الخلاء و موضع الطبخ بأن یکونا داخل البیت او فی الدار لایشارکہا فیہما أحدمن أہل الدار،قلت:وینبغی ان یکون ہذا فی غیرالفقراء الذین یسکنون فی الربوع والاحواش بحیث یکون لکل واحدبیت یخصہٗ وبعض المرافق مشترکۃ کالخلاء والتنور وبئر الماء......وذکر الخصاف أن لہا أن تقول لا اسکن مع والدیک وأقربائک فی الدار فأفرد لی داراً قال صاحب الملتقط ہذہ الروایۃ محمولۃعلی المؤسرۃ الشریفۃو

----- حواشی ---

226 -بدائع الصنائع کتاب النفقۃ ۳/ ۴۲۸،۴۲۹

ماذكرناقبلہٗ ان إفراد بيت فى الدار كاف إنما ہوفى المرأة الوسط أعتباراً فى السكنىٰ بالمعروف اھ......ومفہومہٗ أن من كانت من ذوات الأعسار يكفيہابيت ولومع أحمائہاو ضرتہاكأكثر الأعراب وأہل القرىٰ و فقراء المدن الذين يسكنون فى الاحواش والربوع......فقد مران الطعام والكسوة يختلفان بإختلاف الزمان والمكان ۔227

یہ مضمون فقہ کی تقریباً تمام ہی کتابوں میں آیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی قانون رہائش کے معاملہ میں ہر شخص کی نجی زندگی اور اس کے تقاضوں کا پورا لحاظ رکھتا ہے اور اس کو مشترکہ طور پر رہنے کے لئے مجبور نہیں کرتا...... یہ مسئلہ فقہاء نے بیوی کے حق سکونت کے ذیل میں بیان کیا ہے، لیکن دیکھئے تو بیوی خاندان کی سب سے بڑی اکائی ہوتی ہے اور میاں بیوی سے مل کر ایک مختصر خاندان وجود میں آتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ اس میں توسیع ہوتی رہتی ہے، بچے پیدا ہوتے ہیں، بوڑھے ماں باپ شامل ہوجاتے ہیں وغیرہ...... لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا مسئلہ دراصل آغاز کے وقت پیدا ہوتا ہے کہ بچوں کی شادی کے بعد ان کو ساتھ رکھا جائے یا ان کو جداگانہ رہائش دی جائے، حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے مذکورہ بالا واقعہ اور فقہاء کی ان تصریحات سے متبادر ہوتا ہے کہ بہتر طریقہ یہی ہے کہ شادی کے بعد ہی اولاد کو الگ کردیا جائے اور ان کی جداگانہ رہائش اور نجی زندگی میں مداخلت کے بغیر ان سے خدمت اور یگر حقوق کے لئے نظام بنایا جائے۔

عہد اسلامی کے بعض علاقوں کی رہائش

(٦) علامہ شامیؒ نے کتاب الطلاق میں اپنے عہد اور اپنے علاقہ کے طرز رہائش کے بارے میں ضمناً جو اشارہ کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے دور میں مسلم خاندانوں میں جداگانہ رہائش عام تھی، البتہ بیت الخلاء اور پانی وغیرہ میں گاہے اشتراک بھی ہوتا تھا اور یہ اس دور میں اعلیٰ اور اوسط دونوں طرح کے گھرانوں میں عیب کی بات نہیں مانی جاتی تھی، شامی کے الفاظ ہیں:

----- حواشی---

227۔ردالمحتار کتاب الطلاق ۵/ ۲۵۵، ۲۵۶

وأہل بلادنا الشامیۃ لایسکنون فی بیت من دار مشتملۃ علیٰ أجانب وہذا فی أوساطہم فضلاً عن أشرافہم إلاأن تکون داراً مورثۃ بین إخوۃ مثلاً فیسکن کل منہم من جہۃ منہا مع الإشتراک فی مرافقہا،فإذا تضررت زوجۃ أحدہم من أحمائہا أو ضرتہا و أراد زوجہاإسکانہا فی بیت منفرد من دار لجماعۃ أجانب وفی البیت مطبخ وخلاء یعدون ذلک من أعظم العار علیہم،فینبغی الإفتاء بلزوم دار من بابہا[228]

ترجمہ: ہمارے علاقہ میں شام کے لوگ کسی ایسے مکان میں رہائش کو پسند نہیں کرتے جس کے احاطے میں دوسرے اجنبی لوگ بھی رہ رہے ہوں یہ اوسط گھرانوں کا حال ہے اشراف کا تو کہنا ہی کیا، الایہ کہ کوئی ایسا مکان ہو جو بھائیوں میں وراثت کی بنیاد پر مشترک ہو اور ہر بھائی کی فیملی الگ الگ حصے میں پانی اور بیت الخلا وغیرہ کے اشتراک کے ساتھ رہائش پذیر ہو، ایسی صورت میں اگر کسی بھائی کی بیوی اپنے دیور یا سوکن سے تکلیف محسوس کرے اور اس کی وجہ سے اس کا شوہر کسی ایسے فلیٹ یا گھر میں اپنی بیوی کو منتقل کرنا چاہے جس میں مطبخ اور بیت الخلاء وغیرہ تو موجود ہوں مگر اس کے احاطے میں اجنبی خاندان بھی رہائش پذیر ہوں تو ہمارے علاقے میں یہ بڑے عیب کی بات سمجھی جاتی ہے۔

مشترکہ نظام کے مقاصد

(۷) مشترکہ رہائش کا مقصد باہم جذبۂ تعاون کا فروغ، خاندانی رشتوں کا احترام، بزرگوں کے زیر سایہ چھوٹوں کی تربیت، ایک دوسرے کے تجربات سے استفادہ، کچھ دن محنت پھر آرام کی فطری خواہش اور ہر شخص کی اس میں حصہ داری کا لحاظ اور تنہائی و بے کسی کے کرب سے ہر ایک کی حفاظت، جس کی نوبت ایک نہ ایک دن بڑھاپے میں ہر شخص کو آتی ہے وغیرہ......

----- حواشی

228 ۔ردالمحتار کتاب الطلاق مطلب فی مسکن الزوجۃ ۵ / ۲۵۵ مطبوعہ دیوبند

لیکن آج کے دور میں جہاں اکثر اخلاقی قدریں زوال پذیر ہورہی ہیں، ان میں باہم اشتراک کے ساتھ ان بلند مقاصد کا حصول مشکل ہوگیا ہے، عموماً ایک ساتھ رہنے کے نتیجے میں باہم اختلاف بڑھتا ہے، رشتوں کا توازن بگڑتا ہے، ماحول میں کشیدگی پیدا ہوتی ہے، نزدیکیاں دوریوں میں بدلتی ہیں، باہم مخلصانہ جذبات کمزور پڑنے لگتے ہیں، تعاون کے بجائے ضرر کا جذبہ ابھرنے لگتا ہے، حقوق وفرائض کا احساس تشنۂ تکمیل رہ جاتا ہے، حق تلفیاں عام ہوجاتی ہیں، بزرگوں کا احترام بے کیفی اور بدمزگی میں بدل جاتا ہے، رسم وروایات کے جبر سے بغاوت وجود میں آتی ہے، سب مل کر آگے بڑھنے کے بجائے ایک دوسرے کو پچھاڑنے اور نیچا دکھانے کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے اور اس ضمن میں اکثر جانی ومالی زیادتیاں بھی ہوتی ہیں وغیرہ......

جداگانہ نظام کے ذریعہ مقاصد کا حصول

اس لئے شریعت کے عام اصول کے مطابق کہ "منافع کے حصول سے زیادہ ضروری مفاسد کو دور کرنا ہے"، "لاضرر ولاضرار" بعض اہم مقاصد کے حصول کے لئے مشترکہ خاندانی نظام کے بجائے دفع مضرت کی خاطر جداگانہ خاندانی نظام زیادہ لائق ترجیح اور قابل قبول ہے،......بلکہ اگر صحیح وقت پر اور شرعی اصولوں کی روشنی میں اولاد یا بھائیوں کو علحٰدہ رہائش مہیا کرادیا جائے، اور ان کی ابتدائی تربیت دینی بنیادوں پر ہوئی ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ الگ الگ رہ کر بھی افراد خاندان ان بلند مقاصد کے ممکنہ حصول کے لئے متحد نہ ہوں جو مشترکہ نظام کی روح ہیں اور ان مفاسد کو دور کرنے کے لئے کوئی لائحۂ عمل مرتب نہ ہوسکے جو جداگانہ نظام کا لازمہ سمجھا جاتا ہے، جب ایک دوسرے سے مسائل وابستہ نہ ہونگے، تو باہم تنازعہ نہیں ہوگا، محبت فروغ پائے گی، خون کا رشتہ رنگ لائے گا، ایک دوسرے کی مصیبت میں لوگ کام آئیں گے، ہر شخص دوسرے کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھے گا......

رہا بوڑھے ماں باپ اور خاندان کے بے آسرا لوگوں کا معاملہ، تو ان کے لئے باہم اشتراک سے کوئی نظام مرتب کیا جاسکتا ہے، تمام افراد خاندان کے درمیان حسب مرتبہ اس کے لئے کوئی ترتیب بنائی جائے، آخر ہر صاحب ایمان ماں باپ، خاندان کے بزرگوں اور غریب رشتہ داروں کی خدمت کی اہمیت جانتا ہے، اگر محبت کے ماحول میں باہم مشورہ سے کسی نظام کا تعین ہو تو عام حالات میں افراد خاندان کا تعاون

حاصل ہونا مشکل نہیں۔

مشترکہ نظام کی بڑی خرابیاں

(۸) مشترکہ نظام میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ بالعموم موروثی جائیدادوں اور ذرائع آمدنی کی تقسیم عمل میں نہیں آتی اور نہ اس کی ضرورت سمجھی جاتی ہے اور بسا اوقات پشتہا پشت تک اسی طرح گذر جاتا ہے، عموماً اس کی نوبت اس وقت آتی ہے جب شدید اختلاف کے بعد انتہائی کشیدہ ماحول میں ورثہ علحدگی پر مجبور ہوتے ہیں، پھر بہت سے پرانے قضیے سامنے آتے ہیں، حق تلفیوں اور زیادتیوں کے معاملات اجاگر ہوتے ہیں، اور نزاع اتنا شدید ہو جاتا ہے کہ اس کو حل کرنا آسان نہیں ہوتا، یہ بالعموم تمام ہی لوگوں کے لئے تکلیف دہ ثابت ہوتا ہے......اس کی جگہ پر اگر لوگ جداگانہ طرز رہائش کی عادت بنالیں اور والدین بھی شادی کے بعد جلد ہی اپنی اولاد کو علحدہ کردیں تو وراثت کی فوری تقسیم کی ضرورت محسوس کی جائے گی اور بغیر کسی بڑے نزاع کے شفاف تقسیم عمل میں آئے گی، رزق بھی حلال اور تعلقات بھی الزامات اور کشیدگیوں سے بالاتر رہیں گے، شریعت اسلامیہ مشترک معاملات اور اجتماعی زندگی میں ایسے نظام العمل کی حوصلہ افزائی کرتی ہے جس میں انسان موقع تہمت اور موضع اشتباہ سے حتی الامکان محفوظ ہو، سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إتقوا مواضع التهمة الحديث[229]

(ترجمہ: مقام تہمت سے بچو

الإثم ماحاک فی صدرک وکرہت أن یطلع علیہ الناس رواہ مسلم[230]

ترجمہ: گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے اور اس سے لوگوں کا باخبر ہونا پسند نہ ہو۔

----- حواشی---

229 - الأحاديث التي في الإحياء ولم يجد لها السبكي إسنادا (من كتاب طبقات الشافعية الكبرى)ج 6 ص 332 تاج الدين بن علي بن عبد الكافي السبكي سنة الولادة 727 ه/ سنة الوفاة 771 ه تحقيق د. محمود محمد الطناحي / د.عبد الفتاح محمد الحلو الناشر هجر للطباعة والنشر والتوزيع سنة النشر 1413 ه ،عدد الأجزاء 1

230 - مشکوۃ باب الرفق والحیاء: ص ۴۳۱

(۹) مشترکہ نظام میں ایک بہت بڑی اقتصادی قباحت یہ ہے کہ آدمی عموماً انفرادیت، خود اعتمادی ، شخصی آزادی اور خود کفیل ذریعۂ آمدنی سے محروم ہو جاتا ہے، بہت سے لوگوں کو دوسرے پر انحصار کا مزاج بن جاتا ہے اس کی بنا پر وہ اپنے بارے میں خود کچھ سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، اس کی مضرت کا احساس اکثر لوگوں کو اس وقت ہوتا ہے جب وہ شدید اختلاف کے بعد الگ ہوتے ہیں اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کرتے ہیں، اس وقت دنیا میں وہ خود کو تنہا محسوس کرتے ہیں، ارد گرد جو لوگ ہوتے ہیں ان سے عداوت کی بنا پر وہ مشورہ تک نہیں لے سکتے، لاچار غیروں کا سہارا لینا پڑتا ہے، ایسے وقت مخلص اور غیر مخلص کی شناخت مشکل ہوتی ہے، اور مجبوری بھی ہوتی ہے، اس سلسلے کے تجربات آئے دن سامنے آتے رہتے ہیں۔

☆ دوسری اقتصادی خرابی یہ ہے کہ مشترکہ نظام میں کمانے والوں کی تعداد کھانے والوں سے بہت کم ہوتی ہے جس کا منفی اثر خاندان کے علاوہ ملک کی معیشت پر بھی پڑتا ہے اور اس طرح آمد وخرچ کا توازن بگڑ جاتا ہے، جبکہ جداگانہ نظام میں خاندان کی ہر چھوٹی بڑی اکائی کام کرنے پر مجبور ہوتی ہے اور ہر ذمہ دار شخص بہتر سے بہتر ذریعۂ آمدنی اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے جس سے وہ خود بھی ترقی کرتا ہے اور ملک کی معیشت بھی مضبوط ہوتی ہے۔

(۱۰) مشترکہ نظام میں ایک بہت بڑا مسئلہ حسابات کی شفافیت اور ہر شخص تک اس کی محنت اور سرمایہ کے مطابق منافع کے پہونچنے کا ہے، ایک گھر میں متعدد افراد خاندان ایک ساتھ گذر بسر کرتے ہیں ان میں کسی کی آمدنی زیادہ ہوتی ہے کسی کی کم، کسی کے اخراجات اس کی آمدنی سے زیادہ ہوتے ہیں تو کسی کے کم، والدین اگر حیات ہوں تو کوئی بیٹا گھر کے خرچ یا کاروبار کے لئے زیادہ پیسے دیتا ہے کوئی کم، ظاہر ہے کہ ہر شخص یکساں آمدنی اور خرچ کا تو مالک نہیں ہو سکتا، ہر شخص کی اپنی صلاحیتیں اور مواقع ہوتے ہیں، لیکن مشترکہ نظام میں باہمی جذبۂ تعاون کو بنیاد بنا کر اس تفاوت کو نظر انداز کیا جاتا ہے، بالخصوص باپ کی موجودگی میں یہ مسئلہ ہرگز زیر بحث نہیں آتا، لیکن جب سخت حالات میں سب کی جدائی عمل میں آتی ہے تو مشترکہ جائیداد کی تقسیم برابر برابر حسب حصۂ شرعی کی جاتی ہے، فقہاء بھی یہی فرماتے ہیں کہ چونکہ ملکیتیں ممتاز

نہیں ہیں اس لئے سارے لوگ باپ یا رئیس خاندان کے معاون تصور کئے جائیں گے اور موجود اثاثہ پر سب کا حق برابر ہو گا اور تقسیم حسب حصص شرعی انجام پائے گی[231]

مگر اس کے بعد کتنی پیشانیاں شکن آلود ہوتی ہیں، بغض و نفرت، کینہ وحسد اور تہمت والزام تراشی کا نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، زیادہ کمائی دینے والے کو اپنے خسارہ کا احساس، اور کم دینے والے کو مزید سے مزید لینے کی فکر......اس وقت سارا جذبۂ تعاون ہوا ہو جاتا ہے اور ایک ہی گھر کے افراد باہم اس طرح بر سر پیکار نظر آتے ہیں جیسے صدیوں کی دشمنی چلی آرہی ہو، الامان والحفیظ، کیا فائدہ ایسے مشترکہ نظام اور وقتی جذبۂ تعاون کا، جس کا انجام اتنا بھیانک ہو؟......بہت کم ہیں ایسے گھرانے جو اس شدید انجام سے بچ پاتے ہوں، اکثر لوگ اس اذیت ناک بھٹی سے گذرتے ہیں......اور شرعی مسائل کی بنیاد عام حالات پہ ہوتی ہے نہ کہ مخصوص اور استثنائی حالات پر۔......تلك عشرة كاملة

یہ وجوہات ہیں جن کی بنا پر میری حقیر رائے میں جداگانہ خاندانی نظام زیادہ بہتر اور شرعی قباحتوں سے بڑی حد تک پاک ہے، خصوصاً آج کے دور میں جبکہ جذبۂ تدین، احساس ذمہ داری اور دینی واخلاقی قدروں کا فقدان ہوتا جارہا ہے، امیدیں ٹوٹ رہی ہیں اور رشتوں پر مفادات کا غلبہ ہو رہا ہے، ایسے حالات میں جداگانہ خاندانی نظام قبول کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے، اس وقت خاندان کے با اثر لوگوں کی ذمہ داری ہوگی کہ بوڑھے والدین اور خاندان کے کمزور اور بزرگ حضرات کے لئے ایک نظام العمل مرتب کریں جس میں خاندان کی ہر اکائی کی مالی حیثیت اور قرابت و تعلق کو ملحوظ رکھا جائے، اور خاندان کے جملہ افراد اپنی اولین ترجیحات میں اس کو شامل کریں۔

----- حواشی-----------------------------------

231 -ردالمحتار کتاب الشرکۃ ۳/ ۳۸۳

(۲)

مشترکہ نظام میں گھر کے اخراجات کی تقسیم

اگر مشترکہ خاندان ہو اور افراد خاندان کی ضروریات کے لئے سب مل کر خرچ دیں، کسی کے بچے زیادہ ہوں اور کسی کے کم، تو کیا ان سب پر برابر اخراجات عائد کئے جائیں گے یا ان کے بچوں کی تعداد کے لحاظ سے؟

ضابطہ کی بات تو بظاہر یہ لگتی ہے کہ جس کا خرچ زیادہ ہو اس پر زیادہ اخراجات عائد کئے جائیں، لیکن مشترکہ نظام کی روح اور اس کے مقاصد کا تقاضا یہ ہے کہ سب پر برابر اخراجات عائد ہوں،، بچوں کی تعداد کا لحاظ ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ اس نظام کی بنیاد تعاون باہمی پر ہے، تاکہ کوئی کمزور فرد کم آمدنی کی بناپر زندگی کی دوڑ میں پیچھے نہ رہ جائے اور مالی دشواریاں اس کی ترقی کی راہ میں حائل نہ ہوں، مشترکہ نظام میں کوئی اپنی مالی قوت سے فائدہ پہونچاتا ہے تو کسی کی افرادی قوت کام آتی ہے، کوئی صحت سے کمزور ہوتا ہے تو کسی کی جسمانی صلاحیت اس کی مددگار ہوتی ہے، اگر باہمی تعاون وتناصر کا جذبہ مفقود ہو جائے تو سرے سے یہ نظام ہی ختم ہو جائے گا اور مشترکہ نظام کے اس ڈھیر سارے بکھیرے کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہ جائے گی ،اگر ذمہ داریوں کے باب میں انفرادی اخراجات کا تناسب ہی ملحوظ ہو تو جداگانہ نظام ہی میں کیا قباحت تھی جو اس رسمی نام نہاد مشترکہ نظام کے جھمیلے میں آدمی پڑے،......

دراصل یہ مسئلہ عرف پر مبنی ہے مشترکہ نظام کا معروف دستور یہی ہے کہ خاندان کا ہر فرد اپنی حیثیت کے مطابق اس میں حصہ لیتا ہے اسی طرح رائج حقوق وفرائض میں بھی اس کی شراکت برابر کی ہوتی ہے، اس نظام میں آمد وخرچ اور افادہ واستفادہ کا تناسب نہیں دیکھا جاتا، بلکہ ہر شخص اس نظام کا حصہ ہوتا ہے اور ہر ایک اپنی طاقت بھر حصہ داری نباہتا ہے، پس ہر ایک کو اس نظام سے اپنی ضرورت کے مطابق فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے......

اس مسئلہ میں درج ذیل فقہی عبارات سے روشنی حاصل کی جاسکتی ہے جو شرکت کے کاروبار کے

ذیل میں کتب فقہ میں موجود ہیں، جن کی متعدد صورتوں میں محنت و عمل میں بین فرق ہونے کے باوجود تمام شرکاء کو منافع میں برابر کا حصہ ملتا ہے:

☆وکذا لواجتمع اخوۃ یعملون فی ترکۃ أبیہم ونما المال فہو بینہم سویۃ ولو اختلفو افی العمل والرای[232]

ترجمہ: اگر کئی بھائی مل کر باپ کے ترکہ سے کاروبار کریں تو منافع میں سب برابر کے شریک ہونگے خواہ محنت و تجربہ کے لحاظ سے ان میں فرق ہو۔

☆الاب وابنہٗ یکتسبان فی صنعۃ واحدۃ ولم یکن لہما شیء کالکسب فکلہٗ للاب ان کان الابن فی عیالہٖ لکونہ معیناً ألاتریٰ لو غرس شجرۃ تکون للاب[233]

ترجمہ: باپ اور بیٹے مل کر کوئی کام کرتے ہوں اور دونوں میں سے کسی کا سرمایہ اس میں لگا ہوا نہ ہو مثلاً کوئی محنت یا ہنر والا کام کرتے ہوں اگر بیٹا باپ کے زیر سرپرستی رہائش رکھتا ہو تو ساری کمائی باپ کی متصور ہوگی اور بیٹا اس کا محض مددگار قرار دیا جائے گا۔

☆وفی الخانیۃزوج بنیہ الخمسۃ فی دارہٖ وکلہم فی عیالہٖ واختلفوافی المتاع فہو للاب وللبنین الثیاب التی علیہم لاغیر[234]

ترجمہ: فتاویٰ خانیہ میں لکھا ہے کہ کسی کے پانچ شادی شدہ بیٹے اس کے زیر پرورش گھر میں رہتے ہوں اور ان میں سامانوں کے بارے میں اختلاف پیدا ہو تو سارا سامان

----- حواشی---

232 ۔ردالمحتار۳/۳۸۳

233 ۔ردالمحتار فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ۳/۴۸۳وکذا فی الفتاوی الہندیۃ۲/۳۲۹

234 ۔شامی فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ۳/۴۸۳

باپ کا مانا جائے گا اور بیٹوں کو صرف اپنے بدن کے کپڑوں کا مالک قرار دیا جائے گا۔

ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشترک نظام میں (اگر قیام وطعام سب مشترک ہو) والد یا امیر کنبہ اصل ہوتا ہے اور باقی تمام افراد اس کے معاون تصور کئے جاتے ہیں اور اصل کے واسطے سے موجود اثاثہ پر سب کا حق مساوی پہونچتا ہے، مذکورہ بالا فقہی عبارت میں بیٹے کی ساری آمدنی کا مالک بھی باپ کو قرار دیا گیا ہے، اس کا مطلب ہے کہ اس میں ان بھائیوں کا بھی حصہ ہوگا جنہوں نے باپ کے ساتھ اس مال کے کمانے میں محنت نہیں کی تھی ......اسی طرح اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مشترک نظام کا اصل مقصد تعاون باہم ہوتا ہے۔

(۳)

گھر میں جمع شدہ آمدنی سے کسی چیز کی خرید

(۳) اگر مختلف بھائیوں نے مل کر اپنے والد یا کسی بھائی کے پاس آمدنی جمع کی اور گھر کے اخراجات سے بچی ہوئی رقم سے کوئی چیز خریدی گئی تو اس میں سبھوں کا حصہ برابر ہوگا یا ہر ایک کی آمدنی کے لحاظ سے ہوگا؟

یہ مسئلہ بھی پچھلے اصول ہی سے جڑا ہوا ہے، فقہاء نے وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ ہر ایسا مشترک معاملہ جہاں ملکیتیں مخلوط ہوں، متمائز نہ ہوں جن میں فی صد کا تعین مشکل ہو وہاں تمام شرکاء کا حق برابر مانا جائے گا، علامہ شامیؒ نے مستقل عنوان ہی قائم کیا ہے "مطلب اجتمعافی دار واحدۃ و اکتسبا ولایعلم التفاوت فهو بینهما بالسویۃ" اس نوع کی متعدد نظیریں کتب فقہ میں موجود ہیں، شامی میں ہے:

> وماحصلہٗ احدہما فلہٗ وماحصلا ہ معاً فلہما نصفین ان لم یعلم مالکل (درمختار) قولہٗ وماحصلا ہ معاً یعنی ثم خلطاہ وباعاہ ......وان لم یعرف مقدار ماکان لکل منہما صدق کل واحد منہما إلی النصف لانہما إستویا فی الاکتساب وکأن المکتسب فی أیدیہما فالظاہر أنہٗ بینہما نصفان ...ویوخذ من ہذا ماأفتیٰ

بہ فی الخیریۃ فی زوج إمرأۃ وإبنہا إجتمعافی دار واحدۃ وأخذ کل منہما یکتسب علیٰ حدۃ و یجمعان کسبہماو لایعلم التفاوت ولاالتساوی ولا التمییز فأجاب بأنہٗ بینہما بینہماسویۃ [235]

ترجمہ: مال ایک نے حاصل کیا تو اسی ایک کو ملے گا، اور دو نے مل کر حاصل کیا تو دونوں کو آدھا آدھا ملے گا، دونوں نے ساتھ حاصل کیا یعنی دونوں نے مال کو ملا کر بیچا ...... دونوں کی الگ الگ مقدار معلوم نہ ہو تو نصف تک ہر ایک کی بات مانی جائے گی اس لئے کہ کمانے میں دونوں شریک ہیں اور گویا کمایا ہوا مال دونوں کے قبضے میں ہیں پس ظاہر ہے کہ وہ دونوں کے درمیان آدھی آدھی تقسیم ہوگی، ...... فتاویٰ خیریہ میں ایک جزئیہ اسی بنیاد پر یہ ذکر کیا گیا ہے کہ عورت کا شوہر اور اس کا بیٹا دونوں ایک گھر میں رہتے ہیں اور علٰحدہ علٰحدہ کماتے ہوں اگر دونوں اپنی کمائی کو ملادیں اور پتہ نہ چل سکے کہ کس کا کتنا حصہ ہے؟ تو دونوں میں برابر تقسیم ہوگا"

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ زیر بحث مسئلے میں والد یا امیر کنبہ کے پاس جمع شدہ رقم میں سب کا حق برابر ہوگا اور اس میں آمدنی کا فرق ملحوظ نہیں ہوگا، اس لئے اس جمع شدہ سرمایہ کے کسی بھی حصہ سے جو چیز بھی خریدی جائے گی اس میں سب کا حصہ برابر ہوگا، خواہ آمدنی سب نے برابر جمع کی ہو یا کم و بیش، البتہ ضروری ہے کہ یہ ساری آمدنی گھر کے خرچ کے لئے امیر کنبہ کے پاس جمع کی گئی ہو، اور اسی جمع شدہ آمدنی کی بچی ہوئی رقم سے کوئی چیز خریدی گئی ہو، لیکن اگر چند بھائیوں نے والد یا بڑے بھائی کے پاس گھر کے خرچ کے علاوہ الگ سے کوئی رقم بالاقساط یا یک مشت جمع کی اور اس رقم سے کوئی چیز خریدی گئی تو اس میں سب کا حصہ برابر نہیں ہوگا بلکہ جمع شدہ آمدنی کے لحاظ سے سب کے حصہ کا تعین کیا جائے گا، بشرطیکہ جمع کا تناسب معلوم ہو۔

----- حواشی

[235] ۔شامی ۳/۳۹۲

اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ پہلی شکل میں جب کہ گھر کے اخراجات کے لئے سب نے آمدنی جمع کی اس کی بنیاد باہمی محبت، جذبۂ تعاون اور گھر کی عزت وآبرو کے تحفظ پر ہے، اس لئے اس میں آمدنی کے تناسب کا نہیں بلکہ محض اس جذبہ میں شرکت کا اعتبار کیا جائے گا اور اس میں سب برابر کے شریک ہیں اس لئے جمع شدہ رقم پر سب کا حق برابر ہوگا، ......برخلاف دوسری صورت کے کہ اس میں صرف بطور امانت یا وکالت رقم جمع کی گئی ہے، اور امیر کنبہ بھی اس کو ان کی مرضی کے بغیر خرچ نہیں کرسکتا اس لئے اس میں صرف انہی لوگوں کا حصہ ہوگا جنہوں نے وہ رقم جمع کی ہوگی اور اسی قدر جس تناسب سے رقم جمع کی گئی ہوگی۔ عالمگیری میں ہے:

الا اذاکان لہا کسب علیٰ حدۃ فہو لہا کذافی القنیۃ[236]

ترجمہ: البتہ اگر اس کی کمائی علاحدہ ہو تو وہ کمائی اسی کی ہوگی۔

(۴)

زیادہ کمانے والے بھائی کی زائد آمدنی میں دوسرے بھائیوں کا حصہ

(۴) اگر تین بھائی ہیں، دو بھائی اپنی پوری تنخواہ مثلاً دس دس ہزار روپے گھر میں دے دیتے ہیں اور ایک بھائی بیس ہزار روپے کماتا ہے وہ بھی دس ہزار گھر میں دیتا ہے اور دس ہزار الگ بچا کر رکھتا ہے تو وہ بچی ہوئی رقم صرف اس کی ملکیت ہوگی اس میں دیگر بھائیوں کا کوئی حصہ نہ ہوگا، اس لئے کہ آمدنی کا یہ حصہ مشترکہ نظام کے دائرے سے خارج ہے، یہ اس کی ذاتی ملک ہے جو اس نے اپنے لئے پس انداز کی ہے، مشترکہ نظام کے دائرے میں صرف وہ رقم داخل ہوگی جو اس غرض سے اس میں شامل کی جائے گی، بقیہ رقم کو الگ کرلینا اس بات کی علامت ہے کہ وہ اس رقم کو اس نظام کا حصہ بنانا نہیں چاہتا، اور کسی کی مرضی کے بغیر اس کے مال پر تصرف جائز نہیں، اس لئے بچا ہوا مال اس کی ذاتی ملکیت ہی میں رہے گا اور اس پر کسی بھائی یا بہن کا کوئی حق نہیں ہوگا۔

----- حواشی ---

236 ۔ فتاوی عالمگیری ۲/۳۲۹ کتاب الشرکۃ

(۵)

کمانے والے افراد کی کمائی میں گھر کا کام دیکھنے والوں کا حصہ

(۵) اگر خاندان کے کچھ افراد کماتے ہیں اور کچھ گھر کے کام دیکھتے ہیں اور اس طرح گھر کا کام چلتا ہے تو کیا کمانے والے حضرات کی آمدنی میں کام کرنے والے حضرات بھی برابر کے حقدار ہونگے؟

مسئلے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

(الف) کوئی مشترکہ موروثی یا غیر موروثی کاروبار ہو جس میں کچھ لوگ کاروبار میں لگے ہوں اور کچھ گھر کے معاملات دیکھتے ہوں، ایسی صورت میں کاروبار میں لگے افراد کی آمدنی میں گھر میں کام کرنے والے حضرات بھی برابر کے حصہ دار ہونگے، اس لئے کہ گھر اور کاروبار دونوں کے شرکاء ایک ہیں اور صرف تقسیم کار کے اصول پر کام کو بانٹ دیا گیا ہے۔

(ب) لیکن اگر کوئی ایسا مشترکہ کاروبار نہ ہو بلکہ تمام لوگ اپنے اپنے طور پر کام کرتے ہوں اور اسی میں سے کچھ رقم گھر کے خرچ کے لئے دیتے ہوں اور کچھ حسب سہولت پس انداز کر لیتے ہوں اور کچھ لوگ وہ ہوں جو گھر کے معاملات میں مشغول ہوں اور کوئی آمدنی والا کام نہ کرتے ہوں، ایسی صورت میں وہ رقم جو گھر کے خرچ کے لئے کمانے والوں نے دے دی ہے اس میں ظاہر ہے کہ سارے افراد کا برابر حصہ ہو گا، لیکن جو رقم ان لوگوں نے گھر میں نہیں دی بلکہ اپنے پاس رکھ لی، اس میں دیگر حضرات کا حصہ دار ہونا بہت مشکل ہے، اس لئے کہ جو مال انسان کی ذاتی ملکیت سے خارج نہیں ہوا اس پر دوسرے کا حق کیوں کر ثابت ہو سکتا ہے؟۔۔۔۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ گھر کے کام میں لگے ہوئے لوگوں کو آمدنی لانے سے مستثنیٰ کر دیا جائے اور ان کی محنت کو دوسروں کی کمائی کا بدل قرار دیا جائے یعنی وہ بغیر کمائے ہوئے بھی گھر میں جمع ہونے والی آمدنی میں برابر کے حقدار ہونگے، لیکن کمائی کا وہ حصہ جو کمانے والوں کی جیب سے نکل کر گھر میں نہیں آیا وہ ظاہر ہے کہ ان کی نجی ملک ہے اس پر دوسروں کو حق دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

(٦)

والدین کی خدمت و کفالت کی ذمہ داری

(٦)والدین ساری زندگی بچوں کی خدمت کرتے ہیں اور کفالت بھی اور بڑھاپے میں انہیں خدمت و کفالت کی ضرورت ہوتی ہے، ایسے وقت شریعت اسلامیہ والدین کی خدمت و کفالت کی ذمہ داری اولاد پر عائد کرتی ہے، قرآن کریم میں ہے:

وقضىٰ ربک ألاتعبدوا إلاإياه وبالوالدين احساناً[237]

ترجمہ: اور تیرے پروردگار کا یہ فیصلہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

ووصينا الانسان بوالديہ احساناً[238]

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی۔

وصاحبہما فی الدنیا معروفاً[239]

ترجمہ: اور والدین کے ساتھ دنیا میں اچھا سلوک کرو۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص اپنے والد کے ساتھ حاضر ہوا اور عرض کیا:

يارسول الله إن لی مالاً وإن لی أباً ولہٗ مال وإن أبی يريد أن ياخذ مالی ،فقال رسول الله ﷺأنت ومالک لابيک[240]

----- حواشی---

[237] ۔الاسراء:۲۳

[238] ۔عنکبوت:۸

[239] ۔لقمان:۱۵

[240] ۔ ابوداؤد، کتاب البیوع باب فی المؤجل یأکل من مال ولدہ ۳۵۳۰، ابن ماجہ کتاب التجارات باب ما للرجل من مال ولدہ ۲۲۹۲، مسند احمد ۲/۲۱۴

ترجمہ: یا رسول اللہ! میرے پاس مال ہے اور میرے والد کے پاس بھی مال ہے، پھر بھی میرے والد میرا مال لینا چاہتے ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے۔

بعض روایات میں اولاد کو انسان کی کمائی قرار دیا گیا ہے:

إن أطيب ماأكل الرجل من كسبہ وإن ولدہٗ من كسبہ فكلوا من كسب اولادكم إذا احتججتم إليہ بالمعروف[241]

ترجمہ: سب سے پاکیزہ رزق وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھائے، اور اولاد بھی انسان کی کمائی ہے، پس ضرورت کے وقت اپنی اولاد کی کمائی کھاؤ معروف طریقہ پر۔

والدین کے لئے اولاد کی ذمہ داریاں

فقہاء نے پوری تفصیل کے ساتھ والدین کے لئے اولاد کی ذمہ داریوں کو واضح کیا ہے:

☆ اگر والدین ضرورت مند ہوں اور ان کے پاس مال نہ ہو تو اولاد پر ان کی کفالت واجب ہے، والدین کمانے پر قادر ہوں یا نہ ہوں اگر وہ نہیں کمارہے ہیں تو ان کو کمانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، بلکہ ان کو خرچ مہیا کرنا اولاد کی ذمہ داری ہے بشرطیکہ اولاد صاحب استطاعت ہو یا کمانے پر قادر ہو اور کمائی میں اس کے اپنے اور بیوی بچوں کے اخراجات کے علاوہ گنجائش ہو[242]

☆ اگر ماں کے مرنے کے بعد باپ نے دوسری شادی کرلی ہو اور باپ کی خدمت کے لئے سوتیلی ماں کا باپ کے پاس رہنا ضروری ہو اور اس کے خرچ کا کوئی انتظام نہ ہو تو صاحب استطاعت اولاد پر باپ کے ساتھ سوتیلی ماں کا خرچ بھی واجب ہو گا، البتہ اگر باپ سوتیلی ماں کے بغیر بھی خود اپنے سارے امور انجام دے سکتا ہو تو اس صورت میں اولاد پر سوتیلی ماں کا خرچہ واجب نہیں ہو گا، دے تو باعث فضیلت ہے ورنہ

----- حواشی---

241 ۔ ابوداؤد ۳/۸۰۱ ط حمص، ابن ماجہ ۲/۷۶۹ ط الحلبی

242 ۔ تبیین الحقائق ۳/۶۴، شامی ۲/۶۷۸

مجبور نہیں کیا جائے گا۔

☆ اگر باپ کو خدمت گار کی ضرورت ہو تو خدمت گار کی فراہمی بھی اولاد کے ذمہ ہے، بشرطیکہ ان کے پاس اتنی گنجائش ہو۔

☆ اگر ماں باپ کے پاس نابالغ یا معذور اولاد ہو جن کے اخراجات کا بوجھ بھی انہی کے سر ہو تو ماں باپ کے ساتھ ان کی چھوٹی اولاد کے اخراجات بھی حسب گنجائش کمانے والی اولاد پر واجب ہو گی[243]

☆ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر باپ کو نکاح کی ضرورت ہو اور بیٹے کے پاس اتنی استطاعت ہو تو باپ کی شادی کرانا بھی اس کی ذمہ داری ہے[244]

☆ البتہ اگر اولاد میں کوئی اس قدر صاحب استطاعت نہ ہو کہ ان کے کھانے پینے اور خدمت کا مستقل انتظام کر سکے جبکہ والدین بالکل محتاج اور معذور ہوں، اور ان کے انتظام کی کوئی دوسری شکل موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ موجود اولاد اپنے شامل ان کی رہائش اور کھانے پینے کا نظم کرے، اس لئے کہ مشترکہ کھانے میں ایک دو آدمی کے کھانے کی گنجائش بآسانی نکل سکتی ہے، اور الگ رہنے میں جبکہ بنیادی اخراجات کا بھی نظم ممکن نہ ہو، والدین کی صحت اور زندگی کے لئے بڑے خطرات ہیں[245]

☆ اگر اولاد باوجود استطاعت وسہولت کے والدین کے اخراجات سے انکار یا ٹال مٹول کرے تو والدین کو حق ہو گا کہ وہ ان کو بتائے بغیر اپنے خرچ کے بقدر مال لے لے، اگر وہاں قاضی ہو تو قاضی کے پاس اپنا معاملہ لے جائے[246]

☆ یہی حکم جمہور فقہاء کے نزدیک اولاد کی اولاد کے لئے بھی ہے یعنی اگر اپنی اولاد مر چکی ہو یا خود بہت محتاج اور معذور ہو تو احکام کی یہ تفصیلات اولاد کی اولاد پر بھی عائد ہونگی اور یہ سلسلہ نیچے تک چلتا رہے

----- حواشی --

243 - بدائع الصنائع کتاب النفقۃ سبب وجوب ھٰذہ النفقۃ ۳/ ۴۴۳، فتاویٰ ہندیہ نفقۃ ذوی الارحام ۱/ ۵۶۵ ط دیوبند

244 - فتاویٰ ہندیہ نفقۃ ذوی الارحام ۱/ ۵۶۵ ط دیوبند

245 - فتاویٰ ہندیہ نفقۃ ذوی الارحام ۱/ ۵۶۵ ط دیوبند، بدائع الصنائع کتاب النفقۃ شرائط وجوب النفقۃ ۳/ ۴۴۹

246 - فتاویٰ ہندیہ نفقۃ ذوی الارحام ۱/ ۵۶۷ ط دیوبند

گا[247]

☆اسی طرح فقہاء نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ والدین کی خدمت وکفالت کی ذمہ داری اولاد ذکور واناث دونوں پر برابر عائد ہوتی ہے، اگر اولاد میں کوئی زیادہ خوشحال ہے اور کوئی کم تب بھی واجبات کی ادائیگی میں فرق نہیں کیا جائے گا، شمس الائمہ سرخسیؒ نے بعض مشائخ کا قول نقل کیا ہے کہ اولاد میں تھوڑے بہت فرق کا اعتبار نہیں ہے لیکن بہت زیادہ فرق ہو تو فرق کا لحاظ رکھا جائے گا[248]

شامی میں ہے کہ اگر والدین چلنے پھرنے سے معذور ہوجائیں اور ان کی خدمت اور دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہو اور ایک بیٹی ہے جو شادی شدہ ہے اور اپنی سسرال میں رہتی ہے تو اس شادی شدہ بیٹی کی ذمہ داری ہے کہ وہ باپ کے گھر آکر ان کی خدمت اور دیکھ بھال کا فریضہ ادا کرے، اگر شوہر اس کے لئے راضی نہ ہو تب بھی والدین کو اس بے بسی کی حالت میں تنہا نہ چھوڑے، ایسے موقعہ پر ماں باپ کا حق مقدم ہے، زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ شوہر اس کا نفقہ بند کردے گا مگر نفقہ کی لالچ میں والدین کی خدمت نہ چھوڑے:

ولو أبوہا ......زمنا مثلاً فاحتاجہا فعلیہا تعاہدہٗ ولو کافراً وإن أبی الزوج "فتح"(درمختار) ای مریضاً مرضاً طویلاً ...---وہٰذا اذا لم یکن من یقوم علیہ ......لان ذلک من المصاحبۃ بالمعروف المأمور بہا ...... لرجحان حق الوالد وہل لہا النفقۃالظاہر لاوإن کانت خرجت من بیتہٖ بحق کما لو خرجت لفرض الحج[249]

☆رہ گیا مسئلہ بہو کا، تو قانونی طور پر وہ شوہر کے والدین کے لئے جوابدہ نہیں ہے، قانونی طور جس شخص کی وہ بیوی ہے وہ بھی اپنی خدمت کے لئے اسے مجبور نہیں کرسکتا، فقہاء نے اس ذیل میں ایک دلچسپ

----- حواشی---

247-العنایۃ علی الہدایہ ۴/ ۴۱۰، مغنی المحتاج ۳/ ۶۴۴

248 -فتاویٰ ہندیہ نفقۃ ذوی الارحام ۱/ ۵۶۴، ۵۶۵ ط دیوبند

249 -ردالمحتار کتاب الطلاق مطلب فی الکلام علی المؤنسۃ ۵/ ۲۵۷، ۲۵۸ ط دیوبند

جزئیہ لکھا ہے:

ولو جاء الزوج بطعام يحتاج إلى الطبخ والخبز فأبت المرأة الطبخ والخبز يعنى بأن تطبخ و تخبز لماروى أن رسول اللهﷺقسم الاعمال بين علىؓ وفاطمةؓ فجعل أعمال الخارج على علىؓ وأعمال الداخل علىٰ فاطمةؓ و لكنها لاتجبر على ذلک إن أبت ويؤمر الزوج أن ياتى لها بطعام مهيأ[250]

ترجمہ: اگر شوہر ایسا کھانا لیکر آئے جس کو پکانے یا روٹی بنانے کی ضرورت ہو اور عورت پکانے سے انکار کر دے جیسا کہ روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گھر کے کام کو حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے درمیان تقسیم کر دیا تھا، حضرت علیؓ کے ذمہ باہر کا کام اور حضرت فاطمہؓ کے ذمہ اندر کا کام مقرر فرمایا تھا، لیکن اگر عورت انکار کر دے تو اس کو مجبور نہیں کیا جائیگا اور شوہر سے کہا جائے گا کہ وہ بیوی کے لئے تیار شدہ کھانا لیکر آئے"۔

ظاہر ہے کہ پھر شوہر کے والدین کی خدمت کے لئے اس کو مجبور کیسے کیا جا سکتا ہے؟ یہ سارا معاملہ اخلاقی ہے جیسے حضور ﷺ نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے درمیان اخلاقی بنیادوں پر کاموں کی تقسیم فرمادی تھی، اسی بنیاد پر المعروف کالمشروط کے اصول پر ساس سسر کی خدمت و دیکھ بھال کا بار بہو پر ڈالا جا سکتا ہے، اور اس سے کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح تمہارا شوہر تمہارے ماں باپ کا خیال رکھتا ہے، تم کو بھی اس کے ماں باپ کا خیال رکھنا چاہئے، بہت سے کام جو قانون کے بل پر نہیں ہو سکتے، اخلاقی قوت کے ذریعہ ہو جاتے ہیں خصوصاً گھریلو اخلاقیات جو عرف میں رائج ہوں، ان کی نزاکت کا لحاظ تو ہر ایک کو رکھنا چاہئے، آخر ایک نہ ایک دن ہر ایک کو اس مرحلے سے گذرنا ہے، علامہ حصکفیؒ نے میاں بیوی کے مسائل کے ذیل میں کثرت مہر کو جہیز سے جوڑتے ہوئے لکھا ہے:

وعليه فلوزفت به إليه لايحرم عليه الإنتفاع به وفى عرفنا

----- حواشی ---

250 - بدائع الصنائع کتاب النفقۃ بیان مقدار الواجب فی النفقۃ ۳/ ۴۳۰، شامی کتاب الطلاق ۵/ ۲۳۱

يلتزمون كثرة المهر لكثرة الجهاز وقلته لقلته ولاشک أن المعروف كالمشروط فينبغی العمل بمامر كذا فی النهر [251]

ترجمہ: عورت جو سامان جہیز لیکر آتی ہے اس سے شوہر کا استفادہ کرنا جائز ہے، اس لئے کہ ہمارے عرف میں جن عورتوں کا مہر زیادہ ہوتا ہے وہ زیادہ سامان جہیز لیکر آتی ہیں اور کوئی شبہ نہیں کہ معروف، مشروط کی طرح ہوتا ہے، اس لئے اس پر عمل ہونا چاہئے۔

(۷)

قریبی رشتہ داروں سے پردہ کا مسئلہ

(۷) مشترک خاندان میں ایک بڑا مسئلہ قریبی رشتہ داروں سے باہم پردہ کا ہے، خاص طور سے جب خاندان کافی بڑا ہو اور سب یا اکثر ایک ہی احاطے میں رہتے ہوں تو بہت احتیاط کے باوجود ایک دوسرے سے مکمل پردہ نہیں ہو پاتا۔

پردہ کے بارے میں شریعت کا مزاج یہ ہے کہ اصل چیز فتنہ اور موقعۂ تہمت سے اجتناب ہے، جہاں فتنہ جتنا زیادہ سخت ہوگا، کراہت اتنی ہی شدید ہوگی، حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اياكم والدخول على النساء فقال رجل من الانصار يارسول الله! أفرأيت الحمو قال الحموالموت الحديث متفق عليه [252]

ترجمہ: عورتوں کے پاس جانے سے بچو، ایک انصاری صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! دیور کے بارے میں کیا رائے ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا دیور تو موت ہے۔

وعن عامربن ربيعة ؓ قال رسول الله ﷺ لايخلون رجل بإمرأة

----- حواشی

251 ۔ در مختار علیٰ رد المحتار کتاب الطلاق مطلب فی الابراء عن النفقۃ ۵/ ۲۳۸

252 ۔ مشکوۃ باب النظر الی المخطوبۃ ص ۲۶۸

قال ثالثہا الشیطان[253]

ترجمہ: حضرت عامر بن ربیعہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص کسی عورت سے تنہائی میں نہ ملے، فرمایا کہ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔

گھروں میں مسئلہ ستر عورت کا نہیں، حجاب کا ہے جس کا تذکرہ قرآن میں آیا ہے کہ جب باہر نکلو تو اپنے اوپر جلباب ڈال لیا کرو(وید نین علیہن من جلابیبہن) یہ اس لئے نہیں کہ چہرہ عورت ہے بلکہ اس لئے کہ اسی سے فتنہ کا آغاز ہوتا ہے، دیور وغیرہ سے لوگ مذاق اور بے تکلفی کا رشتہ تصور کرتے ہیں اس لئے وہاں تنہائی اور بے پردگی اور بھی زیادہ خطرناک ہے ......فقہاء حنفیہ کا نقطۂ نظر اس سلسلے میں بہت نرم 'لچکدار، معتدل اور موجودہ حالات میں زیادہ قابل عمل ہے:

وتمنع المرأة الشابۃ من کشف الوجہ بین الرجال لالانۂ عورة بل لخوف الفتنۃ کمسہٖ وإن أمن الشہوة (درمختار) و المعنیٰ تمنع من الکشف لخوف أن یری الرجال وجہہافتقع الفتنۃ ......وہذافی الشابۃ أماالعجوز التی لاتشتہی فلاباس بمصافحتہاومس یدہا إن أمن ...ولایجوز النظر الیہ بشہوة أی إلا لحاجۃ ...--...والتقیید بالشہوة یفید جوازہا بدونہا لکن سیأتی فی الحظر تقییدۂ بالضرورة وظاہرۂ الکراہۃ بلاحاجۃ داعیۃ قال فی التتارخانیۃ وفی شرح الکرخی النظر إلیٰ وجہ الاجنبیۃ الحرة لیس بحرام ولکنہ یکرہ لغیر حاجۃ[254]

ترجمہ: جوان عورت کو مردوں کے درمیان چہرہ کھولنے سے اس لئے نہیں روکا جاتا کہ وہ ستر عورت کے دائرے میں داخل ہے، بلکہ اس لئے کہ فتنہ کا اندیشہ ہے، جس طرح کہ عورت کو چھونا درست نہیں محض فتنہ سے بچنے کے لئے اگرچہکہ شہوت سے محفوظ ہو......مطلب یہ ہے کہ عورت اگر مردوں کے درمیان چہرہ کھولے گی اور

----- حواشی---

253 ۔مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبۃ ص۲۶۸

254 ۔ردالمحتار کتاب الصلاۃ مطلب فی ستر العورۃ ۲/ ۷۲،۷۳)وکذافی المبسوط للسرخسی ۱۰/ ۱۵۲،وفتح القدیر ۱/ ۱۸۱

لوگ اس کا چہرہ دیکھیں گے تو فتنہ پیدا ہو سکتا ہے......یہ حکم جوان عورت کے لئے ہے، بوڑھی غیر مشتہاۃ عورت سے مصافحہ کرنے اور اس کا ہاتھ چھونے میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ شہوت سے محفوظ ہو......اسی طرح جوان عورت کے چہرہ کو بلا ضرورت دیکھنا جائز نہیں، شہوت کی قید کا مقصد یہ ہے کہ شہوت نہ ہو تو دیکھ سکتے ہیں، مگر ضرورت کی قید برقرار ہے، یعنی واقعی ضرورت کے بغیر چہرہ دیکھنا مکروہ ہے، تاتارخانیہ میں شرح الکرخی کے حوالے سے ہے کہ اجنبی عورت کا چہرہ دیکھنا حرام نہیں ہے البتہ بلاضرورت مکروہ ہے۔

علامہ شامی نے مختلف فقہی کتابوں کے حوالے سے جو بات منقح کی ہے وہ یہ کہ جوان عورت کا چہرہ کسی اجنبی کے لئے بلاضرورت دیکھنا مکروہ ہے، اگر حاجت ہو اور انسان شہوت سے محفوظ ہو تو بقدر حاجت غیر محرم عورت کا چہرہ دیکھنا درست ہوگا۔

مشترک نظام میں جبکہ خاندان کی متعدد اکائیاں ایک احاطے میں قیام پذیر ہوتی ہیں ایک دوسرے کا آمنا سامنا ہونے سے بچنا بہت مشکل ہے، یہ ایک مجبوری ہے جس میں ابتلائے عام ہے، یہ ویسی ہی مجبوری ہے جس کو فقہاء نے حاجت داعیہ کہا ہے، اسلئے اگر شہوت سے امن ہو تو بلاارادہ غیر محرم عورت کے چہرہ پر نظر پڑ جانے میں مضائقہ نہیں، البتہ ارادہ کے ساتھ نہ دیکھے، تنہائی میں اکٹھا ہونے سے ہر ممکن پرہیز کرے، باہر یا اپنے کمرے سے گھر کے احاطے میں داخل ہو تو آواز دیکر یا کھانس کر داخل ہو تاکہ غیر محرم عورتیں محتاط ہو جائیں اور بلاضرورت کسی پر نظر نہ پڑے، عورتیں بھی جب اپنے کمروں سے نکلیں تو پورے پردہ کے ساتھ نکلیں جس میں صرف ضرورت کے بقدر ہی آنکھ وغیرہ کھلی ہو، ہنسی مذاق اور بے تکلفی سے پوری احتیاط برتیں، دل و نگاہ کو پاک رکھیں اور جان بوجھ کر کسی ایسی جگہ نہ رہیں جہاں تنہائی میں کوئی اس سے ملنے کی کوشش کرے، اس احتیاط کے ساتھ رہا جائے تو مشترک نظام مشکل ہونے کے باوجود ناجائز نہیں رہے گا۔

عصر حاضر کے بزرگوں میں حضرت الاستاذ مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے اپنے فتاویٰ میں گھریلو پردہ

کے بارے میں تقریباً انہی خیالات کا اظہار کیا ہے،[255] واللہ اعلم بالصواب۔

تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

☆ مشترکہ خاندانی نظام ہو یا جداگانہ، دونوں کا ثبوت عہد رسالت اور عہد صحابہ سے ملتا ہے، لہذا دونوں ہی نظام فی نفسہ جائز و درست ہیں، جہاں جس نظام میں شریعت کے حدود و قوانین کی رعایت و پاسداری اور والدین و دیگر زیر کفالت افراد اور معذورین کے حقوق کی حفاظت ہو سکے اور فتنہ و نزاع سے بچا جا سکے، اس نظام پر عمل کرنا بہتر ہو گا، کسی ایک نظام کی تحدید نہیں کی جا سکتی ہے، البتہ یہ اجلاس تمام مسلمانوں سے یہ اپیل کرتا ہے کہ مورث کے انتقال کے بعد جتنی جلد ممکن ہو ترکہ کی تقسیم کر کے تمام شرعی وارثین کو ان کا متعینہ حصہ دے دیں، تاکہ ایک دوسرے کے حقوق کا غلط استعمال نہ ہو اور یہ عمل باہمی نزاع اور نفرت و عداوت کا سبب نہ بن جائے، یہ اجلاس خاص طور سے عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کی طرف مسلمانوں کی توجہ کو مبذول کرانا چاہتا ہے، کیونکہ اس میں بہت زیادہ کوتاہیاں پائی جاتی ہیں۔

☆ مشترکہ خاندانی نظام کی بنیاد ایثار و قربانی اور باہمی تعاون پر ہے، ورنہ یہ نظام قائم نہیں رہ سکتا ہے، نیز عدل و انصاف کو قائم رکھنا بھی ضروری ہے، لہذا اگر خاندان کے سبھی افراد صاحب استطاعت ہوں تو زیر کفالت افراد کی تعداد کے اعتبار سے اخراجات دیں گے۔ اور اگر کوئی مالی اعتبار سے کمزور ہو تو ہر شخص اپنی آمدنی کے تناسب سے اخراجات برداشت کرے گا، البتہ خاندان کے سبھی حضرات کو چاہئے

----- حواشی -----

255 - دیکھئے فتاویٰ محمودیہ ۸/۲۷۴، ۲۷۵

کہ جائز ذریعہ سے زیادہ سے زیادہ آمدنی حاصل کرنے کی کوشش کریں، تاکہ کمانے والوں پر بوجھ نہ پڑے۔

☆جب آمد وخرچ دونوں مشترک ہوں تواخراجات کے بعد بچی ہوئی رقم سے خریدی گئی چیز میں سبھی افراد برابر کے حقدار ہونگے۔

☆جب سبھی بھائیوں کاذریعۂ امدنی الگ الگ ہواور سبھوں نے برابر برابر رقم جمع کی ،اورایک بھائی نے اپنی زائد آمدنی کو بچاکر اپنے پاس رکھاتو یہ بھائی اپنی زائد آمدنی کاخودمالک ہوگا، دوسرے بھائی اس کے حقدار نہیں ہونگے۔

☆ الف: اگر خاندان کے افراد کسی معاہدہ کے تحت کام کرتے ہوں توجو بھی آمدنی ہوگی وہ خاندان کے سبھی افراد کے درمیان حسب معاہدہ تقسیم ہوگی، خواہ وہ گھر پر کام کرتے ہوں یاباہر۔

ب :اگر کاروبارایک ہی ہو ،کچھ لوگ گھر پر کام کرتے ہوں اورکچھ لوگ گھر کے باہر، تواس صورت میں کل آمدنی سبھی افراد کے درمیان برابر برابر تقسیم ہوگی

ج :اگر الگ الگ کاروبار ہواوران کے درمیان کسی طرح کامعاہدہ نہ ہوتوباہر کمانے والوں کی آمدنی میں گھر کاکام دیکھنے والے حقدار نہیں ہونگے۔

د: والدین کی خدمت وکفالت لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں پر بھی حسب استطاعت واجب ہے، اگر ماں کوایسی خدمت کی ضرورت جس کوکوئی عورت ہی انجام دے سکتی ہو، اور بہوکے علاوہ کوئی دوسری قریبی عورتخدمت کرنے والی نہ ہونیزماں مجبور ہو، خودسے وہ کام انجام دینے کے لائق نہ ہوتوایسی صورت میں بہوپر ساس کی خدمت واجب ہوگی۔

☆مشترک خاندان میں بھی شرعی پردہ کااہتمام کیاجائے، کسی غیر محرم کے ساتھ تنہائی میں ملنے سے اورہنسی مذاق نیز غیر ضروری گفتگوسے اجتناب کرنالازم ہے،

البتہ احتیاط کے باوجود اگر سامنا ہو جائے اور ہر طرح کے فتنہ سے بچنے کی کوشش ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

☆ سماج کے معمر اور سن رسیدہ افراد انسانی سماج کے لئے بیش قیمت سرمایہ ہیں، ان کی راحت رسانی اور خدمت انسانی سماج کی ذمہ داری ہے، خصوصاً اولاد اور افراد خاندان کی ذمہ داری ہے کہ بوڑھوں کی خدمت کریں، ان کی عزت و تکریم کریں اور انہیں اپنے ساتھ محبت اور الفت کے ساتھ رکھیں، اور ان کی خدمت کو اپنے لئے سعادت سمجھیں[256]۔

----- حواشی -----

256 - جدید مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے ص ۲۶۷ تا ۲۶۹

ماحولیاتی آلودگی—احکام ومسائل[257]

انسان جس آب وہوا میں سانس لیتا ہے اور جس ماحول میں زندگی گذارتا ہے اس کی شفافیت اور پاکیزگی بے حد ضروری ہے، اس سے خود انسان کی بلکہ زمینی تمام جانداروں کی صحت وحیات وابستہ ہے، لیکن ادھر کئی برسوں سے فضائی آلودگی ایک عالمی مسئلہ بنی ہوئی ہے، ماہرین اور اہل تحقیق نے اس کو اس دور کا انتہائی سنگین مسئلہ قرار دیا ہے۔

موجودہ زمانہ میں آلودگی- محققین کی نگاہ میں

اس کی حساسیت اور عالمگیریت کا اندازہ ان رپورٹوں سے ہوتا ہے جو بی بی سی اور دیگر عالمی ذرائع ابلاغ نے مختلف وقتوں میں شائع کی ہیں، بی بی سی کی مختلف رپورٹوں سے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

"عالمی ادارۂ صحت نے فضائی آلودگی کو دنیا میں صحتِ عامہ کے لیے سب سے بڑا خطرہ قرار دے دیا ہے، ایک نئی تحقیق کے مطابق یہ آلودگی دنیا میں مرنے والے ہر آٹھویں فرد کی موت کی وجہ ہے اور اس کی وجہ سے دنیا بھر میں صرف سنہ ۲۰۱۲ء میں ستر (۷۰) لاکھ افراد ہلاک ہوئے ان ہلاکتوں میں سے بیشتر جنوبی اور مشرقی ایشیا کے غریب اور متوسط درجے کے ممالک میں ہوئیں اور نصف سے زیادہ اموات لکڑی اور کوئلے کے چولھوں سے اٹھنے والے دھوئیں کی وجہ سے ہوئیں۔ تحقیق کے نتائج میں کہا گیا ہے کہ مکانات کے اندر کھانا پکانے کے عمل کے دوران اٹھنے والے دھویں سے خواتین اور بچے سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ اگر صرف کھانا پکانے کے لیے محفوظ چولہے ہی فراہم کر دیئے جائیں تو دنیا میں لاکھوں افراد کی جانیں بچ سکتی ہیں"۔

دنیا میں ۲۰۱۲ء میں تینتالیس ۴۳ لاکھ اموات گھروں کے اندر کی آلودگی خصوصاً ایشیا میں لکڑیاں

----- حواشی

257 - تحریر بمقام جامعہ ربانی منوروا شریف، بتاریخ ۱/ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ مطابق ۲/ دسمبر ۲۰۱۶ء

جلا کر یا کوئلوں پر کھانا پکانے کے دوران اٹھنے والے دھویں کی وجہ سے ہوئیں جبکہ بیرونی فضا میں آلودگی کی وجہ سے مرنے والوں کی تعداد 37 لاکھ کے لگ بھگ رہی جن میں سے 90 فیصد کے قریب ترقی پذیر ممالک میں تھے۔ ڈبلیو ایچ او کا کہنا ہے کہ بیرونی فضائی آلودگی چین اور بھارت جیسے ممالک کے لیے بڑا مسئلہ ہے جہاں تیزی سے صنعت کاری ہو رہی ہے۔ کنگز کالج لندن کے ماحولیاتی تحقیقاتی گروپ کے ڈائریکٹر فرینک کیلی کا کہنا ہے کہ 'ہم سب کو سانس لینا ہوتا ہے اس لیے ہم اس آلودگی سے بچ نہیں سکتے، اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم ماسک پہن کر یہ پیغام دیتے ہیں کہ ہم آلودہ فضا میں سانس لینے کے لیے تیار ہیں جبکہ ہمیں آلودگی ختم کرنے کے لیے اپنے طرزِ زندگی کو بدلنے کی ضرورت ہے۔

ماہرین کے مطابق فضائی آلودگی کی وجہ سے سانس کے ساتھ ہمارے پھیپھڑوں میں ایسے ننھے ننھے ذرات چلے جاتے ہیں جو بیماری کا باعث بنتے ہیں، سائنسدانوں کے خیال میں فضائی آلودگی دل کی سوجن کی وجہ بھی بنتی ہے جس کی وجہ سے دل کا دورہ پڑنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ترقی پذیر ممالک میں فضائی آلودگی سے مردوں کے مقابلے میں خواتین کے متاثر ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ دیگر ماہرین کا کہنا ہے کہ آلودگی پر قابو پانے کے لیے اس سلسلے میں مزید تحقیق کی ضرورت ہے کہ اس کے مہلک ترین اجزا کی نشاندہی کی جائے۔

امپیریئل کالج لندن کے ماجد عزتی کا کہنا ہے کہ 'ہم نہیں جانتے کہ صحارا کے صحرا کی گرد اتنی ہی خطرناک ہے جتنا کہ ایندھن یا کوئلے کا دھواں[258]۔

☆ایک نئی تحقیق میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ جو حاملہ خواتین آلودہ فضا میں رہتی ہیں ان کے ہاں پیدا ہونے والے بچے دوسرے بچوں کی نسبت کم وزن ہوتے ہیں۔ 'انوائرومنٹل ہیلتھ پرسپیکٹیو' نامی ادارے نے یہ نتائج نو ممالک میں تیس (۳۰) لاکھ سے زائد نوزائیدہ بچوں کے جائزے کے بعد اخذ کیے ہیں۔ تحقیق سے پتہ چلا کہ جن بچوں کا جنم آلودہ فضا والے علاقوں میں ہوا ہے، پیدائش کے وقت ان کا

----- حواشی---

258 -رپورٹ ۲۵/مارچ ۲۰۱۴ء

وزن اوسط سے کم تھا۔ محققین کا کہنا ہے کہ پیدا ہونے والے بچے پر فضائی آلودگی کا اثر کم ہی دیکھا گیا ہے اس لیے لوگوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم ان کے مطابق پیدائش کے وقت جن بچوں کا وزن کم ہوتا ہے انہیں مستقبل میں صحت سے متعلق مسائل کا سامنا رہتا ہے جیسا کہ انہیں ذیابیطس اور دل کی بیماری ہونے کا خطرہ نسبتاً زیادہ ہوتا ہے۔ اس تحقیقی ٹیم کے رکن اور یونیورسٹی آف کیلیفورنیا، سان فرانسسکو کے پروفیسر ٹریسی وڈروف کا کہنا ہے 'اہم بات یہ ہے کہ اس تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ فضائی آلودگی کا عام طور پر اثر دنیا کے ہر انسان پر پڑتا ہے'۔

لندن سکول آف ہائجین اینڈ ٹروپیکل میڈیسن کے پروفیسر ٹونی فلیچر نے کہا کہ اس تحقیق کی دریافت واضح ہے۔ حالانکہ یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ فضائی آلودگی کا ہر بچے پر برابر اثر نہیں ہوتا ہے اس لیے والدین کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے [259]۔

☆ انسانی صحت کے لیے کھلی فضا اور صاف ہوا میں سانس لینا بہت ضروری ہے لیکن اس ترقی یافتہ اور سائنٹیفک دور میں انسان کو نہ صاف ہوا میسر ہے اور نہ ہی کھلی فضا۔ اس جدید ترین دور میں انسان آلودہ زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ اس آلودہ زندگی سے انسان نہ صرف بے شمار بیماریوں کا شکار ہو رہا ہے بلکہ ایک فعال زندگی گزارنے کے بجائے ذہنی کوفت میں مبتلا ہو رہا ہے۔ بڑھتی ہوئی ماحولیاتی آلودگی کی سب سے بڑی وجہ فضائی آلودگی ہے جو ایک صحت مند معاشرہ تشکیل دینے میں بڑی رکاوٹ بن رہی ہے۔ کیمیائی طور پر تیار کی گئیں اشیا اور دیگر مختلف قسم کے کچرے کو جب جلایا جاتا ہے تو اس سے نکلنے والا دھواں فضائی آلودگی کا باعث بنتا ہے اور اس سے نکلنے والی زہریلی گیس اور ذرات فضا میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ان سے انسانی صحت پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں اور کینسر، پھیپھڑوں کے علاوہ گلے کی پیچیدہ بیماریوں کا باعث بنتے ہیں۔

ماہرین ماحولیات نے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ترقی پذیر ممالک کی بڑی آبادی کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کے پاس رہتی ہے اگر یہی صورتحال برقرار رہی تو ان ممالک میں مختلف اقسام کی

----- حواشی -----

259 - فروری ۲۰۱۳ء

جسمانی اور ذہنی بیماریاں جنم لیں گی جو کسی بھی صحت مند معاشرے کے لیے مسائل کا انبار ہے۔

تحقیقات کے مطابق کچرے کے ڈھیروں سے بے شمار زہریلی گیسوں کا اخراج ہوتا ہے۔ بھارت، پاکستان اور انڈونیشیا کے ممالک جو دنیا کا تقریباً پانچواں حصہ بنتا ہے جو اس سے متاثر ہو رہا ہے۔ ماہرین کے مطابق زہریلا مادہ خون میں جذب ہونے سے رحم مادر میں پرورش پانے والے بچوں کو مسائل پیش آسکتے ہیں جو بچوں کی ذہنی نشوونما کے لیے خطرہ ہیں۔ میساچوسٹس انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی سے وابستہ سٹیون بیرٹ کا کہنا ہے کہ گزشتہ 5 سے 10 برسوں کے اعداد و شمار سے ثابت ہوا ہے کہ فضائی آلودگی سے شرح اموات میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔

☆ سڑکوں پر رواں دواں دھواں اڑاتی ہوئی گاڑیاں فضائی آلودگی میں اضافہ کا باعث ہیں۔ ہمارے یہاں روش چل پڑی ہے کہ ہر معاملے میں گاڑی کا استعمال کیا جاتا ہے جب کہ ان سڑکوں کے ارد گرد اور درمیان میں سبزہ اور ماحول دوست پودوں کی کمی ہے۔ علاوہ ازیں گاڑیوں کی موزوں مینٹیننس کا نہ ہونا بھی ماحول کی خرابی کا سبب ہے... بجلی کی پیداوار کے لیے استعمال کیے جانے والے ذرائع بھی فضائی آلودگی میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں جو لوگوں کو وقت سے پہلے ہی موت کی جانب دھکیل رہے ہیں۔

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ بجلی کی پیداوار کے لیے قدرتی ذرائع استعمال کیے جائیں تاکہ ماحولیاتی آلودگی میں کمی واقع ہو۔۔ عام تاثر ہے کہ جوہری بم سے کئی گنا خطرناک گلوبل وارمنگ کا بم ہے جس کے اثرات سے کرۂ ارض خطرات میں گھرا ہوا ہے۔ ماضی کی نسبت اب موسم گرما میں گرمی کی عمومی صورتحال شدید ہو رہی ہے اور گرمی شدت سے بڑھ رہی ہے جب کہ سردیوں کا موسم سکڑتا جا رہا ہے۔ موسمی تغیر کے باعث مختلف ممالک میں طوفانی بارشوں، سیلابی ریلوں، سمندری طوفان سے ہونے والے نقصانات میں اضافہ ہو رہا ہے اور کہیں قحط اور خشک سالی کی صورتحال دکھائی دے رہی ہے۔ یہ سب دراصل گلوبل وارمنگ ہی کا نتیجہ ہے۔ آب و ہوا کی تبدیلی کی وجہ سے زراعت متاثر ہو رہی ہے اور خوراک کی قلت بھی بڑھ رہی ہے۔ دوسری جانب صنعتی پیداوار بھی متاثر ہو رہی ہے کیوں کہ اکثر اشیا کی تیاری میں خام مال زرعی شعبے سے حاصل ہوتا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق آب و ہوا کی تبدیلی سے دنیا کی مجموعی

اقتصادی پیداوار میں 1.6 کی کمی واقع ہوئی ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ کرۂ ارض کے تمام مسائل اور مشکلات کا سب سے بڑا سبب یہاں بسنے والے انسان ہیں۔ سڑکوں پر دھواں اڑاتی گاڑیاں، کارخانوں کی دھواں اگلتی چمنیاں، کیمیکل پلانٹس سے خارج ہوتا زہریلا پانی گرین ہاؤس گیسوں کے خاتمے کی وجہ سے بن رہا ہے۔ علاوہ ازیں بڑے پیمانوں پر جنگلات کی کٹائی کرۂ ارض کے توازن میں بگاڑ کا باعث ہے جب کہ یہی درخت فضا میں موجود کاربن گیسوں کو دوبارہ زندگی بخش آکسیجن میں تبدیل کرتے ہیں۔

☆ ہماری زمین اور فضا کو آلودگی کے سبب ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا ہے۔ کائنات میں قدرت نے زبردست توازن رکھا ہے اور یہی توازن کائنات کی بقاء کا ضامن ہے۔ جب سے انسان نے اپنے اردگرد کے ماحول پر یلغار کی ہے، یہ توازن برقرار نہیں رہا۔ نتیجتاً آج کا انسان فطرت سے دور ہوتا چلا جارہا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ کائنات کے نظام میں انسان کی بے جا دخل اندازی ہے۔ انسان نے جہاں سائنسی ایجادات کے بل پر اس ٹوٹے ہوئے تارے کو مہ کامل بنادیا ہے، وہاں وقتی فوائد کی خاطر اس نے بے شمار تخریبی نوعیت کی سرگرمیاں بھی اختیار کر رکھی ہیں، جن کی بدولت کائنات تباہی کے راستے پر گامزن ہے۔ ان خطرناک اور مہلک سرگرمیوں میں ماحول کی آلودگی کا مسئلہ سرفہرست ہے۔ سستی آسائش کی خاطر انسان کے اختیار کردہ مصنوعی ذرائع و وسائل نے ماحول کے حسن کو نہ صرف غارت کرکے رکھ دیا ہے، بلکہ اسے طرح طرح کی آلودگیوں کی آماجگاہ بنا دیا ہے۔۔۔ آج ہماری فضا پانی اور زمین میں کیمیائی مادوں اور نقصان دہ عناصر کی آمیزش خطرناک حد تک ہوچکی ہے۔ آلودگی میں اضافے کی بہت سی وجوہات ہیں۔ اگرچہ انسان نے ترقی تو بہت کرلی ہے، لیکن اس ترقی میں انسانی صحت اور ماحول کو درپیش خطرات پر توجہ بہت کم دی گئی ہے۔ یہ افسوس کا مقام ہے کہ آج انسان نے اپنے ماحول میں موجود اس عظیم توازن کو خود ہی بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ ماحولیاتی آلودگی کی منجملہ اقسام میں اولین قسم "فضائی آلودگی" کی ہے۔ کرۂ ارض کے اردگرد گیسوں کا ایک غلاف موجود ہے۔ یہ تمام گیسیں ایک خاص تناسب سے فضا کا حصہ بنتی ہیں، لیکن انسان کی بے جا دخل اندازی سے گاڑیوں سے نکلنے والا دھواں اور کارخانوں سے خارج ہونے والی مضر صحت گیسیں ہوا میں شامل

ہو کر اسے آلودہ کر رہی ہیں، جس سے انسانوں میں کئی بیماریاں پیدا ہو رہی ہیں۔ ایندھن کے بے دریغ استعمال سے فضا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کی مقدار بڑھ رہی ہے، جس کی وجہ سے ہوا کا درجۂ حرارت بھی بڑھ رہا ہے۔ صنعتی علاقوں میں کام کرنے والے کاربن ان زہریلی گیسوں سے سب سے زیادہ متاثر ہو رہے ہیں۔ اس کثافت کا اثر ارد گرد کی عمارتوں پر بھی ہو رہا ہے۔ کئی عمارتیں اس آلودگی کی زد میں آکر اپنی آب و تاب کھو چکی ہیں۔ اس فضائی آلودگی سے نمٹنے کے لئے معدنی ایندھن کا متبادل تلاش کرنا بہت ضروری ہے، نیز صنعتی علاقوں میں گیسوں کے اخراج پر قابو پانے کے لئے پلانٹ نصب کئے جائیں اور زیادہ سے زیادہ درخت لگا کر بھی فضائی آلودگی کے اثرات کو بڑی حد تک کم کیا جا سکتا ہے۔

فضائی آلودگی کے بعد آلودگی کی دوسری بڑی قسم ”آبی آلودگی“ ہے۔ ہوا کی طرح پانی بھی انسان کی زندگی کے لئے لازمی عنصر ہے۔ بیسویں صدی میں جہاں صنعتی انقلاب اور آبادی کے بڑھنے کے باعث پانی کی ضروریات میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے، وہاں پینے کے لئے صاف و شفاف پانی بھی ناپید ہوتا جا رہا ہے۔ پانی میں کئی طرح کی کثافتیں اور مادے شامل ہو گئے ہیں۔ آبی آلودگی کی وجہ سے معدے اور جگر کی بیماریاں بہت تیزی سے پھیل رہی ہیں۔ صنعتی علاقوں کا کثیف مادہ عموماً صاف کئے بغیر ہی ندی نالوں اور دریاؤں میں بہا دیا جاتا ہے۔ اس سے نہ صرف آبی حیات متاثر ہوتی ہے، بلکہ ایسے پانی کو آبپاشی کے لئے استعمال کرنے سے کئی مضر کیمیائی اجزا پودوں کی جڑوں میں سرایت کر جاتے ہیں۔

ایسے پودوں کو بطور خوراک استعمال کرنے سے انسانی صحت کو شدید خطرات لاحق ہو جاتے ہیں۔

آلودگی کی ایک اور اہم قسم ”زمینی آلودگی“ ہے۔ زرعی پیداوار میں اضافے کے لئے فصلوں پر کیڑے مار ادویات کا استعمال کیا جاتا ہے، جس سے پیداوار میں تو اضافہ ہو جاتا ہے، لیکن ان ادویات کے استعمال سے مٹی کے اوپر کی تہہ کی زرخیزی خاصی کم ہو جاتی ہے۔ نیز فصلوں اور پودوں پر بھی ان کے مضر صحت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

زمینی آلودگی کم کرنے کے لئے جنگلات لگانا ایک نہایت موثر اقدام ہے۔ جنگلات اور درختوں کی کمی کے نتیجے میں زمین بردگی (کٹاؤ) کا شکار ہو جاتی ہے۔ بردگی کی شرح میں اضافے سے قابل کاشت اراضی

میں کمی آجاتی ہے اور آبی ذخائر میں تلچھٹ کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ شجر کاری کے حوالے سے عوامی شعور کو بیدار کرے، تاکہ اس اہم مسئلے کا سدباب کیا جاسکے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ترغیبات کے ذریعے بھی عوام کو غیر آباد اور بنجر زمینوں کو قابل کاشت بنانے پر آمادہ کیا جاسکتا ہے۔ آلودگی سے پاک معاشرہ ہی جدوجہد حیات اور ترقی کی رفتار میں زمانے کے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ ہو سکتا ہے۔ ماحول، انسانوں اور قوموں کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ جہاں ماحول انسان سے متاثر ہوتا ہے، وہاں انسان بھی اپنے ماحول سے اثر پذیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ انسان اپنے ماحول کی نمائندگی کرتا ہے تو ماحول انسان ہی کا دوسرا روپ ہے، گویا دونوں ایک دوسرے کے لئے ناگزیر ہیں۔

☆لاہور (رپورٹ) ہر قسم کی آلودگی کے خاتمہ کے لئے قومی سطح پر انسانی رویوں میں تبدیلی ضروری ہے۔ گلیوں، محلوں میں جنریٹرز کے شور اور ٹریفک کے شور، ٹوٹی پھوٹی سڑکوں کی بُری حالت سے بھی آلودگی بڑھ رہی ہے اور صحت مند قوم بیمار اور چڑچڑی ہوتی جارہی ہے۔ کچن گارڈن کا تصور اپنایا جائے۔ قانون بنانے سے پہلے محکمہ صنعتی اداروں اور عوام کو آگاہ کرے کہ ماحول کی بہتری کے لئے انہیں کیا کچھ کرنا چاہیے۔ اگر گندے پانی کے استعمال کو نہ روکا گیا تو آئندہ نسل میں کینسر کے اثرات بڑھ جائیں گے۔ مختلف علاقوں میں ٹریٹمنٹ پلانٹ لگانے کے لئے عملی اقدامات کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ ان خیالات کا اظہار جنگ اکنامک سیشن میں "ماحولیاتی اور صنعتی آلودگی، سماجی اور معاشی حالات پر اثرات - حل کیا ہے؟" کے موضوع پر ڈائریکٹر انوائرمنٹ پروٹیکشن ایجنسی نسیم الرحمان، ڈپٹی سیکرٹری انوائرمنٹ پروٹیکشن ایجنسی الطاف بلوچ، نمائندہ شعبہ صحت ڈاکٹر عائشہ اعظم، صدر لاہور چمڑا مارکیٹ شیخ ارشد، سابق صدر لاہور چیمبر آف کامرس پرویز حنیف اور صنعت کار منظور ملک نے کیا[260]۔

ان رپورٹوں سے مسئلہ کی حساسیت اور انسانی مفادات کے لئے اس کی سنگینی کا اندازہ ہوتا ہے، اور انسان پر بحیثیت انسان کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کا بھی اظہار ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔

----- حواشی -----

260 - فروری ۲۰۱۳ء۔

انسان کی منصبی ذمہ داری

انسان روئے زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے، اس لئے تمام وسائل حیات اور مفادات عامہ کی حفاظت کرنا اور ممکنہ خطرات اور اندیشوں کو دور کرنا اس کی منصبی ذمہ داری ہے، اللہ پاک نے زمین کو انسان کے لئے بہترین مستقر بنایا ہے، اسی سے اس کی تخلیق ہوئی اور یہیں ہر طرح اس کی راحت و آسائش کا سامان کیا گیا، اور پھر اسی میں اسے واپس جانا ہے:

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ [261]

ترجمہ: زمین تمہارے لئے ایک قرار گاہ ہے جہاں ایک وقت مقرر تک نفع اندوز ہونے کا سامان موجود ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى [262] -

ترجمہ: اسی سے ہم نے تم کو پیدا کیا، اسی میں تم کو واپس کریں گے اور اسی سے تم کو دوبارہ نکالیں گے۔

اس لئے اس فرش گیتی کو آباد اور شاداب رکھنا اور اس کے وسائل کو مستحکم کرنا انسانی فرائض میں شامل ہے، شریعت اسلامیہ نے اس اہم ترین انسانی فریضہ کو نظر انداز نہیں کیا ہے، بلکہ اس کے لئے ضروری ہدایات دی ہیں مثلاً:

ماحولیاتی تحفظ کے لئے شجر کاری کی اہمیت

☆ فضائی آلودگی کو کم کرنے میں ہرے بھرے درختوں اور پیڑ پودوں کا بنیادی کردار ہے، اسی لئے متعدد روایات میں پیڑ پودے لگانے کی ترغیب دی گئی ہے، حضرت ابوایوب انصاریؓ، حضرت خلاد بن السائبؓ، حضرت جابر بن عبد اللہؓ، حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت انس بن مالکؓ متعدد صحابہ کرام سے اس

----- حواشی --

[261] - البقرة:36

[262] - طه:55

مضمون کی روایات منقول ہیں، حضرت انس بن مالکؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

قال رسول الله صلى الله عليه و سلم : ان قامت الساعة وبيد أحدكم فسيلة فان استطاع ان لا يقوم حتى يغرسها فليفعل تعليق شعيب الأرنؤوط:إسناده صحيح على شرط مسلم [263]۔

ترجمہ: اگر قیامت قائم ہو اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں کھجور کی چھوٹی سی شاخ ہو اور اٹھنے سے پہلے اس پودے کو لگا سکتا ہو تو لگا دے۔

یعنی اسے یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ اسے اس کا نفع ملے گا یا نہیں؟ بلکہ اس زمین کو شاداب رکھنے میں اپنا ممکنہ کردار ادا کرنا چاہئے۔

☆حضرت انسؓ ہی راوی ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ غَرَسَ غِرَاسًا فَأَثْمَرَ ، كَانَ لَهُ مِنَ الأَجْرِ بِعَدَدِ ذَلِكَ الثَّمَرِهَذَا إِسْنَادٌ حَسَنٌ ،رِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ [264].

ترجمہ: جس نے کوئی پودا لگایا اور وہ ثمر دار ہوا تو ہر پھل کے بدلے میں اسے اجر ملے گا۔

علامہ علی المتقیؒ نے کنز العمال میں باب: فضل الزرع والغراس" کے تحت متعدد صحابہ کی

----- حواشی---

263 - مسند الإمام أحمد بن حنبل ج ۳ ص ۱۹۱ حدیث نمبر:۱۳۰۰۴ المؤلف : أحمد بن حنبل أبو عبدالله الشيباني الناشر : مؤسسة قرطبة – القاهرة عدد الأجزاء:6 ، مسند أبي داود الطيالسي – المشكول ج ۳ ص ۵۴۵ حدیث نمبر :۲۱۸۱ المؤلف : سليمان بن داود بن الجارودالمتوفى سنة 204 هـ تحقيق : الدكتور محمد بن عبد المحسن التركي بالتعاون مع مركز البحوث والدراسات العربية والإسلامية بدار هجر الناشر : هجر للطباعة والنشرالطبعة : الأولى سنة الطبع : 1419 هـ – 1999 م عدد الأجزاء : 4

264 - إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة ج ۳ ص ۳۸۴ حدیث نمبر:۲۹۴۵ المؤلف : أحمد بن أبي بكر بن إسماعيل البوصيري المُتَوَفَّى هجرية

الگ الگ روایات جمع کی ہیں[265]۔

ان ارشادات کے علاوہ عملی طور پر بھی حضور ﷺ سے پیڑ پودوں کا لگانا ثابت ہے، حضرت عمرو بن یحیٰؒ اپنے والد کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

فَأَخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَرِيدَةً مِنْ جَرِيدِهَا فَزرَعَهَا[266]

ترجمہ: حضور ﷺ نے ایک شاخ اپنے دست مبارک میں لی اور اس کو لگا دیا۔

اسی طرح حضرت سلمان فارسیؓ کے عقد مکاتبت کے قصے میں حضور ﷺ کا کھجوروں کے پیڑ لگانے کا واقعہ بہت معروف ہے[267]۔

ان تعلیمات کا اثر صحابہ کی زندگیوں میں بھی نظر آتا ہے، خاص طور پر حضرت عمرؓ کو اس کا بڑا اہتمام تھا:

عن عمارة بن خزيمة بن ثابت: سمعت عمر بن الخطاب يقول لأبي:ما يمنعك أن تغرس أرضك؟ فقال له أبي:أناشيخ كبير أموت غدا،فقال له عمر: أعزم عليك لتغرسها، فلقد رأيت عمر بن الخطاب يغرسهابيده مع

----- حواشی---

265 - كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال ج ٣ ص ٨٩٠ تا ٨٩٢ المؤلف : علاء الدين علي بن حسام الدين المتقي الهندي البرهان فوري (المتوفى : 975هـ) المحقق : بكري حياني – صفوة السقا الناشر : مؤسسة الرسالة الطبعة : الطبعة الخامسة ،1401هـ/1981م

266 - شرح مشكل الآثار ج ٩ ص ٧٤ا حدیث نمبر:٣٥٤٣ المؤلف : أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة بن عبد الملك بن سلمة الأزدي الحجري المصري المعروف بالطحاوي (المتوفى : 321هـ) تحقيق : شعيب الأرنؤوط الناشر : مؤسسة الرسالة الطبعة : الأولى – 1415 هـ ، 1494 م عدد الأجزاء : 16 (15 وجزء للفهارس)

267 - إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة ج ٥ ص ٤٥٨ حدیث نمبر:٤٩٩٧ المؤلف : أحمد بن أبي بكر بن إسماعيل البوصيري المُتَوَفَّى هجرية

أبي. ابن جرير[268]

ترجمہ: عمارہ بن خزیمہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے میرے والد سے دریافت کیا کہ آپ نے زمین آباد کیوں نہیں کی؟ انہوں نے اپنے بڑھاپے کا عذر پیش کیا کہ اب چل چلاؤ کا وقت ہے، حضرت عمرؓ نے تاکید کے ساتھ فرمایا کہ ہر حال میں زمین آباد کرنی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خود حضرت عمرؓ کو اس زمین میں اپنے ہاتھ سے پودے لگاتے ہوئے دیکھا۔

حضرت عثمان غنیؓ کے بارے میں بھی آتا ہے کہ ان کو اس سے بہت شغف تھا اور اس کو وہ مصلحین کی علامت تصور کرتے تھے:

عن عبد الرحمن بن عبد الله بن معقل بن يسار قال: دخل رجل على عثمان بن عفان وهويغرس غراسا،فقال له:يا أمير المؤمنين الغرس وهذه الساعة قد جاءت؟ فقال: أن تأتي وأنا من المصلحين خير وأحب إلي من أن تأتيني وأنا من المفسدين. ابن جرير[269].

ترجمہ: حضرت عبد الرحمن بن عبد اللہؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان بن عفانؓ کے پاس حاضر ہوا اس وقت وہ پودا لگارہے تھے، اس نے عرض کیا: امیر المؤمنین! پودا لگارہے ہیں، کیا قیامت کی گھڑی آگئی؟ آپ نے فرمایا: میری خواہش ہے کہ وہ میرے پاس اس حال میں آئے کہ میرا شمار مصلحین میں ہو نہ کہ اس حال میں کہ میرا شمار مفسدین میں ہو۔

حضرت امیر معاویہؓ نے بھی اپنے آخری عہد حیات میں شجر کاری اور ویران زمینوں کی آبادکاری

----- حواشی---

[268] -كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال ج ۳ ص ۹۰۹ حدیث نمبر:۹۱۳۶ المؤلف : علاء الدين علي بن حسام الدين المتقي الهندي البرهان فوري (المتوفى : 975هـ) المحقق : بكري حياني – صفوة السقا الناشر : مؤسسة الرسالة الطبعة : الطبعة الخامسة ،1401هـ/1981م

[269] -حوالہ بالا۔

پر خاصی توجہ دی، ایک دن کھجور کا پیڑ لگاتے وقت کسی (بے تکلف شخص) نے آپ سے دریافت کیا کہ ان پودوں سے آپ کو کس نفع کی امید ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے نفع کی امید میں یہ درخت نہیں لگائے ،بلکہ مجھے اسدی کے اس قول سے ترغیب ملی:

ليس الفتى بفتى لا يستضاء به * ولا يكون له في الأرض آثار[270]

ترجمہ: آدمی وہ آدمی نہیں جس سے روشنی نہ پھیلے اور زمین پر اس کے نقوش موجود نہ ہوں۔

اس ضمن میں کسریٰ کا ایک دلچسپ قصہ بھی بیان کیا جاتا کہ ایک دن شکار کے دوران اس نے ایک شیخ ضعیف کو دیکھا کہ وہ زیتون کے پیڑ لگا رہا ہے، کسریٰ نے ٹھہر کر بوڑھے سے کہا کہ زیتون کا پیڑ تیس (۳۰) سال کے بعد پھل دیتا، آپ کو اس سے کیا نفع ملے گا؟ بوڑھے نے کہا: اے بادشاہ! ہم سے پہلے کے لوگوں نے ہمارے لئے درخت لگائے اب ہم بعد والوں کے لئے لگا رہے ہیں، کسریٰ بے حد خوش ہوا، شاہان فارس کا دستور تھا، کہ جب وہ کسی کے جملہ سے خوش ہوتے تو اس کو ایک ہزار دینار انعام دیتے تھے، کسریٰ نے ایک ہزار دینار بوڑھے کو دیا، بوڑھے نے انعام پانے کے بعد بادشاہ سے عرض کیا کہ، اے بادشاہ! زیتون کا پیڑ تیس (۳۰) سال کے بعد پھل دیتا ہے لیکن میرے زیتون نے پودا لگاتے ہی پھل دے دیا، بادشاہ نے خوش ہو کر پھر ایک ہزار دینار بوڑھے کو انعام دیا، بوڑھے نے ادب سے کہا، ہر زیتون سال میں صرف ایک بار پھل دیتا ہے، لیکن میرے زیتون نے تو سال میں دوبار پھل دے دیئے، کسریٰ نے پھر اس کی طرف ایک ہزار دینار اچھال دیئے اور اس کی اگلی بات سننے سے پہلے ہی تیزی کے ساتھ روانہ ہو گیا، کہ اگر اس بوڑھے کے چکر میں رہے تو سارا خزانہ خالی ہو جائے گا[271]۔

غرض زراعت اور شجر کاری ایک انتہائی نفع بخش اور دور رس نتائج کی حامل چیز ہے اسی لئے بہت

----- حواشی---

270 -فيض القديرج ٣ ص ١٤٠المؤلف : زين الدين محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفين بن علي المناوي (المتوفى : 1031ھ)

271 -حوالۂ بالا۔

سے علماء اور محدثین نے اپنی کتابوں میں اس کی فضلیت و اہمیت پر مستقل ابواب قائم کئے ہیں[272]، متعدد علماء نے زراعت کو سب سے افضل پیشہ قرار دیا ہے[273] جب کہ کئی علماء نے اس کو جہاد اور تجارت کے بعد تیسرے نمبر پر رکھا ہے[274]۔

----- حواشی ---

272 -دیکھئے:☆ باب فضل الزرع والغرس إذا أكل منه، الجامع الصحيح المختصر ج ٢ ص ٨١٥ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 ☆ باب فَضْلِ الْغَرْسِ وَالزَّرْعِ، : الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ٥ ص ٢٧ المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق :الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت ☆ باب ما جاء في فضل الغرس ، الجامع الصحيح سنن الترمذي ج ٣ ص ٦٢٥المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت تحقيق : أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء : 5* باب في فضل الغرس ، سنن الدارمي ج ٢ ص ٣٤٧المؤلف : عبدالله بن عبدالرحمن أبو محمد الدارمي الناشر : دار الكتاب العربي – بيروت الطبعة الأولى ، 1407 تحقيق : فواز أحمد زمرلي , خالد السبع العلمي عدد الأجزاء : 2 -*ذكر تفضل الله جل وعلا على الغارس الغراس ، صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان ج ٨ ص ١٥٤المؤلف : محمد بن حبان بن أحمد بن حبان بن معاذ بن مَعْبدَ، التميمي، أبو حاتم، الدارمي، البُستي (المتوفى : 354هـ)ترتيب : علي بن بلبان بن عبد الله، علاء الدين الفارسي، المنعوت بالأمير(المتوفى : 739هـ)الناشر : مؤسسة الرسالة-* باب فَضْلِ الزَّرْعِ وَالْغَرْسِ، السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي ج ٦ ص ١٣٧ المؤلف : أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي مؤلف الجوهر النقي: علاء الدين علي بن عثمان المارديني الشهير بابن التركماني المحقق :الناشر : مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آباد الطبعة : الطبعة : الأولى . 1344 هـ عدد الأجزاء : 10 * فيه فضل الزرع والغراس، كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال ج ٣ ص ٨٩٠ المؤلف : علاء الدين علي بن حسام الدين المتقي الهندي البرهان فوري (المتوفى : 975هـ)المحقق : بكري حياني – صفوة السقا الناشر : مؤسسة الرسالة الطبعة : الطبعة الخامسة ،1401هـ/1981م

273 - عمدة القاري شرح صحيح البخاري ج ١٨ ص 429المؤلف : بدر الدين أبو محمد محمود بن أحمد العيني

274 - الاختيار لتعليل المختار ج ٤ ص ١٨٣ المؤلف : عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي الحنفي دار النشر : دار الكتب العلمية – بيروت / لبنان – 1426 هـ – 2005 م الطبعة : الثالثة تحقيق : عبد اللطيف محمد عبد الرحمن عدد الأجزاء / 5

بے ضرورت پیڑ پودے کاٹنا

☆ احادیث میں بے ضرورت پیڑ پودوں کو کاٹنے کی بھی ممانعت آئی ہے، حضرت عبد اللہ بن حبشیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ قَطَعَ سِدْرَةً صَوَّبَ اللَّهُ رَأْسَهُ فِي النَّارِ-سُئِلَ أَبُو دَاوُد عَنْ مَعْنَى هَذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ هَذَاالْحَدِيثُ مُخْتَصَرٌيَعْنِي مَنْ قَطَعَ سِدْرَةً فِي فَلَاةٍ يَسْتَظِلُّ بِهَا ابْنُ السَّبِيلِ[275]۔

ترجمہ: جو شخص کسی پیڑ کو کاٹے گا اللہ پاک اس کا سر جہنم میں ڈالیں گے۔ اس حدیث کی تشریح میں امام ابوداؤد نے کہا کہ اس سے مراد سایہ دار درخت ہے جس سے مسافر سایہ حاصل کرتے ہوں۔

زمین میں فساد برپا کرنا

☆ ان کے علاوہ قرآن وحدیث میں ایسی متعدد نصوص اور عمومی ہدایات موجود ہیں جن میں روئے زمین کی پاک فضا اور انسانی وسائل حیات کو تخریبی سرگرمیوں سے آلودہ اور مسموم کرنے کی ممانعت ملتی ہے۔۔۔۔۔۔

یوں اس زمین میں جراثیم اور فاسد عناصر کو تحلیل کرنے کی بھی زبردست صلاحیت موجود ہے ، جس کی مدد سے وہ مختلف جراثیمی حملوں کا دفاع کرتی رہتی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اس کی بھی ایک حد مقرر ہے، مقررہ حدود سے تجاوز کی صورت میں زمینی ماحول کا توازن بگڑنے لگتا ہے، اور اس کے منفی اثرات نسلوں اور کھیتیوں پر پڑتے ہیں، جس کو قرآن کریم کی زبان میں فساد قرار دیا گیا ہے، اور قرآن نے اس سے سخت بیزاری کا اعلان کیا ہے:

----- حواشی ---

275 - سنن أبي داود ج ۴ ص ۵۳۰ حدیث نمبر: ۵۲۴۱ المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي . بيروت عدد الأجزاء : 4 -

وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ [276]

ترجمہ: جب وہ پھرا تو زمین میں فساد برپا کرنے اور نسلوں اور کھیتیوں کو برباد کرنے کی کوشش کی، اور اللہ پاک فساد کو پسند نہیں کرتے۔

وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ [277]

ترجمہ: بہتر کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بہتر کیا ہے اور زمین میں فساد پیدا کرنے کی کوشش نہ کرو۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ [278]

ترجمہ: خشکی اور تری میں پھیلا ہوا فساد خود انسان کے ہاتھ کا پیدا کردہ ہے۔

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا [279]۔

ترجمہ: زمین میں فساد برپا مت کرو جب کہ پہلے سے وہ درست حالت میں ہے۔

كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًالِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللَّهُ لَايُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ [280]۔

ترجمہ: جب بھی یہ لوگ آتش جنگ بھڑکاتے ہیں اللہ پاک اس کو بجھا دیتے ہیں، یہ لوگ زمین میں فساد بھڑکاتے ہیں، اور اللہ پاک فساد مچانے والوں کو پسند نہیں کرتے

فطری نعمتوں کو مسخ کرنا

☆زمین کے اندر جو بے شمار خزانے محفوظ ہیں اور زمین کے اوپر جو فطری ماحول موجود ہے، وہ اللہ

----- حواشی--

276 - البقرة:۲۰۵

277 - القصص:۷۷

278 - الروم:۴۱

279 -الاعراف :۵۶

280 -المائدة : ۶۴

پاک کی بہت بڑی نعمت ہیں، اور نعمت الٰہی میں تبدیلی کرنا اللہ کے نزدیک جرم ہے:

وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَاجَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ[281]۔

ترجمہ: جو اللہ کی نعمت ملنے کے بعد تبدیل کرے گا تو اللہ پاک سخت عذاب دینے والے ہیں۔

مہلکات سے بچنے کا حکم

☆ قرآن نے مہلکات سے بچنے کا حکم دیا ہے:

وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ[282]۔

ترجمہ: اپنے ہاتھ ہلاکت میں نہ ڈالو، اور اچھے کام کرو اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔

وَلاَ تَقْتُلُواْ أَنفُسَكُمْ إِنَّ اللّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا[283]

ترجمہ: اپنے آپ کو قتل مت کرو اللہ تم پر بہت مہربان ہے۔

اجتماعی مفادات کا تحفظ

☆ اسلام میں اجتماعی مفادات کے تحفظ پر کافی زور دیا گیا ہے، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من لم يهتم بأمر المسلمين فليس منهم آه لايروى هذا الحديث عن حذيفة إلابهذا الإسناد تفرد به عبد الله بن أبي جعفر الرازي[284]

----- حواشی---

281 -البقرة : ٢١١

282 -البقرة : ١٩٥

283 - النساء:29

284 - : المعجم الأوسط ج ٧ ص ٢٧٠ حدیث نمبر ٧٤٧٣ المؤلف : أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبراني الناشر : دار الحرمين – القاهرة ، 1415 تحقيق : طارق بن عوض الله بن محمد ,عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني عدد الأجزاء : 10 ، یہ روایت مستدرک حاکم میں بھی آئی ہے، مگر علامہ ذہبی نے اس کو موضوع قرار دیا ہے، دیکھئے: المستدرك على الصحيحين ج ٤ ص ٣٥٢ حدیث نمبر : ٧٨٨٩ المؤلف : محمد بن عبدالله أبو عبدالله الحاكم النيسابوري ،الناشر : دار الكتب العلمية – بيروت ،الطبعة الأولى ، 1411 – 1990 تحقيق : مصطفى عبد القادر عطا ،عدد الأجزاء : 4 مع الكتاب : تعليقات الذهبي في التلخيص۔

ترجمہ: جو مسلمانوں کے عمومی مفادات کا لحاظ نہ رکھے وہ مسلمان نہیں ہے۔

حضرت حذیفہؓ سے اس حدیث کی روایت میں عبد اللہ بن ابی جعفر متفرد ہیں۔ عبد اللہ بن ابی جعفر الرازی کو محمد بن حمید نے ضعیف کہا ہے، لیکن ابو حاتم، ابو زرعہ، ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے[285]۔

حضرت جریر بن عبد اللہؓ روایت کرتے ہیں:

بَايَعْتُ النَّبِيَّ –صلى الله عليه وسلم– عَلَى النُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ[286].

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے ہر مسلمان کے لئے خیر خواہی پر بیعت کی۔

حضرت تمیم داریؓ کی روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّمَا الدِّينُ النَّصِيحَةُ إِنَّمَا الدِّينُ النَّصِيحَة " قِيلَ: لِمَنْ ؟ قَالَ: " لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ[287]-

ترجمہ: دین خیر خواہی کا نام ہے، لوگوں نے پوچھا: کس کے ساتھ ؟ آپؐ نے فرمایا ، اللہ اور رسول، کتاب الٰہی، حکومت اسلامیہ اور عام مسلمانوں کے ساتھ۔

اسلام میں طہارت و نظافت کی اہمیت

☆اسلام میں طہارت و نظافت کی بڑی اہمیت ہے، طہارت کو نصف ایمان قرار دیا گیا ہے حضرت ابو مالک اشعریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

----- حواشی---

285 - جامع الأحاديث ج ٢١ ص ٣٧٩ المؤلف : جلال الدين السيوطي -

286 - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ١ ص٥٤حديث نمبر:٢٠٩المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق : الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت الطبعة : عدد الأجزاء : ثمانية أحزاء في أربع مجلدات-

287 - مسند الإمام أحمد بن حنبل ج ٢٨ ص١٤٠حديث نمبر:١٦٩٤١المؤلف : أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (المتوفى : 241هـ) المحقق : شعيب الأرنؤوط – عادل مرشد ، وآخرون إشراف : د عبد الله بن عبد المحسن التركي الناشر : مؤسسة الرسالة الطبعة : الأولى ، 1421 هـ – 2001 م-

الطهور نصف الإيمان[288] ترجمہ: پاکی نصف ایمان ہے۔

نماز جیسی اہم ترین عبادت کے لئے طہارت کو کلید قرار دیا گیا:

عن علي : عن النبي صلى الله عليه و سلم قال مفتاح الصلاة الطهور[289]

ترجمہ: حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نماز کی کنجی طہارت ہے۔

ہر جمعہ غسل کرنے کو اسلامی حق قرار دیا گیا:

حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَغْتَسِلَ فِي كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ يَوْمًا[290]

نظافت کے بارے میں حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت ہے:

تنظفوا بكل ما استطعتم فإن الله بنى الإسلام على النظافة[291]

ترجمہ: ہر ممکن نظافت اختیار کرو اس لئے کہ اسلام کی بنیاد نظافت پر ہے۔

حضرت سعد بن وقاصؓ ارشاد نبوی نقل فرماتے ہیں:

إن الله طيب يحب الطيب ، نظيف يحب النظافة[292]

ترجمہ: اللہ پاک ہے اور پاکی کو پسند فرماتے ہیں، اور اللہ نظیف ہیں نظافت کو پسند فرماتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ:

----- حواشی---

288 - المعجم الكبير ج ٣ ص ٢٨٤ حديث نمبر:٣٤٢٤ المؤلف : سليمان بن أحمد بن أيوب أبو القاسم الطبراني الناشر : مكتبة العلوم والحكم – الموصل الطبعة الثانية ، 1404 – 1983 تحقيق : حمدي بن عبدالمجيد السلفي عدد الأجزاء : 20

289 - الجامع الصحيح سنن الترمذي ج ١ ص ٨ حديث نمبر : ٣ المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت تحقيق : أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء : 5

290 - صحيح البخاري ج ١ ص ٣٠٥ حديث نمبر:٨٥٦ -

291 - جمع الجوامع أو الجامع الكبير للسيوطي ج ١ ص ١١١٩١ اس کی سند کمزور ہے۔

292 - مسند أبي يعلى الموصلي ج ٢ ص ٢٦٦ حديث نمبر ٧٥٩ المؤلف : أبو يعلى أحمد بن علي بن المثنى بن يحيى بن عيسى بن هلال التميمي، الموصلي (المتوفى : 307هـ)

إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ[293]۔

ترجمہ: بے شک اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔

جمال ہر چیز کے فطری توازن کا نام ہے، اور اس توازن کو بگاڑنے کا نام فساد ہے، اسلام دین فطرت ہے اسی لئے اس کے بے شمار احکام کی بنیاد طہارت و نظافت پر ہے، مثلاً کھانے سے قبل اور بعد ہاتھ دھونے کا حکم دیا گیا[294]، نیند سے بیدار ہونے کے بعد ہاتھ دھونے کی ہدایت کی گئی[295]،

وضع قطع، رہن سہن اور گھر مکان راستہ سواری ہر چیز میں صفائی ستھرائی اور بہتر طرز زندگی اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے:

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وثيابك فطهِّر [296]۔ ترجمہ: اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔

ارشاد نبوی ہے:

فاحسنوا لباسكم و اصلحوا رحالكم حتى تكونوا كأنكم شامة في الناس إن الله لا يحب الفحش و التفحش تعليق الذهبي قي التلخيص:صحيح[297]۔

ترجمہ: اپنے لباس کو مزین کرو، اور اپنی رہائش گاہوں کو درست رکھو، یہاں تک کہ

----- حواشی ---

[293] - **الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ١ ص ٦٥ حدیث نمبر:٢٧٥المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري**

[294] - **سنن أبي داود ج ٣ ص ٤٠٥ حدیث نمبر:٣٧٦٣ المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي . بيروت عدد الأجزاء : 4 -**

[295] - **صحيح البخاري ج ١ ص ٧٢ حدیث نمبر:١٦٠ -**

[296] - **المدثر: ٤**

[297] - **المستدرك على الصحيحين ج ٤ ص ٢٠٣ حدیث نمبر :٧٣٧١ المؤلف : محمد بن عبدالله أبو عبدالله الحاكم النيسابوري الناشر : دار الكتب العلمية – بيروتالطبعة الأولى ، 1411 – 1990 تحقيق : مصطفى عبد القادر عطا**

تم سارے انسانوں میں سب سے مضبوط حس رکھنے والی قوم شمار کئے جانے لگو، اللہ پاک برائی اور بے حیائی کو پسند نہیں فرماتے۔

مسند ابی یعلیٰ اور مسند بزار میں " فنظفوا أفنيتكم وساحاتكم[298]" کے الفاظ ہیں، یعنی اپنے صحنوں اور میدانوں کو صاف ستھرا رکھو۔

منہ کی صفائی کو رضامندی رب کا سبب قرار دیا گیا:

السِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ[299]

کھانے پینے کے برتنوں کو ڈھانک کر رکھنے کا حکم دیا گیا، تاکہ انجانے میں اس کے اندر کوئی گندگی نہ پڑ جائے:

أَمَرَنَارَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَغْطِيَةِالْوَضُوءِ،وَإِيكَاءِالسِّقَاءِ،وَإِكْفَاءِ الْإِنَاءِ[300]

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم فرمایا کہ وضو کے برتن ڈھانک دیئے جائیں، پانی بھرے ہوئے برتنوں کے منھ باندھ دیئے جائیں، اور خالی برتن الٹ کر رکھے جائیں

نبی کریم ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ گھروں کے دروازے بند کر کے سوؤ کہ مبادارات میں

----- حواشی---

[298] - مسند أبي يعلى ج ٢ ص ١٢٢ حديث نمبر : ٧٩١ المؤلف : أحمد بن علي بن المثنى أبو يعلى الموصلي التميمي الناشر : دار المأمون للتراث – دمشق الطبعة الأولى ، 1404 – 1984 تحقيق : حسين سليم أسد عدد الأجزاء : 13 ،– البحر الزخار . مسند البزارج ٣ ص ٣٥٣ حديث نمبر:١٩٩٦المؤلف : أبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق بن خلاد بن عبيد الله العتكي المعروف بالبزار (المتوفى : 292هـ)

[299] - السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي ج ١ ص ٣٤حديث نمبر١٣٩المؤلف : أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي مؤلف الجوهر النقي: علاء الدين علي بن عثمان المارديني الشهير بابن التركماني المحقق : الناشر : مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آباد الطبعة : الطبعة : الأولى . 1344 هـ عدد الأجزاء : 10

[300] - مسند الإمام أحمد بن حنبل ج ١٤ص٤٠٠حديث نمبر : ٨٨٠٠ المؤلف : أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (المتوفى : 241هـ) المحقق : شعيب الأرنؤوط – عادل مرشد ، وآخرون إشراف : د عبد الله بن عبد المحسن التركي الناشر : مؤسسة الرسالة الطبعة : الأولى ، 1421 هـ – 2001 م

کوئی موذی چیز اندر آجائے، اور سونے سے قبل چراغوں کو گل کردو، کہ اس میں اسراف بھی ہے، فضائی آلودگی بھی ہے اور اندیشے بھی ہیں:

أطفئوا السرج وأغلقوا الأبواب وخمرواالطعام والشراب[301]

ترجمہ: چراغوں کو بجھادو، دروازے بند کرلو اور کھانے پینے کی چیزوں کوڈھانک دو۔

حدود سے تجاوز

☆ماحول میں فساد فطری توازن کے بگڑنے سے پیدا ہوتا ہے اور یہ توازن اس وقت بگڑتا ہے جب انسان مقررہ حدود سے تجاوز کرے، جس کو قرآن کی زبان میں اسراف کہاجاتا ہے، مقررہ حد سے تجاوز اباحت کو حرمت میں تبدیل کردیتا ہے، قرآن کی نگاہ میں اسراف بے انتہاناپسندیدہ چیز ہے:

وكلوا واشربوا ولا تسرفوا إنه لا يحب المسرفين [302].

ترجمہ: کھاؤاور پیواور اسراف نہ کرو، اللہ پاک اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

آلودہ شخص یامقام سے اجتناب کا حکم

☆ آلودگی سے تحفظ کی ایک نظیر آلودہ شخص یا آلودہ مقام سے ممکنہ اجتناب کی ہدایت بھی ہے، تاکہ اعتقادی تلویث کے ساتھ جسمانی تلویث سے بھی انسان محفوظ رہے: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فر من المجذوم كما تفر من الأسد[303]

ترجمہ: جذامی شخص سے اس طرح بھاگو جیسے کہ تم شیر سے بھاگتے ہو۔

اسی طرح طاعون کے بارے میں ارشاد ہوا:

----- حواشی---

301 - مسند الإمام أحمد بن حنبل ج ١٤ص ٣٦٢حديث نمبر : ٨٧٥١ -

302 - الأعراف : ٣١-

303 - صحيح البخاري ج ٥ ص ٢١٥٨ حديث نمبر : ٥٣٨٠ -

فَإِذَاسَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلاَ تَدْخُلُوهَا عَلَيْهِ وَإِذَا دَخَلَهَا عَلَيْكُمْ فَلاَ تَخْرُجُوا مِنْهَا فِرَارًا[304]

ترجمہ: کسی مقام پر طاعون کی خبر سنو تو وہاں نہ جاؤ اور تمہاری جگہ پر آجائے تو بھاگ کر مت نکلو۔

منکرات پر خاموش رہنا

☆ یہاں اس نکتہ کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ آلودگی پھیلانے والوں پر نکیر نہ کرنا بھی ان کا یگونہ تعاون کرنا ہے، جرائم پر مجرمانہ خاموشی بھی عذاب الٰہی کا باعث بن جاتی ہے، قرآن کریم میں ہے:

واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة[305]

ترجمہ: فتنہ سے بچو تم میں سے ظالموں کو خاص طور پر نہ لگ جائے۔

حدیث پاک میں ایک کشتی سے تمثیل دی گئی ہے، کہ نچلی منزل میں ضرر پھیلانے والوں کا ہاتھ نہ پکڑا گیا تو سب ہلاک ہو جائیں گے:

فإن يتركوهم وما أرادوا هلكوا جميعا وإن أخذوا على أيديهم نجوا ونجوا جميعا[306]

ترجمہ: اگر ان کو چھوڑ دیں گے تو سب ہلاک ہو جائیں گے، اور ان کا ہاتھ پکڑ کر روک دیں گے تو سب بچ جائیں گے۔

ضرر رساں چیزوں سے گریز کا حکم

☆ متعدد نصوص میں انسانوں کو تکلیف پہونچانے والے اعمال سے منع کیا گیا، مثلاً: حضرت

----- حواشی---

304 - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ۷ ص ۲۷ حدیث نمبر:۵۹۰۶المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري۔

305 - الأنفال : 25

306 - صحيح البخاري ج ۲ ص ۸۲۲ حدیث نمبر:۲۳۶۱۔

ابوہریرہؓ، فضالہ بن عبیدؓ، اورانس بن مالکؓ کئی صحابہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے آخری خطبہ میں اعلان فرمایا:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده والمؤمن من أمنه الناس على دمائهم وأموالهم[307]۔

ترجمہ: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں، اور مؤمن وہ ہے جس سے لوگوں کے جان ومال محفوظ رہیں۔

بدبو پھیلانا

☆ مقامات عامہ پر بدبو پھیلانے سے روکا گیا ہے، کہ اس سے لوگوں کو تکلیف پہونچتی ہے، حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من أكل ثوما أو بصلا فليعتزلنا أو ليعتزل مسجدنا[308]

ترجمہ: جو شخص لہسن یا پیاز کھائے وہ ہم سے اور ہماری مسجدوں (نیز مقامات عامہ) سے دور رہے۔

مسلم شریف کی روایت میں اس حکم کی توجیہ بھی موجود ہے:

فَإِنَّ الْمَلاَئِكَةَ تَتَأَذَّى مِمَّا يَتَأَذَّى مِنْهُ بَنُو آدَمَ[309]

ترجمہ: کہ جس سے انسانوں کو تکلیف پہونچتی ہے اس سے ملائکہ کو بھی تکلیف پہونچتی ہے۔

ایک موقعہ پر حضور ﷺ نے کراث (ایک بدبودار درخت) کی بو محسوس کی تو آپ نے تنبیہ آمیز انداز میں فرمایا:

----- حواشی---

[307] - الجامع الصحيح سنن الترمذي ج ۵ ص ۱۷ حديث نمبر :۲۶۲۷ ، مسند الإمام أحمد بن حنبل ج ٦ص۲۱ حدیث نمبر:۲۴۰۰۴ المؤلف : أحمد بن حنبل أبو عبدالله الشيباني الناشر : مؤسسة قرطبة – القاهرةعدد الأجزاء : 6

[308] - صحيح البخاري ج ۵ ص ۲۰۷۷ حديث نمبر : ۵۱۳۷ ،

[309] - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ۲ ص ۸۰ حديث نمبر :۱۲۸۲ -

ألم أكن نهيتكم عن أكل هذه الشجرة إن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنسان [310]

ترجمہ: کیا میں نے تمہیں اس بدبودار درخت کے استعمال سے نہیں روکا تھا اس لئے کہ جس چیز سے انسان کو تکلیف پہونچتی ہے اس سے فرشتے بھی تکلیف محسوس کرتے ہیں۔

حضرت عمر بن الخطابؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے کئی ایسے لوگوں کو دیکھا جو پیاز اور لہسن جیسی بدبودار چیز کھاکر مسجد آئے تھے ان کو حضور ﷺ نے مسجد سے نکلواکر بقیع کی طرف بھیج دیا[311]۔

اصول نفع وضرر

☆اس سلسلے کی ایک اہم ترین اصولی روایت جس کو اجتماعی زندگی کے لئے فقہاء نے ایک قاعدۂ فقہیہ کی حیثیت دی ہے، اور جو معاشرہ کے بے شمار مسائل میں فیصلہ کن اہمیت رکھتی ہے، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَوَلِلرَّجُلِ أَنْ يَجْعَلَ خَشَبَةً فِي حَائِطِ جَارِهِ الحديث"[312]

ترجمہ: اسلام میں نہ نقصان اٹھانے کی گنجائش ہے اور نہ نقصان پہونچانے کی، آدمی کو اگر ضرورت ہو تو اپنے پڑوسی کی دیوار پر لکڑی رکھ سکتا ہے۔

----- حواشی -----

[310] - سنن ابن ماجه ج ٢ ص ١١١٦حديث نمبر:٣٣٦٥المؤلف : محمد بن يزيد أبو عبدالله القزويني الناشر : دار الفكر – بيروت تحقيق : محمد فؤاد عبد الباقي عدد الأجزاء : 2

[311] - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ٢ ص ٨١ حديث نمبر:١٢٨٦ المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري-

[312] - مسند الإمام أحمد بن حنبل ج ١ ص ٣١٣ حديث نمبر:٢٨٦٧،سنن ابن ماجه ج ٧ ص ٢٤١حديث نمبر:٢٤٣١ المؤلف:أبوعبد الله محمد بن يزيد القزويني،وماجة اسم أبيه يزيد

ضرر اور ضرار کو بعض حضرات نے مترادف قرار دیا ہے، جیسے قتل اور قتال کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے، لیکن اکثر علماء اور اصحاب لغت نے اس میں فرق کیا ہے، ماہرین لغت کے نزدیک ضرر اسم ہے اور ضرار فعل ہے، اس کی بہترین تشریح علامہ خشنیؒ نے کی ہے کہ انسان اپنے نفع کے لئے کوئی ایسا کام کرے جس سے دوسرے کو نقصان پہونچے، یہ ضرر ہے، اور ضرار یہ ہے کہ اس عمل سے اس کو خود کوئی نفع نہ ہو لیکن دوسرے کو نقصان پہونچے [313]، علامہ ابن عبد البرؒ اور ابن الصلاح وغیرہ نے اسی معنٰی کو ترجیح دی ہے [314] ۔۔۔۔ ایک دوسری تشریح یہ کی گئی ہے کہ ضرر یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کو نقصان پہونچائے جس نے اس کو نقصان نہیں پہونچایا اور ضرار یہ ہے کہ ایسے شخص کو نقصان پہونچائے جس نے اس کو نقصان پہونچایا ہو [315]،

☆ چنانچہ انسانی غذاؤں میں صرف ایسی چیزیں حلال کی گئی ہیں جو انسانوں کے لئے مضرت رساں نہ ہوں، قرآن کہتا ہے:

قُل لاَّ أَجِدُ فِي مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلاَّ أَن يَكُونَ مَيْتَةًأَوْدَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ آه [316]

ترجمہ: اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر نازل کردہ احکام میں کھانے والے کے لئے کوئی حرام چیز موجود نہیں ہے، الا یہ کہ وہ مردار، بہنے والا خون یا لحم خنزیر ہو کہ یہ گندی چیزیں ہیں۔

----- حواشی---

313 -. التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد ج20 ص 159 المؤلف : أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمري القرطبي (المتوفى : 463هـ)المحقق : مصطفى بن أحمد العلوى و محمد عبد الكبير البكرى الناشر : مؤسسة القرطبه – المنتقى ج4 ص 41 المؤلف : أبو الوليد سليمان بن خلف بن سعد بن أيوب بن وارث الباجي الأندلسي (المتوفى : 474هـ)

314 - النهاية في غريب الأثر– ابن الأثير] ج 3 ص 172 الكتاب : النهاية في غريب الحديث والأثر المؤلف : أبو السعادات المبارك بن محمد الجزري الناشر : المكتبة العلمية – بيروت ، 1399هـ – 1979م تحقيق : طاهر أحمد الزاوى – محمود محمد الطناحي عدد الأجزاء : 5 مصدر الكتاب : برنامج المحدث المجاني -

315 -حوالہ بالا۔

316 - الأنعام:145

☆ راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانے کو صدقہ قرار دیا گیا، حضرت ابو ہریرہؓ ارشاد نبوی نقل فرماتے ہیں

يميط الأذى عن الطريق صدقة[317]

ترجمہ: راستہ سے گندگی کو دور کرنا صدقہ ہے۔

☆ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے روکا گیا، کہ یہ مفاد عامہ کی چیز ہے، اور اس سے آبی اور فضائی آلودگی پیدا ہوتی ہے:

عَنْ جَابِرٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم– أَنَّهُ نَهَى أَنْ يُبَالَ فِى الْمَاءِالرَّاكِدِ [318].

ترجمہ: حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔

بلکہ طبرانی کی روایت میں جاری پانی میں بھی پیشاب کرنے کی ممانعت آئی ہے جس کو حکم شرعی سے زیادہ اخلاقی ہدایت اور طہارت سے زیادہ نظافت کی حیثیت دی جائے گی:

عن جابر قال : نهى رسول الله أن يبال في الماء الجاري لم يرو هذا الحديث عن الأوزاعي إلا الحارث [319]

اسی طرح مفاد عامہ کی جگہوں پر بھی استنجا پیشاب پاخانہ کرنے سے منع کیا گیا:

اتقوا الملاعن الثلاث البراز في الموارد والظل وقارعة الطريق[320]

ترجمہ: تین مقامات لعنت سے بچو: پانی پینے کے مقامات پر، سایہ دار جگہوں پر، اور

----- حواشی---

[317] - صحيح البخاري ج ٢ ص ٨٧٠ -

[318] - صحيح مسلم ج ١ ص ١٦٢ حدیث نمبر:٦٨١ -

[319] - المعجم الأوسط ج ٢ ص ٢٠٨ حدیث نمبر:١٧٤٩ المؤلف : أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبراني الناشر : دار الحرمين – القاهرة ، 1415 تحقيق : طارق بن عوض الله بن محمد,عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني عددالأجزاء: 10

[320] - سنن ابن ماجه ج ١ ص ١١٩ حديث نمبر : ٣٢٨ المؤلف : محمد بن يزيد أبو عبدالله القزويني الناشر :دارالفكر بيروت تحقيق : محمد فؤاد عبد الباقي عدد الأجزاء : 2

راستوں پر غلاظت پھیلانے سے پرہیز کرو۔

حضرت حذیفہ بن اسیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من آذى المسلمين في طرقهم وجبت عليه لعنتهم[321]

ترجمہ: جو مسلمانوں کو ان کے راستوں میں تکلیف پہونچائے ان پر ان کی لعنت واجب ہو گئی۔

☆ بلکہ عمومی مقامات (مثلاً مساجد وغیرہ) پر تھوکنے وغیرہ سے بھی روکا گیا ہے:

ایک موقعہ پر اللہ کے رسول ﷺ نے مسجد کی دیواروں پر تھوک کے اثرات دیکھے تو چہرۂ انور پر ناگواری محسوس کی گئی، پھر آپ نے خود اپنے دست مبارک سے اسے صاف کیا، اور آئندہ کے لئے تنبیہی ہدایات جاری فرمائیں[322]۔

حضرت انس بن مالکؓ حضور ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:

الْبُزَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيئَةٌ وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا[323]

ترجمہ: مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ اس کو دفن کرنا (یعنی اس کی تنظیف و تطہیر) ہے۔

ایک شخص کو حضور ﷺ نے دیوار مسجد پر تھوکنے کے جرم میں مسجد کی امامت سے معزول فرمادیا اور راوی کا خیال ہے کہ یہ بھی ارشاد فرمایا:- إِنَّكَ آذَيْتَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ- تم نے اللہ اور رسول کو تکلیف پہونچائی[324]۔

----- حواشی---

[321] - المعجم الكبير ج ٣ ص ١٧٩ حديث نمبر :٣٠٥١ المؤلف : سليمان بن أحمد بن أيوب أبو القاسم الطبراني الناشر : مكتبة العلوم والحكم – الموصل الطبعة الثانية ، 1404 – 1983 عدد الأجزاء : 20

[322] - صحيح البخاري ج ١ ص ١٥٩ حديث نمبر : ٣٩٧ -

[323] - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ٢ ص ٧٦ حديث نمبر : ١٢٥٩ المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري -

[324] - سنن أبي داود ج ١ ص ١٨١ حديث نمبر: ٤٨١ المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي . بيروت عدد الأجزاء : 4

اجتماعی مواقع پر عجلت کے مظاہرہ سے اجتناب

☆اجتماعی مواقع (مثلاً حج وغیرہ) پر سکینت وسنجیدگی کی تعلیم دی گئی، کہ عجلت ولاپرواہی سے دوسروں کو تکلیف پہونچے گی، مثلاً عرفہ کے موقعہ پر ایک بار حضور ﷺ نے کچھ شوروغل کی آوازیں سنیں تو اپنے کوڑے سے اشارہ کیا اور ارشاد فرمایا:

أيها الناس عليكم بالسكينة فإن البر ليس بالإيضاع[325]

ترجمہ: لوگو! سکون کو لازم پکڑو، تیز چلنا نیکی نہیں ہے۔

اسی طرح حضرت عمرؓ کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا:

يا عمر إنك رجل قوي لا تزاحم على الحجر فتؤذى الضعيف[326]

ترجمہ: اے عمر: تم مضبوط آدمی ہو اس لئے حجر اسود کے استلام میں ایسی مزاحمت نہ کرنا کہ کسی کمزور کو تکلیف پہونچے۔

☆پڑوسیوں کو تکلیف پہونچانے سے روکا گیا، حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لاَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لاَ يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ[327]

ترجمہ: وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوسکتا جس کے ضرر سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں۔

نفع وضرر کا توازن—فقہاء حنفیہ کے نزدیک

اس طرح کے بے شمار مسائل ہیں جو لاضرر ولاضرار کے اصول کے دائرے میں آتے ہیں، البتہ

----- حواشی-----

325 - صحيح البخاري ج ٢ ص ٦٠١ حدیث نمبر : ١٥٨٧ -

326 - مسند الإمام أحمد بن حنبل ج ١ ص ٢٨ حديث نمبر : ١٩٠ المؤلف : أحمد بن حنبل أبو عبدالله الشيباني الناشر : مؤسسة قرطبة – القاهرة عدد الأجزاء : 6

327 - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ١ ص ٤٩ حدیث نمبر : ١٨١ المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق :الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت -

یہاں ایک اصولی بحث بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے، جس کا تذکرہ ہماری متعدد کتب فقہیہ میں کسی نہ کسی عنوان سے آیا ہے کہ:

کوئی شبہ نہیں کہ انسان کو قوت واختیار سے نوازا گیا ہے، مختلف اشیاواملاک پر اس کی مالکانہ حیثیت تسلیم کی گئی ہے اور اپنی خاص ملکیت میں تصرفات کا حق بھی اسے دیا گیا، لیکن شریعت نے اس کے کچھ حدود بھی مقرر کئے ہیں، انسان کے گردوپیش کئی حقوق ہیں، جن کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، مثلاً: پڑوس کا حق، راستہ کا حق، جانوروں اور چرندوپرند کے حقوق وغیرہ، انسان اپنی چیزوں سے نفع اٹھانے کا حق رکھتا ہے، لیکن اپنے حدود سے تجاوز کرکے دوسروں کو نقصان پہونچانے کا حق نہیں رکھتا، شخصی املاک پر انسان کے حق تصرف کا جواز تسلیم کرنے کے ساتھ لاضرر ولاضرار کی تعلیم دراصل انسان کو اسی نقطۂ اعتدال پر لانے کی کوشش ہے کہ جس میں انسان خود اپنی ہی چیزوں سے استفادہ سے محروم نہ رہ جائے اور نہ دوسروں کے لئے باعث ضرر بن جائے س، ایک طرف پڑوس کو ضرر پہونچانے سے روکا گیا تو دوسری طرف اس کو اپنے ضرر کے دفاع کا حق بھی دیا گیا ہے، مثلاً حق شفعہ (الجار أحق بسقبه)[328]، اسی لئے فقہاء حنفیہ نے حدیث (لاضرر ولاضرار) کو عام مطلق کے بجائے عام مخصوص منہ البعض قرار دیا ہے، امام سرخسیؒ، علامہ ابن ہمامؒ اور کئی فقہاء نے اس کی وضاحت کی ہے کہ بظاہر لا نفی جنس کے لئے محسوس ہوتی ہے، اور حدیث ہر قسم کے ضرر کی نفی کرتی ہے ،لیکن اگر اس کے عموم کا دائرہ اتنا وسیع کردیا جائے گا تو انسان کے لئے دنیا میں زندگی دوبھر ہوجائے گی، کیونکہ کسی بھی جائز عمل سے کسی نہ کسی کو فی الجملہ ضرر پہونچنا عین ممکن ہے، جس سے بچنا بہت مشکل ہے، گھر میں پکوان کے دھوئیں اور خوشبو سے ایسے پڑوسی کو تکلیف پہونچ سکتی ہے جس کے گھر میں فقر وافلاس ،مرض یا کسی مجبوری کی بنا پر کھانا نہیں پک سکا، راستہ چلتے ہوئے سواری یا گاڑی کی دھول بازو کے گھروں یا دکانوں تک پہونچتی ہے وغیرہ۔۔۔

اسی طرح شرعی حدود وتعزیرات کا تمامتر نظام بھی معطل ہوکر رہ جائے گا، اس لئے کہ جس پر سزا

----- حواشی---

[328] - صحيح البخاري ج ٢ ص ٧٨٧ حدیث نمبر : ٢١٣٩-

جاری کی جاتی ہے اس کو بالیقین تکلیف پہونچتی ہے،۔۔۔ دوسری طرف انسانوں کو اپنی ذاتی املاک پر جو حق ملک دیا گیا ہے وہ بھی بے معنیٰ ہو کر رہ جائے گا، مثلاً کسی کی اپنی زمین میں کوئی سایہ دار درخت ہے جس سے اس کا پڑوسی بھی سایہ حاصل کرتا ہو، ضرورت کے وقت اس کو اس درخت کے قطع وبرید سے صرف اس لئے روک دیا جائے کہ اس کا پڑوسی سایہ سے محروم ہو جائے گا، یہ انسان کو اپنی ملکیت خاصہ میں تصرف سے روکنا ہے، اور ایک ضرر کو روکنے کے لئے دوسرا بڑا ضرر (ظلم) قبول کرنا ہے، اسی لئے حنفیہ کے نزدیک لاضرر میں ہر ضرر شامل نہیں ہے بلکہ مخصوص قسم کا ضرر مراد ہے، یعنی ضرر بین یعنی واضح اور بڑا نقصان، جس کی مضرت کو ہر شخص محسوس کر سکتا ہو، حدیث کی اس تشریح سے ایک نقطۂ اعتدال سامنے آتا ہے، یعنی اصول کے مطابق تو انسان کو اپنی ملکیت خاصہ میں مطلق تصرف کا اختیار حاصل ہے، خواہ اس سے کسی کو کچھ بھی نقصان پہونچے، اس کی کوئی ذمہ داری صاحب تصرف پر نہیں ہوگی، اس لئے کہ شریعت مطہرہ انسانی ملکیت کو تسلیم کرتی ہے، زکوۃ وصدقات، وقف اور جملہ مالی عبادات ومعاملات کی بنیاد اسی پر ہے، دوسری طرف حدیث لاضرر بظاہر انسان کو ہر ایسے عمل سے روکتی ہے جس سے کسی کو تھوڑی سی بھی تکلیف پہونچے، پس دونوں کے درمیان نقطۂ تطبیق یہ ہے کہ حدیث کا مصداق ایسا عمل ہے جو ضرر فاحش یا غیر عادی اعمال کے دائرے میں آتا ہو، نہ کہ مطلق ضرر، کیونکہ اگر شخصی املاک میں انسانی تصرفات کو بالکلیہ محدود کر دیا جائے، تو یہ اصحاب اموال واملاک کا ضرر ہے، جو اس حدیث کی منشا کے خلاف ہے، کہ جب حدیث ہر ضرر کی نفی کرتی ہے تو اصحاب اموال کو ضرر سے دوچار کرنے کا کیا جواز ہو سکتا ہے؟[329]: امام سرخسیؒ رقمطراز ہیں:

(أَلَا تَرَى) أَنَّ مَنْ اتَّجَرَ فِي حَانُوتِهِ نَوْعَ تِجَارَةٍ لَمْ يُمْنَعْ مِنْ ذَلِكَ ، وَإِنْ كَانَتْ تَكْسُدُ بِسَبَبِهِ تِجَارَةٌ وَأَنَّ أَصْحَابَ الْحَوَانِيتِ يَتَأَذَّوْنَ بِغُبَارِ سَنَابِكِ

----- حواشی ---

329 - حنفیہ کے یہاں مفتیٰ بہ قول یہی ہے، البتہ بعض کتابوں میں مطلق ضرر پر ہی مسئلہ کی بنیاد رکھی گئی ہے، بڑے اور چھوٹے کا فرق نہیں کیا گیا، جیسا کہ علامہ شامیؒ نے فتاویٰ خیریہ کا حوالہ دیا ہے اور فتاویٰ خیریہ میں فتاویٰ عمادیہ اور فتاویٰ تاتارخانیہ کے حوالے سے یہ بات لکھی گئی ہے، لیکن شامیؒ کہتے ہیں کہ میں نے جب فتاویٰ عمادیہ کا مقابلہ کیا تو اس میں مجھے "مطلقاً" کا لفظ نہیں ملا، شامیؒ اس کو سبقت قلم قرار دیتے ہیں (فتاویٰ شامی ج ۵ ص ۴۴۹)۔

الدَّوَابِّ الْمَارَّةِ وَأَنْ يَتَأَذَّى الْمَارَّةُ بِدُخَانِ نِيرَانِهِمْ الَّتِي يُوقِدُونَهَا فِي حَوَانِيتِهِمْ ثُمَّ لَيْسَ لِلْبَعْضِ مَنْعُ الْبَعْضِ مِنْ ذَلِكَ وَلِلْإِنْسَانِ أَنْ يَسْقِيَ أَرْضَهُ وَلَيْسَ لِجَارِهِ أَنْ يَمْنَعَهُ مِنْ ذَلِكَ مَخَافَةَ أَنْ يَقِلَّ مَاءُ بِئْرِهِ فَعَرَفْنَا أَنَّ الْمَالِكَ مُطْلَقُ التَّصَرُّفِ فِيمَا هُوَ خَالِصُ حَقِّهِ ،وَإِنْ كَفَّ عَمَّا يُؤْذِي جَارَهُ كَانَ أَحْسَنَ لَهُ { قَالَ : صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا زَالَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُوصِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْت أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ} وَالتَّحَرُّزُ عَنْ سُوءِالْمُجَاوِرَةِ مُسْتَحَقٌّ دِيْنًا وَلَكِنَّهُ لَا يُجْبَرُ عَلَى ذَلِكَ فِي الْحُكْمِ[330]۔

علامہ ابن ہمامؒ تحریر فرماتے ہیں:

وأما قوله صلى الله عليه وسلم لاضرر ولاضرار فلاشك أنه عام مخصوص للقطع بعدم امتناع كثير من الضرر كالتعازير والحدودونحو مواظبة طبخ ينتشربه دخان قد ينحبس في خصوص أماكن فيتضرربه جيران لا يطبخون لفقرهم وحاجتهم خصوصا إذا كان فيهم مريض يتضرر به وكما أريناك من التضرر بقطع الشجرة المملوكة للقاطع للقاطع فلا بدأن يحمل على خصوص من الضرر وهوما يؤدي إلى هدم بيت الجار ونحوه من الضررالبين الفاحش[331]۔

علامہ زیلعیؒ رقمطراز ہیں:

(قَوْلُهُ وَقَالَ الْفَقِيهُ أَبُواللَّيْثِ رَحِمَهُ اللَّهُ يُجْبَرُ فِي زَمَانِنَا)قَالَ الْعِمَادِيُّ وَالْحَاصِلُ أَنَّ فِي هَذِهِ الْمَسَائِلِ وَأَجْنَاسِهَا الْقِيَاسُ أَنَّ كُلَّ مَنْ تَصَرَّفَ فِي خَالِصِ مِلْكِهِ لَايُمْنَعُ مِنْهُ فِي الْحُكْمِ وَإِنْ كَانَ يُلْحِقُ ضَرَرًا بِالْغَيْرِ ،لَكِنْ

----- حواشی ---

[330] - المبسوط للسرخسي ج ١٥ ص ٣٧ تأليف: شمس الدين أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي دراسة وتحقيق: خليل محي الدين الميس الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان الطبعة الأولى، 1421هـ 2000م

[331] - شرح فتح القدير ج ٧ ص ٣٢٦ كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي سنة الولادة / سنة الوفاة 681هـ الناشر دار الفكر مكان النشر بيروت عدد الأجزاء

تُرِكَ الْقِيَاسُ فِي مَوْضِعٍ يَتَعَدَّى فِيهِ ضَرَرُ تَصَرُّفِهِ إلَى غَيْرِهِ ضَرَرًا بَيِّنًا وَ قِيلَ بِالْمَنْعِ وَبِهِ أَخَذَ كَثِيرٌ مِنْ مَشَايِخِنَا وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى.[332]

مندرجہ بالا عبارات کا مفہوم وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا، اس لئے تطویل سے بچنے کے لئے ترجمہ سے احتراز کیا گیا۔

ضرر فاحش کا معیار

ضرر بین اور ضرر فاحش کی تشریح علامہ شامیؒ وغیرہ نے یہ کی ہے کہ جو عمل کسی مکان کے انہدام کا سبب بنے، یا بالکلیہ انتفاع مسدود ہو جائے یعنی حوائج اصلیہ کا پورا کرنا بھی ممکن نہ رہے، مثلاً روشنی بالکلیہ ختم ہو جائے کہ انسان میں دن میں بھی کچھ نہ لکھ سکے، ہوا کی آمد بند ہو جائے اور گھٹن محسوس ہونے لگے، باہر نکلنے کی کوئی سبیل باقی نہ رہے وغیرہ، یہ ضرر فاحش ہے۔:

والحاصل أن القياس في جنس هذه المسائل أن يفعل المالك ما بدا له مطلقالأنه متصرف في خالص ملكه لكن ترك القياس في موضع يتعدى ضرره إلى غيره ضررا فاحشا وهو المراد بالبين وهو ما يكون سببا للهدم أو يخرج عن الانتفاع بالكلية وهو ما يمنع الحوائج الأصلية كسد الضوء بالكلية واختاروا‌الفتوى عليه،فأما التوسع إلى منع كل ضرر ما فيسد باب انتفاع الإنسان بملكه كما ذكرنا قريبا ا هـ ملخصا[333]

فقہاء نے حوائج اصلیہ اور حوائج زائدہ میں فرق کیا ہے، مثلاً جس طرح روشنی انسان کی حاجت اصلیہ ہے تو مکان میں دھوپ یا ہوا کی آمد اس کی حاجت زائدہ ہے، مکان میں ایک کھڑکی سے روشنی آرہی

----- حواشی ---

[332] - تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشِّلْبِيِّ ج ۴ ص ۱۹۶المؤلف : عثمان بن علي بن محجن البارعي ، فخر الدين الزيلعي الحنفي (المتوفى : 743 هـ) الحاشية : شهاب الدين أحمد بن محمد بن أحمد بن يونس بن إسماعيل بن يونس الشِّلْبِيُّ (المتوفى : 1021 هـ)الناشر : المطبعة الكبرى الأميرية – بولاق ، القاهرة الطبعة:الأولى، 1313 هـ

[333] - حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ۵ ص ۴۴۹ ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8 -

ہے تو دوسری کھڑکی کی حاجت حاجت زائدہ ہے وغیرہ، دوسروں کے ضرر کی رعایت حاجت اصلیہ کی حد تک کی جائے گی، حاجت زائدہ میں نہیں، علامہ محمود مازہؒ تحریر فرماتے ہیں:

والفرق: أن في مسألة البيتين الذي يريد البناء يمنع صاحبه عن الضوء والضوء من الحوائج الأصلية، وفي مسألتنايمنعه عن الشمس والريح وذلك من الحوائج الزائدة[334].

علامہ شامیؒ رقمطراز ہیں:

فعلى هذا لو كان للمكان كوتان مثلا فسد الجار ضوء إحداهما بالكلية لا يمنع إذا كان يمكن الكتابة بضوء الأخرى والظاهر أن ضوء الباب لا يعتبر لأنه يحتاج لغلقه لبرد و نحوه كما حررته في تنقيح الحامدية[335]

اسی طرح ایسے اعمال جن کا رواج نہ ہو یا خلاف عادت ہو مثلاً رہائشی علاقے میں کوئی شخص تجارتی تنور، یا آٹا چکی یا لانڈری وغیرہ کھول دے جن سے آس پاس کے لوگ مسلسل اذیت اور تنگی محسوس کریں، ان کو بھی فقہاء نے ضرر فاحش میں شمار کیا ہے، لیکن اگر یہی چیزیں رہائشی کے بجائے آبادی سے باہر یا صنعتی علاقے میں قائم کی جائیں، جہاں ہر طرف اسی طرح کی چیزیں چل رہی ہوں تو پھر ان کو ضرر فاحش کے زمرہ میں داخل نہیں کیا جائے گا اور ان پر قانونی پابندی بھی عائد نہیں کی جائے گی، گو کہ اس کے مضرات وہاں آس پاس کی آبادی تک فی الجملہ پہونچتے ہوں، شامی لکھتے ہیں:

وفيه أراد أن يبني في داره تنورا للخبز دائما أورحى للطحن أومدقة للقصارين يمنع عنه لتضرر جيرانه ضررا فاحشا وفيه لو اتخذ داره حماما

----- حواشی ---

334 - **المیحط البرهاني ج ۷ ص ۶۹۶المؤلف : محمود بن أحمد بن الصدر الشهيد النجاري برهان الدين مازه المحقق :الناشر : دار إحياء التراث العربي الطبعة :**

335 - **حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ۵ ص ۴۴۹ ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8 -**

ويتأذى الجيران من دخانها فلهم منعه إلا أن يكون دخان الحمام مثل دخان الجيران ا هـ [336]۔

وفي البحر وذكر الرازي في كتاب الاستحسان لو أراد أن يبني في داره تنوراللخبز الدائم كما يكون في الدكاكين أو رحى للطحن أو مدقات للقصارين لم يجز لأنه يضر بجيرانه ضررا فاحشا لا يمكن التحرزعنه فإنه يأتي منه الدخان الكثير والرحى والدق يوهن البناء بخلاف الحمام لأنه لا يضر إلا بالنداوة ويمكن التحرز عنه بأن يبني حائطا بينه و بين جاره وبخلاف التنورالمعتاد في البيوت ا هـ[337]

وإن أراد أن يعمل في داره تنوراً صغيراً على ما جرت به العادة جاز[338].

واضح رہے کہ عادت کے مفہوم میں جہاں عوامی رجحانات آتے ہیں وہیں حکومتی ہدایات وتعینات بھی شامل ہیں، یعنی اگر کوئی شخص حکومتی تعینات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایسے علاقے میں دھواں خیزیا کثافت انگیز فیکٹری قائم کرے جہاں حکومت نے صنعتی کارخانہ کی اجازت نہیں دی ہے تو یہ بھی خلاف عادت میں داخل ہوگا اور اس کو تعدی قرار دیا جائے گا۔

ضرر پہونچنے کی صورت میں مروج اعمال وتصرفات پر فقہاء حنفیہ قانونی پابندی تو عائد نہیں کرتے ،اورنہ ان سے پہونچنے والے نقصانات کو قابل ضمان قرار دیتے ہیں:

وَهُوَ نَظِيرُ مَا لَوْ أَوْقَدَ النَّارَ فِي أَرْضِهِ فَوَقَعَ الْحَرِيقُ بِسَبَبِ ذَلِكَ فَإِنَّهُ لَا يَكُونُ ضَامِنًا لِكَوْنِهِ مُتَصَرِّفًا فِي خَالِصِ مِلْكِهِ ، وَكَذَلِكَ لَوْ نَزَّتْ أَرْضُ

----- حواشی---

[336] -- حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ۵ ص ۲۳۷ ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8)

[337] - حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ۵ ص ۴۴۹ ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8 -

[338] - الميحط البرهاني ج ۷ ص ۲۹۶المؤلف : محمود بن أحمد بن الصدر الشهيد النجاري برهان الدين مازه المحقق :الناشر : دار إحياء التراث العربي الطبعة :

جَارِهِ مِنْ هَذَاالْمَاءِ[339]

قال رحمه الله (اتخذ بئرا في ملكه أو بالوعة فنز منها حائط جاره فطلب تحويله لايجبر عليه وإن سقط الحائط منه لم يضمن) لأنه تصرف في خالص ملكه ولأن هذا تسبب وبه لا يجب الضمان إلاإذا كان متعديا كوضع الحجرعلى الطريق واتخاذ ذلك في ملكه ليس بتعد فلا يضمن[340]

لیکن ممکنہ اخلاقی قواعد وضوابط اور دفاعی بندشوں کا وہ انکار نہیں کرتے:

وكذلك لصاحب الحائط أن يفتح فيه بابا وإن تأذى جاره لما ذكرنا، والكف عمايؤذي الجار أحسن[341].

فَعَرَفْنَا أَنَّ الْمَالِكَ مُطْلَقُ التَّصَرُّفِ فِيمَاهُوَ خَالِصُ حَقِّهِ، وَإِنْ كَفَّ عَمَّا يُؤْذِي جَارَهُ كَانَ أَحْسَنَ لَهُ----وَالتَّحَرُّزُعَنْ سُوءِ الْمُجَاوِرَةِ مُسْتَحَقٌّ دَيْنًا وَلَكِنَّهُ لَا يُجْبَرُعَلَى ذَلِكَ فِي الْحُكْمِ[342]-

دفاعی تدبیر کی ایک نظیر وہ واقعہ ہے جس کا ذکر متعدد کتب فقہ میں موجود ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ میرے پڑوسی نے اپنے گھر میں ایک برف خانہ قائم کیا ہے، (جس کی سیلن میری دیواروں تک آتی ہے) تو امام صاحب نے اس کو مشورہ دیا کہ تم اپنے احاطے میں ایک بھٹی ڈال لو اس کا

----- حواشی---

339 - المبسوط للسرخسي ج ٢٣ ص ٣٣٠ تأليف: شمس الدين أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي دراسة وتحقيق: خليل محي الدين الميس الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان الطبعة الأولى، 1421هـ 2000م

340 - البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج ٨ ص ٥٥٣ زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت -

341 - الاختيار لتعليل المختار ج ٢ ص ٨٢ المؤلف : عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي الحنفي دار النشر : دار الكتب العلمية – بيروت / لبنان – 1426 هـ – 2005 م الطبعة : الثالثة تحقيق : عبد اللطيف محمد عبد الرحمن عدد الأجزاء ٥-

342 - المبسوط للسرخسي ج ١٥ ص ٣٧ تأليف: شمس الدين أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي دراسة وتحقيق: خليل محي الدين الميس الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان الطبعة الأولى، 1421هـ 2000م

برف خانہ خود ہی پگھل جائے گا،[343]

وَالْحِيلَةُ لِلْجَارِ أَنْ يَتَصَرَّفَ فِي مِلْكِ عَلَى وَجْهٍ يَدْفَعُ بِهِ ضَرَرًا عَنْ نَفْسِهِ وَيَحُولُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَقْصُودِهِ عَلَى مَا حُكِيَ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَالَ : إِنَّ جَارِيَ اتَّخَذَ مُجَمِّدَةً بِجَنْبِ حَائِطِي فَقَالَ اتَّخِذْ أَنْتَ أَتُونًا بِجَنْبِ الْحَائِطِ لِيُذِيبَ هُوَ مَا يَجْمَعُ مِنْ الْجَمْدِ[344]

اس سے یکگونہ احتیاطی تدابیر اور دفاعی قواعد کی گنجائش نکلتی ہے۔

مشترکہ مفادات کے خلاف کوئی ضرر قابل برداشت نہیں

البتہ مشترکہ حقوق و منافع اور مفاد عامہ کی چیزوں میں حنفیہ خالص ذاتی اشیاء کے بالمقابل زیادہ حساس ہیں، ان میں مطلق ضرر ہی ان کے نزدیک قابل ممانعت ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ ضرر فاحش ہے یا نہیں، کیونکہ ان چیزوں میں ہر ایک کی فی الجملہ شرکت پائی جاتی ہے اس لئے ہر تصرف کا ضرر سے پاک ہونا ضروری ہے:

☆ اس کی ایک مثال کئی منزلہ عمارت ہے، اس میں نچلی منزل والوں کو اپنی دیواروں میں کوئی بھی تصرف صرف اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ بالائی منزل کو کوئی گزند نہ پہونچے، خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا، اور اس کی توجیہ یہی کی گئی ہے کہ تحتانی منزل کی درودیواروں پر گو کہ ملکیت بالائی منزل والوں کی نہیں ہے لیکن ان کا حق ان سے ضرور وابستہ ہے، اس لئے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بالائی منزل والوں کی مرضی کے بغیر تحتانی منزل والے کوئی تصرف نہیں کرسکتے۔

----- حواشی---

343 - بعض کتابوں میں کنواں کا تذکرہ ہے، کہ پڑوس کے شخص نے کنواں کھودوالیا تھا، حضرتؒ نے مشورہ دیا کہ تم بھی اس کنویں کے قریب ایک حوض کھودوالو(جامع الفصولین لابن قاضی سماوۃ محمود بن اسرائیل ج ۲ ص ۱۹۴ طبع اول مطبعۃ الکبریٰ الامیریۃ بولاق مصر ۱۳۰۰ ھ ،البحرالرائق لابن نجیم ج ۷ ص ۳۳)

344 - المبسوط للسرخسي ج ١٥ ص ٣٧ تأليف: شمس الدين أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي دراسة وتحقيق: خليل محي الدين الميس الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان الطبعة الأولى، 1421هـ 2000م-

وقديجاب بأن المسألة المتقدمة ليست من فروع هذه القاعدة فإن ماهنافي تصرف الشخص في خالص ملكه الذي لاحق للجارفيه وما مرفي تصرفه فيمافيه حق للجارفإن السفل وإن كان ملكالصاحبه إلا أن لذي العلو حقافيه فلذاأطلق المنع فيه ولذالوهدم ذو السفل سفله يؤمر بإعادته بخلاف ماهناهذاماظهرلي فاغتنمه[345]۔

ثم قيل :أبو حنيفة بنى على أصله أنه ليس لصاحب العلو أن يبني على علوه إلا برضى صاحبه ،وعندهما يجوز.و قيل أجاب على عادة أهل الكوفة في اختيارهم السفل على العلو[346]۔

وعند ابى حنيفة الاصل الحظر لانہ تصرف فى محل تعلق بہ حق محترم للغير،وقال شيخ الاسلام اذا اشكل تصرف صاحب العلو ،وهل يضر بالسفل اولا ؟ لايملكہ بالاتفاق ،و قال الصدر الشهيد المختار اذااشكل لايملكہ واذا لم يضر يملكہ[347]۔

* اس کی دوسری مثال راستہ پر تصرف کرنا ہے مثلاً کوئی عام راستہ پر بیت الخلا بنالے، یا پرنالہ کھول دے جس کا پانی راستے پر گرتا ہو، یا راستہ پر دکان ڈالدے وغیرہ، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر اس سے عام لوگوں کو نقصان نہ پہونچے تو حرج نہیں ورنہ اس پر پابندی عائد کی جائے گی اور اس کا توڑنا واجب قرار پائے گا، نہ مانے تو اس کے خلاف عدالت میں استغاثہ کیا جائے گا۔۔۔اسی طرح مخصوص راستے جو چند لوگوں میں مشترک ہوتے ہیں ان میں بھی تمام شرکاء کی رضامندی ضروری ہے، خواہ ضرر ہو یا نہ ہو:

----- حواشی---

345 - حاشية رد المختارعلى الدرالمختارشرح تنويرالأبصارفقه أبوحنيفة ج ٥ ص ٤٤٩ ابن عابدين.الناشردارالفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 142هـ–2000م.مكان النشر بيروت .عدد الأجزاء 8 .**كذا فى فتا وٰى قا ضى خان بهامش الهندية ج ٣ ص ١١٧ .**

346 -. الاختيار لتعليل المختار ج ٢ ص ٨٢ المؤلف : عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي الحنفي دار النشر : دار الكتب العلمية – بيروت / لبنان – 1426 هـ – 2005 م الطبعة : الثالثة تحقيق : عبد اللطيف محمد عبد الرحمن عدد الأجزاء / 5 [ترقيم الشاملة موافق للمطبوع]

347 -فتح القدير ج ٧ ص ٣٢١،٣٢٢ .

من أحدث في طريق العامة كنيفا أو ميزابا أو جرصنا الجرصن قيل هوالبرج وقيل جذع يخرجه الإنسان من الحائط ليبني عليه وقيل هو مجرى ماء يركب في الحائط وهو بضم الجيم وسكون الراء المهملة وضم الصادالمهملة أو دكانا وسعه ذلك إن لم يضر بهم أي بالعامة لأن الطريق معد للتطرق فله الانتفاع ما لم تتضرر العامة به---- -----وَفِي الطَّرِيقِ الْخَاصِّ لَا يَسَعُهُ بِلَا إذْنِ الشُّرَكَاءِ وَإِنْ لَمْ يَضُرَّ [348]۔

عام راستے میں حکومت بہت حد تک مجاز ہوتی ہے، لیکن فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر عام لوگوں کے لئے باعث ضرر ہو تو حکومت کو بھی اجازت نہیں دینی چاہئے، ایسی صورت میں اگر حکومت کی اجازت سے بھی کوئی شخص بنائے گا تو بھی گنہ گار ہو گا [349]۔

البتہ مردہ راستہ جس پر بہت کم لوگ چلتے ہوں، اس میں لوگوں کے چلنے کے بقدر جگہ چھوڑ کر کچھ کیا جائے مثلاً غلہ سکھانے کے لئے کوئی استعمال کرے یا درخت لگادے وغیرہ اور لوگوں کو دقت نہ ہو تو اس کی گنجائش ہے [350]۔

شافعیہ کے یہاں ضرر کا تصور

شافعیہ بھی اس باب میں حنفیہ کے ہم خیال ہیں، حضرت امام شافعیؒ نے حدیث پاک "لاضرر ولا ضرار" کی جو تشریح کی ہے، اس سے ان کا نقطۂ نظر صاف معلوم ہوتا ہے، امام شافعی کی رائے میں یہ حدیث کلام مجمل کے درجہ میں ہے اور اس کی بنیاد پر انسان کی ملکیت خاصہ کا انکار نہیں کیا جاسکتا، جو کہ واضح مسلمات میں سے ہے، امام شافعی کے نزدیک لاضرر کا مفہوم یہ ہے کہ کسی انسان کی ملکیت میں زیادتی نہیں کی جائے گی

----- حواشی---

348 - مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر ج ۴ ص ۳۶۰ عبد الرحمن بن محمد بن سليمان الكليبولي المدعو بشيخي زاده سنة الولادة / سنة الوفاة 1078ھ تحقيق خرج آياته وأحاديثه خليل عمران المنصورالناشر دار الكتب العلمية سنة النشر 1419ھ – 1998م مكان النشر لبنان/ بيروت عدد الأجزاء 4 -

349 -حاشية ابن عابدين ج ۲ ص ۵۹۳ ۔

350 -فتاویٰ قاضی خان ج ۳ ص ۱۱۸ ۔

،اور اس کے مالی واجبات مقررہ حد سے زیادہ وصول نہیں کئے جائیں گے اور لاضرار کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو اپنے مال کے منافع سے محروم نہیں کیا جائے گا، ہر شخص اپنے مالی تصرفات میں نفع ونقصان کا خود مالک ہے، نہ اس کو کسی کام کے کرنے نہ کرنے پر مجبور کیا جائے گا اور نہ اس کے اعمال کی جوابدہی کسی دوسرے کے سر ہوگی[351]۔

اسی تصور کی بنیاد پر فقہ شافعی میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ:

وكذا لو حفر بئرا في ملكه فتندى جدار جاره فانهدم، أو غار ماء بئره أو حفربالوعة فتغيرماء بئر الجار، فلا شئ عليه، لان الملاك لا يستغنون عن مثل هذا[352]۔

اگر کسی شخص نے اپنے مملوکہ احاطے میں کنواں کھودوایا اور اس کے زیر اثر پڑوس کے مکان کی دیوار گرگئی ،تو اس کا ضمان کنواں والے پر نہیں ہو گا ،اس لئے کہ اصحاب ملکیت اس قسم کی ضرورتوں سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔

البتہ یہ حکم اس وقت ہے جب کہ ان تصرفات میں کوئی تعدی اور زیادتی نہ پائی گئی ہو، جس کی ایک علامت یہ ہے کہ عادت یعنی معروف حدود سے تجاوز نہ کیا گیاہو: علامہ نوویؒ رقمطراز ہیں:

----- حواشی---

351 -کتاب الام ج ٣ ص ٢٢٢ ۔

352 - روضة الطالبين وعمدة المفتين ج ٧ ص ١٧٥ المؤلف : أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (المتوفى : 676هـ) [اختصره النووي من كتاب الرافعي ت623هـ) المسمى (الشرح الكبير) الذي شرح به كتاب (الوجيز) للغزالي(المتوفى : 505 هـ)]المحقق : عادل أحمد عبد الموجود – على محمد معوض الناشر : دار الكتب العلمية الطبعة : غير متوفر عدد الأجزاء : 8 --**كذا فى** مغني المحتاج إلى معرفة ألفاظ المنهاج ج ١٠ ص١٤ المؤلف : محمد بن أحمد الخطيب الشربيني (المتوفى : 977هـ)[هو شرح متن منهاج الطالبين للنووي (المتوفى 676 هـ)]-**وكذا فى** الحاوي في فقه الشافعي ج ١٢ ص ١٢٦ المؤلف : أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي، الشهير بالماوردي (المتوفى : 450هـ)الناشر : دار الكتب العلمية الطبعة : الأولى 1414هـ – 1994 عدد الأجزاء : 18 من غير المقدمة والفهارس

لوحفر بئرا متعديا فتلف بها إنسان بعد موته يجب الضمان[353]

ولو قصر فخالف العادة في سعة البئرضمن فإنه إهلاك وليكن كذلك إذاقرب الحفرمن الجدارعلى خلاف العادة[354]

قلیوبیؒ لکھتے ہیں:

وَيَتَصَرَّفُ كُلُّ وَاحِدٍ) مِنْ الْمُلَّاكِ (فِي مِلْكِهِ عَلَى الْعَادَةِ) وَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ إنْ أَفْضَى إلَى تَلَفٍ (فَإِنْ تَعَدَّى) الْعَادَةَ (ضَمِنَ) مَا تَعَدَّى فِيهِ (وَ الْأَصَحُّ أَنَّهُ يَجُوزُ أَنْ) (يَتَّخِذَ دَارِهِ الْمَحْفُوفَةَ بِمَسَاكِنَ حَمَّامًا وَإِصْطَبْلًا) وَطَاحُونَةً (وَحَانُوتَهُ فِي الْبَزَّازِينَ حَانُوتُ حَدَّادٍ) أَوْ قَصَّارٍ (إذَا احْتَاطَ وَأَحْكَمَ الْجُدْرَانَ) بِمَا يَلِيقُ بِمَقْصُودِهِ،وَالثَّانِي يَمْتَنِعُ ذَلِكَ لِمَا فِيهِ مِنْ الضَّرَرِ وَعُورِضَ بِأَنَّ فِي مَنْعِهِ إضْرَارًا بِهِ[355]-

اسی لئے شوافع کسی کی دیوار پر بلا اجازت لکڑی رکھنے کی اجازت نہیں دیتے، جب کہ حدیث میں اجازت دینے کی تلقین کی گئی ہے شوافع اس کو استحباب پر محمول کرتے ہیں[356]۔

اس طرح حنفیہ کے یہاں جو بات ضرر بین یا ضرر فاحش کے الفاظ میں کہی گئی تھی وہ فقہ شافعی میں تعدی کے لفظ سے ادا کی گئی ہے، اسی طرح المعتاد یا مثلہم وغیرہ کی تعبیرات حنفیہ کے یہاں بھی ہیں اور شافعیہ کے یہاں بھی، حنفیہ بھی خلاف معتاد کام کرنے کو ضرر فاحش شمار کرتے ہیں، جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، حنفیہ کے یہاں بھی جس طرح اصل مذہب اور مفتی بہ رائے میں فرق ہے، اسی طرح امام شافعیؒ کے

----- حواشی -----

353 - روضة الطالبين وعمدة المفتين ج ١١ ص ٦٩ النووي الناشر المكتب الإسلامي سنة النشر 1405 مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 12 -

354 - روضة الطالبين وعمدة المفتين ج ٩ ص ٣١٩ النووي الناشر المكتب الإسلامي سنة النشر 1405

355 - حاشيتا قليوبي وعميرة ج ٩ ص ٤٢٧المؤلف : شهاب الدين القليوبي (المتوفى : 1069 هـ) وأحمد البرلسي عميرة (المتوفى : 957هـ) [هي حاشية على كتاب المنهاج للنووي (المتوفى : ت 676هـ)]

356 -نهاية المحتاج ج ٧ ص ٤٠٤-

یہاں بھی قول قدیم اور قول جدید میں فرق ہے [357]، اس طرح فکری اعتبار سے دونوں مکاتب فقہ اس باب میں پوری طرح متفق ہیں۔

البتہ اس باب میں مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں بظاہر زیادہ توسع بتایا جاتا ہے، کہ وہ حدیث (لاضرر) کو پورے عموم میں لیتے ہیں، اور اس ضمن میں جس قدر روایات وآثار منقول ہیں ان کو قانونی درجہ دیتے ہیں ،حنفیہ اور شافعیہ بھی ان روایات وآثار کے منکر نہیں ہیں، اور نہ ان کی قانونی حیثیت کا انکار کرتے ہیں، البتہ تعبیر وتشریح اور مواقع استعمال کا فرق کرتے ہیں، لیکن میرے تجزیہ کے مطابق چند جزئیات کو چھوڑ کر نتیجہ اور مآل کے اعتبار سے مالکیہ اور حنابلہ کے تصورات میں بھی کوئی بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔

مالکیہ کے یہاں تصور ضرر

مالکیہ کے نزدیک اگر کسی کے عمل سے دوسرے کو ضرر پہونچتا ہے تو گو کہ وہ اپنی خاص ملکیت میں عمل کر رہا ہو لیکن اس پر قانونی پابندی عائد کی جائے گی، مثلاً کسی کی زمین میں کنواں پہلے سے ہے، اور اس کے پڑوسی نے اس کے قریب اپنی زمین میں کنواں کھودوالیا جس سے اس کے کنویں کا پانی خشک یا کم ہو گیا تو یہ ضرر ہے اور اس کے پڑوسی کو اس کی اجازت نہیں دی جائے گی، اور اس کو اپنا کنواں بند کرنا پڑے گا، حضرت امام مالکؒ اس قسم کے نقصانات کو قابل ضمان بھی مانتے ہیں، المدونۃ الکبریٰ میں ہے:

أرأيت لو أن رجلا حفر بئرا بعيدة عن؛ بئر جار له، وكان أحياها قبل ذلك فانقطع ماء البئرالأولى وعلم أنه إنما انقطع من حفر هذه البئرالثانية، أيقضى له على هذا بردم البئر الثانية أم لا في قول مالك؟ قال: قال مالك: للرجل أن يمنع ما يضر ببئره، فإذا كان له أن يمنع فله أن يقوم على هذا فيردم بئره التي حفرها. قلت: أرأيت من حفر بئرا في غير ملكه في طريق المسلمين، أوحفرها في أرض رجل بغير أمر رب الأرض، أو حفرها إلى جنب بئر ماشيةوهي تضر ببئرالماشية بغير أمر رب البئر فعطب

----- حواشی---

357 -نہایۃ المحتاج الیٰ شرح المنہاج ج ۷ ص ۴۰۷۔

رجل في تلك البئر، أيضمن ما عطب فيها هذا الذي حفرها من دابة أو إنسان؟ قال: قال مالك: من حفر بئرا حيث لا يجوز له فهو ضامن لما عطب فيها. قلت أرأيت الآبارالتي تكون في الدور، أيكون لي أن أمنع جاري من أن يحفر في داره بئرايضربئري التي في داري أم لا؟ قال: سمعت مالكا يقول في الرجل يكون له في داره بئرا إلى جنب جداره، فحفر جاره في داره بئرا إلى جنب جداره من خلفها. قال: إن كان ذلك يضر ببئر جاره منع من ذلك.[358]۔

مالکیہ نے انسانی تصرفات کو جلب مصلحت اور دفع مضرت کے ضابطہ کے ساتھ مربوط کیاہے، اور جو ان مقاصد سے متعارض ہو ان کو کالعدم قرار دیاہے، علامہ شاطبیؒ نے اپنے مخصوص انداز میں اس کی ممکنہ آٹھ قسمیں بیان کی ہیں، جن میں کچھ جائز اور کچھ ناجائز ہیں، شاطبیؒ نے کافی تفصیل سے تقریباً سولہ (١٦)صفحات میں ان اقسام کو بیان کیاہے، میرا مقالہ اس تفصیل کا متحمل نہیں ہے، البتہ اس پوری بحث پر غور کرنے سے ان تقسیمات کی روح اور ان پر احکام شرعیہ کی بنیاد چند محوروں میں گردش کرتی نظر آتی ہے:

"☆ ضرر پہونچانے کا قصد ہے یا نہیں، ☆تصرف پر پابندی لگانے سے خود صاحب تصرف کو تو کوئی نقصان نہیں پہونچے گا؟☆ دفع مضرت جلب منفعت سے مقدم ہے، ☆غلبۂ ضرر ضروری نہیں ہے تو کثرت ضرر ہے یا نہیں؟۔۔۔

اور ان تمام مباحث سے جو نتائج اخذ ہوتے ہیں ان میں جزئیات کے اعتبار سے فرق ضرور ہے لیکن بنیادی فکر کے لحاظ سے کوئی زیادہ تفاوت محسوس نہیں ہوتا، کیونکہ شاطبی بھی اس سے اتفاق کرتے ہیں کہ:

----- حواشی---

[358] - المدونة الكبرى ج ۴ ص ۴۷۴ المؤلف : مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني (المتوفى : **179**هـ) المحقق : زكريا عميرات الناشر : دار الكتب العلمية بيروت ۔ لبنان مصدر الكتاب : موقع مكتبة المدينة الرقمية المدونۃ مع مقدمات ابن رشد ج ۴ ص ۳۷۷۔

☆ضرر عام کو روکنے میں خود صاحب عمل کے ضرر کا دھیان رکھنا بھی ضروری ہے، ☆شاطبی نے قصد ضرر کو موضوع بحث بنایا ہے ☆تعدی کا مسئلہ اٹھایا ہے۔ ☆ضرر محتمل ہے یا یقینی ؟ اس کو مسئلہ کا مدار بنایا ہے، ☆ضرر بکثرت پیش آتا ہے یا کم ؟ ☆تصرف کو روکنے میں ضرر زیادہ ہے یا نافذ کرنے میں ؟ ☆اور خود صاحب ملکیت کے مفادات کس حد تک محفوظ ہیں؟ وغیرہ[359]۔

یہ ساری بحثیں یہ سمجھنے کے لئے کافی ہیں، کہ مسئلہ میں اتنا عموم نہیں ہے جتنا بادی النظر میں سمجھا جاتا ہے، مسائل وجزئیات کی تطبیق میں حالات اور افراد کی بناپر فرق ضرور موجود ہے، لیکن بنیادی تصورات میں بہت زیادہ اختلاف نہیں ہے، مالکیہ کے یہاں ضرر کا دائرہ نسبتاً زیادہ وسیع ہے، لیکن ملکیت کا احترام بھی موجود ہے، درج ذیل جزئیات ونظائر سے میرے اس خیال کی مزید وضاحت ہوتی ہے:

☆الشرح الصغیر میں معین الحکام کے حوالے سے لکھا ہے کہ مذہب مالکی میں ہر قسم کے ضرر کی نفی کی گئی ہے، مگر اس سے جس ضرر کا استثنا کیا گیا ہے وہ دیکھئے:

> الاماکان من رفع بناء یمنع ہبوب الریح وضوء الشمس وماکان فی معناہماالاان یثبت القائم فی ذلک ان محدث ذلک ارادالضرر[360]
>
> لیکن اگر کوئی شخص بلند عمارت بنانا چاہتا ہے جو پڑوس کی دھوپ یا ہوا کو روک دے گی یا اور اسی قسم کی کوئی رکاوٹ ہو تو ان کی بنیاد پر عمارت بنانے سے روکا نہیں جائے گا، الا یہ کہ یہ بات متحقق ہو جائے کہ اس کا مقصد تعمیر سے تکلیف پہونچانا ہے۔

ابن ماجشون وغیرہ کا خیال یہ بھی ہے کہ اگر اس عمارت سے کسی کی کھلیان بے مصرف ہو جاتی ہو تب بھی تعمیر پر روک نہیں لگائی جائے گی[361]،

----- حواشی --

359 -الموافقات للشاطبیؒ ج ۲ ص ۳۴۸تا۳۶۴ ۔

360 -الشرح الصغیر ج ۲ ص ۱۷۷۔

361 -تبصرة الحکام ج ۲ ص ۲۵۵، ۲۵۶ ۔

☆من احدث اندر اًالیٰ جنب جنان رجل وہو یضر بہ فی تذریۃ التبن فانہ یمنع من ذلک[362]۔

اگر کوئی شخص کسی کے باغیچہ کے بازو میں کھلیان بنائے اور بھوسی اڑانے میں اس کو نقصان پہونچے تو اس پر پابندی لگائی جائے گی۔

ظاہر ہے کہ یہ ضرر فاحش ہے۔

☆کذلک فانہ لیس للانسان ان یضرب وتداً فی جدارجارہ ولاان یضم الیہ مایضربہ....[363]

اسی طرح کسی انسان کو یہ اجازت نہیں ہے کہ اپنے پڑوس کی دیوار میں کیل گاڑلے ،یاایسی کوئی چیز دیوار کے ساتھ ملادے جو دیوار کے لئے نقصان دہ ہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں جو پڑوسی کو لکڑی رکھنے سے روکنے پر جو ممانعت آئی ہے وہ مالکیہ کے یہاں بھی وجوبی نہیں ہے، بلکہ استحبابی ہے، اور اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس سے دیوار کو کوئی نقصان نہ پہونچے۔

☆وللرجل ان ینصب فی دارہ ماشاء من الصناعات ...مالم یضر بحیطان جارہ[364]۔

آدمی اپنے مکان میں جس طرح کی صنعت چاہے قائم کرسکتا ہے بشرطیکہ پڑوس کی دیواریں اس سے متاثر نہ ہوں۔

☆قال الباجی : اما الرحاء ان ثبت انہا تضر بجدران الجنان

----- حواشی --

362 -التاج والاکلیل ج ۵ ص ۱۶۴ ۔

363 -تبصرۃ الحکام ج ۲ ص ۲۶۴ ۔

364 - تبصرۃ الحکام لابن فرحون المالکی ج ۲ ص ۶۱ ۔

منع منہا[365]۔

پن چکی قائم کرنے کی اجازت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ پڑوس میں باغیچے کی دیواروں پر منفی اثرات نہ پڑیں۔

کسی کی خالی پڑی ہوئی زمین پر لوگ کچرا ڈال جاتے ہوں، جس سے آس پاس میں سخت بدبو پھیلتی ہو اور کچرا ڈالنے والوں کا تعین نہ ہو تو زمین کا مالک اس کی صفائی کا جوابدہ ہے، گو کہ وہ خود کوئی کچرا نہ ڈالتا ہو[366]۔

مالکیہ کے یہاں ضرر قدیم اور جدید کی تقسیم بھی ملتی ہے، ایک رائے یہ ہے کہ دونوں کے حکم میں فرق ہے[367]، جبکہ دوسری زیادہ معروف رائے یہ ہے کہ قدامت اور جدت سے ضرر کی معنویت پر فرق نہیں پڑتا، ضرر ہر حال میں قابل انسداد ہوتا ہے[368]۔

اسی طرح ان کے یہاں ضرر کبیر اور صغیر نیز مسلسل اور وقتی کا بھی فرق ملتا ہے، پن چکی، دھوبی پاٹ، بیت الخلاء اور لوہار وغیرہ کی بحث کی ضمن میں فقہاء مالکیہ نے جو گفتگو کی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ زیادہ تکلیف دہ ہونے کی صورت ہی میں ان پر پابندی عائد کی جائے گی، یا دھوبی کی ضرب سے دیواریں متاثر ہوں، مسلسل انسانی سماعتوں کو کریہ آوازوں کا سامنا کرنا پڑے تب اس پر روک لگے گی، بعض فقہاء نے رات اور دن کا بھی فرق کیا ہے کہ کسی کا یہ ذریعۂ معاش ہے تو دن میں پابندی نہ ہوگی بلکہ صرف رات میں ہوگی:

واماماکان صوتاکبیر أمستداماًکالکمادین---والرحاذات الصوت الشدید فانہ ضرر یمنع منہ کالرائحۃ-----والراجح فی المذہب انہ لایمنع من ذلک الاان یضرالصوت بالجدار-------ان الصوت لایخرق الاسماع ولایضرالاحشاءفان اضرذلک

---- حواشی --

365 -التاج والاکلیل ج ۵ ص ۱۶۵۔

366 - تبصرۃ الحکام ج ۲ ص ۲۶۳۔

367 -الشرح الصغیر مع حاشیۃ الصاوی ج ۲ ص ۱۷۶۔

368 - تبصرۃ الحکام لابن فرحون المالکی ج ۲ ص ۲۵۵،العقد المظم للحکام لابن سلمون بہامش التبصرۃ ج ۲ ص ۸۷ ۔

بالجدران منع[369]۔

بدبو کے بارے میں ابن فرحون لکھتے ہیں:

ان الرائحۃ المنتنۃ تخرق الخیاشیم وتصل الی الامعاء وتوذی الانسان --وکل رائحۃ توذی یمنع ----وبہ العمل فی المذہب[370]

روٹی کے تنور، یا حمام، سونا، چاندی اور لوہا کی بھٹیوں سے نکلنے والے دھویں کی ممانعت کی توجیہ کرتے ہوئے ابن فرحون رقمطراز ہیں:

وذلک ان وجہ الضرر ھوالدخان الذی یحصل من القرن والحمام فیدخل علی الجیران ویضرھم وھومن الضرر الکبیر المستدام[371]

یعنی اصل وجہ ضرر وہ دھواں ہے جو حمام یا پائپ سے نکلتا ہے اور آس پاس میں پھیل کر لوگوں کو نقصان پہونچاتا ہے، اور یہ معمولی نہیں بلکہ مسلسل رہنے والا بڑا نقصان ہے۔

ان تفصیلات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فقہاء مالکیہ کے یہاں بھی مطلق ضرر قابل مؤاخذہ نہیں ہے بلکہ ضرر جب قبیح صورت اختیار کرلے، یا یہ کہ مسلسل رہنے لگے تب وہ قابل بندش قرار پاتا ہے، اس لحاظ سے حنفیہ اور مالکیہ میں چند جزئیات کو چھوڑ کر نتیجہ کے لحاظ سے کوئی خاص فرق نہیں رہ جاتا۔

حنابلہ کا نقطۂ نظر

البتہ حنابلہ کے یہاں لاضرر ولاضرار کا مفہوم نسبتاً زیادہ وسیع ہے، وہ ملکیت میں تصرف کے دائرے کو تنگ کرتے ہیں، وہ اس حدیث پاک کی بنیاد پر ایک بے ضرر معاشرہ کی تشکیل کرنا چاہتے ہیں، ان

----- حواشی--

369 - التاج والاکلیل شرح مختصر خلیل للمواق ج ۵ ص ۱۶۰۔ تبصرۃ الحکام ج ۲ ص ۲۶۱۔

370 - تبصرۃ الحکام ج ۲ ص ۲۶۱۔

371 - تبصرۃ الحکام ج ۲ ص ۲۵۱۔

کے نزدیک اصحاب ملکیت کا اپنا سامان استعمال کرنے سے محروم رہ جانا ایسا ضرر نہیں ہے جو قابل تحمل نہ ہو ،بقول علامہ ابن رجب حنبلیؒ انسان کی اپنی ملکیت میں غیر معتاد تصرف تو دیگر فقہاء کے یہاں بھی غلط اور قابل ضمان ہے، مثلاً گرمی اور لو کے دنوں میں جب گرم ہوائیں چل رہی ہوں اگر کوئی شخص کسی کی کھلیان کے قریب اپنی زمین میں آگ جلائے اور اس کی چنگاری کھلیان کو خاکستر کردے، تو یہ ایک غیر معتاد عمل ہے ،لیکن اگر انسان اپنے تصرف میں معروف حدود سے متجاوز نہ ہو پھر بھی کسی کو تکلیف پہونچے تو دیگر فقہاء کے یہاں یہ تصرف درست ہے اور اس پر روک نہیں لگائی جائے گی، لیکن حضرت امام احمدؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی ضرر سے بچنا ضروری ہے، اور صاحب ملکیت کو اس کے عمل سے روکا جائے گا[372]۔

قاضی ابو یعلیٰؒ لکھتے ہیں:

ولایحفر بئر الیٰ جنب بئرہ او کنیفاً الیٰ جنب حائطہ وان کان فی حدہ ،قیل لہ ،فیقدران یمنعہ ؟ قال نعم[373]۔

کسی کے کنواں کے بازو میں کوئی دوسرا کنواں نہیں کھودا جائے گا، اور نہ کسی کی دیوار کے بغل میں بیت الخلا بنایا جائے گا گوکہ اپنی حد میں ہو، حضرت امام احمدؒ سے پوچھا گیا، کیا اس کو روکا جاسکتا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں۔

علامہ ابن قدامہؒ رقمطراز ہیں:

ولیس للرجل التصرف فی ملکہ تصرفاً یضر بجارہ ،نحو ان یبنی فیہ حماماً بین الدور[374]۔

کسی انسان کو اپنی ملک میں ایسے تصرف کی اجازت نہیں ہے جو اس کے پڑوسی کے لئے نقصان دہ ہو، مثلاً مکانات کے درمیان حمام بنوانا وغیرہ۔

اس طرح کی جزئیات بکثرت فقہ حنبلی میں موجود ہیں، لیکن اگر اس کے ساتھ ہم محققین حنابلہ کی

----- حواشی -----

372 -جامع العلوم والحکم ص ۳۰۱ ۔

373 -الاحکام السلطانیہ للقاضی ابی یعلیٰ محمد بن الحسین الفرا ء الحنبلی بتحقیق المرحوم محمد الحامد الفقی ،ط ،دارالکتب العلمیۃ بیروت ،ص ۲۲۱ ۔

374 -المغنی لابن قدامۃ مع الشرح الکبیر ج ۵ ص ۵۱،۵۲ ۔

تحقیقات کو بھی شامل کرلیں، تو ہمیں محسوس ہوگا کہ یہ مسئلہ کا صرف ایک رخ ہے، مسئلہ کا دوسرا رخ جیسا کہ علامہ ابن تیمیہؒ وغیرہ نے لکھا ہے اور ان کے حوالے سے دیگر فقہاء حنابلہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، یہ ہے کہ دراصل ضرر کی بنیاد قصد وارادہ پر ہے یا ایسے عمل پر جس کا ضرر بالکل واضح ہو، یعنی اگر انسان کسی کو نقصان پہونچانے کے ارادے سے نہیں بلکہ اپنی ضرورت کے لئے اپنی ملکیت میں کوئی تصرف کرتا ہے جو دوسروں کے لئے ضرر رساں ہو تو یہ ضرر قابل لحاظ نہیں ہے، اس لحاظ سے حنفیہ کے ساتھ ان کی بہت زیادہ دوری باقی نہیں رہ جاتی، علامہ ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں:

والمضارة مَبناها على القصد والإرادة أو على فعل ضرر عليه فمتى قصد الإضرار ولو بالمناخ أو فعل الاضرار من غير استحقاق فهو مُضار و أما إذا فعل الضررالمستحق للحاجة إليه والانتفاع به لالقصد الأضرار فليس بمُضار[375]۔

علامہ مقدسیؒ نے بھی الفروع میں اس کو ابن تیمیہؒ کے حوالے سے بطور استشہاد نقل کیا[376]، اور اسی بنیاد پر علامہ بہوتیؒ نے لکھا ہے کہ پڑوس کی دیوار پر بلا اجازت لکڑی رکھنا منع ہے جبکہ حدیث پاک میں اس کی صراحتاً اجازت آئی ہے، انہوں نے اس کو عدم ضرر اور ضرورت شدیدہ کے ساتھ مشروط کیا ہے:

وحرم أن يتصرف في جدار جار أو مشترك بفتح طاق أو ضرب وتد ونحوه بلا إذنه وليس له وضع خشبه على حائط جاره) أو حائط مشترك (إلا عند الضرورة) فيجوز (إذا لم يمكنه التسقيف إلا به) ولا ضرر لحديث

----- حواشی---

[375] - الاختيارات الفقهية (مطبوع ضمن الفتاوى الكبرى المجلد الرابع) ج ١ ص ٤٧٩ المؤلف : تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم بن تيمية الحراني (المتوفى : 728هـ)المحقق : علي بن محمد بن عباس البعلى الدمشقي الناشر : دار المعرفة، بيروت، لبنان الطبعة : 1397هـ/1978م مصدر الكتاب : موقع مكتبة المدينة الرقمية

[376] - كتاب الفروع و معه تصحيح الفروع لعلاء الدين علي بن سليمان المرداوي ج ٦ص٤٥١ المؤلف : محمد بن مفلح بن محمد بن مفرج، أبو عبد الله، شمس الدين المقدسي الراميني ثم الصالحي (المتوفى : 763هـ) المحقق : عبد الله بن عبد المحسن التركي الناشر : مؤسسة الرسالة الطبعة : الطبعة الأولى 1424 هـ – 2003 مـ

أبي هريرة يرفعه «لا يمنعن جار جاره أن يضع خشبه على جداره»[377].

فقہی آراء کے اس تجزیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جزئیات اور بعض تطبیقات میں اختلاف کے باوجود تقریباً تمام ہی فقہاء اس کلیہ سے اتفاق رکھتے ہیں کہ شخصی تصرفات میں ہر قسم کے ضرر سے بچنا ممکن نہیں اور نہ شریعت میں یہ مطلوب ہے، بلکہ ممکن حد تک ایسے عمل سے گریز کا حکم ہے جس سے دوسروں کو قابل لحاظ ضرر پہونچے، جس کو حنفیہ نے ضرر فاحش، ضرر غیر عادی، شافعیہ نے ضرر غیر معتاد، مالکیہ نے ضرر بلا تعدی یا ضرر یقینی اور حنابلہ نے ضرر بلا قصد اور ضرر واضح کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

آلودگی کی مختلف شکلیں

ان اصولی مباحث کی روشنی میں زندگی کے بے شمار مسائل کی طرح آلودگی کے مسئلے کو بھی حل کیا جا سکتا ہے، اس ضمن میں جو سوالات اٹھائے جاتے ہیں وہ دراصل آلودگی کے مسئلہ کی مختلف شکلیں ہیں جو جگہ بجگہ رونما ہو رہی ہیں۔

دھواں چھوڑنے والی اشیاء

(۱) عام طور پر پکوان میں ایندھن کے طور پر لکڑی، کوئلہ، گوبر، گیس اور بجلی کا استعمال ہوتا ہے ، ان میں بعض چیزیں دھواں چھوڑنے والی ہیں، جن سے ماحول آلودہ ہوتا ہے اور بعض دھواں پیدا نہیں کرتیں، لیکن وہ نسبتاً مہنگی ہو سکتی ہیں، تو جو شخص ایسے وسائل استعمال کرنے پر قادر ہو کیا اس کے لئے ارزاں ہونے کی وجہ سے آلودگی پیدا کرنے والے ایندھن کا استعمال درست ہوگا؟ جب کہ اس سے اجتماعی ضرر پیدا ہوتا ہے۔

اگر وہ رپورٹیں جن کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے، قابل اعتماد اور معتبر تحقیقی ذرائع سے آئی ہیں، اور ان کے مطابق کم از کم ظن غالب کی حد تک یہ باور کیا جا سکتا ہو کہ فضائی آلودگی میں دھواں پھینکنے والے ایندھن

----- حواشی -----

[377] - الروض المربع شرح زاد المستنقع في اختصار المقنع ج ۱ ص ۲۵۰ المؤلف : منصور بن يونس بن إدريس البهوتي (المتوفى : 1051هـ)المحقق : سعيد محمد اللحام الناشر : دار الفكر للطباعة والنشر – بيروت – لبنان۔

کا بڑا کردار ہے تو ایسی صورت میں ممکن حد تک ایسے ایندھن کے استعمال میں احتیاط کرنا ضروری ہے، اور اگر کم دھواں پھینکنے والے ایندھن یا دیگر متبادل وسائل بسہولت میسر ہوں، تو ترجیحی طور پر انہی کو اختیار کرنا چاہئے، معروف فقہی ضابطہ ہے:

دَرْءُ الْمَفَاسِدِ أَوْلَى مِنْ جَلْبِ الْمَصَالِحِ[378]

مضرت کو دور کرنا منافع کے حصول سے مقدم ہے،

شریعت میں معروفات کے حصول سے زیادہ منہیات سے گریز پر زور دیا گیا ہے، جیسا کہ ایک حدیث پاک میں منہیات سے ہر حال میں بچنے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ معروفات پر حسب امکان عمل کرنے کو کہا گیا ہے، حضرت ابو ہریرۃؓ راوی ہیں:

فإذا نهيتكم عن شيء فاجتنبوه وإذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم[379]-

ترجمہ: جس کام سے میں روکوں اس سے رک جاؤ اور جس کام کا حکم دوں اس پر حتی الامکان عمل کرو۔

ایک حدیث میں ہے کہ:

مَاخُيِّرَرَسُولُ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم– بَيْنَ أَمْرَيْنِ أَحَدُهُمَا أَيْسَرُ مِنَ

----- حواشی---

378 - الْأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُج ١ ص ٩٠ عَلَى مَذْهَبِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَانِ المؤلف : الشَّيْخ زَيْنُ الْعَابِدِيْنَ بْنِ إِبْرَاهِيْمِ بْنِ نُجَيْمٍ (926–970هـ) المحقق : الناشر:دار الكتب العلمية، بيروت،لبنان الطبعة :1400هـ=1980م عدد الأجزاء : 1

البحر المحيط في أصول الفقهج۴ ص ١٩٩ المؤلف : بدر الدين محمد بن عبد الله بن بهادر الزركشي (المتوفى : 794هـ) المحقق : محمد محمد تامر الناشر : دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان الطبعة : الطبعة الأولى، 1421هـ / 2000م ،

الإبهاج – السبكي]ج ٣ ص٦٥الكتاب : الإبهاج في شرح المنهاج على منهاج الوصول إلى علم الأصول للبيضاوي المؤلف : علي بن عبد الكافي السبكي الناشر : دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة الأولى ، 1404 تحقيق : جماعة من العلماء عدد الأجزاء : 3)-

379 - صحيح البخاري ج ٦ص٢٦٥٨حدیث نمبر:٦٨٥٨۔

الآخَرِإلاَّ اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا[380]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کو جب دو امر میں اختیار ملتا تھا تو آپ آسان ترین کو اختیار فرماتے تھے، بشرطیکہ گناہ نہ ہو۔

علامہ ابن عبد البر القرطبیؒ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آسانی کا تعلق آپ کی ذات سے نہیں بلکہ امت سے ہے:

فلعلها ذهبت إلى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يختر القصرفي أسفاره إلا توسعة على أمته وأخذا بأيسر أمر الله[381]

اس کا مطلب ہے کہ اجتماعی مفادات کی رعایت ذاتی مفادات کے مقابلے میں زیادہ لائق ترجیح ہے

علامہ ابن نجیمؒ نے لکھا ہے کہ اگر دو مساوی چیزوں کا مسئلہ ہو تو جس پہ چاہے عمل کر سکتا ہے، لیکن اگر تفاوت ہو تو جو اہون ہے اسے اختیار کیا جائے گا، اور حرام چیزوں کے ارتکاب سے ہر حال میں پرہیز کیا جائے گا:

الْأَصْلُ فِي جِنْسِ هَذِهِ الْمَسَائِلِ أَنَّ مَنْ اُبْتُلِيَ بِبَلِيَّتَيْنِ ، وَهُمَا مُتَسَاوِيَتَانِ يَأْخُذُ بِأَيَّتِهِمَاشَاءَ،وَإِنْ اخْتَلَفَايَخْتَارُأَهْوَنَهُمَا؛لِأَنَّ مُبَاشَرَةَ الْحَرَامِ لَا تَجُوزُ إلَّا لِلضَّرُورَةِ[382].

مگر یہ حکم اس وقت ہے جب انسان صاحب استطاعت ہو، استطاعت نہ ہونے کی صورت میں مہنگے ایندھن کے استعمال کا پابند کرنا تکلیف مالایطاق ہے اور اس کو ضرر میں مبتلا کرنا ہے۔

----- حواشی -----

[380] - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ۷ ص ۸۰ حديث نمبر : ۶۱۹۳المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق :الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت

[381] - التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد ج ۱۱ ص ۱۷۲ المؤلف : أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمري القرطبي (المتوفى : 463هـ)المحقق : مصطفى بن أحمد العلوى و محمد عبد الكبير البكرى ،الناشر : مؤسسة القرطبه ،

[382] -الْأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُج ۱ ص ۹۰ عَلَى مَذْهَبِ أَبِي حَنِيْفَةَ النُّعْمَانِ المؤلف : الشَّيْخ زَيْنُ الْعَابِدِيْنَ بْنِ إبْرَاهِيْمِ بْنِ نُجَيْمٍ (926–970هـ) المحقق : الناشر : دار الكتب العلمية،بيروت ،لبنان الطبعة :1400هـ=1980م-

گاڑیوں کا استعمال

(۲) ایک اہم ترین سوال گاڑیوں سے متعلق ہے، گاڑیاں ڈیزل سے بھی چلتی ہیں اور پٹرول، گیس اور بیٹری سے بھی، بلکہ شمسی توانائی کو بھی قابل استعمال بنانے کی کوشش کی جارہی ہے، ماہرین کے مطابق ڈیزل گاڑیوں سے پٹرول، گیس وغیرہ کے مقابلے میں آلودگی کا زیادہ اندیشہ ہے اسی لئے بعض مقامات پر انتظامیہ کی طرف سے ایسے قواعد بھی بنائے جاتے ہیں جن کے مطابق ڈیزل گاڑیاں استعمال نہ کی جائیں یا کم سے کم کی جائیں، ان قوانین پر عمل کرنے کی حیثیت کیا ہوگی اور خود اپنے طور پر بھی ترجیحی نقطۂ عمل کیا ہونا چاہئے؟

گاڑیاں آج کے دور میں انسان کی بنیادی ضروریات میں شامل ہے، ان سے سفری تقاضے ہی نہیں بلکہ بہت سے لوگوں کا معاش بھی وابستہ ہے کہ اس کے بغیر بڑے شہروں میں انسان نہ ڈیوٹی دے سکتا ہے اور نہ کہیں آمدورفت کرسکتا ہے، کتنے لوگ ٹرانسپورٹ کے شعبہ ہی سے جڑے ہوئے ہیں وغیرہ۔۔ اور روزمرہ کے استعمال کی چیزوں میں ہر شخص کم سے کم گرانباری کا خواہشمند ہوتا ہے، بلکہ ہر شخص مہنگے وسائل کا متحمل بھی نہیں ہوسکتا، اس طرح کے مواقع پر فقہاء کے ان قواعد سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، جن میں مشقت کو باعث تخفیف قرار دیا گیا ہے:

الضرر يزال------المشقة تجلب التيسير-----إذاضاق الأمراتسع.وقد عزا الخطابي هذه العبارةإلى الشافعي–رضي الله عنه–عند كلامه على الذباب يقع في الماءالقليل ، ويقرب منها "الضرورات تبيح المحظورات[383]۔

----- حواشی---

[383] - الأشباه والنظائر . للإمام تاج الدين السبكى ج ١ ص ٥٨ المؤلف : الإمام العلامة / تاج الدين عبد الوهاب بن علي ابن عبد الكافي السبكي الناشر : دار الكتب العلمية الطبعة الأولى 1411 هـ – 1991م عدد الأجزاء / 2 –كذا فى التقرير والتحبير ج ٥ ص ۴٨٦تأليف: محمد بن محمد ابن أمير الحاج الحنبلي دراسة وتحقيق: عبد الله محمود محمد عمر الناشر: دار الكتب العلمية –بيروت الطبعة الاولى 1419هـ/1999م -و الأشباه و النظائر في قواعد و فروع فقه الشافعية ج ١ ص ١٨۴المؤلف : عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى : 911هـ) الناشر : دار الكتب العلمية بيروت – لبنان -و أنوار البروق في أنواع الفروق ج ٧ ص ٣٨٣ المؤلف : أبو العباس شهاب

اسی کے ساتھ ان قواعد کو بھی شامل کیا جائے کہ:

مَا أُبِيحَ لِلضَّرُورَةِ يُقَدَّرُ بِقَدْرِهَا----يُتَحَمَّلُ الضَّرَرُالْخَاصُّ؛لِأَجْلِ دَفْعِ ضَرَرِالْعَامِّ[384]

جس حکم کی بنیاد ضرورت پر ہو وہ بقدر ضرورت ہی ہوتی ہے،---- نیز ضرر عام سے بچنے کے لئے ضرر خاص قابل تحمل ہوتا ہے۔

اسی ضمن میں فقہاء نے کپڑے کی دکانوں کے علاقے میں کھانا پکانے کا ہوٹل بنانے سے منع کیا ہے کہ مبادا کوئی چنگاری کپڑوں کو نقصان نہ پہونچادے[385]، جبکہ ہوٹل انسان کی ضروریات میں شامل ہے، لیکن اس کے لئے مناسب مقام کا انتخاب کرنا ہوگا، اس قسم کی اور بھی جزئیات تفصیل کے ساتھ گذشتہ صفحات میں نقل کی جاچکی ہیں، ان ضوابط اور مباحث سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ بلاشبہ گاڑیاں انسان کی لازمی ضرورت ہیں، اور ہر شخص مہنگے ایندھن کا متحمل نہیں ہوسکتا، اور نہ ہر علاقے میں دھواں سے نکلنے والا دھواں ناقابل تحمل ہوتا ہے، چھوٹے شہروں میں یا کھلی آبادیوں میں گاڑیاں بھی کم ہوتی ہیں، اور فضا بھی کھلی ہوتی ہے، اس لئے عام علاقوں میں ڈیزل گاڑی ترک کرنے کے لئے کوئی ترجیحی وجہ نہیں ہے، بلکہ نسبتاً ارزاں ہونے کی بنیاد پر عام لوگوں کے لئے اسی کے استعمال میں سہولت زیادہ ہے، اور اس پر پابندی عائد کرنے میں ان کا ضرر ہے ،البتہ بڑے شہروں یا جن مقامات میں انتظامیہ محسوس کرے کہ یہاں ڈیزل گاڑیوں کا ستعمال عام زندگی کے لئے نقصان دہ ہو ہے، وہاں انتظامی قواعد کی رعایت کرنا واجب ہے، اور اگر حکومت کی طرف سے کوئی قانون

----- حواشی---

الدين أحمد بن إدريس المالكي الشهير بالقرافي (المتوفى : 684هـ)–و الموافقات ج ٥ ص ٩٩ المؤلف : إبراهيم بن موسى بن محمد اللخمي الغرناطي الشهير بالشاطبي (المتوفى : 790هـ) المحقق : أبو عبيدة مشهور بن حسن آل سلمان الناشر : دار ابن عفان الطبعة : الطبعة الأولى 1417هـ/ 1997م عدد الأجزاء : 7 ، غمز عيون البصائر في شرح الأشباه والنظائر ج ٢ ص ٨٨ المؤلف : أحمد بن محمد الحنفي الحموي (المتوفى : 1098هـ) -

384 - الْأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُج ١ ص ٨٧ عَلَى مَذْهَبِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَانِ المؤلف : الشَّيْخ زَيْنُ الْعَابِدِيْنَ بْنِ إِبْرَاهِيْمِ بْنِ نُجَيْمٍ (926–970هـ) المحقق : الناشر : دار الكتب العلمية،بيروت،لبنان الطبعة :1400هـ=1980م-

385 -حوالۂ بالا۔

ممانعت موجود نہ ہو تب بھی حسب امکان ضرر عام سے بچنے کے لئے ڈیزل گاڑیوں کا ترک مستحب ہو گا۔

حکومتی قوانین کی رعایت

☆ حکومت کے انتظامی قواعد کی رعایت ایک تو ضرر کی بنیاد پر ہے۔

☆ دوسرے مسلمان جس ملک کا شہری ہوتا ہے حسب ضابطۂ شہریت وہاں کے قوانین تمدن کی جائز حدود میں ممکنہ رعایت ضروری ہے کہ مسلمان اپنے عہد کی پاسداری کا پابند ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« الْمُسْلِمُونَ عِنْدَ شُرُوطِهِمْ فِيمَا وَافَقَ الْحَقَّ [386] »

ترجمہ: موافق حق معاملات میں مسلمان شرائط کا پابند ہوتا ہے۔

فقہاء نے قومی اور بین الاقوامی بے شمار مسائل میں اس حدیث کو بنیاد بنایا ہے [387]۔

علاوہ ازیں مسلمان کی عزت و حرمت کی حفاظت مقاصد دین بلکہ ضروریات ستہ (حفاظت دین، حفاظت جان، حفاظت مال، حفاظت عقل، اور حفاظت آبرو یا نسب) میں شامل ہے [388]، ملکی قوانین کی خلاف ورزی کی صورت میں اس کی عزت و آبرو خطرہ میں پڑ سکتی ہے، اس لئے بلا کسی عذر شرعی کے اس کو خطرہ میں

----- حواشی ---

386 - السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي ج ٧ ص **٢٤٩ حديث نمبر:١٤٨٢١** المؤلف : أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي مؤلف الجوهر النقي: علاء الدين علي بن عثمان المارديني الشهير بابن التركماني المحقق : الناشر : مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آباد الطبعة : الطبعة : الأولى . **1344** هـ عدد الأجزاء : **10** –

امام بخاریؒ نے اس روایت کو ترجمۃ الباب میں تعلیقاً نقل کیا ہے۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۹۴۔

387 - بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۴ ص ١٩٠ تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي **587**هـ دار الكتب العلمية – بيروت – لبنان الطبعة الثانية **1406**هـ – **1986**م .

388 - شرح مختصر الروضة ج ٣ ص ٢٠٩ المؤلف : سليمان بن عبد القوي بن الكريم الطوفي الصرصري، أبو الربيع، نجم الدين (المتوفى : **716**هـ) المحقق : عبد الله بن عبد المحسن التركي الناشر : مؤسسة الرسالة الطبعة : الأولى ، **1407** هـ / **1987** م عدد الأجزاء : **3** ٭ تيسير الوصول إلى قواعد الأصول ومعاقد الفصول ج ١ ص ٣٧٢ للإمام عبد المؤمن بن عبد الحقّ البغدادي الحنبلي (**658 . 739**هـ) شرح : عبد الله بن صالح الفوزان المدرّس . سابقاً . بجامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية فرع القصيم مقدمة الطبعة الثانية «وهي الأولى لدار ابن الجوزي-

ڈالنا درست نہیں۔

روشنی کے لئے جنزیٹر کا استعمال

(۳) یہی حکم روشنی کے حصول کے لئے جنزیٹر کا بھی ہے، ڈیزل اور مٹی تیل سے جو جنزیٹر چلتے ہیں وہ بہت دھواں دیتے ہیں، جبکہ گیس اور پٹرول سے چلنے والے جنزیٹر کم دھواں دیتے ہیں، روشنی انسان کی لازمی ضرورت ہے اس سے چارۂ کار نہیں ہے، اس لئے جنزیٹر کے استعمال پر پابندی عائد کرنا ممکن نہیں، البتہ اگر بسہولت کم دھواں والا جنزیٹر میسر ہو، تو اسی کو استعمال کرنا چاہئے، بصورت دیگر گنجان علاقے یا بڑے شہروں میں ان کے استعمال سے گریز کرنا چاہئے، اور اگر ملک کا شہری قانون اس پر پابندی عائد کرے تو اس سے پرہیز کرنا واجب ہے۔

سولر لائٹ کا استعمال

(۴) ایندھن کے مذکورہ وسائل کے ساتھ ساتھ اس وقت شمسی توانائی کا استعمال کافی بڑھ رہا ہے، حکومت بھی اس کے لئے بعض سہولتیں فراہم کررہی ہیں، اس میں ایک بار ضرور خطیر رقم خرچ ہو جاتی ہے لیکن آئندہ وہ برقی بلوں سے بچ جاتا ہے، صاحب استطاعت افراد اور اداروں کے لئے آلودگی سے محفوظ اس توانائی کا استعمال مستحسن قرار پائے گا بالخصوص آلودگی سے متأثرہ علاقوں میں اس کی حوصلہ افزائی ہونی چاہئے کہ اس میں مالی بچت بھی ہے اور آلودگی سے تحفظ بھی، اور اس کو مستقبل کی بہتر منصوبہ بندی بھی قرار دیا جا سکتا ہے، پیغمبر خدا حضرت یوسفؑ نے بادشاہ مصر کو مالی وسائل کے حصول اور ترقی کا جو مشورہ دیا تھا اور جس کی بنا پر ملک آئندہ کے مالی بحران سے محفوظ رہا تھا، یہ مستقبل کی منصوبہ بندی ہی تھی، اگر بادشاہ حضرت یوسفؑ کے مشورہ کے مطابق اپنے تمام وسائل استعمال نہ کرتا تو آئندہ کے لئے اسے راحت نہیں مل سکتی تھی، اور ظاہر ہے کہ یہ کام مصر کا ہر شہری انجام نہیں دے سکتا تھا، یہ حکومت کے اختیار کی چیز تھی، اس سے بجا طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ صاحب استطاعت حضرات بہتر مستقبل کے لئے نسبتاً مہنگے وسائل کا استعمال کریں جن کی بدولت وہ آئندہ مالی گرانباریوں سے محفوظ رہ سکتے ہوں تو اسوۂ یوسفی سے اس کے جواز بلکہ استحسان پر

استدلال کیا جاسکتا ہے۔

کارخانوں کی کثرت

(۵) صنعتی ترقی کے اس دور میں چھوٹے بڑے کارخانوں کی بہتات ہے اور یہ یقیناً موجودہ دور کی ایک ضرورت ہے، لیکن کارخانوں میں جو ایندھن استعمال کیا جاتا ہے وہ بہت دھواں پیدا کرنے والا ہوتا ہے ،اور جو صنعتی فضلات باہر پھینکے یا بہائے جاتے ہیں، وہ فضائی آلودگی پیدا کرتے ہیں اس لئے حکومت نے اس کے لئے کئی قوانین بھی بنائے ہیں مثلاً کارخانے آبادیوں سے باہر ہوں، ان کی چمنیوں کو ایک خاص سطح تک اونچا رکھا جائے، کم سے کم آلودگی پیدا کرنے والے ایندھنوں کا استعمال کیا جائے، اسی طرح فضلات کو تحلیل کرنے کی تدابیر اختیار کی جائیں، ظاہر ہے کہ یہ قوانین انسانی بھلائی ہی کے نقطۂ نظر سے بنائے گئے ہیں، ان قوانین کی خلاف ورزی ازروئے شرع درست نہیں، گذشتہ صفحات میں ایسی متعدد فقہی جزئیات نقل کی گئی ہیں جن میں مختلف کاروباروں کو فقہاء نے آبادی سے باہر یا مخصوص علاقوں میں کرنے کی ہدایت دی ہے، اور آبادیا گنجان علاقوں میں ان کو کرنے سے منع کیا ہے، اور ان کو ضرر فاحش یا ضرر غیر عادی وغیرہ سے تعبیر کیا ہے۔

عوامی مقامات پر فضلات اور کچرے ڈالنا

(٦) انسان جانور سے بھی غذا حاصل کرتا ہے، جانور کے قابل استعمال اجزاء کے حاصل کرنے کے بعد بعض اجزاء جیسے خون، اوجھڑی وغیرہ ضائع کر دی جاتی ہے، نباتات کے مقابلے میں جانوروں میں جلد تعفن پیدا ہو جاتا ہے، اور یہ بہت تیزی سے فضا کو آلودہ کرتے ہیں، اس سے بکثرت بیماریاں پیدا ہوتی ہیں ،بالخصوص جب بیک وقت بہت سارے جانور ذبح کئے جائیں، جیسا کہ قربانی کے وقت ہوتا ہے، ایسے مواقع پر امکانی نقصانات سے بچنے کے لئے خصوصی ہدایات تو موجود نہیں ہیں، لیکن اسلام کے اصول نظافت و طہارت کا تقاضا ہے کہ اس طرح کے کام کرنے والے لوگوں کی خود ذمہ داری بنتی ہے کہ آباد علاقوں میں اس قسم کی غلاظتیں نہ پھیلائیں، بلکہ ان کو ان کے مخصوص مقامات پر ڈالیں جیسا کہ تمام کتب فقہ میں مختلف

ابواب کے تحت مزبلہ، مجزرہ، مربض وغیرہ کے الفاظ ملتے ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر دور میں غلاظتوں کے لئے مخصوص مقامات رہے ہیں۔۔۔۔

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک قوم کے سباطۃ (یعنی گندگی ڈالنے کی مخصوص جگہ) پر تشریف لائے اور پیشاب فرمایا[389]،

جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہد نبوت میں بھی گندگی اور کچرا وغیرہ ڈالنے کی مخصوص جگہیں تھیں

☆اسی طرح پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ شریعت نے راستے سے گندگی اور تکلیف دہ چیزوں کے ہٹانے کا حکم دیا ہے۔

☆کوئی درخت مسافروں کو تکلیف پہونچاتا ہو تو اس کو کاٹنے کی تلقین کی گئی ہے:

إِنَّ شَجَرَةً كَانَتْ تُؤْذِى الْمُسْلِمِينَ فَجَاءَ رَجُلٌ فَقَطَعَهَا فَدَخَلَ الْجَنَّةَ[390]

(حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک درخت مسلمانوں کو تکلیف پہونچاتا تھا ایک شخص نے اسے کاٹ دیا تو جنت کا مستحق ہو گیا)

عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- أَنَّهُ قَالَ « نَزَعَ رَجُلٌ لَمْ يَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ غُصْنَ شَوْكٍ عَنِ الطَّرِيقِ إِمَّا كَانَ فِى شَجَرَةٍ فَقَطَعَهُ وَأَلْقَاهُ وَإِمَّا كَانَ مَوْضُوعًا فَأَمَاطَهُ فَشَكَرَ اللَّهُ لَهُ بِهَا فَأَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ[391]

----- حواشی---

389 - الجامع الصحيح المختصر ج ١ ص ٩٠ حديث نمبر : ٢٢٢ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي ،الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت ،الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 ،تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق ،عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا

390 - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ٨ ص ٣٤ حديث نمبر:٦٨٣٨ المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق :الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت الطبعة : عدد الأجزاء : ثمانية أحزاء في أربع مجلدات

391 - سنن أبي داود ج ٤ص ٥٣٢ حديث نمبر:٥٢٤٧ المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي . بيروت عدد الأجزاء : 4

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص نے کبھی کوئی نیک عمل نہیں کیا تھا اس نے راستہ سے کانٹے دار شاخ ہٹادی، یا کانٹا دار درخت تھا اس کو کاٹ دیا، یا کہیں دور جاکر ڈال دیا، یا راستہ پر کانٹار کھا ہوا تھا اس کو ہٹادیا، تو اللہ پاک نے اس کے اس عمل کی قدردانی فرماتے ہوئے اس کو جنت میں داخل فرمادیا۔

☆عام جگہوں پر پیشاب پاخانہ کرنے بلکہ تھوکنے بھی سے منع کیا گیا ہے، اگر کسی نے تھوک دیا تو حکم دیا گیا کہ اس کو دفن یا صاف کر دے،

☆اجتماعی مواقع پر بدبودار چیزیں کھاکر آنے سے منع کیا گیا ہے۔

☆فقہ حنفی کے حوالے سے گذر چکا ہے کہ عام راستہ میں اگر کوئی شخص بیت الخلا بنادے، یا پرنالہ کھول دے جس کا پانی راستے پر گرتا ہو اور اس سے عام لوگوں کو دشواری ہوتی ہو تو یہ قانوناً ممنوع ہے اور اس کے خلاف عدالت میں استغاثہ کیا جاسکتا ہے، بلکہ مخصوص راستوں میں بھی تمام شرکاء کی رضامندی ضروری ہے[392]

کتاب الخراج میں حضرت امام ابو یوسفؒ تحریر فرماتے ہیں:

لاینبغی لاحد ان یحدث شیئاً فی طریق المسلمین ممایضرہم ولایجوز للامام ان یقطع شیئاً من طریق المسلمین ممافیہ الضرر علیہم ولایسعہ ذلک [393]

(ترجمہ: کسی کے لئے جائز نہیں کہ راستہ میں ایسا کام کرے جو مسلمانوں کے لئے تکلیف دہ ہو اور نہ حکومت کے لئے یہ جائز ہے کہ کسی کے لئے اس طرح کا عمل

----- حواشی -----

[392] - مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر ج ٤ص٣٦٠ عبد الرحمن بن محمد بن سليمان الكليبولي المدعو بشيخي زاده سنة الولادة / سنة الوفاة 1078هـ تحقيق خرح آياته وأحاديثه خليل عمران المنصورالناشر دار الكتب العلمية سنة النشر 1419هـ – 1998م مكان النشر لبنان/ بيروت عدد الأجزاء 4 -

[393] -كتاب الخراج ص ١٠١ -

کرے ، یہ اختیار حکومت کو بھی حاصل نہیں ہے بصورت دیگر اگر غلاظت پھیلانے والوں کا تعین نہ ہو سکے تو حکومت کی ذمہ داری ہے ، کہ وہ اس تعلق سے ضروری اقدامات کرے، اور تمام گندے مقامات سے غلاظتوں کو صاف کرائے:

☆ فقہ مالکی کا ایک جزئیہ پہلے نقل کیا جا چکا ہے کہ کسی خالی پڑی ہوئی زمین پر لوگ کچرا ڈال جاتے ہوں، جس سے آس پاس میں سخت بدبو پھیلتی ہو اور کچرا ڈالنے والوں کا تعین نہ ہو تو زمین کا مالک اس کی صفائی کا ذمہ دار ہو گا گو کہ وہ خود کوئی کچرا نہ ڈالتا ہو[394]۔

☆ ایک روایت قبل میں گذر چکی ہے کہ ایک بار حضور ﷺ نے مسجد کی دیوار پر کسی کے تھوک کے نشانات دیکھے، تو آپؐ نے ناگواری کا اظہار فرمایا اور اپنے دست مبارک سے صاف فرمایا۔۔۔۔۔

اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ گندگی پھیلانے والوں کا پتہ نہ ہو تو مملوکہ زمین میں مالک زمین اور عام اراضی اور مقامات پر حکومت اس کی صفائی کے لئے جوابدہ ہے۔

پلاسٹک کی تھیلیاں

(۷) سامان کی پیکنگ بھی ایک اہم ضرورت ہے، لیکن اس کے لئے آج کل جس قسم کی پلاسٹک کی تھیلیاں دستیاب ہیں وہ زمین میں تحلیل نہیں ہوتیں اور اگر ان کو جلایا جائے تو بہت کثیف دھواں پیدا ہوتا ہے ، مگر سستا اور خوشنما ہونے کی وجہ سے اس کا بکثرت استعمال کیا جاتا ہے، ماہرین اس کو ماحولیات کے لئے بہت خطرناک تصور کرتے ہیں۔ ایسی چیزوں کے استعمال سے پرہیز کرنا چاہئے ، اور اگر اس کی ممانعت کا قانون بنتا ہے تو اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے ، اور اگر ایسا کوئی قانون موجود نہ ہو اور ماہرین کے مطابق یہ نقصان دہ ہو تو بھی اس سے احتراز کرنا چاہئے، اور اگر استعمال کیا جائے تو جلانے کے مقابلے میں دفن کرنے کو ترجیح دی جائے، حنفیہ بھی سخت کثافت پھیلانے والی اور دھواں خیز چیزوں کے استعمال سے منع کرتے ہیں:

۔۔لم يجز لأنه يضر بجيرانه ضررا فاحشا لا يمكن التحرز عنه فإنه يأتي منه

----- حواشی---

394 - تبصرة الحكام ج ۲ ص ۲۶۳۔

الدخان الكثير[395]۔

(یہ جائز نہیں اس لئے کہ اس سے پڑوسیوں کو ایسا ضرر پہونچتا ہے جس سے بچنا ممکن نہیں کیونکہ اس سے بہت زیادہ دھواں نکلتا ہے)

سگریٹ وغیرہ کا استعمال

(۸) اسی طرح تمباکو کی اشیا جیسے سگریٹ، بیڑی اور حقہ وغیرہ کا استعمال بذات خود کراہت سے خالی نہیں، پھر ان سے جو کثیف دھواں نکلتا ہے اس کا نقصان آس پاس والوں کو بھی ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج کل ایر پورٹ اور عوامی مقامات پر ایسی چیزوں کے استعمال کے لئے اسموکنگ زون بنائے گئے ہیں، تاکہ عام لوگ ان کے اثرات بد سے محفوظ رہیں، شرعی طور پر ایسی چیزوں کا استعمال کرنا مکروہ ہے، اور جن مقامات پر ان کا استعمال ممنوع ہو وہاں ان کا استعمال کرنا درست نہیں ہے۔

عوامی مقامات پر استنجا کرنا

(۹) ہمارے ملک میں اب بھی بہت سے گھروں میں بیت الخلا نہیں ہیں، اور لوگ کھیتوں میں یا سڑکوں کے کنارے رفع حاجت کرتے ہیں، اور پیشاب تو عوامی مقامات جیسے ریلوے اسٹیشنوں، بس اسٹینڈ وغیرہ پر بے تکلف کیا جاتا ہے، بہت سے لوگ گندا پانی اور فضلات کھلی نالیوں میں بلکہ گلیوں میں بہا دیتے ہیں، جس سے لوگوں کو تکلیف پہونچتی ہے اور اس سے فضائی آلودگی بھی پیدا ہوتی ہے، اس قسم کے اعمال سے گریز کرنا از روئے شرع لازم ہے:

کھلے میں پیشاب پاخانہ کرنے کا رواج بہت قدیم ہے، عہد نبوت میں بھی اکثر لوگ کھیتوں وغیرہ ہی میں استنجا کی حاجت کے لئے جاتے تھے، مگر نبی کریم ﷺ نے ہدایت کی تھی کہ عوامی مقامات، اور راستے وغیرہ پر غلاظت نہ کی جائے، پردہ کی جگہوں کا انتخاب کیا جائے، اور حتی الامکان پانی کا استعمال کیا جائے اس

----- حواشی---

[395] - حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ۵ ص ۴۴۹ ابن عابدين. الناشر دار الفكر للطباعة والنشر. سنة النشر 1421هـ – 2000م. مكان النشر بيروت. عدد الأجزاء 8 ۔

سے طہارت کے علاوہ دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ غلاظتیں زیر زمین پیوست ہو جاتی ہیں۔۔۔ آج کے دور میں بیت الخلا بنانے کا عمومی رجحان ہے، اور تقریباً تمام ہی عوامی مقامات پر استنجاو غیرہ کا پورا نظم موجود ہے ،ان حالات میں عوامی مقامات، کھلی جگہوں، یا راستے وغیرہ میں پیشاب پاخانہ کرنا اسلامی ہدایات کی صریح خلاف ورزی ہے، نیز فضائی آلودگی اور لوگوں کے لئے باعث ضرر ہونے کی بنا پر ممنوع ہے۔

عوامی مقامات پر تھوکنا

(۱۰) تھوک اور اگر تھوکنے والے نے کوئی نقصان دہ چیز کھا رکھی ہے تو یہ بھی مضر صحت جراثیم پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ماحول کو نقصان پہونچاتے ہیں، اسی لئے بعض ملکوں میں سڑک اور عوامی مقامات پر تھوکنے کو قانوناً ممنوع قرار دیا گیا ہے، اور بہت سے عوامی مقامات پر تھوک دان بنادیئے گئے ہیں، شریعت میں بھی عوامی مقامات پر تھوکنا ممنوع ہے، بالخصوص اگر اس نے کوئی زہریلی چیز کھا رکھی ہو:

☆جیسا کہ بدبودار چیز کھا کر مسجد آنے سے منع کیا گیا[396]، ☆حضور ﷺ نے ایک امام مسجد کو دیوار مسجد پر بے احتیاطی کے ساتھ تھوکنے کی پاداش میں امامت سے معزول فرمادیا[397]☆دیوار مسجد پر تھوک کے اثرات دیکھ کر آپ نے سخت ناگواری کا اظہار فرمایا[398]، ☆جہاں تہاں تھوکنے سے بھی آپ نے منع فرمایا ہے، بلکہ موقعہ محل کے لحاظ سے بائیں یا زیر قدم تھوکنے کی ہدایت فرمائی[399]۔اس لئے اس سلسلے میں قانون ممانعت کی حوصلہ افزائی ہونی چاہئے۔

----- حواشی---

[396] - صحيح البخاري ج ۵ ص ۲۰۷۷ حديث نمبر : ۵۱۳۷ ،

[397] - سنن أبي داود ج ۱ ص ۱۸۱ حديث نمبر:۴۸۱المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي . بيروت عدد الأجزاء : 4

[398] - الجامع الصحيح المختصر ج ۱ ص ۱۵۹ حديث نمبر :۳۹۸ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987۔

[399] - الجامع الصحيح المختصر ج ۱ ص۱۶۰ حديث نمبر :۴۰۰ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987۔

شعاعوں کو جنم دینے والی مشینیں

(۱۱) مختلف مشینیں مثلاً فریج، واشنگ مشین، ایر کنڈیشن، ٹی وی اور موبائل وغیرہ شعاعوں کو جنم دیتی ہیں، ماہرین کا خیال یہ ہے کہ بکثرت ان کے استعمال کی وجہ سے پرندوں اور کیڑے مکوڑوں میں کمی آتی جارہی ہے، جب کہ ماحول کے تحفظ میں ان کا اہم کردار ہے۔

شرعی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو مذکورہ اشیاء میں سے اکثر آج کے دور میں انسانی ضروریات میں شامل ہیں، اس لئے بالکلیہ ان پر ممانعت عائد کرنا تو بہت مشکل ہے، کہ یہ خود اصحاب ضرورت کو ضرر میں مبتلا کرنا ہوگا، البتہ حد ضرورت سے زائد استعمال کرنا منع ہے، کہ ضرورت سے زیادہ استعمال اسراف ہے، مضر صحت بھی ہے اور ماحولیاتی آلودگی کا باعث بھی۔

جنگلات اور درختوں کا تحفظ

(۱۲-الف، ب) ماحولیات کے تحفظ میں پیڑ پودوں کا بنیادی کردار ہے، ان میں زہریلی گیسوں کو تحلیل کرکے صالح گیسیں فراہم کرنے کی زبردست صلاحیت ہے، سبزہ زار علاقے ہر جاندار کے لئے صحت بخش بھی ہوتے ہیں اور فرحت افزاء بھی، ہرے بھرے علاقے میں جو روحانی اور ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے، وہ کسی اور جگہ نہیں ہو سکتا، اسی لئے اسلام نے شجر کاری اور زمینوں کی آباد کاری کی بڑی ترغیب دی ہے، لگانے والے کے لئے اس کو باعث اجر وثواب اور مسافروں اور عام مخلوقات کے لئے باعث رحمت قرار دیا ہے، بلاضرورت اس کو کاٹنے سے منع کیا ہے اور اس پر عذاب الٰہی کی وعید سنائی ہے[400]۔ تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

جمہور فقہاء کے نزدیک ہرے بھرے درختوں کو خواہ وہ پھلدار ہوں یا نہ ہوں، کاٹنا اجتماعی جرم اور

----- حواشی--

[400] - سنن البيهقي الكبرى ج٦ص١٤٠حدیث نمبر:١١٥٤٤ المؤلف : أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر البيهقي الناشر : مكتبة دار الباز – مكة المكرمة ، 1414 – 1994 تحقيق : محمد عبد القادر عطا عدد الأجزاء : 10 -

زیادتی ہے[401] اس لئے کہ یہ مفاد عامہ کی چیزیں ہیں اور ان سے تمام خلق خدا کا حق وابستہ ہے، حدیث میں ہے کہ:

الناس شركاء في ثلاث في الماء والكلأ والنار[402]

سارے لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں، پانی، گھاس، اور آگ۔

البتہ زراعت کے نقطۂ نظر سے یا انسانی تغذیہ کی حاجت کے پیش نظر درختوں کی کٹائی کا استثنا کیا گیاہے، کہ غذا انسان کی بنیادی ضرورت ہے، اسی لئے بعض روایات میں الا من زرع کا استثناء منقول ہے یعنی زراعت کے تحفظ کے لئے کسی درخت کو کاٹا جائے تو وہ عذاب الٰہی کا مستحق نہیں ہو گا:

من قطع السدر إلا من زرع صب عليه العذاب صبا[403]

(جو بیری کا درخت کاٹے گا اس پر عذاب الٰہی نازل ہو گا الا یہ کہ زراعت کے نقطۂ نظر سے کاٹا گیا ہو)

غذا کی طرح مکان بھی انسان کی بنیادی ضرورت ہے اسی لئے قرآن کریم میں مردوں کو اپنے اہل وعیال کے لئے نان ونفقہ کی طرح (سکنیٰ) رہائشی مکان فراہم کرنے کا بھی حکم دیا گیاہے:

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ[404]

ترجمہ: حسب استطاعت اپنے مقام پر اپنی بیویوں کو رہائش فراہم کرو اور ان کو ضرر

----- حواشی---

401 -ردالمحتار لابن عابدين ج ٥ ص ٢٣٨ ،المهذب ج ٢ ص ٢٥١ ۔

402 - [مسند الحارث –زوائد الهيثمي]الكتاب : بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث ج ١ ص ٥٠٨ المؤلف : الحارث بن أبي أسامة / الحافظ نور الدين الهيثمي الناشر : مركز خدمة السنة والسيرة النبوية – المدينة المنورة الطبعة الأولى ، 1413 – 1992 تحقيق : د. حسين أحمد صالح الباكري عدد الأجزاء : 2

403 - سنن البيهقي الكبرى ج٦ص١٤٠حدیث نمبر:١١٥٤٤ المؤلف : أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر البيهقي الناشر:مكتبة دارالباز–مكة المكرمة ، 1414 – 1994 تحقيق : محمد عبد القادر عطا عدد الأجزاء : 10

404 -الطلاق : ٦ ۔

نہ پہونچاؤ کہ ان کو ضیق میں ڈال دو۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ رہائش کی تنگی بھی ضرر میں داخل ہے، بدائع الصنائع میں علامہ کاسانیؒ نے بھی اس آیت کے ضمن میں یہی بات لکھی ہے:

فتضيقوا عليهن المسكن فيخرجن[405]

اس لحاظ سے اگر انسانی رہائش میں وسعت پیدا کرنے کی غرض سے پیڑ پودے کاٹنے کی ضرورت پڑے تو وہ بھی اس حدیث کے دائرہ سے خارج ہوگا، اسی لئے فقہاء نے حسب ضرورت اپنی ملکیت کے پیڑ پودے کاٹنے کو درست قرار دیا ہے۔

وَكَمَا أَرَيْنَاكَ مِنْ التَّضَرُّرِ بِقَطْعِ الشَّجَرَةِ الْمَمْلُوكَةِ لِلْقَاطِعِ[406]

ترجمہ: یعنی ہماری رائے میں کسی کے مملوکہ درخت کے کاٹنے پر پابندی لگانا اس کو ضرر پہونچانے کے مترادف ہے۔

اس تفصیل کے مطابق رہائشی پلاٹنگ کی غرض سے جنگلات اور مزروعات کو کاٹنے کی اجازت ہے ،اس لئے کہ شہری اور گنجان علاقے میں پلاٹنگ مہنگی اور عام انسانون کی دسترس سے باہر ہوتی ہے، لیکن شہر سے باہر بیابانی علاقوں میں یہ نسبتاً سہل الحصول ہوتی ہے، اور غریب اور متوسط طبقہ کے لوگ اپنے لئے رہائشی زمینیں خرید سکتے ہیں، گو کہ پلاٹنگ کرنے والے کو بھی اس میں کافی منافع ہوتے ہیں جو اس پلاٹنگ کے لئے اہم محرک بنتے ہیں، لیکن عام انسانی حاجات کے پیش نظر شخصی منفعت پسندی کو نظر انداز کیا جائے گا،۔۔۔ ہاں اگر واقعتاً اس طرح کی ہوسِ دولت اور جوع الارض موجود ہو اور عام لوگوں کو اس کی کوئی خاص ضرورت نہ ہو تو اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی جائے گی، بشرطیکہ ان سے ماحولیاتی خوشگواری متاثر ہوتی ہو اور محض

----- حواشی---

405 - بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۹ ص ۴۰ تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي 587ھ دار الكتب العلمية – بيروت – لبنان الطبعة الثانية 1406ھ – 1986م۔

406 - شرح فتح القدير ج ۷ ص ۳۲۶ كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي سنة الولادة / سنة الوفاة 681ھ الناشر دار الفكر مكان النشر بيروت -

توہمات کو بنیاد نہ بنایا گیا ہو۔

تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

☆اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس دنیا میں پیدا کیا ہے، اس میں اس کی راحت وسکون کے اسباب بھی پیدا فرمائے ہیں، ان میں بعض ایسی چیزیں ہیں، جو آلودگی کا سبب بنتی ہیں ،لیکن رب کائنات نے اسی دنیا میں ایسے وسائل بھی پیدا فرمادیئے ہیں ،جو آلودگیوں کو تحلیل کرتے رہتے ہیں، انسان کو ان کے مضر اثرات سے بچاتے ہیں ،اور جو چیزیں آلودگی کا سبب بنتی ہیں ،وہی تحلیل ہونے کے بعد کائنات کے فطری نظام میں تقویت اور بہتری کا باعث بن جاتی ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صنعتی انقلاب نے جہاں انسانیت کو بہت سے مفید وراحت بخش وسائل زندگی فراہم کئے ہیں ،وہیں ان کی وجہ سے فضائی ، آبی ،اور صوتی آلودگیوں میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے ، موسموں کا توازن متاثر ہوا ہے، طرح طرح کی بیماریاں جنم لے رہی ہیں ،اور سائنس دانوں کا خیال ہے کہ اگر اس پر قابو نہیں پایا گیا، تو اس کے نتائج انسانیت کے لئے نہایت تکلیف دہ اور ہلاکت خیز ہونگے ،ان آلودگیوں کو جذب کرنے کے وسائل کی بھی سائنس نے رہنمائی کی ہے، لیکن کم سے کم اخراجات کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کی غرض سے صنعت کاران کا استعمال نہیں کررہے ہیں ،جو غیر اسلامی اور غیر انسانی طرز عمل ہے ،اس پس منظر میں حسب ذیل تجویزیں منظور کی جاتی ہیں:

☆صنعت کاروں پر واجب ہے کہ اگر ایسی صنعتیں قائم کریں جو آلودگی پیدا کرتی ہوں تو ایسے وسائل بھی استعمال کریں جو ان آلودگیوں کو تحلیل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں، تا کہ ماحول کو اور ماحول کے واسطے سے دوسرے انسانوں کو اس کا نقصان نہیں پہونچے۔

☆ملٹی نیشنل کمپنیوں کا ملک میں آنا بعض جہتوں سے یقیناً مفید ہے، کہ اس سے مارکیٹ میں مسابقت پیدا ہوتی ہے، اور صارفین کو معیاری اشیاء فراہم ہوتی ہیں، لیکن یہ صنعتیں اپنے ساتھ صنعتی فضلوں کا انبار اور مختلف نوع کی آلودگیاں بھی ساتھ لا رہی ہیں، اس لئے سیمینار حکومت ہند سے مطالبہ کرتا ہے، کہ ملکی کمپنیاں ہوں یا غیر ملکی ان کے لئے ایسے قوانین بنائے جائیں، اور ان پر عمل کا پابند کیا جائے جو ماحول کے تحفظ میں معاون ہوں اور مضر اثرات سے بچاتے ہوں۔

☆تمام ابنائے وطن کو ہدایت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے ماحول کو صاف ستھرا رکھنے کا اہتمام کریں، ایسی چیزیں جو آبادی میں آلودگی پیدا کرنے والی ہیں، اور دوسروں کو تکلیف پہونچانے والی ہیں، جیسے راستوں اور آبادیوں کے درمیان قضائے حاجت ، گھر سے باہر کھلی ہوئی نالیاں نکالنا، صاف جمع شدہ پانی میں گندگیوں کا اخراج، آبادی کے درمیان بھٹی اور چمنیاں قائم کرنا، گاڑیوں میں کراسن تیل کا استعمال ، بے جا طریقہ پر لاؤڈ اسپیکر کا استعمال وغیرہ، ان سے احتراز کریں، تاکہ سماج خطرناک بیماریوں اور دوسرے نقصانات سے محفوظ رہے[407]۔

☆تمام ضرورتوں میں حتی الامکان کم آلودگی پھیلانے والے ایندھن کا استعمال کیا جائے ، اور قدرت واستطاعت کے باوجود زیادہ آلودگی پھیلانے والے ایندھن سے گریز کیا جائے۔

☆گاڑیوں میں ایسے ایندھن کے استعمال کو ترجیح دی جائے جس سے کم سے کم آلودگی پیدا ہوتی ہو، اور اگر اس سلسلہ میں حکومت کی جانب سے ہدایات موجود ہوں تو ان کی پابندی کی جائے۔

----- حواشی---

407 - جدید مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے حصہ اول ص ۲۳۸، ۲۳۹

☆روشنی اور دیگر مقاصد کے لئے جن ذرائع کا استعمال کیا جاتا ہے (مثلاً جنریٹر وغیرہ)ان میں بھی کم سے کم آلودگی پیدا کرنے والے ایندھن کا استعمال کیا جائے، اور اگر حکومتی ہدایات اس سلسلے میں موجود ہوں تو ان کو ملحوظ رکھا جائے۔

☆جن علاقوں میں شمسی توانائی کا حصول آسان اور مفید ہو وہاں اس کا استعمال مستحسن ہوگا۔

☆کارخانوں اور فیکٹریوں کی آلودگی پر قابو پانے کے لئے حکومت نے جو قوانین بنائے ہیں ،ان کی پابندی ضروری ہے،البتہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اس کے لئے مناسب سہولیات فراہم کرے۔

☆جانور کے ناقابل استعمال اجزاء کے سلسلہ میں ایسی تدابیر اختیار کی جائیں ،جن سے تعفن اور ماحول میں آلودگی پیدا نہ ہو۔

☆بلاضرورت پلاسٹک کی تھیلیوں کے استعمال سے احتراز کیا جائے ،اور اس کے متبادل وسائل کے استعمال کو ترجیح دی جائے۔

☆تمباکو اور اس سے بنی اشیاء کے استعمال سے احتراز کیا جائے،خاص طور پر عوامی مقامات پر اس کا استعمال نہ کیا جائے۔

☆عوامی جگہوں پر قضائے حاجت جائز نہیں ہے،اسی طرح حتی الامکان کھلی نالیوں میں فضلات کے بہانے سے احتراز کیا جائے۔

☆عوامی مقامات پر تھوکنا مکروہ اور ناپسندیدہ اور اگر حکومت کی جانب سے اس سلسلہ میں ہدایات ہوں تو ان پر عمل کرنا چاہئے۔

☆شعاع خارج کرنے والے الکٹرانک آلات (فریج ،واشنگ مشین ،موبائل ،اے سی وغیرہ) کے ضرورت سے زیادہ استعمال سے اجتناب کیا جائے۔

☆اسلام میں شجرکاری کی بڑی اہمیت ہے،اس لئے بلاضرورت جنگلات

اور ہرے درختوں کو کاٹنے سے احتراز کیا جائے[408]۔

----- حواشی ---

408 - جدید مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے حصہ دوم ص ۲۲ تا ۲۴

صوتی آلودگی کے مسائل

صوتی آلودگی بھی ماحولیاتی یا فضائی آلودگی ہی کی ایک قسم ہے، پر شور آوازوں سے فضا میں ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے، انسانی اور حیوانی پردۂ سماعت متأثر ہوتا ہے بلکہ گردو پیش کا پورا ماحول صوتی لحاظ سے آلودہ ہو جاتا ہے، اس سے سماعت اور قلب و دماغ کے کئی امراض پیدا ہوتے ہیں، گو کہ پہلے زمانے میں آوازیں اتنی خطرناک نہیں سمجھی جاتی تھیں، اس لئے کہ ایسی آوازیں کرنے والے آلات نہیں تھے یا کم تھے، لیکن آج یہ عالمی مسئلہ بن چکا ہے، اور گاڑیوں اور مشینوں کی بڑھتی ہوئی تعداد نے اس کو پوری روئے زمین کا مسئلہ بنا دیا ہے، لوگ خوامخواہ ہارن بجاتے ہیں، سائرن کی آوازیں دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دیتی ہیں، لاؤڈ اسپیکر کا شور وبال جان بنا ہوا ہے، وغیرہ ان حالات میں یہ یقیناً اس دور کا اہم ترین مسئلہ ہے،۔۔۔

اسلام دین کامل ہے اور اس میں ہر دور کے لئے مکمل ہدایات موجود ہیں، چنانچہ:

☆اسلام ضرورت سے زیادہ تیز آوازوں کو پسند نہیں کرتا، قرآن کریم میں ہے:

وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ[409]

ترجمہ: درمیانی رفتار سے چلو، اور آواز پست رکھو بلاشبہ سب سے خراب آواز گدھے کی ہے۔

☆بہت زیادہ بلند آواز میں نماز پڑھنے سے بھی روکا گیا، جبکہ یہ ایک عبادت ہے،

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا[410]۔

ترجمہ: اپنی نماز میں آواز بہت اونچی نہ کرو، اور نہ بہت پست کرو بلکہ بیچ بیچ راستہ

----- حواشی--

409 - لقمان : ١٩ -

410 -الاسراء : ١١٠ -

اختیار کرو۔

☆جنت کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ وہاں صوتی آلودگی نہیں ہوگی، قرآن اس کی شہادت دیتا ہے:

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا،إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا[411]

ترجمہ: جنت میں لوگ شور و شغب اور غلط آوازیں نہیں سنیں گے، ہر طرف صرف سلامتی کی آوازیں ہونگی۔

لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً[412]

ترجمہ: جنت میں کوئی غلط بات نہیں سنی جائے گی۔

ایک حدیث پاک میں ارشاد ہے:

انَّ اللَّهَ يَبْغَضُ كُلَّ جَعْظَرِيٍّ جَوَّاظٍ سَخَّابٍ فِي الأَسْوَاقِ[413]

ترجمہ: بے شک اللہ پاک ہر متکبر، مغرور، بخیل اور بازاروں میں شور مچانے والے شخص کو ناپسند فرماتے ہیں۔

☆سنجیدگی اور خاموشی نبوت کی صفات میں سے ہے، حضور ﷺ کی خصوصیات میں یہ بیان کیا گیا ہے، آپ تندخو، تیز آواز اور بازاروں میں شور مچانے والے نہ تھے:

لَيْسَ بِفَظٍّ وَلاَ غَلِيظٍ وَلاَ سَخَّابٍ بِالأَسْوَاقِ[414]

----- حواشی---

411 -الواقعة : ٢٥، ٢٦ -

412 -الغاشية : ١١ -

413 - السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي ج ١٠ ص ١٩٤حدیث نمبر : ٢١٣٢٥ المؤلف : أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي مؤلف الجوهر النقي: علاء الدين علي بن عثمان المارديني الشهير بابن التركماني المحقق : الناشر : مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آباد الطبعة :الطبعة :الأولى ـ 1344 هـ عدد الأجزاء:10

414 - صحيح البخاري ج ٢ ص ٧٤٧حدیث نمبر : ٢٠١٨ المؤلف : محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة البخاري، أبو عبد الله -

☆مسجدوں میں گمشدہ چیزوں کے اعلان سے روکا گیا کہ عبادت کے دوران ایک نئی قسم کی آواز سے خواہ مخواہ تشویش پیدا ہوگی:

مَنْ سَمِعَ رَجُلاًيَنْشُدُ ضَالَّةًفِي الْمَسْجِدِ فَلْيَقُلْ لاَرَدَّهَا اللَّهُ عَلَيْكَ فَإِنَّ الْمَسَاجِدَلَمْ تُبْنَ لِهَذَا[415]

☆قرآن کریم میں خواہ مخواہ شور مچانے کو کفار ومشرکین کا شعار بتایا گیاہے:

وماكان صلاتہم عندالبيت الا مكاء وتصدية[416]۔

ترجمہ: بیت اللہ کے سامنے ان کی نماز سیٹی بجانے اور تالی پیٹنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

☆ایک حدیث میں ہے کہ:

صوتان ملعونان فی الدنیا والآخرة :مزمارعند نعمة ورنة عند مصيبة[417]۔

ترجمہ: دو آوازیں دنیا اور آخرت دونوں جگہ قابل لعنت ہیں: ایک نعمت کے وقت باجے کی آواز، دوسرے مصیبت کے وقت زور سے رونے کی آواز۔

☆اجتماعی طور پُر ذکر الٰہی کرنا عبادت ہے ، لیکن اتنی تیز آواز سے ذکر کرنا جو دوسروں کے لئے باعث تشویش ہو ممنوع ہے، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

وفي حاشية الحموي عن الإمام الشعراني أجمع العلماء سلفا وخلفا على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرهاإلا أن يشوش جهرهم على

----- حواشی---

415 - **الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ٢ ص ٨٢ حديث نمبر : ١٢٨٨ المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق : الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت-**

416 -الانفال:۳۵۔

417 -مجمع الزوائد للہیثمی ج۳ص ۱۰۰ط بیروت دارالفکر ۱۴۱۲ھ۔

نائم أو مصل أو قارىء الخ [418]

ترجمہ: حاشیۂ حموی میں امام شعرانیؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ علماء سلف و خلف کا اس پر اجماع ہے کہ مساجد وغیرہ میں اجتماعی ذکر کرنا مستحب ہے بشرطیکہ سونے والوں، نمازیوں یا قرآن پڑھنے والوں کو تشویش نہ ہو۔

☆حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ ایک موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی میں اعتکاف فرمایا، آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ کچھ لوگ زور زور سے قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں، تو آپ نے پردہ ہٹا کر ان حضرات کو تنبیہ فرمائی کہ:

الاان کلکم مناج لربہ فلایوذین بعضکم ولایرفع بعضکم علیٰ بعض فی القرأۃ[419]

ترجمہ: لوگو! تم لوگ اپنے رب کے ساتھ مناجات کر رہے ہو اس لئے کوئی کسی کو تکلیف نہ پہونچائے، اور پڑھنے میں اپنی آواز دوسرے پر بلند نہ کرے،

☆عہد فاروقی میں ایک بلند آواز واعظ صاحب کا قصہ نقل کیا گیا ہے جو حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے قریب وعظ کہتے تھے، حضرت عائشہؓ کی شکایت پر حضرت فاروق اعظمؓ نے ان کو تنبیہ فرمائی، اور وہاں ان کے وعظ پر پابندی عائد فرمادی[420]۔

☆حضرت عائشہؓ نے مدینہ منورہ کے ایک واعظ کو وعظ و تبلیغ کے آداب تفصیل سے بتاتے ہوئے فرمایا کہ اپنی آواز ان ہی لوگوں تک محدود رکھو جو تمہاری مجلس میں بیٹھے ہوں[421]۔

☆معروف تابعی حضرت سعید ابن مسیبؒ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک بلند آواز قاری کو یہ

----- حواشی---

418 - حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ١ ص ٦٦٠ ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8

419 -ابوداؤد : ۱۳۳۲ ۔

420 -اخبار مدینہ لعمر بن شیبہ ج ا ص ۱۵۔

421 -مجمع الزوائد ج ا ص ۱۹۱۔

کہہ کر نکلوادیا کہ اس نے مجھے تکلیف پہونچائی:

اطرد هٰذاالقاری عنی فقد آذانی[422]

☆فقہاء مالکیہ کے نزدیک تیز آواز جو مسلسل ہو اور آس پاس کی درودیواروں کے لئے نقصان دہ ہو، قابل بندش ہے:

واماماکان صوتاًکبیراًمستداماً کالکمادین۔والرحاذات الصوت الشدید فانہ ضرر یمنع منہ کالرائحۃ[423]

یہ تفصیلات صوتی آلودگی کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر سمجھنے کے لئے کافی ہیں، اور ان کی روشنی میں ان تمام جزئیات کو ہم طے کرسکتے ہیں جو اس ضمن میں پیش کی جاتی ہیں:

پر شور کارخانے

(۱) کارخانے کی بعض مشینیں بہت پر شور ہوتی ہیں، حکومت کی طرف سے ان کو آبادی سے باہر لگانے کی ہدایت ہوتی ہے، یہ ہدایات شریعت کے مطابق ہیں، ماقبل میں کئی ایسے مسائل پیش کئے جاچکے ہیں جن میں فقہاء آبادی سے دور علاقوں میں اس قسم کے کاروبار کی اجازت دیتے ہیں۔

فقہاء نے جہاں خلاف عادت کی اصطلاح استعمال کی ہے اس میں عوامی رجحانات کے ساتھ حکومتی رجحانات بھی شامل ہیں، اگر حکومت نے کسی مخصوص علاقہ کو مخصوص قسم کے کاروبار کے لئے مختص کردیا ہے، تو اس تحفظ کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، اس کی خلاف ورزی غیر قانونی اور گناہ متصور ہوگی۔

گاڑیوں کے تیز ہارن

(۲) گاڑیوں کے ہارنوں کی آواز بھی کبھی بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے، اس میں بھی عوامی رجحانات اور حکومتی ہدایات کی پاسداری ضروری ہے، غیر ضروری طور پر ہارن بجانا، یابلاضرورت بہت زیادہ تیز آواز کا ہارن لگاناوغیرہ درست نہیں کہ یہ اسراف اور حدود سے تجاوز ہے اور لوگوں کے لئے باعث ایذا بھی۔

----- حواشی ---

422 -شرح المواق علیٰ خلیل ج ۵ ص ۱۶۵ ۔المنتقیٰ للباجی مع الموطا ج ۶ص۴۱

423 -التاج والاکلیل شرح مختصر خلیل للمواق ج ۵ ص ۱۶۰۔

(۳) اسی طرح آج کل شادی بیاہ وغیرہ تقریبات میں DJ کا رواج کافی بڑھتا جا رہا ہے، یہ ہمارے معاشرہ کے لئے ناسور ہے، اس کی قطعی گنجائش نہیں ہے، یہ مزامیر شیطانی میں داخل ہونے کے علاوہ عام انسانوں کے لئے ضرر رساں بھی ہے۔

جلسے اور مشاعرے

(۴) یہی حکم مذہبی یا سیاسی جلسوں اور مشاعروں کا بھی ہے، قانونی اعتبار سے جو اس کے اوقات مقرر ہیں یا آواز کی جو سطح طے کی گئی ہے اس کی رعایت ضروری ہے،

☆فقہاء نے لکھا ہے کہ نماز باجماعت میں ضرورت سے زیادہ تیز آواز اچھی چیز نہیں ہے۔:

ویجہر الامام وجوباً بحسب الجماعۃ فان زاد علیہ اساء[424]۔

☆فقہاء نے اس کی بھی صراحت کی ہے کہ:

لو قرء علی السطح والناس نیام یاثم اھ ای لانہ یکون سببا لاعراضہم عن استماعہ او لانہ یوذیہم بایقاظہم"[425]

اگر کوئی شخص اپنے گھر کی چھت پر بلند آواز سے تلاوت کرے جس سے سونے والوں کو خلل واقع ہو تو تلاوت کرنے والا گنہگار ہوگا، اس لئے کہ اس طرح سننا اعراض کا سبب بنے گا، کیونکہ اس کی آواز سے نیند خراب ہوگی۔

بصورت دیگر کھلی جگہوں کے بجائے بند ہالوں میں یہ پروگرام کئے جائیں کہ آواز باہر نہ نکلے، اور دیگر غیر متعلق لوگوں کے لئے باعث تکلیف نہ ہو۔۔۔علاوہ رات بھر کے پروگراموں میں ایک خرابی مستزادیہ ہے کہ عشاء کا مستحب وقت ایک تہائی شب بھی مان لیں تو عشا کے بعد غیر ضروری گفتگو یا تبادلۂ

----- حواشی---

424 -الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۲۴۹۔

425 -شامی ج ا ص ۴۰۳، خلاصۃ الفتاویٰ ج ا ص ۱۰۳

خیال جو کہ نماز فجر پر اثر انداز ہو، ازروئے حدیث ناپسندیدہ ہے[426]، اس اعتبار سے مشاعرے تو مشاعرے کبھی مذہبی پروگرام بھی معصیت میں تبدیل ہو جاتے ہیں، واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم۔

تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

صوتی آلودگی اس دور کا انتہائی اہم مسئلہ ہے، اوراس سلسلہ میں ہونے والی بے اعتدالیاں اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں، اس لئے:

☆پر شور مشینوں کے سلسلہ میں جو سرکاری ہدایات جاری کی جاتی ہیں، ان کی پابندی کی جائے۔

☆غیر ضروری ہارن بجانا یا بہت تیز آواز کا ہارن لگانا درست نہیں، اوراس سلسلہ میں حکومتی ہدایات کی پاسداری لازم ہے۔

☆DJ وغیرہ پر گانا بجانا شرعاً ناجائز ہے، اس کے علاوہ اس کی آواز انسانی صحت اور ماحول کے لئے بھی سخت نقصان دہ ہے، لہذا پہلو سے بھی اس کا استعمال درست نہیں۔

☆جلسوں اور مشاعروں میں ضرورت سے زیادہ لاؤڈا سپیکر کا استعمال درست نہیں ہے، اوراس سلسلہ کے قوانین کی پابندی کرنی چاہئے[427]۔

----- حواشی -----

[426] - الجامع الصحيح سنن الترمذي ج ١ ص ٣١٥ حديث نمبر : ١٦٩المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت تحقيق : أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء : 5

[427] -جدید مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے حصہ دوم ص ۲۲ تا ۲۴

جانوروں کے حقوق اور احکام[428]

اللہ پاک نے انسان کو روئے زمین کی خلافت عطا فرمائی اور کائنات کی بے شمار چیزیں اس کی ضرورت وآسائش کے لئے پیدا فرمائیں، ارشاد ربانی ہے:

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَافِي السَّمَاوَاتِ وَمَافِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ[429]

ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ پاک نے آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے تابع کر دیا اور تم پر اپنے ظاہری وباطنی انعامات کی بارش فرمادی، (اس کے باوجود) کچھ لوگ ہیں جو اللہ پاک کے معاملے میں بغیر کسی علم، ہدایت اور کتاب منیر کے تنازع کھڑا کرتے ہیں۔

اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (12) وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًامِنْهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (13)[430]

ترجمہ: اللہ پاک نے سمندر کو تمہارے زیر تسخیر کیا، تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں دوڑیں، اور تم فضل الٰہی کے طلبگار اور شکر گذار بنو اور (صرف سمندر ہی نہیں) آسمانوں اور زمین میں پھیلی ہوئی تمام کائنات کو اللہ پاک نے تمہارے کام میں

----- حواشی---

428 - تحریر بمقام جامعہ ربانی منورواشریف، بتاریخ ۳/ ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ م ۲۶/ اگست ۲۰۱۷ء بروز سنیچر

429 - لقمان: ۲۰۔

430 - الجاثیۃ: ۱۲، ۱۳۔

لگایا، یقیناً اس میں ارباب فکر کے لئے نشانیاں ہیں۔

حیوانات بھی انسانی مفادات کے لئے ہیں

البتہ اس وسیع کائنات میں کچھ چیزیں ایسی ہیں جو اپنے اندر روح اور زندگی رکھتی ہیں، جن کو حیوانات کہا جاتا ہے، وہ بھی انسان کے نفع کے لئے بنائے گئے ہیں، ارشاد ربانی ہے:

وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَالَكُمْ فِيهَادِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَاتَأْكُلُونَ(5)وَلَكُمْ فِيهَاجَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ (6) وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَى بَلَدٍ لَمْ تَكُونُوابَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ (7)وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ [431]

ترجمہ: جانوروں کو اللہ پاک نے تمہارے لئے پیدا فرمایا، ان جانوروں میں گرمی کا سامان ہے اور بہت سے منافع ہیں، تمہاری غذائی ضروریات بھی ان سے پوری ہوتی ہیں، تمہارے لئے ان میں عزت ہے، جب تم ان جانوروں کو شام میں چرا کر لاتے ہو اور چرانے کے لئے لے جاتے ہو، یہ تمہارے بوجھ ایسے شہروں تک اٹھا کر لے جاتے ہیں جہاں تم سخت مشقت کے بغیر پہونچ نہیں سکتے، بے شک تمہارا رب بڑا شفیق اور مہربان ہے، اس نے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کئے تا کہ تم ان پر سواری کرو اور زینت کے لئے استعمال کرو، اللہ ایسی چیزوں کا خالق ہے جن کو تم جانتے بھی نہیں ہو۔

جانوروں کے حقوق اور انتفاع کے حدود

لیکن ان کے بھی کچھ حقوق ہیں اور ان سے نفع اٹھانے کے بھی کچھ حدود ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے ابن ابی جمرہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ بھی بندوں کے ساتھ اللہ کا کرم ہے کہ اس نے ہر چیز کے لئے کچھ حدود

----- حواشی

431 -النحل : ۵ تا ۸ ۔

مقرر کردیئے ہیں، یہاں تک کے قتل اور ذبح کے لئے بھی، تاکہ انسانوں کے آزادانہ تصرفات سے ظلم اور بے اعتدالی کو راہ نہ ملے:

قال بن أبي جمرة فيه رحمة الله لعباده حتى في حال القتل فأمر بالقتل وأمربالرفق فيه ويؤخذ منه قهره لجميع عباده لأنه لم يترك لأحد التصرف في شيءالا وقد حد له فيه كيفية[432]

متعدد روایات میں ان حقوق وحدود کی نشاندہی کی گئی ہے:

جانور کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید

☆ جانوروں کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک پر ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے، حضرت ابو ہریرۃؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کا قصہ سنایا جس نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا، اور اس ایک عمل کی بنا پر اس کی مغفرت کر دی گئی۔

قالوا يا رسول الله وإن لنافي البهائم أجرا؟قال(في كل كبد رطبة أجر)[433]**۔**

صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا جانوروں میں بھی ہم کو ثواب ملے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ہر ترجگر والی چیز میں ثواب ہے۔

☆ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے کی برکت سے ایک زانیہ عورت کے سارے گناہ اللہ پاک نے بخش دیئے:

«أن امرأة بَغِيّا رَأَت كَلبا في يومٍ حارٍّ يُطيفُ بِبِئرٍ،قد أَدْلَعَ لِسَانُهُ من

----- حواشی---

[432] -: فتح الباري شرح صحيح البخاري ج 9ص 645 المؤلف : أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي الناشر : دار المعرفة – بيروت ، 1379 تحقيق : أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي عدد الأجزاء : 13 -

[433] - الجامع الصحيح المختصر ج 2 ص 833 حديث نمبر 2234 المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6

العطَشِ، فَنزَعَتْ لَهُ مُوقَهَا، فَغُفِرَ لَهَا[434]»

☆حضرت معاویہ بن قرۃ اپنے والد کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کیا (وہ غالباً قصاب تھا) کہ یارسول اللہ! میں بکری ذبح کرتا ہوں تو اس کے ساتھ رحم کا معاملہ کرتا ہوں، تو اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

والشاة إن رحمتها رحمك الله [435]

اگر تم بکری کے ساتھ رحم کا برتاؤ کروگے تو اللہ پاک بھی تمہارے ساتھ رحم کا معاملہ فرمائیں گے

جانوروں کو ستانا گناہ ہے

☆حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(عذبت امرأةفي هرة سجنتهاحتى ماتت فدخلت فيهاالنار لا هي أطعمتها ولا سقتهاإذحبستها ولا هي تركتهاتأكل من خشاش الأرض) [436]

ترجمہ: کہ ایک عورت صرف اس لئے جہنم میں ڈال دی گئی کہ اس نے ایک بلی کو قید رکھا یہاں تک کہ وہ بھوکی مرگئی، نہ اس نے خود کھلایا پلایا اور نہ اس کو آزاد کیا کہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھا کر جی لیتی علامہ عینیؒ لکھتے ہیں کہ:

وفيه أن تعذيب الحيوان غيرجائزوأن المظلوم من الحيوان يسلط يوم القيامة

----- حواشی---

[434] - الجامع الصحيح المختصر ج 3 ص 1279 حديث نمبر 3280 المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا

[435] - مسند الإمام أحمد بن حنبل ج ٣ ص 436 حديث نمبر 15630 المؤلف : أحمد بن حنبل أبو عبدالله الشيباني الناشر : مؤسسة قرطبة – القاهرة عدد الأجزاء : 6 الأحاديث مذيلة بأحكام شعيب الأرنؤوط عليها

[436] - الجامع الصحيح المختصر ج 3 ص 1284 حديث نمبر 3295 المؤلف: محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6

علی ظالمه[437]

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں کو ستانا جائز نہیں ہے، اور مظلوم جانور کل حشر میں ظالموں پر مسلط کئے جائیں گے۔

ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں:

وقد قال علماؤنا وكره السلخ قبل أن تبرد وكل تعذيب بلا فائدة لهذا الحديث[438]

ترجمہ: ہمارے علماء نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی بنیاد پر جانور کے ٹھنڈا ہونے سے قبل کھال کھینچنا اور بلا فائدہ تکلیف پہونچانا مکروہ ہے۔

☆ حدیث میں جانوروں سے بے ضرورت کھیلنے اور ان کو تھکا تھکا کر مارنے سے بھی روکا گیا ہے، اور اس طرح کی حرکت کرنے والے کو شیطان کہا گیا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ:

أنَّ رسولَ الله–صلى الله عليه وسلم–«رأى رجلايتْبعُ حَمَامَة يلعُب بها،فقال شيطان يتْبعُ شيطانة»[439]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو کبوتر سے کھیلتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ "شیطان ہے شیطان کے پیچھے پڑا ہے۔

☆ حضور ﷺ ازراہ مذاق بھی جانوروں کے ساتھ بے ضرورت چھیڑ چھاڑ کو پسند نہیں فرماتے تھے:

----- حواشی---

437 - عمدة القاري شرح صحيح البخاري ج 9 ص 89 المؤلف : بدر الدين أبو محمد محمود بن أحمد العيني (المتوفى : 855هـ)

438 - مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ج 12 ص 317 المؤلف : الملا علي القاري ، علي بن سلطان محمد (المتوفى : 1014هـ)

439 -جامع الأصول في أحاديث الرسول ج ١٠ ص ٧٤٨ حديث نمبر:٨٤١٣المؤلف : مجد الدين أبو السعادات المبارك بن محمد الجزري ابن الأثير (المتوفى : 606هـ)تحقيق : عبد القادر الأرنؤوط الناشر : مكتبة الحلواني – مطبعة الملاح – مكتبة دار البيان الطبعة : الأولى

و عن ابن مسعودٍ – رضي الله عنه – قَالَ : كنَّا مَعَ رسول الله – صلى الله عليه وسلم – فِي سَفَرٍ ، فانْطَلَقَ لحَاجَتِهِ ، فَرأَيْنَا حُمَّرَةً مَعَهَا فَرْخَانِ ، فَأَخَذْنافَرْخَيْهَا،فَجَاءتِ الحُمَّرَةُ فَجَعَلَتْ تَعْرِشُ، فَجَاءَ النَّبيُّ – صلى الله عليه وسلم – فَقَالَ : ((مَنْ فَجَعَ هذِهِ بِوَلَدِهَا ؟ ، رُدُّوا وَلَدَهَا إِلَيْها [440]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ہم لوگ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، آپ ضرورت کے لئے تشریف لے گئے تو ہم نے ایک چڑیا کو دیکھا جس کے دو بچے تھے، ہم نے اس کے دونوں بچے پکڑ لئے، چڑیا آئی تو اپنے بچوں کو نہ پاکر پر پھڑ پھڑانے لگی، حضور ﷺ تشریف لائے اور یہ منظر ملاحظہ فرمایا تو ناراضگی کے ساتھ فرمایا کہ کس نے یہ حرکت کی ہے؟ اس کے بچے واپس کرو۔

البتہ بچے اگر جانور کے ساتھ محض دل بہلانے کے لئے کھیلیں، اور اس سے جانور کو کوئی جسمانی یا ذہنی اذیت نہ پہونچے تو بعض روایات کی روشنی میں اس حد تک گنجائش ہے، لیکن اگر تکلیف پہونچے تو بچوں کے لئے بھی اس طرح کا کھیل کھیلنے کی اجازت نہ ہو گی، حافظ ابن حجرؒ رقم طراز ہیں:

وقد نوزع بن القاص في الاستدلال به على إطلاق جوازلعب الصغيربالطير فقال أبو عبدالملك يجوزأن يكون ذلك منسوخابالنهي عن تعذيب الحيوان وقال القرطبي الحق أن لا نسخ بل الذي رخص فيه للصبي إمساك الطير ليلتهي به وأما تمكينه من تعذيبه ولا سيماحتى يموت فلم يبح قط [441]

بعض نفع بخش جانوروں کی نسل کشی سے روکا گیا

☆جن جانوروں سے انسان زیادہ استفادہ کرتا ہے ان کے تحفظ وبقا پر زور دیا گیا ہے اور حتی

----- حواشی ---

[440] - سنن أبي داود ج ۴ ص ۵۳۹ حديث نمبر: ۵۲۷۰المؤلف:أبوداود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر:دار الكتاب العربي ـ بيروت عدد الأجزاء : 4 مصدر الكتاب : وزارة الأوقاف المصرية وأشاروا إلى جمعية المكنز الإسلامي،

[441] -: فتح الباري شرح صحيح البخاري ج 10 ص 586 المؤلف : أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي الناشر:دار المعرفة – بيروت ، 1379 تحقيق : أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي-

الامکان ان کی نسل کشی جیسے اقدامات سے روکا گیا ہے، اس ضمن میں وہ روایات قابل ذکر ہیں جن میں رسول خدا ﷺ نے چار جانور: چیونٹی، شہد کی مکھی، ھدھد اور لٹورا (ایک پرندہ) کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے:

قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ -صلى الله عليه وسلم- نَهَى عَنْ قَتْلِ أَرْبَعٍ مِنَ الدَّوَابِّ النَّمْلَةُ وَالنَّحْلَةُ وَالْهُدْهُدُ وَالصُّرَدُ[442].

☆بعض روایات میں ہے کہ "ٹڈی" خدائی لشکر اعظم ہے، اس کو قتل مت کرو:

عن أبي زهير النميري أن : رسول الله صلى الله عليه و سلم قال:لا تقتلوا الجراد فإنه جند الله الأعظم[443]

☆مینڈک کی آواز کو تسبیح الٰہی کہا گیا ہے، چمگاڈر کو دشمنان مسجد اقصیٰ کے خلاف پابند عہد جنگ بتایا گیا ہے اس لئے ان کے قتل سے حتی الامکان گریز کرنا چاہئے:

***عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما قال:لا تقتلواالضفادع فإن نقيقها تسبيح ولاتقتلواالخفاش فإنه لماخرب بيت المقدس قال يارب سلطني على البحرحتى أغرقهم فهذان موقوفان في الخفاش وإسنادهماصحيح**[444]

یہ روایت گو کہ موقوف ہے لیکن اپنے مضمون کی بناپر یہ مرفوع کے حکم میں ہے اور سند صحیح کے ساتھ منقول ہے۔

☆حضرت انسؓ کی ایک روایت میں اونٹ کو مرکز جمال، بکری کو باعث برکت اور گھوڑے کی پیشانی کو منبع نور قرار دیا گیا ہے:

الجمال في الإبل؛ والبركة في الغنم؛ والخيل في نواصيها الخير." الشيرازي

----- حواشی---

[442] - سنن أبي داود ج 4 ص 538 حديث نمبر : 5269 المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر :دار الكتاب العربي . بيروت عدد الأجزاء:4 مصدر الكتاب: وزرارة الأوقاف المصرية وأشاروا إلى جمعية المكنز الإسلامي

[443] - المعجم الكبيرج 22 ص 297 حديث نمبر : 18609 المؤلف : سليمان بن أحمد بن أيوب أبو القاسم الطبراني الناشر : مكتبة العلوم والحكم – الموصل الطبعة الثانية ، 1404 – 1983 عدد الأجزاء : 20

[444] - سنن البيهقي الكبرى ج 9 ص 318 حديث نمبر : 19166 المؤلف : أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر البيهقي الناشر:مكتبة دار الباز–مكة المكرمة، 1414– 1994 تحقيق :محمد عبد القادر عطا عدد الأجزاء : 10

في الألقاب – عن أنس"[445].

☆اور اسی باب میں وہ روایات بھی داخل ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے اونٹ، گائے، بکرا اور گھوڑا کو خصی (بندھیا) کرنے سے منع فرمایا ہے، اور اس کی توجیہ یہی فرمائی ہے کہ افزائش نسل تو حمل ہی سے ہوتی ہے:

عن ابن عمررضي الله عنهماقال:نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن إخصاء الإبل والبقروالغنم والخيل وقال إنماالنماء في الحبل[446]

گو کہ بضرورت ان جانوروں کو ذبح کرنے کی بھی اجازت ہے، لیکن ان روایات کے پیچھے اصل مقصد یہ باور کرانا ہے کہ انسان کی طرح ان جانوروں کی بھی نسلی اہمیت ہے، اور نظام کائنات کے تحفظ وبقامیں ان کا بھی اہم حصہ ہے۔

ذبح میں بھی حقوق کی رعایت

☆بلاشبہ انسان کو جانوروں سے استفادہ کا حق حاصل ہے، لیکن اس میں بھی اسلامی تعلیم یہ ہے کہ کم سے کم تکلیف پہونچا کر ان سے استفادہ کیا جائے، حضرت شداد بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ الإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَىْءٍ فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُواالْقِتْلَةَ وَإِذَاذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ فَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ [447].

----- حواشی---

[445] - كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال ج 12 ص 332 حديث نمبر : 35266 المؤلف : علاء الدين علي بن حسام الدين المتقي الهندي البرهان فوري (المتوفى : 75هـ)المحقق : بكري حياني – صفوة السقا الناشر : مؤسسة الرسالة الطبعة : الطبعة الخامسة ،1401هـ/1981م

[446] - سنن البيهقي الكبرى]الكتاب : سنن البيهقي الكبرى ج 10 ص 24 حديث نمبر : 19580 المؤلف : أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر البيهقي الناشر : مكتبة دار الباز – مكة المكرمة ، 1414 – 1994

[447] - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ٦ ص ٧٢ المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق :الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت الطبعة :عدد الأجزاء : ثمانية أحزاء في

ترجمہ: اللہ پاک نے ہر چیز کے ساتھ حسن سلوک کو فرض قرار دیا ہے، اس لئے کسی جانور کو قتل کرو تو حسن سلوک کا خیال رکھو، ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو، تیز دھار دار چھری سے ذبح کرو تا کہ ذبیحہ کی روح نکلنے میں آسانی ہو۔

☆ ذبح کے آداب میں سے یہ ہے کہ جانور کو نہایت ملائمت کے ساتھ مقام ذبح کی طرف لے جایا جائے، ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بکری کو زمین پر گھسیٹتا ہوا لے جا رہا ہے، آپ نے اس پر تنبیہ فرمائی:

إصبري لأمر الله وأنت يا جزار فسقها إلى الموت سوقا رفيقا[448]

ترجمہ: آپ نے بکری کو صبر کی تلقین فرمائی اور قصاب سے کہا کہ اس کو موت کی طرف نرمی کے ساتھ لے جاؤ۔

بعینہ یہی نصیحت ایک بار حضرت عمر فاروقؓ نے بھی کسی قصاب کو کی تھی:

سقها سوقا جميلا[449]

☆ ایک شخص کو حضور ﷺ نے دیکھا کہ وہ بکری کا کان کھینچتا ہوا جا رہا ہے، آپ نے اس کو ارشاد فرمایا:

(دع أذنها وخذ بسالفتها)[450]

اس کا کان چھوڑ دو، ضرورت ہے تو اس کی گردن پکڑ لو۔

----- حواشی---

أربع مجلدات- سنن أبي داود ج 3 ص 58 المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي . بيروت عدد الأجزاء : 4

448 - مصنف عبد الرزاق ج 4 ص 493 حديث نمبر : 8609 المؤلف : أبو بكر عبد الرزاق بن همام الصنعاني الناشر : المكتب الإسلامي – بيروت الطبعة الثانية ، 1403 تحقيق :حبيب الرحمن الأعظمي عدد الأجزاء : 11

449 -: جامع العلوم والحكم ج 1 ص 157 المؤلف : أبو الفرج عبد الرحمن بن أحمد بن رجب الحنبلي الناشر : دار المعرفة – بيروت الطبعة الأولى ، 1408هعدد الأجزاء : 1

450 - سنن ابن ماجه ج 2 ص 1059 حديث نمبر : 3171 المؤلف : محمد بن يزيد أبو عبدالله القزويني الناشر : دار الفكر – بيروت تحقيق : محمد فؤاد عبد الباقي ،عدد الأجزاء : 2

بے مقصد جانور کو قتل کرنا اس کی حق تلفی ہے

جانور کا ایک حق یہ ہے کہ اس کو کھانے کے لئے یا اور کسی نیک مقصد سے ذبح کیا جائے، بے ضرورت مار کر پھینک نہ دیا جائے۔

☆حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ قَتَلَ عُصْفُورًا فَمَافَوْقَهَا بِغَيْرِحَقِّهَاسَأَلَهُ اللَّهُ عَنْ قَتْلِهِ»قِيلَ: يَارَسُولَ اللَّهِ وَمَاحَقُّهَا؟قَالَ:«أَنْ تَذْبَحَهَا فَتَأْكُلَهَا وَلاَ تَقْطَعَ رَأْسَهَا فَتَرْمِى بِهَا»[451].

جو کسی چھوٹی یا بڑی چڑیا کو اس کے حق کے بغیر قتل کر دے اللہ پاک اس کے قتل کے بارے میں باز پرس کرے گا، لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! چڑیا کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کو ذبح کر کے کھایا جائے، نہ کہ سر کاٹ کر پھینک دیا جائے

☆حضرت شریدؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے:

مَنْ قَتَلَ عُصْفُورًاعَبَثًاعَجَّ إِلَى اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقُولُ يَارَبِّ إِنَّ فُلَانًا قَتَلَنِي عَبَثًاوَلَمْ يَقْتُلْنِي لِمَنْفَعَةٍ[452]

جس نے بلاوجہ کسی چڑیا کو قتل کیا وہ چڑیا کل بروز قیامت پروردگار عالم کے حضور اس کے خلاف استغاثہ کرے گی کہ اے پروردگار! فلاں شخص نے مجھے کسی نفع (کھانا یا شکار) کے لئے نہیں بلکہ عبث یوں ہی مار ڈالا تھا۔

اس میں کسی عالم کا اختلاف نہیں کہ بے ضرورت کسی جانور کا قتل یا ضرورت سے زیادہ کسی جانور کو

----- حواشی-----

451 - السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي ج 9 ص 88 المؤلف : أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي مؤلف الجوهر النقي: علاء الدين علي بن عثمان المارديني الشهير بابن التركماني المحقق :الناشر : مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آبادالطبعة : الطبعة : الأولى . 1344 هـ عدد الأجزاء : 10

452 - سنن النسائي بشرح السيوطي وحاشية السندي ج ٧ ص ٢٧٥ حديث نمبر : ٤٣٧٠ المؤلف : أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب النسائي المحقق : مكتب تحقيق التراث الناشر : دار المعرفة ببيروت الطبعة : الخامسة 1420هـ عدد الأجزاء : 8 في اربع مجلدات -

اذیت دینا درست نہیں ہے:

وهو مستثنى من تعذيب الحيوان بالنار ؛ لأجل المصلحة الرَّاجحة .وإذا كان كذلك،فينبني أن يقتصرمنه على الخفيف الذي يحصل به المقصود ،ولايبالغ في التعذيب،ولا التشويه.وهذا لا يختلف فيه الفقهاء إن شاء الله تعالى[453]

☆عہد جاہلیت میں کسی خوشی کے موقعہ پر یا معزز شخصیات کی آمد پر جانور قتل کئے جاتے تھے ،اسی طرح مرنے والوں کے لئے خیر سگالی کے طور پر ان کی قبروں پر جانور کاٹ کر چھوڑ دیئے جاتے تھے جن کو چرند و پرند کھاجاتے تھے،اس کے بارے میں ان کا تصور تھا کہ اس طرح ان کا گوشت مردہ تک پہونچ جاتا ہے،اس طریقہ کو "عقر" کہاجاتا تھا،اسلام میں اس پر پابندی عائد کر دی گئی[454]۔

حضرت انسؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« لاَ عَقْرَ فِى الإِسْلاَمِ ».قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ كَانُوا يَعْقِرُونَ عِنْدَ الْقَبْرِ بَقَرَةً أَوْ شَاةً[455].

ایک روایت میں ہے کہ:

----- حواشی---

[453] - المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم ج 17 ص 114 المؤلف / الشيخُ الفقيهُ الإمام ، العالمُ العامل ، المحدِّثُ الحافظ ، بقيَّةُ السلف ، أبو العبَّاس أحمَدُ بنُ الشيخِ المرحومِ الفقيهِ أبي حَفْصٍ عُمَرَ بنِ إبراهيمَ الحافظ ، الأنصاريُّ القرطبيُّ* . إكمال المعلم شرح صحيح مسلم – للقاضي عياض ج 6 ص 202 المؤلف : العلامة القاضي أبو الفضل عياض اليحصبي 544 هـ عدد الأجزاء / 8 -

[454] - شرح السنة ـ للإمام البغوى ج ١١ ص ٢٢٦ المؤلف : الحسين بن مسعود البغوي دار النشر : المكتب الإسلامي – دمشق ـ بيروت ـ 1403هـ – 1983م عدد الأجزاء/15 الطبعة:الثانيةتحقيق:شعيب الأرناؤوط– محمد زهير الشاويش

[455] - سنن أبي داود ج ٣ ص ٢٠٩ حديث نمبر :٣٢٢٤المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي ـ بيروت عدد الأجزاء : 4 مصدر الكتاب:وزارة الأوقاف المصرية وأشاروا إلى جمعية المكنز الإسلامي-

مَنْ عَقَرَ بَهِيمَةً ذَهَبَ رُبُعُ أَجْرِهِ[456]

ترجمہ: جس نے کسی جانور کا کوچ کاٹا اس کا ایک چوتھائی ثواب ختم ہو گیا۔

کسی ذی روح کو نشانہ بنانا اور اس کے ہاتھ پاؤں کاٹنا درست نہیں

☆متعدد روایات میں جانور کو باندھ کر مارنے یا کسی ذی روح کو زندہ نشانہ بنانے کی سخت ممانعت آئی ہے:

فَقَالَ أَنَسٌ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم– أَنْ تُصْبَرَ الْبَهَائِمُ[457].

ترجمہ: حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کو باندھ کر مارنے سے منع فرمایا ہے۔

اس مضمون کی روایت حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے بھی منقول ہے[458]۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِىَّ –صلى الله عليه وسلم– قَالَ «لاَتَتَّخِذُوا شَيْئًا فِيهِ الرُّوحُ غَرَضًا »[459].

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی ذی روح کو نشانہ نہ بناؤ۔

☆حضرت عبد اللہ بن عمرؓ ایک بار کچھ قریشی نوجوانوں کے پاس سے گذرے جو ایک زندہ مرغی یا پرندہ کو باندھ کر نشانہ بازی کر رہے تھے آپ کو دیکھ کر وہ منتشر ہو گئے، آپ نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور

----- حواشی---

[456] - السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي ج 9 ص 88 المؤلف :للبيهقي الناشر : مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آبادالطبعة : الطبعة : الأولى . 1344 هـ عدد الأجزاء : 10

[457] - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج 6 ص 72 حدیث نمبر ۵۱۶۹المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق :الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت الطبعة :عدد الأجزاء : ثمانية أحزاء في أربع مجلدات

[458] - حوالۂ بالا حدیث نمبر ۵۱۷۵۔

[459] - حوالۂ بالا حدیث نمبر ۵۱۷۱۔

فرمایا کہ:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم– لَعَنَ مَنِ اتَّخَذَ شَيْئًا فِيهِ الرُّوحُ غَرَضًا[460].

رسول اللہ ﷺ نے کسی ذی روح کو نشانہ بنانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

☆ جانور کو سیدھے ذبح کرنے کا حکم ہے، زندہ جانور کا ہاتھ، پاؤں، کان وغیرہ کاٹنا سخت گناہ ہے، اس کو مثلہ کہتے ہیں،

قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم– يَقُولُ« لَعَنَ اللَّهُ مَنْ مَثَّلَ بِالْحَيَوَانِ »[461].

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا، آپ فرمارہے تھے کہ اللہ کی لعنت ہو اس شخص پر جو حیوان کو مثلہ کرے۔

جانوروں کو باہم لڑانا ممنوع ہے

☆ بعض علاقوں میں جانوروں کو آپس میں لڑانے کا کھیل بھی کھیلا جاتا ہے، جس سے جانوروں کو کافی اذیت پہونچتی ہے، اسلام میں اس کو ممنوع قرار دیا گیا، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ:

نَهَى رَسُولُ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم– عَنِ التَّحْرِيشِ بَيْنَ الْبَهَائِمِ[462].

----- حواشی---

460 - حوالہ بالا حدیث نمبر ۵۱۷۴۔

461 - : المجتبى من السنن ج ۷ ص ۲۳۸ حدیث نمبر:۴۴۴۲المؤلف : أحمد بن شعيب أبو عبد الرحمن النسائي الناشر : مكتب المطبوعات الإسلامية – حلب الطبعة الثانية ، 1406 – 1986 تحقيق : عبدالفتاح أبو غدة عدد الأجزاء : 8 ± السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي ج 9 ص 88 المؤلف : أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي مؤلف الجوهر النقي: علاء الدين علي بن عثمان المارديني الشهير بابن التركماني المحقق : الناشر : مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آبادالطبعة : الطبعة : الأولى . 1344 هـ عدد الأجزاء : 10

462 - سنن أبي داود ج 2 ص 331 حديث نمبر : 2564 المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي . بيروت عدد الأجزاء : 4* الجامع الصحيح سنن الترمذي ج 4 ص 210 حديث نمبر : 1709

رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کو باہم لڑانے سے منع فرمایا ہے۔

علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں:

وَوَجْهُ النَّهْيِ أَنَّهُ إِيلَامٌ لِلْحَيَوَانَاتِ وَإِتْعَابٌ لَهَابِدُونِ فَائِدَةٍ بَلْ مُجَرَّدُعَبَثٍ[463]

ترجمہ: ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ جانوروں کے لئے اذیت اور بے فائدہ تکان کا باعث بلکہ عبث ہے۔

جانوروں کو ذہنی اذیت پہونچانا بھی گناہ ہے

☆ جسمانی تکلیف تو اپنی جگہ جانوروں کو ذہنی اور معنوی اذیت پہونچانے سے بھی روکا گیا ہے ،رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ چھری جانور کے سامنے تیز نہ کی جائے:

عبد الله بن عمر قال أمر رسول الله صلى الله عليه و سلم بحد الشفار وأن توارى عن البهائم[464]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے ،ایک بار حضور ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ ایک شخص بکری کو گرائے ہوئے اس کے مونڈھے پر پاؤں رکھ کر چھری تیز کررہاہے ،اور بکری اسے دیکھ رہی ہے ،آپ نے ناراضگی کے ساتھ فرمایا کہ کیاتم اسے دوہری موت دیناچاہتے ہو؟

عن ابن عباس قال : مر رسول الله صلى الله عليه و سلم على رجل واضع رجله على صفحة شاة وهو يحد شفرته وهي تلحظ إليه ببصرها

----- حواشی---

المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت تحقيق : أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء : 5-

463 - نيل الأوطار ج 12 ص 402 المؤلف : محمد بن علي بن محمد الشوكاني (المتوفى : 1250هـ)

464 - : سنن ابن ماجه ج 2 ص 1059 حديث نمبر : 3172 المؤلف : محمد بن يزيد أبو عبدالله القزويني الناشر : دار الفكر – بيروت تحقيق : محمد فؤاد عبد الباقي عدد الأجزاء : 2 مع الكتاب : تعليق محمد فؤاد عبد الباقي

قال : أفلا قبل هذا ؟ أو تريد أن تميتها موتتان ؟[465]

جانوروں کی بے زبانی کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ وہ احساسات سے عاری ہیں اوران میں باتوں کے سمجھنے کی اہلیت نہیں ہے، وہ اپنے مالک کو بھی پہچانتے ہیں اور موت سے بھی ڈرتے ہیں، اسی مضمون کو ایک حدیث میں اس طرح بیان فرمایا گیا:

ما أبهمت عليه البهائم فلم تبهم أنها تعرف ربها وتعرف أنها تموت[466]

☆ روایات میں ماں سے اس کا بچہ چھیننے سے منع کیا گیا ہے، خواہ وہ انسان کا ہو یا حیوان کا، کہ اس سے شدید ذہنی صدمہ پہونچتا ہے:

عن النبي صلى الله عليه و سلم أنه نهى أن توله والدة عن ولدها وهو عام في بني آدم وغيرهم[467]

جانوروں کو زندہ جلانا ممنوع ہے

☆ جانوروں کو خواہ وہ کتنے ہی تکلیف دہ ہوں زندہ جلانے سے منع کیا گیا، حضور ﷺ نے ایک بار سفر میں جلی ہوئی چیونٹیوں کی بستیاں دیکھیں، تو آپ نے ناگواری کے ساتھ فرمایا کہ آگ کی سزا دینے کا حق صرف آگ کے مالک کو ہے:

وَرَأَى قَرْيَةَ نَمْلٍ قَدْ حَرَّقْنَاهَا فَقَالَ « مَنْ حَرَّقَ هَذِهِ».قُلْنَا نَحْنُ.قَالَ« إِنَّهُ لاَ يَنْبَغِى أَنْ يُعَذِّبَ بِالنَّارِ إِلاَّ رَبُّ النَّارِ[468].

----- حواشی---

465 - المعجم الكبير ج 11 ص 332 حديث نمبر : 11943المؤلف : سليمان بن أحمد بن أيوب أبو القاسم الطبراني الناشر : مكتبة العلوم والحكم – الموصل الطبعة الثانية ، 1404 – 1983 عدد الأجزاء : 20 -

466 -: جامع العلوم والحكم ج 1 ص 157 المؤلف : أبو الفرج عبد الرحمن بن أحمد بن رجب الحنبلي الناشر : دار المعرفة – بيروت الطبعة الأولى ، 1408هعدد الأجزاء : 1

467 -حوالۂ بالا۔

468 - سنن أبي داود ج 3 ص 8 حديث نمبر : 2677 المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي . بيروت عدد الأجزاء : 4

اسی لئے اکثر علماء کی رائے یہی ہے کہ بچھو یا کسی بھی موذی جانور کو زندہ جلانا درست نہیں ہے:

وأكثرُالعلماء على كراهةِ التحريق بالنار حتى للهوام،وقال إبراهيم النَّخعيُّ :تحريقُ العقرب بالنار مُثلةٌ .ونهت أمُ الدرداءعن تحريق البرغوث بالنار[469]

موذی جانوروں میں آسان طریقۂ قتل اختیار کیا جائے

☆موذی جانوروں کو مارنے کا حکم ہے، مگر اس میں بھی ایسے طریقۂ قتل کو ترجیح دی گئی ہے جس میں کم سے کم تکلیف میں وہ موذی جانور ختم ہو جائے، مثلاً گرگٹ مارنے کا حکم دیا گیا تو کہا گیا کہ ایک ضرب میں مار دینا زیادہ باعث فضیلت ہے، اور اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ کئی ضرب میں تکلیف زیادہ ہوگی[470]۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ« مَنْ قَتَلَ وَزَغَةً فِى أَوَّلِ ضَرْبَةٍ فَلَهُ كَذَاوَكَذَاحَسَنَةً وَمَنْ قَتَلَهَافِى الضَّرْبَةِ الثَّانِيَةِ فَلَهُ كَذَاوَكَذَاحَسَنَةً لِدُونِ الأُولَى وَإِنْ قَتَلَهَافِى الضَّرْبَةِ الثَّالِثَةِ فَلَهُ كَذَاوَكَذَاحَسَنَةًلِدُونِ الثَّانِيَةِ [471].

گھر میں برآمد ہونے والے سانپ کو فوراً نہ مارا جائے

----- حواشی---

مصدر الكتاب : وزارة الأوقاف المصرية وأشاروا إلى جمعية المكنز الإسلامي * مسند الإمام أحمد بن حنبل ج 1 ص 423 حديث نمبر : 4018 المؤلف : أحمد بن حنبل أبو عبدالله الشيباني الناشر : مؤسسة قرطبة –

[469] - جامع العلوم والحكم ج 1 ص 155 المؤلف : أبو الفرج عبد الرحمن بن أحمد بن رجب الحنبلي الناشر : دار المعرفة – بيروت الطبعة الأولى ، 1408هعدد الأجزاء : 1

[470] - یہ توجیہ علامہ قرطبیؒ نے کی ہے، المفہم شرح مسلم میں رقمطراز ہیں:قلت : ويظهر لي وجة آخر ، وهو : أن قتلها وإن كان مأمورًا به لكن لا تعذب بكثرة الضرب عليها ، بل ينبغي أن يجهز عليها في أوَّل ضربة . ويشهد لهذا نهيه . صلى الله عليه وسلم . عن تعذيب الحيوان ، وقوله : ((إذا قتلتم فأحسنوا القتلة ، وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح)) ، والله تعالى أعلم (المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم ج 18 ص 38 المؤلف / الشيخُ الفقيهُ الإمام ، العالمُ العامل ، المحدِّثُ الحافظ ، بقيَّةُ السلف ، أبو العبَّاس أحمَدُ بنُ الشيخِ المرحومِ الفقيهِ أبي حَفْصٍ عُمَرَ بنِ إبراهيمَ الحافظ،الأنصاريُّ القرطبيُّ

[471] - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج 7 ص 42 5983 المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق : الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت الطبعة

گھر میں سانپ بر آمد ہو تو فوراً مارنے سے منع کیا گیا بلکہ کم از کم تین بار عہد نوح اور عہد سلیمان کا حوالہ دینے کی تلقین کی گئی ہے، اس کے باوجود بھی سانپ ڈٹا رہے تو اب وہ لائق قتل ہے، متعدد روایات حدیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ظَهَرَتْ الْحَيَّةُ فِي الْمَسْكَنِ فَقُولُوا لَهَا إِنَّا نَسْأَلُكِ بِعَهْدِ نُوحٍ وَبِعَهْدِ سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ أَنْ لَا تُؤْذِينَا فَإِنْ عَادَتْ فَاقْتُلُوهَاقَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى[472]

اس طرح سانپ جیسے خطرناک جانور کو بھی بچ کر نکلنے کا موقعہ دیا گیا، علاوہ اس میں خود انسان کے لئے بھی بڑے فائدے ہیں، انسان بڑے خطرات سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔

ان تفصیلات سے جانوروں کے بارے میں شریعت اسلامیہ کا مزاج معلوم ہوتا ہے اور ان کے حقوق اور استفادہ اور دفاع کے حدود پر بھی روشنی پڑتی ہے، اس تناظر میں ان سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں جو اس ضمن میں پیدا ہوتے ہیں:

چارہ خور جانوروں کو لحمی غذائیں دینا

ا- آج کل چارہ خور جانوروں کے لئے ایسی غذائیں تیار کی جا رہی ہیں جن میں لحمی اجزاء بھی شامل ہوتے ہیں، تاکہ وہ تیزی سے بڑھ سکیں اور ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جاسکے، جو ظاہر ہے کہ چارہ خور جانوروں کی فطرت کے خلاف ہے، کیا یہ عمل جائز ہے؟

اس سوال میں دو باتیں قابل توجہ ہیں اور انہی پر حکم کی بنیاد ہے:

لحمی غذائیں اگر جانور کے لئے نقصان دہ ہوں

☆ یہ لحمی غذائیں جانور کے لئے باعث ایذا ہیں یا نہیں؟ اگر خلاف فطرت ہونے کے باوجود ان کو

----- حواشی

[472] - الجامع الصحيح سنن الترمذي ج 4 ص 78 حديث نمبر : 1485 المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت تحقيق : أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء : 5

کوئی جسمانی یا ذہنی اذیت نہیں پہونچتی ہے تو بظاہر اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس لئے کہ چارہ خور اور گوشت خور کی تقسیم کسی نص پر نہیں بلکہ تخمین واستقراء پر مبنی ہے، جو ظنی ہے، اگر کسی زمانے میں یا کسی جانور کے حق میں کسی وجہ سے یہ معیار تبدیل ہو جائے، اور وہ جانور کے لئے باعث اذیت نہ ہو اور عام انسانوں کے لئے مفید ہو تو شرعی ضوابط کے مطابق اس میں کچھ حرج نہیں ہے، جانور تو انسان کے فائدے کے لئے ہی بنائے گئے ہیں، اس لئے غذائی تصرفات کے نتیجے میں اگر یہ فائدے بڑھ جاتے ہیں تو یہ نہ خلاف موضوع ہے اور نہ خلاف مقصود، قرآن کریم میں ہے:

وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ [473]

ترجمہ: جانوروں کو اللہ پاک نے تمہارے لئے پیدا فرمایا، ان جانوروں میں گرمی کا سامان ہے اور بہت سے منافع ہیں، تمہاری غذائی ضروریات بھی ان سے پوری ہوتی ہیں۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جانوروں میں بہت سے منافع ہیں لیکن غذائیت بنیادی چیز ہے۔۔

نیز جانوروں میں گوشت اور وزن کی زیادتی بھی مذموم نہیں، بلکہ مطلوب ہے، اس لئے کہ قربانی کے جانوروں کو موٹا اور باوزن بنانے پر زور دیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إن أفضل الضحايا أغلاها و أسمنها [474]

ترجمہ: سب سے بہتر قربانی وہ ہے جو گراں اور زیادہ موٹا ہو،

اسی طرح گوشت کی لذت ولطافت بھی امر محمود ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جانوروں کو خصی کرنے کی اجازت دی ہے کہ اس سے گوشت میں لطافت ولذت پیدا ہوتی ہے، جب کہ یہ عمل بظاہر خلاف فطرت اور تکلیف دہ محسوس ہوتا ہے، اور یگونہ نسل کشی بھی ہے، لیکن غذائی لطافت ولذت کے لئے اس کی اجازت دی گئی، شیخی زادہؒ تحریر فرماتے ہیں:

----- حواشی--

473 -الحجر : ٥ -

474 - المستدرك على الصحيحين ج 4 ص 257 حديث نمبر : 7561المؤلف : محمد بن عبدالله أبو عبدالله الحاكم النيسابوري الناشر : دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة الأولى ، 1411 – 1990 تحقيق : مصطفى عبد القادر عطا عدد الأجزاء : 4 مع الكتاب : تعليقات الذهبي في التلخيص -

ویجوز إخصاء البھائم منفعة للناس لأن لحم الخصي أطیب[475]

ترجمہ: جانوروں کو خصی کرنا لوگوں کے نفع کے لئے جائز ہے، اس لئے کہ خصی کا گوشت لذیذ تر ہوتا ہے۔

البتہ اگر لحمی غذائیں جانوروں کے لئے باعث اذیت ہوں، یا ان سے جانور کے گوشت اور دودھ میں خرابی پیدا ہوتی ہو تو اس کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

لحمی غذاؤں میں اگر حرام اجزاء کی شمولیت ہو

☆دوسرا پہلو یہ ہے کہ ان لحمی غذاؤں میں حرام اور ناپاک اجزاء کی شمولیت ہے یا نہیں؟ حکم شرعی پر اس سے بھی فرق پڑتا ہے، اگر لحمی غذاؤں میں حرام اور ناپاک اجزاء غالب ہیں تو فقہاء کی تصریحات کے مطابق بالقصد جانوروں کو ناپاک غذائیں دینا جائز نہیں ہے، البتہ علاج اور ضرورت کی صورتیں مستثنیٰ ہیں ، علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

وَكُرِهَ شُرْبُ دُرْدِيِّ الْخَمْرِ وَالِامْتِشَاطُ بِهِ)لِأَنَّ فيه أَجْزَاءَ الْخَمْرِ فَكَانَ حَرَامًانَجِسًا وَ الِانْتِفَاعُ بمثله حَرَامٌ وَلِهَذَا لَا يَجُوزُ أَنْ يُدَاوِيَ بِهِ جُرْحًا وَلَا أَنْ يَسْقِيَ ذِمِّيًّا وَلَا صَبِيًّا وَالْوَبَالُ على من سَقَاهُ وَكَذَا لَا يُسْقِيهِ الدَّوَابَّ ------- كمالَا يَحْمِلُ الْمَيْتَةَ إلَى الْكَلْبِ[476]

ترجمہ: شراب کے تلچھٹ کو پینا یا لگانا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس میں اجزاء خمر موجود ہیں، پس یہ ناپاک ہیں، اور ان سے انتفاع حرام ہے، اس کو زخم پر بطور دوا لگانا بھی جائز نہیں، اور نہ کسی ذمی یا بچے کو پلانا جائز ہے، اور وبال پلانے والے کی گردن پر

----- حواشی---

475 - مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر ج 4 ص 224 عبد الرحمن بن محمد بن سليمان الكليبولي المدعو بشيخي زاده سنة الولادة / سنة الوفاة 1078ھ تحقيق خرج آياته وأحاديثه خليل عمران المنصور الناشر دار الكتب العلمية سنة النشر 1419ھ – 1998م مكان النشر لبنان/ بيروت عدد الأجزاء 4-

476 - البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 8 ص 249 زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926ھ/ سنة الوفاة 970ھ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت -

ہو گا، اسی طرح جانوروں کو پلانا بھی درست نہیں، جس طرح کہ کتے کے سامنے مردار چیز نہیں ڈالی جائے گی۔

اسی طرح کی بات مجمع الانہر میں بھی ہے:

ولا يجوز الانتفاع بالخمر لأن الانتفاع بالنجس حرام كما حققناه في الكراهية ولا يجوز أن يداوى بها أي بالخمر جرح بضم الجيم ولا يجوز أن يداوي بها دبردابة لأنه نوع انتفاع والدبر بالتحريك قرحة دابة ولا تسقى آدميا ولو وصليةصبيا للتداوي كما بيناه في الكراهية ولا تسقى الدواب مطلقا[477]

☆ **ولا تحمل الجيفة إلى الهرة وتحمل الهرة إليها**[478]

ہاں جانور خود جا کر کھالے تو مضائقہ نہیں:

وقيل إن أريد سقي الدواب لا يحمل الخمر إليهاأي إلى الدابةفإن قيدت أي الدابة إلى الخمر فلا بأس به أي بالقود لأنه لا يكون حاملها كما في الكلب مع الميتة فإنه إن دعاه إليها فلا بأس به وإن حملها إليه لا يجوز[479]

البتہ اس سے جانور کے گوشت کی حلت پر اثر نہیں پڑے گا، اس لئے کہ معدہ میں پہونچ کر غذا تحلیل ہو جاتی ہے، اور دوسرے اجزاء سے مل کر فنا ہو جاتی ہے، الایہ کہ اتنی کثرت سے ناپاک غذائیں دی جائیں کہ جانور کے گوشت میں اس کے اثرات نمایاں ہو جائیں، تو ایسے جانور کا گوشت کھانا درست نہ ہو گا،

----- حواشی ---

477 - مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر ج 4 ص 253 عبد الرحمن بن محمد بن سليمان الكليبولي المدعو بشيخي زاده سنة الولادة / سنة الوفاة 1078هـ تحقيق خرج آياته وأحاديثه خليل عمران المنصور الناشر دار الكتب العلمية سنة النشر 1419هـ – 1998م مكان النشر لبنان/ بيروت عدد الأجزاء 4

478 -الاختيار لتعليل المختارج 4 ص 179 المؤلف : عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي الحنفي دار النشر : دار الكتب العلمية – بيروت / لبنان – 1426 هـ – 2005 م الطبعة : الثالثة تحقيق : عبد اللطيف محمد عبد الرحمن عدد الأجزاء / 5

479 -حوالۂ بالا ۔

فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے:

☆وَلَوْسَقَى شَاةً خَمْرًا لَا يُكْرَهُ لَحْمُهَا وَلَبَنُهَا لِأَنَّ الْخَمْرَ وَإِنْ كانت بَاقِيَةً فِي مَعِدَتِهَافلم يَخْتَلِطْ بِلَحْمِهَاوَإِنْ اسْتَحَالَتْ الْخَمْرُلَحْمًا فَيَجُوزُ كما لو اسْتَحَالَتْ خَلًّا إلَّا إذَا سَقَاهَا كَثِيرًا بِحَيْثُ يُؤَثِّرُ فِي رَائِحَتِهَا الْخَمْرُ فإنه يُكْرَهُ لَحْمُهَا[480]

☆أَمَّا الَّتِي تَخْلِطُ بِأَنْ تَتَنَاوَلَ النَّجَاسَةَ وَالْجِيَفَ،و تَتَنَاوَلَ غَيْرَهَا عَلَى وَجْهٍ لَايَظْهَرُ أَثَرُ ذَلِكَ فِي لَحْمِهَا فَلَا بَأْسَ بِهِ وَلِهَذَا يَحِلُّ أَكْلُ لَحْمِ جَدْيٍ غُذِّيَ بِلَبَنِ الْخِنْزِيرِ ؛ لِأَنَّ لَحْمَهُ لَا يَتَغَيَّرُ ، وَمَا غُذِّيَ بِهِ يَصِيرُ مُسْتَهْلَكًا لَا يَبْقَى لَهُ أَثَرٌوعَلَى هَذَا قَالُوا لَا بَأْسَ بِأَكْلِ الدَّجَاجِ ؛لِأَنَّهُ يَخْلِطُ ، وَلَا يَتَغَيَّرُ لَحْمُهُ وَرُوِيَ {أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يَأْكُلُ الدَّجَاجَ}[481]

دودھ یا گوشت میں اضافے کے لئے جانوروں کو انجکشن دینا

(۲)زیادہ دودھ حاصل کرنے کے لئے اور بعض چھوٹے جانوروں کے گوشت میں اضافے کے لئے جانوروں کو انجکشن لگانا جائز ہے، بشرطیکہ اس سے حاصل ہونے والا دودھ یا گوشت صالح ہو،اور جانوروں کی جسمانی صحت پر منفی اثرات نہ پڑیں۔۔۔

☆اگر دودھ اور گوشت تو صحیح ہوں لیکن جانور کی صحت اس سے متأثر ہوتی ہو تو بھی اس کی

----- حواشی---

[480] - البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 8 ص 249 زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926ھ/ سنة الوفاة 970ھ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت -

[481] -. تبين الحقائق شرح كنز الدقائق ج 6 ص 10 فخر الدين عثمان بن علي الزيلعي الحنفي.الناشر دار الكتب الإسلامي.سنة النشر 1313ھ.مكان النشر القاهرة.عدد الأجزاء 6*3 وكذا فى : رد المحتار على "الدر المختار : شرح تنوير الابصار" ج 26 ص 303 المؤلف : ابن عابدين ، محمد أمين بن عمر (المتوفى : 1252ھ)* والمبسوط ج 14 ص 143 المؤلف : محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (المتوفى : 483ھ) والمحيط البرهاني ج ص 649 المؤلف : محمود بن أحمد بن الصدر الشهيد النجاري برهان الدين مازه المحقق : الناشر : دار إحياء التراث العربي

گنجائش ہے اس لئے کہ جانوروں کو بے فائدہ تکلیف دینا مکروہ ہے، مگر انسانی مفادات کے حصول کے لئے جانوروں کو تھوڑی بہت تکلیف دینے کی شرعاً اجازت ہے:

☆**ولأن السمة وإن كان فيها إيلام الحيوان ففيها منفعة للمسلمين**[482]

وهذه الأحاديث كلها تدلُّ على جواز كي الحيوان لمصلحة العلامة في كل الأعضاء إلا في الوجه . و هو مستثنى من تعذيب الحيوان بالنار ؛ لأجل المصلحة الرَّاجحة . وإذا كان كذلك ، فينبني أن يقتصر منه على الخفيف الذي يحصل به المقصود،ولا يبالغ في التعذيب ولاالتشويه. وهذا لا يختلف فيه الفقهاء إن شاء الله تعالى[483]

وكل زيادة تعذيب لا يحتاج إليها مكروهة كجر المذبوح برجله إلى المذبح وسلخه قبل أن يتم موته[484]

★**(و) كره كل تعذيب بلا فائدة**[485]

☆البتہ گوشت یا دودھ کے فاسد یا مضر صحت ہونے کی صورت میں اس عمل کی اجازت نہیں دی جائے گی، اس لئے کہ یہ تعذیب بلافائدہ قرار پائے گی۔

حلال اور حرام جانوروں کا جنسی اختلاط

(۳) حلال جانوروں کے دودھ میں اضافہ یا اس کے جسمانی حجم کو بڑھانے کے لئے حرام جانور سے

----- حواشی---

[482] - شرح السير الكبير ج 5 ص 217 -

[483] - المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم ج 17 ص 114 المؤلف / الشيخُ الفقيهُ الإمام ، العالمُ العامل ، المحدِّثُ الحافظ،بقيَّةُ السلف،أبوالعبَّاس أَحْمَدُبنُ الشيخِ المرحومِ الفقيهِ أبي حَفْصٍ عُمَرَبنِ إبراهيمَ الحافظ،الأنصاريُّ القرطبيُّ

[484] - تحفة الملوك (في فقه مذهب الإمام أبي حنيفة النعمان)ج 1 ص 241 محمد بن أبي بكر بن عبد القادر الرازي سنة الولادة 0/ سنة الوفاة 666 تحقيق د. عبد الله نذير أحمدالناشر دار البشائر الإسلامية سنة النشر 1417 مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 1

[485] - الدر المختار ، شرح تنوير الأبصار في فقه مذهب الإمام أبي حنيفة ج 5 ص 607 المؤلف : محمد ، علاء الدين بن علي الحصكفي (المتوفى : 1088هـ)

اس کا اختلاط کرایا جاتا ہے، خاص کر جرسی گائے کے بارے میں عام تصور یہ ہے کہ یہ خنزیر کے اختلاط سے پیدا ہوتی ہیں، اسی لئے ان کے دودھ کی مقدار دوسری گایوں کے مقابلے میں کافی زیادہ ہوتی ہے، یہاں پر دو سوال پیدا ہوتے ہیں:

(الف) کیا ایک جانور کا اس طرح دوسری جنس کے جانور سے اختلاط کرانا درست ہے؟

(ب) دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر ان میں سے ایک حلال اور دوسرا حرام ہو تو اس سے پیدا ہونے والے بچوں پر شرعاً کیا اثر مرتب ہوگا؟

جائز مقاصد کے لئے دو مختلف الجنس جانوروں کا اختلاط جائز ہے

☆ نصوص اور فقہی عبارات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ جانوروں میں تحفظ نسب ملحوظ نہیں ہے اس لئے جائز اغراض ومقاصد کے لئے دو مختلف الجنس جانوروں کا باہم اختلاط کرانا جائز ہے ،بشرطیکہ اس سے جانور یا حاصل شدہ نتائج پر مضر اثرات مرتب نہ ہوں:

☆ اس لئے کہ قرآن کریم میں خچر کا ذکر موقعۂ امتنان و تحسین پر کیا گیا ہے، جو گدھی اور گھوڑے کے اختلاط سے پیدا ہوتا ہے،[486] جس سے کم از کم اس کی اباحت ثابت ہوتی ہے، کیونکہ موقعۂ تحسین پر کسی چیز کا ذکر کرنا اس کی ترغیب کے مترادف ہے:

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ[487]

----- حواشی ---

486 - کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اس اختلاط کا تجربہ قارون نے کیا، اسی طرح حضرت علیؓ کے حوالے سے منقول ہے کہ ابتدا میں خچروں میں توالد و تناسل کا سلسلہ بھی جاری تھا، بلکہ دوسرے جانوروں کے مقابلے میں بڑھ کر تھا، لیکن آتش نمرود کے لئے لکڑیاں ڈھونے میں انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اس لئے حضرت ابراھیم علیہ السلام نے بد دعا فرمادی، اور ان کی نسل منقطع ہوگئی (**حاشية البجيرمي على الخطيب ج 13 ص 169المؤلف : سليمان بن محمد البجيرمي (المتوفى : 1221هـ)[حاشية على كتاب الخطيب الشربيني المسمى الإقناع في حل ألفاظ أبي شجاع] ، تحفة الحبيب على شرح الخطيب (البجيرمي على الخطيب)ج 5 ص 220 المؤلف : سليمان بن محمد بن عمر البجيرمي الشافعي دار النشر : دار الكتب العلمية – بيروت/ لبنان – 1417هـ –1996م الطبعة : الأولى عدد الأجزاء / 5**

487 -النحل : ۸ -

ترجمہ: اللہ پاک نے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا فرمائے، تاکہ تم ان پر سواری کرو اور زینت کے لئے استعمال کرو، اور اللہ پاک پیدا فرماتے ہیں جو تم نہیں جانتے۔

☆رسول اللہ ﷺ سے بھی بکثرت خچر کی سواری کا ثبوت ملتا ہے، حنین کے موقعہ پر آپ نے سواری کے لئے خچر کو استعمال فرمایا[488]، حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک بار ہدیہ میں خچر پیش کیا گیا تو آپ نے قبول فرمایا اور اس پر سوار ہوئے[489]۔ اگر خچر کا طریقۂ پیدائش ممنوع ہوتا تو حضور ﷺ ہرگز اس پر سواری فرما کر اس کی حوصلہ افزائی نہ فرماتے۔۔۔۔۔

البتہ اسی روایت کا اگلا ٹکڑا یہ ہے کہ جب حضرت علیؓ نے حضور ﷺ سے اس طریقۂ اختلاط کو اختیار کرنے کی اجازت مانگی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "یہ عمل وہ لوگ کرتے ہیں جو بے علم ہیں"

فَقَالَ عَلِىٌّ لَوْ حَمَلْنَا الْحَمِيرَ عَلَى الْخَيْلِ فَكَانَتْ لَنَا مِثْلُ هَذِهِ.قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم- « إِنَّمَا يَفْعَلُ ذَلِكَ الَّذِينَ لاَ يَعْلَمُونَ[490]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل پسندیدہ نہیں ہے، اسی لئے بعض روایات میں صراحت کے ساتھ یہ ذکر ہے کہ حضور ﷺ نے بنی ہاشم کو اس عمل سے منع فرمایا:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- عَبْدًامَأْمُورًا مَااخْتَصَّنَا دُونَ النَّاسِ بِشَىْءٍ إِلاَّ بِثَلاَثٍ أَمَرَنَا أَنْ نُسْبِغَ الْوُضُوءَ وَأَنْ لاَ نَأْكُلَ الصَّدَقَةَ وَأَنْ لاَنُنْزِىَ حِمَارًاعَلَى فَرَسٍ. قَالَ أَبُو عِيسَى وَفِى الْبَابِ

----- حواشی-----

[488] - الجامع الصحيح المختصرج ج 3 ص 1054 حديث نمبر : 2719 المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب .

[489] - سنن أبي داود ج 2 ص 331 حديث نمبر : 2567 المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي . بيروت عدد الأجزاء : 4

[490] -حوالۂ بالا۔

عَنْ عَلِيٍّ وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ[491]

یہ روایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالے سے بھی منقول ہے[492]۔

انہی روایات کی بنیاد پر بعض علماء نے مثلاً علامہ طیبیؒ وغیرہ نے اس عمل کو ناجائز یا مکروہ کہا ہے، یہ حضرات اس طریق اختلاط کو قطع نسل کے مترادف قرار دیتے ہیں۔۔۔۔۔ علاوہ یہ اعلیٰ کو ادنیٰ سے تبدیل کرنا بھی ہے[493]۔

لیکن امام طحاویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث کے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ممانعت صرف بنی ہاشم کے لئے تھی، دوسروں کے لئے نہیں، اور بنی ہاشم کے لئے بھی یہ ممانعت بقول حضرت عبد اللہ بن حسنؒ اس علت کی بنا پر تھی، کہ بنی ہاشم میں گھوڑوں کی تعداد کم تھی اور اس عمل سے یہ تعداد مزید کم ہو جاتی، جب کہ جہاد اور تیز رفتار سفر کے لئے گھوڑوں کی زیادہ ضرورت تھی، اس طرح گویا بنی ہاشم کے لئے بھی یہ ممانعت دائمی نہیں تھی۔۔۔۔ ورنہ خچر اگر ایسا ہی شجر ممنوعہ ہوتا تو خود رسول اللہ ﷺ اس کی سواری قبول نہ فرماتے:

فَإِنْ قَالَ قَائِلٌ:فَمَامَعْنَى اخْتِصَاصِ النَّبِيِّ بَنِي هَاشِمٍ بِالنَّهْيِ عَنْ إنْزَاءِ الْحَمِيرِعَلَى الْخَيْلِ ؟ قِيلَ لَهُ : لِمَا حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي دَاوُد,قَالَ:حَدَّثَنَاأَبُوعُمَرَ الْحَوْضِيُّ قَالَ:حَدَّثَنَاالْمُرَجَّى,هُوَابْنُ رَجَاءَ ،قَالَ:حَدَّثَنَا أَبُو جَهْضَمٍ ,قَالَ:حَدَّثَنِي عُبَيْدُاللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ, عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما , قَالَ : مَا اخْتَصَّنَا رَسُولُ اللَّهِ إلَّا بِثَلاَثٍ : أَنْ لاَ نَأْكُلَ الصَّدَقَةَ , وَأَنْ نُسْبِغَ الْوُضُوءَ , وَأَنْ لاَ نُنْزِيَ حِمَارًا عَلَى فَرَسٍ. قَالَ : فَلَقِيت عَبْدَ اللَّهِ بْنَ

----- حواشی --

491 - سنن الترمذی ج 6 ص 486 حدیث نمبر : 1802المؤلف : محمد بن عيسى بن سَوْرة بن موسى بن الضحاك، الترمذي، أبو عيسى مصدر الكتاب : موقع وزارة الأوقاف المصرية

492 - مسند الإمام أحمد بن حنبل ج 1 ص 132 حدیث نمبر :1108 المؤلف : أحمد بن حنبل أبو عبدالله الشيباني الناشر : مؤسسة قرطبة – القاهرة عدد الأجزاء : 6الأحاديث مذيلة بأحكام شعيب الأرنؤوط عليها

493 - مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ج 12 ص 29 المؤلف : الملا علي القاري ، علي بن سلطان محمد (المتوفى : 1014هـ)

الْحَسَنِ وَهُوَ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ , فَحَدَّثْته , فَقَالَ : صَدَقَ , كَانَتْ الْخَيْلُ قَلِيلَةً فِي بَنِي هَاشِمٍ فَأَحَبَّ أَنْ تَكْثُرَفِيهِمْ .فَبَيَّنَ عَبْدُ اللَّهُ بْنُ الْحَسَنِ – بِتَفْسِيرِهِ هَذَا – الْمَعْنَى الَّذِي لَهُ اخْتَصَّ رَسُولُ اللَّهِ بَنِي هَاشِمٍ أَنْ لاَ تَنْزُوا الْحِمَارَ عَلَى فَرَسٍ, وَأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لِلتَّحْرِيمِ وَإِنَّمَا كَانَتْ الْعِلَّةُ , قِلَّةَ الْخَيْلِ فِيهِمْ , فَإِذَا ارْتَفَعَتْ تِلْكَ الْعِلَّةُ ,كَثُرَتْ الْخَيْلُ فِي أَيْدِيهِمْ ,صَارُوا فِي ذَلِكَ كَغَيْرِهِمْ . وَفِي اخْتِصَاصِ النَّبِيِّ بِالنَّهْيِ عَنْ ذَلِكَ دَلِيلٌ عَلَى إبَاحَتِهِ إيَّاهُ لِغَيْرِهِمْ.وَلِمَا كَانَ قَدْ جَعَلَ فِي ارْتِبَاطِ الْخَيْلِ , مَا ذَكَرْنَامِنْ الثَّوَابِ وَالأَجْرِ , وَسُئِلَ عَنْ ارْتِبَاطِ الْحَمِيرِ , فَلَمْ يَجْعَلْ فِي ارْتِبَاطِهَا شَيْئًا وَالْبِغَالُ الَّتِي هِيَ خِلاَفُ الْخَيْلِ مِثْلُهَا –كَانَ مِنْ تَرْكِ أَنْ تُنْتِجَ مَا فِي ارْتِبَاطِهِ وَكَسْبِهِ ثَوَابٌ , وَأَنْتَجَ مَا لاَ ثَوَابَ فِي ارْتِبَاطِهِ وَكَسْبِهِ , مِنْ الَّذِينَ لاَ يَعْلَمُونَ فَقَدْ ثَبَتَ بِمَا ذَكَرْنَا,إبَاحَةُ نَتْجِ الْبِغَالِ لِبَنِي هَاشِمٍ , وَغَيْرِهِمْ,وَإِنْ كَانَ إنْتَاجُ الْخَيْلِ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ,وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ,وَأَبِي يُوسُفَ , وَمُحَمَّدٍ , رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ[494]

اس لئے اس کے جواز کا انکار کرنا مشکل ہے، زیادہ سے زیادہ اس کو مکروہ تنزیہی کہا جاسکتا ہے، اس لئے کہ مذکورہ بالا روایت میں حضور ﷺ نے اس عمل کو لاعلمی پر مبنی قرار دیا ہے، حنفیہ کا نقطۂ نظر یہی ہے:

ولعلّ علماءنا حملوه على كراهة التنزيه وجوّزوه[495]۔

دوسری کتابوں میں جواز کی صراحت موجود ہے، *مجمع الانہر* میں ہے:

----- حواشی---

[494] - معاني الآثارج 7 ص 63 شرح معاني الآثار ج 4 ص 321 المؤلف : أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة بن عبد الملك بن سلمة الأزدي الحجري المصري المعروف بالطحاوي (المتوفى : 321هـ)

[495] - شرح الوقاية ج 5 ص 270 عليُّ بن سلطان محمد القاري الحنيفي الحنفي اسم المتن وقاية الرواية في مسائل الهداية في الفقه الحنفي لبرهان الشريعة محمود بن صدر الشريعة الأول الخولي الحنفي۔

ویجوز إنزاء الحمیرعلی الخیل إذ لو کان هذا الفعل حراما لما رکب النبي علیه الصلاة والسلام البغلة لما فیه من فتح بابه[496]۔

کراہت تنزیہی خلاف اولیٰ کے ہم معنیٰ ہوتی ہے، اگر اس کو جائز اغراض ومقاصد کے لئے استعمال کیا جائے تو یہ کراہت بھی باقی نہ رہے گی، یا جن وجوہات کی بنا پر اس کو ناپسند کیا گیا ہے وہ موجود نہ رہیں تو بھی کراہت صادق نہ آئے گی۔

جانوروں کا اختلاط کبھی موجب عیب بھی ہوتا ہے

سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ آج کے دور میں مختلف الجنس جانوروں کے اختلاط کا اہم مقصد زیادہ سے زیادہ دودھ یا گوشت والی نسل کا حصول ہے، اور یہ کوئی غلط مقصد نہیں ہے، اس لئے اگر یہ اطمینان ہو کہ اس سے حاصل ہونے والا دودھ، گوشت یا نسل منفی اثرات سے پاک ہے، تو حنفیہ کے اصول پر اس میں کوئی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا۔۔۔۔

دراصل مختلف الجنس جانوروں کا اختلاط ایک خلاف فطرت عمل ہے اسی لئے عہد قدیم سے ہی علماء کو اس سلسلے میں خدشات رہے ہیں کہ بالعموم دو جنسوں کے اختلاط سے پیدا ہونے والی نسل میں طبعی خباثت اور بہت سے عیوب ونقائص پیدا ہو جاتے ہیں، علامہ خطابیؒ رقمطراز ہیں:

ولئلایکون منه الحیوان المرکب من نوعین مختلفین،فإن أکثرالمرکبات المتولدةبین جنسین من الحیوان أخبث طبعا من أصولها التي تتولد منها وأشد شراسة کالسمع، والعسبار ونحوهما ، وکذلك البغل لما یعتریه من

----- حواشی---

[496] - **مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر ج 4 ص 224 عبد الرحمن بن محمد بن سليمان الكليبولي المدعو بشيخي زاده سنة الولادة / سنة الوفاة 1078ه تحقيق خرج آياته وأحاديثه خليل عمران المنصور الناشر دار الكتب العلمية سنة النشر 1419ه – 1998م مكان النشر لبنان/ بيروت عدد الأجزاء 4 -وكذا فی** الدر وحاشية ابن عابدين 5 / 249 ط بولاق الأولى .

الشماس والحران والعضاض،ونحوها من العيوب والآفات[497]۔

جانوروں میں بچے ماں کے تابع ہوتے ہیں

☆ مسئلے کا دوسرا جزو یہ ہے کہ اگر اختلاط میں ایک جانور حلال ہو اور دوسرا حرام، تو اس سے پیدا ہونے والے بچوں پر شرعاً کیا اثر مرتب ہوگا؟

اس معاملے میں فقہاء حنفیہ اور مالکیہ کا اتفاق ہے کہ جانوروں میں اصل اعتبار ماں کا ہے، حکم شرعی ماں کے تابع ہوگا، یعنی ماں اگر حلال جانور ہے تو پیدا ہونے والا بچہ بھی حلال ہوگا، اور ماں حرام ہے تو بچہ بھی حرام قرار پائے گا، اسی طرح پالتو مادہ جانور کے شکم سے پیدا ہونے والا بچہ پالتو ہوگا، اور جنگلی جانور کے پیٹ سے جنم لینے والا بچہ جنگلی، اس لئے کہ نر جانور سے صرف نطفہ نکلتا ہے اور مادہ کے جسم میں اس نطفہ کا قلب ماہیت ہو جاتا ہے اور ایک عرصہ تک ماں کے پیٹ میں رہ کر نئے وجود میں تبدیل ہو جاتا ہے کتب فقہیہ میں اس کی صراحتیں موجود ہیں، شامی لکھتے ہیں:

والمولود بين الأهل والوحشي يتبع الأم ؛ لأنها الأصل في التبعية،حتى إذا نزاالذئب على الشاة يضحى بالولد------ لأنها الأصل في الولد لانفصاله منها--ولاينفصل من الأب إلاماءمهينا،ولهذا يتبعها في الرق والحرية ، وإنما أضيف الآدمي إلى أبيه تشريفا له،وصيانة له عن الضياع ، وإلافالأصل إضافته إلى الأم كما في البدائع--------نتيجة الأهلي والوحشي تلحق بالأم على المرضي ومثله نتيجة المحرم مع المباح يأخي فاعلم هذا هوالمشهوربين العلماءوالحظرفي هذا حكوه فاعلما------------قال في البدائع : فلو نزا ثور وحشي على بقرة أهلية فولدت ولدا يضحي به دون العكس لأنه ينفصل عن الأم وهو حيوان متقوم تتعلق به الأحكام ، ومن الأب ماء

----- حواشی ---

497 - معالم السنن 2 / 251 ، 252 وهو شرح سنن أبي داودالمؤلف : أبو سليمان أحمد بن محمد الخطابي البستي (288 هـ) ط محمد راغب الطباخ سنة 1351 هـ .

مهين ولذا يتبع الأم في الرق والحرية[498]

اس لئے جرسی گائے گو کہ خنزیر کے اختلاط سے پیدا ہوئی ہو لیکن گائے کے شکم سے پیدا ہونے کی بنا پر اس پر گائے کا حکم عائد ہوگا، **مجمع الانہر** میں ہے:

والمولود بين الأهلي والوحشي يتبع الأم لأنها هي الأصل في التبعية فيجوز بالبغل الذي أمه بقرة وبالظبي الذي أمه شاة[499]

شوقیہ جانور کو پنجرہ میں رکھنا

(۴) زینت کے طور پر بعض جانور پنجرے میں رکھے جاتے ہیں، جیسے پرندے ہرن وغیرہ ان کو کھانا مقصود نہیں ہوتا اور نہ ان کی تجارت مقصود ہوتی ہے:

فقہی عبارات وجزئیات کی روشنی میں چند شرائط کے ساتھ اس کا جواز معلوم ہوتا ہے:

☆ وہ موذی جانور کے قبیل سے نہ ہوں۔

☆ ان کے کھانے پینے اور حقوق زندگی کی ادائیگی میں کوتاہی نہ برتی جائے۔

☆ نیز ان کو اپنے حدود ملکیت میں رکھا جائے۔

وَفِي أُضْحِيَّةِ النَّوَازِلِ رَجُلٌ لَهُ كِلَابٌ لَا يَحْتَاجُ إلَيْهَا وَلِجِيرَانِهِ فِيهَا ضَرَرٌ فَإِنْ أَمْسَكَهَا فِي مِلْكِهِ فَلَيْسَ لِجِيرَانِهِ مَنْعُهُ وَإِنْ أَرْسَلَهَا فِي السِّكَّةِ فَلَهُمْ مَنْعُهُ فَإِنْ امْتَنَعَ وَإِلَّا رَفَعُوهُ إلَى الْقَاضِي أَوْ إلَى صَاحِبِ الْحِسْبَةِ حَتَّى يَمْنَعَهُ عَنْ

----- حواشی---

[498] - **رد المحتار على "الدر المختار : شرح تنوير الابصار" ج 2 ص 169 المؤلف : ابن عابدين ، محمد أمين بن عمر (المتوفى : 1252هـ) ج 26 ص 240-**

[499] - **مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر ج 4 ص 171عبد الرحمن بن محمد بن سليمان الكليبولي المدعو بشيخي زاده سنة الولادة / سنة الوفاة 1078هـ تحقيق خرج آياته وأحاديثه خليل عمران المنصور الناشر دار الكتب العلمية سنة النشر 1419هـ – 1998م مكان النشر لبنان/ بيروت عدد الأجزاء 4 ،كذا فی الهداية شرح بداية المبتدي ج 4 ص 75 أبي الحسن علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الرشداني المرغياني سنة الولادة 511هـ/ سنة الوفاة 593هـ الناشر المكتبة الإسلامية -**

ذَلِكَ وَكَذَلِكَ مَنْ أَمْسَكَ دَجَاجَةً أَوْ جَحْشًا أَوْ عُجُولًا فِي الرُّسْتَاقِ فَهُوَ عَلَى هَذَيْنِ الْوَجْهَيْنِ كَذَا فِي الْمُحِيطِ.[500]۔

البتہ محض شوقیہ یا فخر و نمائش کے لئے جانوروں کو محبوس رکھنا خلاف اولیٰ ہے، احادیث میں اس کی مذمت وارد ہوئی ہے، ارشاد نبوی ہے:

ومن ارتبطها تغنيا وتعففا ثم لم ينس حق الله في رقابها وظهورها كانت له سترا من النارومن ارتبطهافخراورياءونواءعلى المسلمين كانت له بورا يوم القيامة[501]

موذی جانوروں کو شوقیہ قید رکھنا

(۵) موذی جانوروں مثلاً خونخوار کتا، شیر اور سانپ وغیرہ کو صرف جائز مقاصد (مثلاً چور وغیرہ سے تحفظ یا شکار وغیرہ) کے لئے قید رکھا جاسکتا ہے، محض شوق یا فخر و نمائش کے جذبات کی تسکین کے لئے ان کو بند رکھنا درست نہیں ہے:

☆ اس لئے کہ ان میں مضرت غالب ہے، خدانخواستہ اگر کبھی یہ بے قابو ہو جائیں تو بہت سی انسانی اور حیوانی جانوں کا نقصان ہو سکتا ہے:

وَفِي الْأَجْنَاسِ لَا يَنْبَغِي أَنْ يَتَّخِذَ كَلْبًا إِلَّا أَنْ يَخَافَ مِنْ اللُّصُوصِ أَوْغَيْرِهِمْ وَكَذَا الْأَسَدُ وَالْفَهْدُ وَالضَّبُعُ وَجَمِيعُ السِّبَاعِ وَهَذَا قِيَاسُ قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى كَذَافِي الْخُلَاصَةِ[502].

----- حواشی ---

[500] -- الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان ج 1 ص 166 الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند سنة الولادة / سنة الوفاة تحقيق الناشر دار الفكر سنة النشر 1411هـ – 1991م مكان النشر عدد الأجزاء 6

[501] - شرح معاني الآثار ج 3 ص 273 حديث نمبر : 4937 المؤلف : أحمد بن محمد بن سلامة بن عبدالملك بن سلمة أبو جعفر الطحاوي الناشر : دار الكتب العلمية –بيروت الطبعةالأولى، 1399 تحقيق : محمد زهري النجار عدد الأجزاء : 4

[502] - الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان ج 1 ص 166 الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند سنة الولادة / سنة الوفاة تحقيق الناشر دار الفكر سنة النشر 1411هـ – 1991م مكان النشر عدد الأجزاء 6 ۔

☆نیز بے شمار روایات میں موذی جانوروں کو رکھنے اور پالنے کے بجائے قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، بلکہ بعض روایات میں قدرت کے باوجود ان کو قتل نہ کرنے پر سخت نکیر بھی آئی ہے:

☆حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ:

سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول من قتل حيةفكأنماقتل رجلا مشركا [503]

کنز العمال سے اس مضمون کی چند روایات نقل کی جاتی ہیں:

☆- من قتل حية أو عقربا فكأنما قتل كافرا"خط-عن ابن مسعود".

***من قتل حية فله سبع حسنات، ومن قتل وزغة فله حسنة ."حم، حب عن ابن مسعود*خلق الإنسان والحية سواء، إن رآها أفزعته، وإن لدغته أوجعته،فاقتلوهاحيث وجدتموها ."الطيالسي – عن ابن عباس".من رأى حية فلم يقتلها مخافة طلبها فليس منا ."طب – عن أبي ليلى".اقتلواالحية والعقرب وإن كنتم في الصلاة ."طب – عن ابن عباس".اقتلوا الحيات كلهن، فمن خاف ثأرهن فليس مني ."د، ن – عن ابن مسعود؛ طب وابن جرير – عن عثمان بن أبي العاص".اقتلوا الحية، اقتلوا ذا الطفيتين والأبتر، فإنهما يطمسان البصر ويستسقطان الحبل ."حم، ق، د، هـ, ت – عن ابن عمر".اقتلوا الحيات، فإنا لم نسالمهن منذ حاربناهن ."طب عن ابن عمر".اقتلوا الحيات، صغيرها وكبيرها، أسودها وأبيضها فإن من قتلها من أمتي كانت له فداء من النار، ومن قتلته كان شهيدا ."طب – عن سراء بنت نبهان".الكلب الأسود البهيم شيطان ."حم – عن عائشة" لعن الله العقرب! ما تدع نبيا ولا غيره إلا لدغتهم ."هب – عن علي".من**

----- حواشی -----

[503] - مسند الإمام أحمد بن حنبل ج 1 ص 394 حديث نمبر : 3746المؤلف : أحمد بن حنبل أبو عبدالله الشيباني الناشر : مؤسسة قرطبة – القاهرة عدد الأجزاء : 6 الأحاديث مذيلة بأحكام شعيب الأرنؤوط عليها -

قتل وزغا كفر الله عنه سبع خطيئات ."طس عن ابن عباس".اقتلوا الوزغ ولو في جوف الكعبة ."طب – عن ابن عباس اقتلوا العقرب والحية على كل حال ."عب – عن الحسن مرسلا".من قتل حية فكأنما قتل كافرا من أهل الحرب، ومن قتل زنبورا كتبت له ثلاث حسنات ومحي عنه مثلها سيئات، ومن قتل عقربا كتبت له سبع حسنات ومحي عنه مثلها سيئات ."الديلمي – عن ابن مسعود".الحيات ما سالمناهن منذ حاربناهن، فمن ترك شيئا من خيفتهن فليس منا ."حم – عن أبي هريرة" "لولا أن الكلاب أمة من الأمم لأمرت بقتل كل أسود بهيم، فاقتلوا المعينة من الكلاب فإنها الملعونة من الجن ."طب – عن ابن عباس" إن شر هذه السباع الأثعل ."دو؟ ابن سعيد – عن سالم بن وابصة".ألا إن شر هذه السباع الأثعل – يعني الثعالب.[504]

☆علاوہ کتا وغیرہ پالنے کی احادیث میں سخت ممانعت آئی ہے، کہ اس سے نیکیاں گھٹ جاتی ہیں، اور ملائکۂ رحمت کی آمد رک جاتی ہے، فرمان نبوی ہے:

(من اقتنى كلبالايغني عنه زرعاولاضرعانقص من عمله كل يوم قيراط)[505]

☆أبو طلحة يقول:سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول (لا تدخل

----- حواشی--

504 - كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال ج 15 ص 51 المؤلف : علاء الدين علي بن حسام الدين المتقي الهندي البرهان فوري (المتوفى : 975هـ)المحقق : بكري حياني – صفوة السقاالناشر : مؤسسة الرسالة الطبعة : الطبعة الخامسة ،1401هـ/1981م مصدر الكتاب : موقع مكتبة المدينة الرقمية

505 - الجامع الصحيح المختصر ج 3 ص 1207 حديث نمبر : 3147 المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا

الملائکة بیتافیه کلب ولاصورة تماثیل)[506]

جانوروں پر میڈیکل تجربات

(٦) جانوروں پر میڈیکل تجربات بھی کئے جاتے ہیں، پہلے انہیں ایسے انجکشن لگائے جاتے ہیں یا دوائیں دی جاتی ہیں، کہ وہ بیمار ہوں اور پھر ان کے علاج کے لئے امکانی دواؤں کا تجربہ کیا جاتا ہے، کیا اس طرح کے تجربات درست ہونگے؟

اللہ پاک نے جانوروں کو انسان کی ضرورت اور نفع کے لئے پیدا کیا ہے، انسان کی غذائی اور دیگر ضروریات کے لئے جب جانوروں کی جان تک لینے کی اجازت دی گئی ہے، تو طبی ضروریات کے لئے محض جزوی نقصان کی گنجائش کیوں نہ ہوگی، جیسا کہ بعض مواقع پر مخصوص مصالح کے تحت فقہاء نے جانوروں کے جسم پر (چہرہ چھوڑ کر) آگ سے داغنے کی اجازت دی ہے:

ولأن السمة وإن كان فيها إيلام الحيوان ففيها منفعة للمسلمين[507]

فأما كي البهائم فقد كرهه بعض المشايخ، وبعضهم جوزوه؛ لأن فيه منفعة ظاهرة فإنها علامة، وعن رسول الله صلى الله عليه وسلم : أنه نهى عن كي الحيوان على الوجه، فهذا يشير إلى جوازه على غير الوجه[508]

قرطبیؒ کہتے ہیں کہ اس میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے:

وهذه الأحاديث كلهاتدلُّ على جوازكي الحيوان لمصلحة العلامة في كل الأعضاءإلافي الوجه.وهومستثنى من تعذيب الحيوان بالنار،لأجل

----- حواشی ---

[506] - الجامع الصحيح المختصر ج 3 ص 1179 حديث نمبر : 3053المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا

[507] - شرح السير الكبير ج 5 ص 217 -

[508] -: المحيط البرهاني ج 5 ص 244 المؤلف : محمود بن أحمد بن الصدر الشهيد النجاري برهان الدين مازه المحقق : الناشر : دار إحياء التراث العربي الطبعة : عدد الأجزاء : 11 -

المصلحةالرَّاجحة.وإذاكان كذلك،فينبني أن يقتصرمنه على الخفيف الذي يحصل به المقصود،ولايبالغ في التعذيب،ولا التشويه.وهذا لا يختلف فيه الفقهاءإن شاء الله تعالى[509]

طبی تحقیقات اور میڈیکل تجربات بھی انسانی ضروریات میں شامل ہیں ،انسان کے نظام صحت کی بنیاد ان پر ہے ،اس لئے طبی مقاصد کے لئے جانوروں کا استعمال درست ہے ،یہ تعذیب بلافائدہ نہیں ہے ،بالخصوص ایسی صورت میں جب کہ نقصان کی تلافی کا بھی انتظام موجود ہو ،جانوروں کو ایسی تکلیف پہونچانا جس میں خود اس کا نفع ہو یاعام انسانوں کاناجائز نہیں ہے ،--------

وإيصال الألم إلى الحيوان لمصلحةتعود إليه جائزكالختان والحجامة وبط القرحة[510]

خصی کرنے کے مسئلہ سے استیناس

☆اس کی ایک نظیر جانوروں کو خصی کرنے کا مسئلہ ہے، خصی کرنے سے جانور کو ضرر پہونچتا ہے، بلکہ اس کا ایک عضو معطل ہو کر رہ جاتا ہے،اور اس کا سلسلۂ نسل بھی منقطع ہو جاتا ہے لیکن اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ عام لوگ اس کی شہوانی شرارتوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں، نیز خصی شدہ جانور کا گوشت لذیذ اور لطیف ہوتا ہے،اسی لئے فقہاء نے بوقت ضرورت (حصول منفعت یا دفع ضرر کے لئے) گھوڑا کے علاوہ دیگر جانوروں کو خصی کرنے کی اجازت دی ہے:

----- حواشی---

509 -المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم ج 17 ص 114 المؤلف / الشيخُ الفقيهُ الإمام ، العالمُ العامل ، المحدِّثُ الحافظ ، بقيَّةُ السلف ، أبو العبَّاس أحمَدُ بنُ الشيخِ المرحومِ الفقيهِ أبي حَفْصٍ عُمَرَ بنِ إبراهيمَ الحافظ ، الأنصاريُّ القرطبيُّ ، رحمه الله وغَفَر له

510 - الاختيار لتعليل المختارج 4 ص 179 المؤلف : عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي الحنفي دار النشر : دار الكتب العلمية – بيروت / لبنان – 1426 هـ – 2005 م الطبعة : الثالثة تحقيق : عبد اللطيف محمد عبد الرحمن عدد الأجزاء / 5 -

ويجوز إخصاء البهائم منفعة للناس لأن لحم الخصي أطيب[511]

فأما إخصاء الفرس فقد ذكر شمس الأئمة الحلواني في «شرحه»: أنه لا بأس به عند أصحابنا، وذكر شيخ الإسلام في «شرحه»: أنه حرام، وقد صح عن عمر رضي الله عنه: أنه نهى عن إخصاء الفرس، وأما غيره من البهائم فلابأس به إذا كان فيه منفعة، وإذا لم يكن فيه منفعة فهو حرام، وفي أضحية «النوازل» في إخصاء السنور إنه لا بأس به إذا كان فيه منفعة أودفع ضرره.وفي «الواقعات»لابأس بإخصاء البهائم إن كان يراد به إصلاح البهائم[512]**-**

طبی اغراض کے لئے جانور کو بے ہوش کر کے اس کا عضو نکالنا

(۷) جانوروں سے انتفاع کی ایک صورت یہ ہے کہ دواؤں کے لئے زندہ جانور کو بے ہوش کر کے اس کے کسی عضو کو نکال لیا جائے یا آپریشن کر کے اس کی جگہ پر کوئی دوسرا مصنوعی آلہ رکھ دیا جائے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بشرطیکہ یہ جانور کی معذوری یا ناقابل برداشت اذیت کا باعث نہ بنے۔۔۔۔اس وقت یہ اس معروف مثلہ سے مختلف ہوگا جس میں زندہ جانور کے اعضاء کاٹ لئے جاتے ہیں جس کی احادیث میں ممانعت آئی ہے، اس کا تذکرہ ماقبل میں جانوروں کے حقوق کے ضمن میں آچکا ہے، علامہ قرطبیؒ رقمطراز ہیں:

وهومستثنى من تعذيب الحيوان بالنار؛لأجل المصلحة الرَّاجحة.وإذا كان كذلك،فينبغي أن يقتصرمنه على الخفيف الذي يحصل به المقصود، ولايبالغ في التعذيب ،ولاالتشويه.وهذالايختلف فيه الفقهاء إن شاء الله

----- حواشی---

[511] - مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر ج 4 ص 224 عبد الرحمن بن محمد بن سليمان الكليبولي المدعو بشيخي زاده سنة الولادة / سنة الوفاة 1078هـ تحقيق خرج آياته وأحاديثه خليل عمران المنصورالناشر دار الكتب العلمية سنة النشر 1419هـ – 1998م مكان النشر لبنان/ بيروت عدد الأجزاء 4

[512] -حوالۂ بالا -

تعالی [513]

بصورت دیگر ضروری ہوگا کہ جانور کو ذبح کرنے کے بعد ہی اس کے اجزاء سے طبی استفادہ کیا جائے، اور تکلیف دہ زندگی میں جانور کو مبتلانہ کیا جائے، فقہاء نے تعلیمی اغراض کے لئے جانور کا جسم استعمال کرنے کی اجازت دی ہے لیکن زندہ جانور کا نہیں بلکہ مذبوح جانور کا:

وَيُكْرَهُ تَعْلِيمُ الْبَازِي بِالصَّيْدِ الْحَيِّ يَأْخُذُهُ وَيُعَذِّبُهُ وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُعَلِّمَ بِالْمَذْبُوحِ كَذَا فِي مُحِيطِ السَّرَخْسِيِّ[514]

☆ويكره تعليم البازي وغيره من الجوارح بالطير الحي يأخذه فيعذبه،ولا بأس بتعليمه بالمذبوح [515]

قانونی طور پر ممنوع جانور کا شکار کرنا

(۸) بعض جانوروں کی نسلیں ختم ہوتی جارہی ہیں، اور یہ بات ماحولیات کے لئے نقصان کا باعث بن رہی ہے، اس کی وجہ سے حکومت کی طرف سے اس کے شکار پر پابندی لگادی گئی ہے، اسی طرح بعض جانوروں کو کوئی ملک یا کوئی ریاستی حکومت قومی جانور قرار دے دیتی ہے اور اس طرح کے جانوروں کے شکار کرنے اور ذبح کرنے کی ممانعت ہوتی ہے، یہ ممانعت شرعاً کس حد تک واجب العمل ہے؟

----- حواشی---

513 -المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم ج 17 ص 114 المؤلف / الشيخُ الفقيهُ الإمام ، العالمُ العامل ، المحدِّثُ الحافظ ، بقيَّةُ السلف ، أبو العبَّاس أحمَدُ بنُ الشيخِ المرحومِ الفقيهِ أبي حَفْصٍ عُمَرَ بنِ إبراهيمَ الحافظ ، الأنصاريُّ القرطبيُّ ، رحمه الله-

514 - الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان ج 1 ص 166 الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند سنة الولادة / سنة الوفاة تحقيق الناشر دار الفكر سنة النشر 1411هـ- 1991م مكان النشر عدد الأجزاء 6

515 - الاختيار لتعليل المختار ج 4 ص 179 المؤلف : عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي الحنفي دار النشر : دار الكتب العلمية – بيروت / لبنان – 1426 هـ – 2005 م الطبعة : الثالثة تحقيق : عبد اللطيف محمد عبد الرحمن عدد الأجزاء / 5 ،وكذا فی تحفة الملوك (في فقه مذهب الإمام أبي حنيفة النعمان)ج 1 ص 241 محمد بن أبي بكر بن عبد القادر الرازي سنة الولادة 0/ سنة الوفاة 666 تحقيق د. عبد الله نذير أحمد الناشر دار البشائر الإسلامية سنة النشر 1417 مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 1

شریعت اسلامیہ میں انسانی مفادات یا دفع ضرر کے لئے جانوروں کا قتل جرم نہیں ہے، خاص طور پر فقہاء حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک غذائی ضروریات کے علاوہ دیگر جائز مقاصد کے لئے بھی جانوروں کے قتل اور شکار کی اجازت ہے،[516] اصولی طور یہ جانوروں پر ظلم نہیں ہے بلکہ جائز مقامات پر ان کا صحیح استعمال ہے، اور یہ حق خود خالق کائنات نے انسانوں کو دیا ہے، ظاہر ہے کہ اس قانون اباحت کی موجودگی میں کسی جانور کے قتل کو اس کی نسل کشی قرار دینا بہت مشکل ہے، نسلوں کی حفاظت رب العالمین کے ذمہ ہے، اور کس نسل کو کب تک دنیا میں رہنا ہے؟ اور کس کی افادیت کس وقت تک کے لئے ہے؟ ان باتوں کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس نہیں ہے، اس لئے قانون اباحت کی موجودگی میں نسلی تحفظ کے نام پر کسی جانور کے قتل وشکار کو ناجائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

البتہ حکومت کی طرف سے مختلف مصالح کے تحت کسی مخصوص مقام پر کچھ مخصوص جانوروں کے قتل وشکار پر پابندی عائد کردی جائے یا کسی جانور کو قومی جانور کا درجہ دے کر اس کے شکار کو ممنوع قرار دے دیا جائے، تو عام حالات میں اس قانون کی رعایت لازم ہوگی، اس لئے کہ:

☆شریعت کی نگاہ میں حکومت کے جائز ضوابط کی خلاف ورزی گناہ ہے، اس لئے کہ یہ ملک کے معاہدۂ شہریت کے خلاف ہے، مسلمان ہر حال میں اپنے عہد کا پابند ہوتا ہے، نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

« الْمُسْلِمُونَ عِنْدَ شُرُوطِهِمْ فِيمَا وَافَقَ الْحَقَّ [517]

ترجمہ: موافق حق معاملات میں مسلمان شرائط کا پابند ہوتا ہے۔

----- حواشی---

516 -) الدر المحتار بهامش رد المحتار 5 / 305 . جواهر الإكليل 1 / 213 ، والشرح الكبير مع حاشية الدسوقي عليه 2 / 108 .

517 - السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي ج ۷ ص ۲۴۹ حديث نمبر:۱۴۸۲۱ المؤلف : أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي مؤلف الجوهر النقي: علاء الدين علي بن عثمان المارديني الشهير بابن التركماني المحقق : الناشر : مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آباد الطبعة : الطبعة : الأولى . 1344 هـ عدد الأجزاء : 10 – امام بخاریؒ نے اس روایت کو ترجمۃ الباب میں تعلیقاً نقل کیا ہے– صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۹۴۔

فقہاء نے قومی اور بین الاقوامی بے شمار مسائل میں اس حدیث کو بنیاد بنایا ہے[518]۔

☆علاوہ ازیں مسلمان کی عزت وحرمت کی حفاظت مقاصد دین بلکہ ضروریات ستہ (حفاظت دین ،حفاظت جان، حفاظت مال، حفاظت عقل اور حفاظت آبرو یا نسب) میں شامل ہے[519]۔

ملکی قوانین کی خلاف ورزی کی صورت میں اس کی عزت وآبرو خطرہ میں پڑ سکتی ہے، اس لئے بلا کسی عذر شرعی کے اس کو خطرہ میں ڈالنا درست نہیں ہے۔

اسلامی حکومتوں میں گھوڑے کو یگگونہ خصوصی جانور کا درجہ حاصل تھا

☆نیز شریعت میں ایسی نظیریں موجود ہیں جن میں بعض مخصوص جانوروں کو خصوصی درجہ دے کر ان کے قتل یا خصی کرنے پر پابندی عائد کر دی گئی، اور اس کی وجہ یہی بتائی گئی کہ اس سے ان کی نسل کشی لازم آئے گی، جب کہ بعض بنیادی مقاصد کے تحت ان کا نسلی تحفظ و تکثیر ضروری ہے، اس کی ایک مثال گھوڑا ہے، جو پچھلے ادوار میں جہاد اور تیز رفتار سفر کا سب سے معتبر اور طاقتور ذریعہ مانا جاتا تھا، اسلامی حکومتوں میں گھوڑے کو خصوصی مقام حاصل تھا جس کو آج کی اصطلاح میں کہہ سکتے ہیں کہ یہ یک گونہ قومی جانور کا درجہ تھا اور فقہ اسلامی نے اس کی اہمیت تسلیم کرتے ہوئے اس کے نسلی تحفظ و تکثیر کے پیش نظر گھوڑے کے خصی کرنے پر پابندی عائد کر دی، تاکہ گھوڑے کی قوت تولید ختم نہ ہو جائے، اور اس کی نسل منقطع ہونے کا اندیشہ پیدا نہ ہو، جب کہ خصی کرنا قتل سے بدرجہا کم تر چیز ہے:

----- حواشی--

[518] - بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۴ ص ۱۹۰ تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي 587ھ دار الكتب العلمية – بيروت – لبنان الطبعة الثانية 1406ھ – 1986م۔

[519] - شرح مختصر الروضة ج ۳ ص ۲۰۹ المؤلف : سليمان بن عبد القوي بن عبد الكريم الطوفي الصرصري، أبو الربيع، نجم الدين (المتوفى : 716ھ)المحقق : عبد الله بن عبد المحسن التركي الناشر : مؤسسة الرسالة الطبعة : الأولى ، 1407 ھ / 1987 م عدد الأجزاء : 3 ،– تيسير الوصول إلى قواعد الأصول ومعاقد الفصول ج ۱ ص ۳۷۲ للإمام عبد المؤمن بن عبد الحقّ البغدادي الحنبلي (658 . 739ھ) شرح : عبد الله بن صالح الفوزان المدرّس . سابقاً . بجامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية فرع القصيم مقدمة الطبعة الثانية «وهي الأولى لدار ابن الجوزي۔

جاز(خصاء البهائم)حتى الهرة.وأماخصاءالآدمي فحرام، قيل والفرس و قيدوه بالمنفعةوإلافحرام[520]

(وَنُهِيَ)الْمُكَلَّفُ (عَنْ خِصَاءِ الْخَيْلِ) نَهْيَ تَحْرِيمٍ لِأَنَّهَا إنَّمَا تُرَادُ لِلرُّكُوبِ وَ الْجِهَادِعَلَيْهَا وَذَلِكَ يُنْقِصَ قُوَّتَهَا وَيَقْطَعُ نَسْلَهَا[521]

وَفِي الْحَدِيثِ النَّهْيُ عَنْ خِصَاءِالْخَيْلِ فَحُمِلَ عَلَى تَحْرِيمِهِ لِتَنْقِيصِهِ قُوَّتَهَاوَإِذْهَابِهِ نَسْلَهَا،وَهَذَاخِلَافُ قَوْله تَعَالَى{وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّاللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ }[522]

وفي المقدمات يجوز خصاء الغنم دون الخيل ، لأن النبيﷺ نهى عن خصاء الخيل وضحى بكبشين أملحين مجبوبين لأن الغنم تراد للأكل وخصاؤها لا يمنع من ذلك وربما حسنه والخيل تراد للركوب والجهاد وهو ينقص قوتها و يقطع نسلها[523]

مخصوص پس منظر میں بعض جانوروں کے قتل پر پابندی عائد کی جاسکتی ہے

☆اسی طرح کتب فقہ میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ کبھی مخصوص پس منظر میں بعض جانوروں کے قتل پر پابندی عائد کردی جاتی ہے جب کہ فی الواقع ان کا قتل ناجائز نہیں ہوتا ، لیکن بعض احوال وظروف میں ان کے قتل سے اجتناب ناگزیر ہوجاتا ہے، مثلاً فقہ حنفی میں ایک جزئیہ ملتا ہے کہ دشمن کے علاقے میں سانپ اور بچھو دستیاب ہوں تو مسلمان ان سے اپنا بچاؤ توکریں گے لیکن ان کو قتل نہیں کیا جائے گا، ،اس لئے کہ قتل سے سانپ اور بچھو کی نسل دشمن کے علاقے سے ختم ہوجائے گی ، جو دشمن کو نفع

----- حواشی---

[520] - الدر المختار ، شرح تنوير الأبصار في فقه مذهب الإمام أبي حنيفة ج5 ص 707 المؤلف : محمد ، علاء الدين بن علي الحصكفي (المتوفى : 1088هـ)مصدر الكتاب : موقع يعسوب [ترقيم الكتاب موافق للمطبوع]

[521] -الفواكه الدواني على رسالةابن أبي زيدالقيرواني ج 8 ص 408 المؤلف: أحمد بن غنيم النفراوي (المتوفى : 1126هـ)

[522] - منح الجليل شرح مختصر خليل ج 6 ص 481 المؤلف : محمد بن أحمد عليش (المتوفى : 1299هـ)

[523] -الذخيرةشهاب الدين أحمد بن إدريس القرافي ج 13 ص 286 تحقيق محمد حجي الناشر دار الغرب سنة النشر 1994م مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 14

پہونچانے کے مترادف ہوگا۔۔۔۔ حالانکہ سانپ اور بچھو وغیرہ کا قتل فی نفسہ جائز ہے:

إذَا وَجدُوافِي دَارِ الْحَرْبِ عقْرَبًا فَإِنَّهُمْ لَا يَقْتُلُونَهَا وَلَكِنْ يَنْزِعُونَ ذَنبَهَا قَطْعًا لِلضَّرِعَنْ أَنْفُسِهِمْ وَلَا يَقْتُلُونَهَا لِأَنَّ فِي قَتْلِهَا قَطْعَ الضَّرِرِ عَنْ الْكَفرَةِ فَإِنَّهُ يَنْقَطِعُ نَسْلُهَا وَفِيهِ مَنْفَعَةُ الْكُفَّارِ وَكَ ذَلِكَ إنْ وَجدُواحَيَّةً فِي رِحَالِهِمْ إنْ أَمْكَنَهُمْ نَزْعُ أَنْيَابِهَا فَعَلُواذَلِكَ قَطْعًا لِلضَّرِعَنْ أَنْفُسِهِمْ وَلَا يَقْتُلُونَهَا لِأَنَّ فِيهِ قَطْعَ نَسْلِهَا وَفِيهِ مَنْفَعَةُ الْكُفَّارِوَقَدْ أُمِرْنَابِضَرَرِهِمْ[524]

کسی خاص جانور کی مکمل نسل کشی کا منصوبہ درست نہیں

☆ بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی مخصوص جانور کی مکمل نسل کشی کا منصوبہ بنانا درست نہیں ہے، یہ امر الٰہی سے بغاوت اور نظام کائنات میں فساد برپا کے مترادف ہے، البتہ ان کے بعض افراد یا اصناف کا مصلحتاً یا ضرورتاً قتل اس سے مختلف ہے، رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

لولا أن الكلاب أمة من الأمم لأمرت بقتلها كلها فاقتلوا منها كل أسود بهيم قال وفي الباب عن ابن عمروجابروابي رافع وابي أيوب قال ابوعيسى حديث عبد الله بن مغفل حديث حسن صحيح[525]

ترجمہ: اگر کتے امتوں میں سے ایک امت نہ ہوتے تو میں ان سب کے قتل کا حکم دیتا، البتہ ہر کالے بھجنگے کتے کو قتل کرڈالو۔

کسی فرقہ کے یہاں مقدس مانے جانے والے جانور کو ذبح کرنا

(۹) اگر مسلمان مخلوط معاشرہ میں رہتے ہوں جہاں کوئی گروہ کسی خاص جانور کو معبود اور مقدس

----- حواشی---

524 - الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان ج 1 ص 166 الشيخ نظام وجماعة من علماء الهندسنة الولادة / سنة الوفاة تحقيق الناشر دار الفكر سنة النشر 1411هـ – 1991م مكان النشر عدد الأجزاء 6

525 - الكتاب : الجامع الصحيح سنن الترمذي ج 4 ص 78 حديث نمبر : 1486المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر:دارإحياء التراث العربي – بيروت تحقيق : أحمد محمد شاكروآخرون عدد الأجزاء:5

مانتا ہو، اور اس کے ذبح کرنے سے اس کی دل آزاری ہوتی ہو، اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی متاثر ہوتی ہو یا قانونا اس کے ذبح کرنے پر پابندی ہو تو مسلمانوں کا رویہ اس سلسلے میں کیا ہونا چاہئے؟

☆ قانونی پابندی کی صورت کا حکم اوپر گذر چکا ہے کہ اس صورت میں مجبوراً اس قانون پر عمل کرنا لازم ہوگا، لیکن یہ حکم ظاہراً ہے، قانونی بندش کی بنا پر کوئی جائز چیز فی الواقع ناجائز نہیں ہو جاتی، اگر کوئی شخص قانون کی نگاہ سے بچ کر ممنوعہ جانور کو ذبح کر لے، اور ہر اندیشے سے اپنے کو محفوظ رکھے تو اس کا عمل گو کہ خلاف قانون ہے مگر ذبیحہ حلال رہے گا۔

☆ لیکن اگر حکومت کی طرف سے کوئی قانونی پابندی نہ ہو تو محض دوسرے گروہ کی مذہبی رعایت میں دل آزاری کے خوف سے یا فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے نام پر اس جائز جانور کے ذبیحہ سے احتراز کا حکم دینا درست نہ ہوگا:

(الف) اس لئے کہ اس سے اس جانور کے مذہبی تقدس کو فروغ ملے گا بلکہ بہت ممکن ہے کہ خود مسلمانوں کی نئی نسلیں اس ممانعت کو مذہبی حیثیت سے دیکھنے لگیں، اور اس جانور کے لئے ان کے اندر بھی تقدس کا تصور پیدا ہونے لگے، اور مخلوط معاشرہ میں اس کا بہت زیادہ امکان ہے، ظاہر ہے کہ یہ فکر وعقیدہ کا بدترین نقصان ہوگا۔

(ب) نیز یہ اللہ پاک کے حلال کردہ چیز کو حرام کرنے کے بھی مترادف ہوگا، جس کی قرآن کریم میں ممانعت آئی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ[526]

ترجمہ: اے ایمان والو! ان پاک چیزوں کو حرام نہ کرو جن کو اللہ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے اور حد سے تجاوز نہ کرو اللہ پاک حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔

----- حواشی ---

[526] - المائدة :87

اس آیت کے پس منظر میں جو واقعہ نقل کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ عہد نبوت میں ایک یا چند افراد نے ترک لحم، ترک نکاح، ترک نوم وغیرہ کا ارادہ کیا تھا، اور اس کو اپنی ذات تک ہی محدود رکھا تھا، نہ اس کی تشہیر کی تھی اور نہ دوسروں کو تشکیل کی، لیکن قرآن نے ان کو بھی تحریم حلال کے زمرہ میں داخل کیا اور اس طرح کے اعمال پر ممانعت عائد کر دی، [527]

دراصل کسی چیز کو جب انسان اپنے لئے حرام کرلیتا ہے، تو رفتہ رفتہ اس کی شناعت دل میں بسنے لگتی ہے، اور پھر اس سے متأثر ہو کر دوسرے لوگ یا کم از کم خود اس کی نسل اس شے کے ترک کو بہتر تصور کرنے لگتی ہے، جبکہ اللہ نے اس کو بہتر نہیں بتایا، اسی لئے قرآن نے مذکورہ بالا آیت کے ذریعہ اس کی جڑ کاٹ دی۔

باہمی ہم آہنگی کے لئے آج ایک جائز چیز کے ترک پر اتفاق رائے کر لیا جائے، یعنی جائز سمجھتے ہوئے اسے چھوڑ دیا جائے، لیکن آنے والی نسلیں اس عمل کو نظریہ بنالیں گی، اور اس کو واقعۃً ناجائز یا کم از کم ناپسندیدہ سمجھنے لگیں گی، یہ امت کا زبردست علمی اور قومی نقصان ہو گا، اور پھر اس کو جائز ثابت کرنے کے لئے مسلمانوں کو سخت جدوجہد کرنی ہو گی، بلاوجہ اس طرح کی آزمائش اپنے سر لینے کی کیا ضرورت ہے؟

مذکورہ بالا چیزیں (ترک لحم وغیرہ) گو کہ کسی خاص مذہب سے تعلق نہیں رکھتیں، لیکن بعض مذاہب میں یہ رہبانیت کی تہذیبی علامت سمجھی جاتی ہیں اور کسی قوم کی تہذیبی شناخت عملی طور پر مذہبی شعار کے درجہ میں ہوتی ہے، اسی لئے اسلام نے تشبہ سے جو ممانعت کی ہے اس میں مذہبی اور تہذیبی دونوں طرح کے امور داخل ہیں۔

☆ نیز اس سے تہذیبی موت کا اندیشہ ہے، کیونکہ جب کوئی قوم کسی دوسری قوم کے لئے یک طرفہ طور پر اپنی تہذیب چھوڑ دیتی ہے، تو آہستہ آہستہ اس کی تہذیبی غیرت اور قومی حسیت کمزور ہونے لگتی

----- حواشی--

527 - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج۴ص۱۲۹حدیث نمبر:۴۳۶۹المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق : الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة ـ بيروت الطبعة : عدد الأجزاء : ثمانية أحزاء في أربع مجلدات ، الدر المنثور في التأويل بالمأثور ج ۳ ص ۴۳۹المؤلف : عبد الرحمن بن أبو بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى : 911هـ)

ہے اور اس کا نتیجہ موت کے سوا کچھ نہیں ہے۔۔۔

☆ پھر اس کی کیا ضمانت ہے کہ معاملہ ایک ہی چیز کے ترک تک محدود رہے گا اور آئندہ کسی دوسری چیز کے ترک کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا؟۔۔۔۔اس کے بعد کیا ہوگا ہر صاحب بصیرت شخص اس کا اندازہ کر سکتا ہے،۔۔۔اپنی چیزوں سے دستبردار ہونے والی قوم کبھی زندہ تصور نہیں کی جاسکتی۔۔۔

☆ اسی لئے قرآن نے کفر سے اتفاق رائے یا ان سے بعض منافع کے حصول کے لئے یک طرفہ محبت کی پیشکش کو ممنوع قرار دیا ہے، کہ یہ کسی زندہ اور غیور قوم کے شایان شان نہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِوَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ [528]

ترجمہ: اے ایمان والو! میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ، کہ ان کی طرف محبت کی پیشکش کرنے لگ جاؤ، جبکہ وہ تمہارے پاس موجود حقائق کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔

☆ دراصل جس تھوڑے سے نفع (ہم آہنگی، یا وقتی فتنہ وفساد سے تحفظ وغیرہ) کے لئے محبت کی قربانی دی جاتی ہے، اس کے نتائج کس قدر سنگین ہو سکتے ہیں، اور آئندہ قوم وملت کو اس سے کیا نقصانات پہونچ سکتے ہیں، وہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے، فقہی ضابطہ ہے:

دفع المفاسد مقدم على جلب المصالح, [529]

ترجمہ: مفاسد کو دور کرنا مصالح کے حصول سے مقدم ہے۔

اس مضمون کے متعدد فقہی ضابطے کتب اصول فقہ میں موجود ہیں۔

----- حواشی---

[528] - الممتحنة : ١

[529] - البحر المحيط في أصول الفقهج٤ ص ١٩٩ المؤلف : بدر الدين محمد بن عبد الله بن بهادر الزركشي (المتوفى : 794هـ) المحقق : محمد محمد تامر الناشر : دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان الطبعة : الطبعة الأولى، 1421هـ / 2000م ، الإبهاج – السبكي]ج ٣ ص٦٥الكتاب : الإبهاج في شرح المنهاج على منهاج الوصول إلى علم الأصول للبيضاوي المؤلف : علي بن عبد الكافي السبكي الناشر : دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة الأولى ، 1404

ذبیحۂ گاؤ کا مسئلہ

☆اس کی ایک مثال گائے کا ذبیحہ ہے، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں ذبیحۂ گاؤ سے دستبرداری کے مسئلے پر متعدد علماء وفقہاء عصر کے جو مباحث پیش کئے ہیں، ان سے بھی اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے:

گائے کا ذبیحہ اسلام میں واجب نہیں، جائز ہے، قرآن کریم اور احادیث صیحہ دونوں سے اس کا جواز ثابت ہے، قرآن میں حرام وحلال جانوروں کی تفصیلات کے لئے پوری سورۂ الانعام موجود ہے، اوراس میں اونٹ اور گائے کو بھی بالتصریح حلال جانوروں میں شمار کیا گیا ہے۔

وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ[530]

قرآن نے ان دونوں جانوروں کا نام خاص طور پر اس لئے لیا کہ اونٹ یہود کے یہاں حرام تھا، اسی طرح بنی اسرائیل کے ایک طبقہ نے گائے کا مجسمہ بنا کر تعلیمات یہود سے ہٹ کر اس کی پرستش شروع کر دی تھی، اس طرح اس کے یک گونہ تقدس کا احساس لوگوں میں پیدا ہو گیا تھا، جس کا تذکرہ قرآن پاک میں موجود ہے[531]:

مفسرین نے لکھا ہے کہ سامری نے گائے کے بچہ کا بت بنایا تھا[532]

قرآن نے ان دونوں جانوروں کو حلال کر کے ان کی حرمت بھی ختم کی اور تقدس کا طلسم بھی چاک کر دیا۔

نیز احادیث صیحہ سے بھی ذبیحۂ گاؤ کا جواز ملتا ہے، حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ:

----- حواشی--

530 - الانعام:۱۴۴)

531 - سورہ الاعراف:۱۳۸)

532 - الدر المنثور في التأويل بالمأثورج ۴ ص ۳۰۲ المؤلف: عبدالرحمن بن أبوبكر، جلال الدين السيوطي(المتوفى 911ھ

نَحَرَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم عَنْ نِسَائِهِ. وَفِى حَدِيثِ ابْنِ بَكْرٍ عَنْ عَائِشَةَ بَقَرَةً فِى حَجَّتِهِ. [533]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر ازواج مطہرات کی طرف سے اور بعض روایتوں کے مطابق حضرت عائشہؓ کی طرف سے گائے کی قربانی فرمائی۔

بلکہ عہد نبوت میں گائے کی قربانی کا عام رواج تھا، اور ایک گائے سات آدمی کی طرف سے کافی سمجھی جاتی تھی، حضرت جابر بن عبد اللہؓ ہی کی روایت ہے:

فَنَذْبَحُ الْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ نَشْتَرِكُ فِيهَا [534]

ترجمہ: کہ ہم سات آدمی کی طرف سے ایک گائے ذبح کرتے تھے۔

اس مضمون کی متعدد روایات وآثار کتب حدیث میں موجود ہیں، البتہ جس تناظر میں گائے کے ذبیحہ کی اجازت دی گئی جیسا کہ ابھی ذکر آیا، اس نے اس کو شعار اسلامی میں تبدیل کر دیا، اور یہ مخصوص اسلامی تہذیب کا حصہ بن گیا، چنانچہ حضور ﷺ نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا:

من صلى صلاتنا واستقبل قبلتنا وأكل ذبيحتنا فذلك المسلم الذي له ذمة الله وذمة رسوله فلا تخفروا الله في ذمته[535]

ترجمہ: جو ہماری نماز پڑھے، ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے، اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو وہ مسلمان ہے اور اسے اللہ اور رسول کا ذمہ حاصل ہے، پس اس ذمہ کو نہ توڑو۔

شارحین حدیث نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے اکل ذبیحہ کو شعائر اسلام میں شمار کیا ہے

----- حواشی---

533 - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ۴ ص ۸۸ حدیث نمبر: ۳۲۵۴ المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق : الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت الطبعة

534 - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ۴ ص ۸۸ حدیث نمبر: ۳۲۵۲ المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق : الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت

535 - الجامع الصحيح المختصر ج ۱ ص ۱۵۳ حدیث نمبر: ۳۸۴ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987

کہ جس طرح عبادات میں ہر مذہب کا ایک شعار ہوتا ہے، اسی طرح اشیاء خوردونوش میں بھی ہر مذہب کا ایک خاص امتیاز ہوتا ہے، اور انہی امتیازات سے مذہب کو پہچانا جاتا ہے، مثلاً یہود مسلمانوں کا ذبیحہ (اونٹ)اور ہنود (گائے) نہیں کھاتے، تو جب تک ان شعائر کو انسان دل سے قبول نہ کرلے اور ان کا عملی اظہار نہ کرے وہ مؤمن نہیں ہو سکتا اور نہ اسے اللہ اور رسول کا ذمہ حاصل ہو سکتا ہے[536]۔

اسی لئے حضرت عبد اللہ بن سلامؓ وغیرہ چند اہل کتاب صحابہ نے اسلام لانے کے بعد احتیاطاً اونٹ کا گوشت نہ کھانے کا ارادہ کیا، کہ اسلام میں واجب نہیں، اور یہود میں حرام تھا، لیکن قرآن کریم میں اس پر تنبیہ کی گئی اور اس طرح کے مخلوط اسلام یا مخلوط معاشرہ کو مسترد کر دیا گیا۔ امداد الفتاویٰ میں یہ بحث تقریباً ۲۱ صفحات میں ہے، اور حضرت تھانویؒ اور دیگر علماء نے پوری شدت کے ساتھ ذبیحۂ گاؤ یا کسی ایسے تہذیبی عمل سے دستبردار ہونے کی مخالفت کی ہے جو گو کہ مذہب میں واجب نہیں ہے لیکن شعائر اسلامی کا حصہ ہے[537]۔

بعض جنگلی جانوروں کے شکار پر پابندی

(۱۰) حکومت جنگلات میں شکار سے منع کرتی ہے، بعض نہروں اور جھیلوں پر پرندوں کے شکار سے روکتی ہے، کیونکہ وہاں موسم کے لحاظ سے دور دراز علاقے کے پرندے آتے ہیں، جن کو مہمان پرندہ کہا جاتا ہے، ان سرکاری قوانین کی رعایت معاہدۂ شہریت، دفع ضرر، اور تحفظ جان وعزت کی بنا پر واجب ہے، تفصیلات گذشتہ صفحات میں آچکی ہیں۔

وبائی امراض سے بچنے کے لئے جانوروں کو قتل کرنا

(۱۱) بعض دفعہ وبائی متعدی امراض کو روکنے کے لئے بڑے پیمانے پر جانوروں کو مار دیا جاتا ہے، خاص کر مرغیوں کو مارنے کے واقعات بار بار پیش آتے ہیں، کبھی ان کو مارنے کے لئے گڑھوں میں زندہ

----- حواشی---

536 - عمدة القاري شرح صحيح البخاري ج ٦ ص ٣٣٥ المؤلف : بدر الدين أبو محمد محمود بن أحمد العيني (المتوفى : 855هـ)

537 - امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۵۷۵ ت ۵۹۶ مطبوعہ ادارہ تالیفات اولیاء دیوبند۔

دفن کر دیا جاتا ہے، اور کبھی ان پر ایسڈ ڈال دیا جاتا ہے، تو امراض کے پھیلاؤ کے خوف سے کیا انہیں مارا جاسکتا ہے؟

جانوروں کو زندہ جلانا درست نہیں

دفع ضرر کے لئے جانوروں کو قتل کرنے کی اجازت ہے، لیکن ان کو زندہ جلانا اور دفن کرنا جائز نہیں ہے، احادیث میں سانپ، بچھو، چوہا، زنبور، خونخوار کتا، گرگٹ، خطرناک بلی اور ضرر رساں چیونٹی وغیرہ کو مارنے کی اجازت دی گئی ہے، بلکہ بعض کو باعث اجر بھی قرار دیا گیا ہے، تفصیلی روایات پہلے گذر چکی ہیں[538]، لیکن اسلامی شریعت میں کسی جاندار کو زندہ جلانے کا اختیار رب العالمین کے سوا کسی کو نہیں ہے، ابوداؤد اور متعدد کتب حدیث میں یہ روایت آئی ہے:

فَإِنَّهُ لاَ يُعَذِّبُ بِالنَّارِ إِلاَّ رَبُّ النَّارِ »[539].

ترجمہ: آگ کی سزا آگ کے مالک کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔

اسلام سے قبل کسی شریعت میں غالباً اس کی اجازت تھی[540]، جیسا کہ ایک نبیؑ کی طرف سے چیونٹیوں کی بستی جلانے کے واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے[541]۔ لیکن اسلام میں یہ قطعی ممنوع ہے، علماء اسلام نے

----- حواشی---

[538] - كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال ج 15 ص 51 المؤلف : علاء الدين علي بن حسام الدين المتقي الهندي البرهان فوري (المتوفى : 975هـ)المحقق : بكري حياني – صفوة السقاالناشر : مؤسسة الرسالة الطبعة : الطبعة الخامسة ،1401هـ/1981م مصدر الكتاب : موقع مكتبة المدينة الرقمية-

[539] - سنن أبي داود ج 3 ص 8 حديث نمبر : 2675 المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي ـ بيروت عدد الأجزاء : 4 مصدر الكتاب : وزارة الأوقاف المصرية وأشاروا إلى جمعية المكنز الإسلامي ٭ مسند الإمام أحمد بن حنبل ج 3 ص 494 حديث نمبر : 16077 المؤلف : أحمد بن حنبل أبو عبدالله الشيباني الناشر : مؤسسة قرطبة – القاهرة عدد الأجزاء : 6 الأحاديث مذيلة بأحكام شعيب الأرنؤوط عليها -

[540] - المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم ج 18 ص 38 المؤلف / الشيخُ الفقيهُ الإمام ، العالمُ العامل ، المحدِّثُ الحافظ ،بقيَّةُ السلف،أبو العبَّاس أحمَدُ بنُ الشيخِ المرحومِ الفقيهِ أبي حَفْصٍ عُمَرَ بنِ إبراهيمَ الحافظ ، الأنصاريُّ القرطبيُّ

[541] - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج 7 ص 43 حديث نمبر : 5989المؤلف:أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق :الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة ـ بيروت الطبعة

اس کو فساد کے ہم معنیٰ قرار دیا ہے:

★وذلك لأن تعذيب الحيوان بالإحراق إفساد له، وتعذيب له بغيرحق[542]

☆فقہاء نے بھی اس کی صراحت کی ہے، فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وَلَا بَأْسَ بِقَتْلِ الْجَرَادِ لِأَنَّهُ صَيْدٌ يَحِلُّ قَتْلُهُ لِأَجْلِ الْأَكْلِ فَلِدَفْعِ الضَّرَرِ أَوْلَى كَذَا فِي فَتَاوَى قَاضِي خَانْ.وَيُكْرَهُ حَرْقُهَا كَذَا فِي السِّرَاجِيَّةِ---------- وَإِحْرَاقُ الْقَمْلِ وَالْعَقْرَبِ بِالنَّارِ مَكْرُوهٌ[543]

ترجمہ: ٹڈی کے قتل میں مضائقہ نہیں ہے، اس لئے کہ یہ ایک شکار ہے، کھانے کے لئے اس کا قتل جائز ہے تو دفع ضرر کے لئے بدرجۂ اولیٰ جائز ہو گا، البتہ اس کا جلانا مکروہ (تحریمی) ہے------- جوں اور بچھو کو آگ میں جلانا مکروہ (تحریمی) ہے۔

یہی بات ردالمحتار میں بھی ہے:

(يكره إحراق جراد)أي تحريما ومثل القمل البرغوث ومثل العقرب الحيةط[544]

اگر جانور کو جلا کر ختم کرنا ہی ضروری ہے تو پہلے اس کو مار دیا جائے اور پھر جلایا جائے، جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی جانور کے ساتھ بدفعلی کر لے اور وہ جانور ماکول اللحم نہ ہو تو اس کو ذبح کرنے کے بعد جلایا جائے، زندہ رہتے ہوئے نہیں[545]۔

☆اگر موذی جانور بڑی تعداد میں ہوں اور ان کو الگ الگ مارنا مشکل ہو تو تو کوئی ایسا زہر یا کیمیکل

----- حواشی---

[542] - شرح عمدة الأحكام ج 75 ص 9 المؤلف : عبد الله بن عبد الرحمن بن عبد الله بن جبرين -

[543] - الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان ج 1 ص 166 الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند سنة الولادة / سنة الوفاة تحقيق الناشر دار الفكرسنة النشر 1411هـ – 1991م مكان النشرعدد الأجزاء 6

[544] - حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج 6 ص 752 ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8

[545] -- الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان ج 1 ص 166 الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند سنة الولادة / سنة الوفاة تحقيق الناشر دار الفكرسنة النشر 1411هـ – 1991م مكان النشرعدد الأجزاء 6 -

ان کے ٹھکانے میں ڈالدیا جائے جس سے وہ مر جائیں اور پھر ان کو جلادیا جائے یا اسی حالت میں باہر پھینک دیا جائے،۔۔۔۔۔البتہ اگر بغیر جلائے ہوئے ان پر قابو پانا اور ان کو ختم کرنا ممکن نہ ہو اور دفع ضرر کے لئے ان کا خاتمہ ضروری ہو تو بدرجۂ مجبوری ان کو زندہ آگ میں جلانے یا دفن کرنے کی اجازت ہوگی، اس مسئلے میں اس جزئیہ سے روشنی ملتی ہے جو کتب فقہ میں دشمن حربیوں کے تعلق سے مذکور ہے، شامی میں ہے:

لكن جواز التحريق والتغريق مقيد كما في شرح السير بما إذا لم يتمكنوا من الظفربهم بدون ذلك بلا مشقة عظيمة فإن تمكنوا بدونها فلا يجوز لأن فيه إهلاك أطفالهم ونسائهم ومن عندهم من المسلمين[546]

جانوروں کو کن انسانی مصالح کے لئے مارا جا سکتا ہے؟

(۱۲) جانوروں کو کن انسانی مصالح کے لئے مارا جا سکتا ہے؟ جیسے ہاتھی کے دانت، ہرن کی سینگ اور کھال حاصل کرنے کے لئے وغیرہ۔

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ہر قسم کے جانور (خواہ وہ ماکول اللحم ہوں یا نہ ہوں) کا شکار غذائی ضروریات اور دیگر منافع و مصالح مثلاً بال، کھال، دانت، سینگ وغیرہ کے حصول، یا زینت و آرائش کے لئے جائز ہے، اس لئے کہ کائنات کی ہر چیز انسان کے نفع کے لئے پیدا کی گئی ہے، اسی لئے قرآن کریم میں جانوروں کے شکار کی عام اجازت دی گئی ہے[547]۔

{وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا}[548]

علامہ کاسانیؒ رقمطراز ہیں:

----- حواشی---

[546] - **حاشية رد المحتار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج 4 ص 129 ابن عابدين. الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8**

[547] - الدر المحتار بهامش رد المحتار 7 / 32 . **منح الجليل شرح على مختصر سيد خليل ج 2 ص 433 محمد عليش.الناشر دار الفكرسنة النشر 1409هـ – 1989م.مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 9** ، جواهر الإكليل 1 / 213 ، والشرح الكبير مع حاشية الدسوقي عليه 2 / 108 .

[548] - **[المائدة : 2]**

أَمَّا الْأَوَّلُ فَيُبَاحُ اصْطِيَادُ مَا فِي الْبَحْرِ وَالْبَرِّ مِمَّا يَحِلُّ أَكْلُهُ وَمَا لَا يَحِلُّ أَكْلُهُ ،غَيْرَ أَنَّ مَا يَحِلُّ أَكْلُهُ يَكُونُ اصْطِيَادُهُ لِلِانْتِفَاعِ بِلَحْمِهِ وَمَا لَا يَحِلُّ أَكْلُهُ يَكُونُ اصْطِيَادُهُ لِلِانْتِفَاعِ بِجِلْدِهِ وَشَعْرِهِ وَعَظْمِهِ أَوْ لِدَفْعِ أَذِيَّتِهِ--------وَلَا بَأْسَ بِذَلِكَ مِنْ شَعْرِ الْبَهِيمَةِ وَصُوفِهَا لِأَنَّهُ انْتِفَاعٌ بِطَرِيقِ التَّزَيُّنِ بِمَايَحْتَمِلُ ذَلِكَ وَلِهَذَااحْتَمَلَ الِاسْتِعْمَالُ فِي سَائِرِ وُجُوهِ الِانْتِفَاعِ فَكَذَا فِي التَّزَيُّنِ[549]

درمختار میں ہے:

وحل اصطيادمايؤكل لحمه ومالايؤكل لحمه)لمنفعة جلده أو شعره أو ريشه أو لدفع شره،وكله مشروع لاطلاق النص.وفي القنية يجوز ذبح الهرة و الكلب لنفع ما[550]

جانوروں کو کن حالات میں مارا جاسکتا ہے؟

(۱۳)جو جانور انسان کے لئے نقصان دہ ہوں ان کو مارنے کا کیا حکم ہو گا اور کن حالات میں ان کو مارنے کی اجازت ہو گی؟ کیونکہ جہاں وہ انسان کے لئے مضرت کا باعث ہیں، وہیں ماحولیات کو انسان کے موافق بنانے میں بھی ایک اہم رول ادا کرتے ہیں۔

----- حواشی---

[549] - بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج 11 ص 177 تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي 587هـ دار الكتب العلمية – بيروت – لبنان الطبعة الثانية 1406هـ – 1986م محمد عارف بالله القاسمي

[550] - الدر المختار ، شرح تنوير الأبصار في فقه مذهب الإمام أبي حنيفة ج 7 ص 32 المؤلف : محمد ، علاء الدين بن علي الحصكفي (المتوفى : 1088هـ)مصدر الكتاب : موقع يعسوب [ترقيم الكتاب موافق للمطبوع]،وكذا فى تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشِّلْبِيِّ ج 6 ص 61 المؤلف : عثمان بن علي بن محجن البارعي ، فخر الدين الزيلعي الحنفي (المتوفى : 743 هـ)الحاشية : شهاب الدين أحمد بن محمد بن أحمد بن يونس بن إسماعيل بن يونس الشِّلْبِيُّ (المتوفى : 1021 هـ)الناشر : المطبعة الكبرى الأميرية – بولاق ، القاهرة الطبعة : الأولى ، 1313 هـ [ترقيم الكتاب موافق للمطبوع ، تبيين الحقائق بأعلى الصفحة وحاشية الشِّلْبِيِّ بأسفلها مفصولا بينهما بفاصل ومميزا باختلاف في اللون]– و فى – البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 8 ص 263 زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت

یہاں دو چیزیں الگ الگ ہیں: (الف) اجتماعی پہلو (ب) اور انفرادی پہلو۔

قتل حیوانات کا اجتماعی پہلو

اجتماعی پہلو کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی پیدا کردہ ہر مخلوق اس وسیع کائنات کا ایک جزو (پارٹ) ہے ، اور ان تمام اجزاء سے مل کر ہی یہ کائنات بنی ہے، اس کائنات کی بقا اور صحت میں ہر جزو کا اپنا کردار ہے، ان میں سے کسی جزو کو نظر انداز کر کے کائناتی نظام مستحکم ہو ہی نہیں سکتا، تمام اجزاء کے توافق سے ہی ماحول بنتا ہے ، ان میں سے کسی جزو کے لئے یہ خیال درست نہیں ہے کہ کائنات میں اس کی ضرورت نہیں ہے، اور اللہ پاک نے اس کو بلا ضرورت پیدا فرمایا ہے، اللہ پاک خود فرماتے ہیں:

وَمَاخَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ذَلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ[551]

ترجمہ : ہم نے آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی کوئی چیز بیکار پیدا نہیں کی ، یہ کافروں کا خیال ہے، پس کافروں کے لئے جہنم کی بربادی ہے۔

ایک دوسری جگہ ارباب فکر وذکر کا قول نقل کیا گیا ہے:

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ[552]

ترجمہ: اے پروردگار عالم! آپ نے کائنات کی کسی چیز کو بیکار پیدا نہیں فرمایا۔

جانور بھی کائنات کا اہم حصہ ہے، اور اس کی ہر صنف کی اپنی افادیت ہے ، اسی لئے کسی بھی قسم کے جانور کی ایسی نسل کشی جائز نہیں ہے کہ اس صنف کے ایک ایک فرد کا خاتمہ کر دیا جائے ،۔۔۔اور انسان کے لئے یہ ممکن بھی نہیں ہے ، کیونکہ اس کا علم اور اس کی طاقت محدود ہے ، خدا کی پھیلی ہوئی زمین میں کہاں کہاں کون سی مخلوق آباد ہے، انسان کا اس سے باخبر ہونا ممکن نہیں، اس لئے نہ یہ مطلوب ہے اور نہ ممکن، اور نہ کہیں اسلامی تعلیمات میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ کسی مخصوص جانور کے ہر فرد کو قتل کر دیا جائے

----- حواشی---

[551] -ص : 27 -

[552] -آل عمران :191 -

، بلکہ اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ نے کتا کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اگر کتا بھی گروہوں میں سے ایک گروہ نہ ہوتا تو میں تمام کتوں کے قتل کا حکم دیتا، اس لئے صرف سیاہ قسم کے خطرناک کتے کو قتل کرو، (حدیث پیچھے گذر چکی ہے) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی بھی جانور کی نسل کشی اسلام میں درست نہیں ہے، اس لئے یہاں مسئلہ ماحولیات کے توازن کا نہیں بلکہ انسان کے دفع ضرر کا ہے، اور ظاہر ہے کہ ضرر کا اندیشہ انہی جانوروں سے ہوگا جو انسانی معاشرے میں بستے ہیں اور نظر آتے ہیں، پوری روئے زمین میں پھیلے ہوئے جانوروں سے اس کا تعلق نہیں ہے، اس لئے کسی ایک یا چند جانوروں کی ہلاکت سے ماحولیاتی توازن متأثر نہیں ہو سکتا۔

علاوہ ازیں ماحولیات کا تعلق کائنات کے امور تکوین سے ہے جو خالص قدرتی نظام ہے، اگر اس کے بالمقابل کوئی حکم شرعی سامنے آئے جو بظاہر اس نظام سے متصادم محسوس ہو تو بھی انسان شریعت کے حکم ظاہر پر عمل کرنے کا پابند ہے، تکوینیات کا وہ مکلف نہیں ہے، حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کا قصہ جس کو قرآن کریم نے سورۂ کہف میں بیان کیا ہے اس کی واضح مثال ہے۔

غرض موذی اور ضرر رساں جانوروں کے قتل کے حکم کو ان کی اجتماعی نسل کشی سے جوڑنا درست نہیں ہے، اسی لئے بعض روایات کی بنیاد پر ہمارے فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ کسی مقام پر اگر ایک چیونٹی نقصان پہونچائے تو اس کے رد عمل میں وہاں کی چیونٹیوں کے پورے گھر میں آگ لگا دینا صحیح نہیں ہے

وَلَا تُحْرَقُ بُيُوتُ النَّمْلِ لِنَمْلَةٍ وَاحِدَةٍ كَذَا فِي الْفَتَاوَى الْعَتَّابِيَّةِ[553]۔

انفرادی پہلو

یہ خالص انفرادی مسئلہ ہے، اور اس کا تعلق متعلقہ شخص اور جانور سے ہے، اس نوع کے جملہ جانوروں سے یہ حکم وابستہ نہیں ہے، یہاں مسئلہ صرف یہ ہے کہ اگر کوئی موذی جانور کسی انسان کے لئے

----- حواشی---

[553] - **الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان ج 1 ص 166 الشيخ نظام وجماعة من علماء الهندسنة الولادة / سنة الوفاة تحقيق الناشر دار الفكر سنة النشر 1411هـ – 1991م مكان النشر عدد الأجزاء 6**

باعث اذیت ہو تو ایسے جانور کو مارنا درست ہے یا نہیں؟

احادیث و آثار اور فقہی جزئیات پر ایک نظر ڈالنے سے مسئلے کی دو شکلیں سامنے آتی ہیں اور دونوں کے احکام الگ الگ ہیں:

موذی جانوروں کا قتل

(۱) ایسے موذی جانور جن میں ضرر غالب ہو یعنی انسان کے سامنے آنے پر اکثر وہ نقصان پہونچاتے ہوں، مثلاً سانپ بچھو وغیرہ، فرمان نبوی کی روشنی میں ان کو ایذا سے قبل بھی مارنا درست ہے، بلکہ بعض احادیث کے مطابق قدرت کے باوجود نہ مارنا برا ہے[554]، اس لئے کہ جو چیز غالب الوقوع ہوتی ہے وہ واقع کے حکم میں ہوتی ہے۔

نقصان پہونچانے والے جانوروں کا قتل

(۲) دوسری قسم ایسے جانوروں کی ہے جن میں ضرر غالب نہیں ہے، لیکن ضرر پہونچا سکتے ہیں، مثلاً کتا، بلی، چوہا، بھڑ، چیونٹی اور چھپکلی وغیرہ، ایسے جانوروں کا حکم یہ ہے کہ ان کی طرف سے ضرر کا آغاز ہو جائے تو ان کو مارنا درست ہے ورنہ مکروہ ہے، مثلاً ٹڈی کھیتوں کو نقصان پہونچانے لگے، چیونٹیاں گھر کی اشیاء تباہ کرنے لگیں، بلی کبوتر، مرغی وغیرہ کو کھانے لگے، کھٹمل شب کی نیند خراب کردے، کتا انسانوں اور جانوروں پر حملہ آور ہو، فقہاء نے لکھا ہے کہ گھریلو کتا اگر ضرر رساں نہ ہو تو اس کو مارنا درست نہیں ہے، فقہاء نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ اگر کسی کے کتے گاؤں کے عام لوگوں کو نقصان پہونچاتے ہوں تو ان کو مارنے کا حکم دیا جائے گا اگر کتوں کا مالک راضی نہ ہو تو حکومت سے اس کے خلاف اپیل کی جائے گی، اس قسم کی بہت سی جزئیات کتب فقہ میں موجود ہیں، ذیل کی چند عبارتوں میں یہ پورا مضمون موجود ہے:

وفي «فتاوى أهل سمرقند»: الهرة إذا كانت مؤذية لا تضرب، ولا تفرك

----- حواشی ---

554 -- **كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال ج 15 ص 51 المؤلف : علاء الدين علي بن حسام الدين المتقي الهندي البرهان فوري (المتوفى : 975هـ)المحقق : بكري حياني – صفوة السقاالناشر : مؤسسة الرسالة الطبعة : الطبعة الخامسة ،1401هـ/1981م مصدر الكتاب : موقع مكتبة المدينة الرقمية۔**

أذنها ولكنها تذبح بسكين حاد، وفي«فتاوى أهل سمرقند»: قتل الجراد يحل؛ لأنه صيد، لا سيما إذا كان فيه ضرر عام،وتكلم المشايخ في النملة،قال الصدرالشهيد: والمختار للفتوى أنها إذا ابتدأت بالأذى فلا بأس بقتلها، وإن لم تبتدىء يكره قتلها، والأصل في ذلك: ما روي أن نملة قرصت نبياً من الأنبياء،فأحرق بيت النملة،فأوحى الله تعالى هلاّقتلت تلك النملة الواحدة دليل على جواز قتلها عند الأذى، وعلى عدم الجواز عند انعدام الأذى،واتفقوا على أنه لا يجوز إلقاؤها في الماء، وقتل القملة يجوز على كل حال[555].

(وذئب وعقرب وحية وفأرة) بالهمزة و جوز البرجندي التسهيل (وكلب عقور) أو وحشي، أما غيره فليس بصيد أصلا(وبعوض ونمل)لكن لا يحل قتل ما لا يؤذي، ولذا قالوا: لم يحل قتل الكلب الاهلي إذالم يؤذ، والامر بقتل الكلاب منسوخ كما في الفتح: أي إذا لم تضر[556]

وَجازَقَتْلُ مايَضُرُّ من الْبَهَائِمِ كَالْكَلْبِ الْعَقُورِ وَالْهِرَّةِ إذَا كانت تَأْكُلُ الْحَمَامَ وَالدَّجَاجَ , لِإِزَالَةِ الضَّرَرِ , وَيَذْبَحُهَا ذَبْحًا , وَلَا يَضْرُ بها لِأَنَّهُ لَا يُفِيدُ فَيَكُونُ تَعْذِيبًا لها بِلَا فَائِدَةٍ[557]

قَرْيَةٌ فِيهَا كِلَابٌ كَثِيرَةٌ وَلِأَهْلِ الْقَرْيَةِ مِنْهَا ضَرَرٌ يُؤْمَرُ أَرْبَابُ الْكِلَابِ أَنْ يَقْتُلُوا الْكِلَابَ فَإِنْ أَبَوْا رُفِعَ الْأَمْرُ إلَى الْقَاضِي حَتَّى يُلْزِمَهُمْ ذَلِكَ كَذَا فِي مُحِيطِ السَّرَخْسِيِّ------وَفِي أُضْحِيَّةِ النَّوَازِلِ رَجُلٌ لَهُ كِلَابٌ لَا يَحْتَاجُ إلَيْهَا

----- حواشی---

[555] - **المحيط** البرهاني ج **5** ص **254** المؤلف : محمود بن أحمد بن الصدر الشهيد النجاري برهان الدين مازه المحقق:الناشر:دار إحياء التراث العربي الطبعة عدد الأجزاء : **11**

[556] - الدر المختار ، شرح تنوير الأبصار في فقه مذهب الإمام أبي حنيفة ج **2** ص **627** المؤلف : محمد ، علاء الدين بن علي الحصكفي (المتوفى : **1088**هـ)

[557] - تبين الحقائق شرح كنز الدقائق ج **6** ص **227** فخر الدين عثمان بن علي الزيلعي الحنفي. الناشر دار الكتب الإسلامي.سنة النشر **1313**هـ.مكان النشر القاهرة.عدد الأجزاء **6*3**

وَ لِجِيرَانِهِ فِيهَا ضَرَرٌ فَإِنْ أَمْسَكَهَا فِي مِلْكِهِ فَلَيْسَ لِجِيرَانِهِ مَنْعُهُ وَإِنْ أَرْسَلَهَافِي السِّكَّةِ فَلَهُمْ مَنْعُهُ فَإِنِ امْتَنَعَ وَإِلَّا رَفَعُوهُ إِلَى الْقَاضِي أَوْ إِلَى صَاحِبِ الْحِسْبَةِ حَتَّى يَمْنَعَهُ عَنْ ذَلِكَ وَكَذَلِكَ مَنْ أَمْسَكَ دَجَاجَةً أَوْ جَحْشًا أَوْ عُجُولًا فِي الرُّسْتَاقِ فَهُوَ عَلَى هَذَيْنِ الْوَجْهَيْنِ كَذَا فِي الْمُحِيطِ-------- قَتْلُ الزُّنْبُورِ وَ الْحَشَرَاتِ هَلْ يُبَاحُ فِي الشَّرْعِ ابْتِدَاءً مِنْ غَيْرِ إِيذَاءٍ وَهَلْ يُثَابُ عَلَى قَتْلِهِمْ ؟قَالَ لَا يُثَابُ عَلَى ذَلِكَ وَإِنْ لَمْ يُوجَدْ مِنْهُ الْإِيذَاءُ فَالْأَوْلَى أَنْ لَا يَتَعَرَّضَ بِقَتْلِ شَيْءٍ مِنْهُ كَذَا فِي جَوَاهِرِ الْفَتَاوَى ----------- الْفَيْلَقُ الَّذِي يُقَالُ لَهُ بِالْفَارِسِيَّةِ (بِيلَه) يُلْقَى فِي الشَّمْسِ لِيَمُوتَ الدِّيدَانُ وَلَا يَكُونُ بِهِ بَأْسًالِأَنَّ فِي ذَلِكَ مَنْفَعَةَ النَّاسِ أَلَا يَرَى أَنَّ السَّمَكَةَ تُلْقَى فِي الشَّمْسِ فَتَمُوتُ وَلَا يُكْرَهُ كَذَا فِي خِزَانَةِ الْمُفْتِينَ -------وَكَذَا الْحِمَارُ إِذَا مَرِضَ وَلَا يَنْتَفِعُ بِهِ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُذْبَحَ فَيُسْتَرَاحَ مِنْهُ كَذَا فِي الْفَتَاوَى الْعَتَّابِيَّةِ.[558]

(۱۴) جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلے میں نصوص و آثار اور اسلامی تعلیمات کا تفصیلی ذکر ابتدا میں آچکا ہے۔

تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

☆ ہر جانور کو اس کی فطرت کے مطابق غذا دی جانی چاہئے، تاہم جانوروں کو لحمی اجزاء پر مشتمل غذا دینا جائز ہے، بشرطیکہ وہ نجس اور مضر نہ ہو۔

☆ انسان اور جانور کی صحت کے لئے مضر نہ ہو تو دودھ اور گوشت میں اضافہ کے لئے جانوروں کو انجکشن لگانا درست ہے، البتہ دودھ نکالنے میں جانور کی صحت اور اس کے بچہ کی رعایت کی جائے۔

----- حواشی -----

[558] -الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان ج 1 ص 166 الشيخ نظام وجماعة من علماء الهندسنة الولادة / سنة الوفاة تحقيق الناشر دار الفكر سنة النشر 1411هـ – 1991م مكان النشر عدد الأجزاء 6

☆اگر جانوروں میں غیر جنس سے اختلاط کے نتیجے میں بچہ پیدا ہو تو وہ بچہ مادہ کے تابع ہو گا۔

☆جانوروں کے مناسب کھانے پینے کے معقول انتظام کے ساتھ تکلیف سے بچاتے ہوئے ان کو بطور زینت پنجرے وغیرہ میں رکھنے کی گنجائش ہے۔

☆محض شوق کی تکمیل کے لئے خونخوار اور موذی جانوروں کو پالنا درست نہیں ہے

☆انسانی مفاد کے لئے جانوروں پر میڈیکل تجربات کئے جاسکتے ہیں۔

☆دواؤں کے لئے جانور کو بے ہوش کر کے ان کے کسی عضو کو نکالنا یا ان کے جسم میں کوئی آلہ رکھ دینا درست ہے، بشر طیکہ یہ عمل اس کی دائمی تکلیف کا باعث نہ ہو۔

☆جانوروں کی نسل کی حفاظت، ماحولیات کے تحفظ یا کسی اور مقصد سے حکومت کی طرف سے کسی جانور کے شکار پر پابندی لگا دی جائے تو اس قانون کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

☆اگر کسی حلال جانور کو ذبح کرنے سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی خطرہ میں پڑ سکتی ہو یا قانوناً اس کے ذبح پر پابندی ہو تو اس کی وجہ سے وہ حلال جانور حرام نہیں ہو گا، البتہ ایسے جانور کو ذبح کرنے سے مسلمانوں کو احتیاط برتنی چاہئے۔

☆جنگلی جانور یا پرندے جن کا شکار کرنا حکومتی قانون کی رو سے ممنوع ہو تو ایسے قانون کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

☆متعدی وبائی امراض کو روکنے کے لئے متاثر جانوروں کو مارا جاسکتا ہے، البتہ زندہ جلانا یا زندہ دفن کرنا شرعاً درست نہیں۔

☆موذی جانوروں کے ضرر سے بچنے کے لئے اسے مارنا درست ہے، بشر طیکہ ان کی ایذا رسانی کا اندیشہ ہو[559]۔

----- حواشی --

559 - جدید مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، حصہ دوم ص ۳۵،۳۶

تشبہ کی حقیقت اور متعلقہ مسائل[560]

مسلمان ایک مستقل امت ہے، تمام اقوام و مذاہب کے درمیان اس کے اپنے امتیازات ہیں، ان امتیازات سے ہی اس امت کی زندگی قائم ہے، اگر وہ امتیازات مٹ جائیں، یا ان کے تعلق سے عام مسلمانوں کا احساس کمزور پڑ جائے تو امت اسلامیہ زندہ قوم کی حیثیت سے باقی نہیں رہ سکے گی، اور اس کا وجود فنا ہو جائے گا، یہ امتیازات ہی ہمیں تشخص اور مستقل وجود فراہم کرتے ہیں، انہی سے ساری انسانیت کے درمیان ہماری پہچان قائم ہے، اس لئے غیر مسلم اقوام کے ساتھ کوئی بھی ایسا اختلاط و اشتراک مسلمانوں کے لئے ممنوع ہے جو ان کے کسی بھی قسم کے قومی یا مذہبی امتیاز پر اثر انداز ہو، آیئے ایک نظر پہلے بعض ان روایات وہدایات پر ڈال لیں جو سرکار دوعالم ﷺ نے امت کے مذہبی و قومی امتیازات کے تحفظ اور دیگر اقوام کے ساتھ مذہبی، تہذیبی و تمدنی اختلاط سے پرہیز کے لئے دیئے ہیں:

غیر اسلامی اختلاط و تشبہ سے بچنے کی ہدایات

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

☆« مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ[561]

ترجمہ: جو کسی قوم کی نقل اُتارے اس کا شمار اسی کے ساتھ ہو گا۔

☆حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے میرے

----- حواشی--

560 - تحریر بہ مقام جامعہ ربانی منورواشریف، بتاریخ ۲/ذی الحجہ ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۱/جون ۲۰۲۳ء

561 - سنن أبي داود ج ۴ ص ۷۸ حدیث نمبر: ۴۰۳۳ المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي ـ بيروت عدد الأجزاء : 4) : مسند الإمام أحمد بن حنبل ج ۹ ص ۱۲۶ حدیث نمبر : ۵۱۱۵ المؤلف : أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (المتوفى : 241هـ)المحقق : شعيب الأرنؤوط – عادل مرشد ، وآخرون إشراف : د عبد الله بن عبد المحسن التركي الناشر : مؤسسة الرسالة الطبعة : الأولى ، 1421 هـ – 2001 م)

اوپر دوز عفرانی رنگ کے کپڑے دیکھے تو ارشاد فرمایا:

« إِنَّ هَذِهِ مِنْ ثِيَابِ الْكُفَّارِ فَلاَ تَلْبَسْهَا[562]

ترجمہ: یہ کفار کا لباس ہے اس کو مت پہنو۔

☆حضرت رُکانہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ فَرْقَ مَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْمُشْرِكِينَ الْعَمَائِمُ عَلَى الْقَلاَنِسِ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَإِسْنَادُهُ لَيْسَ بِالْقَائِمِ وَلَا نَعْرِفُ أَبَا الْحَسَنِ الْعَسْقَلَانِيَّ وَلَا ابْنَ رُكَانَةَ [563]

ترجمہ: ہمارے اور مشرکین کے عماموں میں فرق یہ ہے کہ ہمارا عمامہ ٹوپیوں پر ہوتا ہے ان کا نہیں۔

☆حضرت بریدہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو پیتل کی انگوٹھی پہنے دیکھا تو فرمایا میں تمہارے اندر بتوں کی بو محسوس کر رہا ہوں، اس نے وہ انگوٹھی پھینک دی اور پھر لوہے کی انگوٹھی پہن کر حاضر ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا میں تم پر اہلِ جہنم کا زیور دیکھ رہا ہوں، اس نے اس کو بھی پھینک دیا، اور دریافت کیا کہ کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟ آپ نے فرمایا چاندی کی اور اس کا وزن ایک مثقال سے کم رہے[564]۔

☆حضرت ابوہریرۃؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

----- حواشی---

562 - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ٦ ص ١٤٣ حديث نمبر :٥٥٥٥ المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق : الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت الطبعة : عدد الأجزاء : ثمانية أجزاء في أربع مجلدات)

563 - الجامع الصحيح سنن الترمذي ج ٤ص٢٤٧حديث نمبر:١٧٨٤المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت تحقيق : أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء : 5)

564 - مسند الإمام أحمد بن حنبل ج ٥ ص ٣٥٩ حديث نمبر:٢٣٠٨٤ المؤلف : أحمد بن حنبل أبو عبدالله الشيباني الناشر : مؤسسة قرطبة – القاهرة عدد الأجزاء : 6

إن اليهود والنصارى لا يصبغون فخالفوهم[565]

ترجمہ: یہود و نصاریٰ بالوں میں خضاب نہیں لگاتے تم ان کی مخالفت کرو۔

☆حضرت ابوہریرۃؓ ہی کی روایت ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

غيروا الشيب ولا تشبهوا اليهود[566]

ترجمہ: سفیدی کو بدلو اور یہود کی نقل نہ اتارو۔

☆حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور مسلمانوں کو اس کا حکم دیا، تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہود و نصاریٰ اس دن کا بہت احترام کرتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« **لَئِنْ بَقِيتُ إِلَى قَابِلٍ لأَصُومَنَّ التَّاسِعَ**[567]

ترجمہ: آئندہ سال اگر میں زندہ رہا تو نویں محرم کا بھی روزہ رکھوں گا۔

☆حضرت ابن عباسؓ ہی کی روایت ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اللحد لنا والشق لغيرنا [568]

ترجمہ: لحد ہمارے لئے اور شق ہمارے غیروں کے لئے ہے،

☆حضرت ام سلمہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہفتہ اور اتوار کے دن بطورِ خاص روزہ رہتے

----- حواشی---

565 - **الجامع الصحيح المختصر ج ٣ ص ١٢٧٥ حديث نمبر : ٣٢٧٥ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987)**

566 - **الجامع الصحيح سنن الترمذي ج ٤ ص ٢٣٢ المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت**

567 - **الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ٣ص ١٥١ حديث نمبر :٢٧٢٣ المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق : الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت الطبعة : عدد الأجزاء : ثمانية أجزاء في أربع مجلدات)**

568 - **الجامع الصحيح سنن الترمذي ج ٣ ص ٣٦١ حديث نمبر:٥٣ المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت تحقيق : أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء : 5)**

تھے اور فرماتے کہ:

إنهما يوما عيد للمشركين فأنا أحب أن أخالفهم [569]

ترجمہ: یہ دونوں دن مشرکوں کی عید کے ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ان کی مخالفت کروں۔

☆حضرت شداد بن اوسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«خَالِفُوا الْيَهُودَ فَإِنَّهُمْ لاَيُصَلُّونَ فِى نِعَالِهِمْ وَلاَخِفَافِهِمْ »[570].

ترجمہ: یہود کی مخالفت کرو وہ اپنے جوتوں اور خف میں نماز نہیں پڑھتے۔

☆حضرت عتبہ بن عویم بن ساعدہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک میں ایک عربی کمان تھی، آپؐ نے ایک شخص کے ہاتھ میں فارسی کمان دیکھی تو آپ نے فرمایا لعنت ہو، اس طرح کی کمان لو، [571]

☆حضرت عائشہ روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لاَ تَقْطَعُوا اللَّحْمَ بِالسِّكِّينِ فَإِنَّهُ مِنْ صَنِيعِ الأَعَاجِمِ وَانْهَسُوهُ فَإِنَّهُ أَهْنَأُ وَأَمْرَأُ » قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَلَيْسَ هُوَ بِالْقَوِىِّ[572].

----- حواشی---

[569] - سنن النسائي الكبرى ج ٢ ص ١٤٦ حديث نمبر:٢٧٧٦ المؤلف : أحمد بن شعيب أبو عبد الرحمن النسائي الناشر : دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة الأولى ، **1411 – 1991** تحقيق : د.عبد الغفار سليمان البنداري , سيد كسروي حسن عدد الأجزاء : **6**)

[570] - سنن أبي داود ج ١ ص ٢٤٧ حديث نمبر:٦٥٢ المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي . بيروت عدد الأجزاء : **4**)

[571] - سنن البيهقي الكبرى ج ١٠ ص ١٤ حديث نمبر : ١٩٥١٩ المؤلف : أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر البيهقي الناشر : مكتبة دار الباز – مكة المكرمة ، **1414 – 1994** تحقيق : محمد عبد القادر عطا عدد الأجزاء : **10**)

[572] -سنن أبي داود ج ٣ ص ٤١٠ حديث نمبر :٣٧٨٠ المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي . بيروت عدد الأجزاء : **4**)

ترجمہ: گوشت کو چھری سے نہ کاٹو اس لئے کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے۔

☆حضرت ابو ریحانہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کئی باتوں سے منع فرمایا ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ آدمی اپنے کپڑے کے نیچے ریشم لگائے اس لئے کہ یہ عجمیوں کا طرز ہے، یا یہ کہ اپنے مونڈھے پر ریشم لگائے اس لئے کہ یہ بھی عجمیوں کا طریقہ ہے۔[573]

☆حضور ﷺ کو اپنی امت کے تہذیبی اختلاط کا شدید اندیشہ تھا، ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا:

عن أبي سعيد رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال لتتبعن سنن من قبلكم شبرا بشبر وذراعا بذراع حتى لو سلكوا جحر ضب لسلكتموه قلنا يا رسول الله اليهود والنصارى فمن؟ [574]

ترجمہ: تم اپنے سے پہلے والوں کی بہت زیادہ نقل اتاروگے بالشت در بالشت، ہاتھ در ہاتھ، یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں داخل ہوں گے تو ان کی دیکھا دیکھی تم بھی اس بل میں گھس پڑوگے، لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ﷺ آپ کی مراد پہلے والوں سے یہود و نصاریٰ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا پھر اور کون؟۔

کتبِ احادیث میں اس طرح کی بہت سی روایات موجود ہیں جن میں مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ تہذیبی اور تمدنی اختلاط سے روکا گیا ہے، قطعِ نظر اس سے کہ ان میں کون سا حکم کس درجہ کا ہے؟ ان احادیث میں جو بنیادی روح ہے وہ ہے اسلامی امتیازات کا تحفظ اور مسلمانوں کی تہذیبی اور سماجی تطہیر۔

تشبہ کی حقیقت اور اقسام

۱-ان ہدایات سے اصولی طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ غیر قوموں کے ساتھ بالقصد ایسے

----- حواشی---

573 -رواہ ابو داؤد و النسائی، مشکوٰۃ کتاب اللباس:۳۷۶

574 - الجامع الصحيح ج ۳ ص ۱۲۷۵ حدیث نمبر:۳۲۶۹المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6)

امور میں اختلاط اور تشبہ ممنوع ہے جس سے ملت اسلامیہ کا مذہبی یا تہذیبی امتیاز متأثر ہو، عام معاشرتی جائز امور جو کسی قوم کی مذہبی یا تہذیبی شناخت نہ ہوں، ان کو اختیار کرنے میں مضائقہ نہیں ہے، یا یہ کہ تشبہ کا قصد نہ ہو اور بلا ارادہ مشابہت ہو گئی، تو گناہ نہ ہو گا لیکن علم ہونے کے بعد ایسے عمل سے پرہیز لازم ہے، اگر علم کے بعد بھی اپنے عمل پر قائم رہا تو اب یہ قصد تشبہ میں داخل ہو گا۔۔۔۔یہی ہے تشبہ کی روح اور خلاصہ۔

تشبہ حرام

شریعت نے کھانے پینے، رہنے سہنے، لباس، وضع قطع اور زندگی گذارنے کے جو طریقے مقرر کئے ہیں ان کے خلاف غیر اسلامی طریقوں کو اختیار کرنا مؤمن کو اصولی طور پر اسلام کی مطلوبہ جماعت سے خارج کر دیتا ہے، اور جس تمدن کو اسوہ بناتا ہے وہ اسی کا فرد بن جاتا ہے، اس لئے کہ کافرانہ طریق کفر کی علامت ہے اور شریعت کے فیصلے ظاہری علامات پر مبنی ہوتے ہیں، باطنی احوال پر نہیں، الا یہ کہ تشبہ کے قصد سے نہیں بلکہ کسی واقعی ضرورت کی بنا پر یہ عمل کیا جائے۔

چنانچہ حنفیہ، مالکیہ اور جمہور شوافع کفار کا مذہبی لباس یا ان کی مخصوص وضع قطع اختیار کرنے پر تکفیر کا حکم لگاتے ہیں، مثلاً مجوسیوں کی ٹوپی سر پر رکھنا، یا نصرانیوں کا زنار پہننا، یا ہندوؤں کا مخصوص کپڑا اپنے بدن پر رکھنا وغیرہ، الا یہ کہ کسی نے مجبوری میں جان بچانے کے لئے یا سردی یا گرمی سے بچنے کی غرض سے یا جنگی چال کے طور پر دل کی کراہت کے ساتھ اس کو استعمال کیا ہو تو اس صورت میں گو کہ یہ پسندیدہ عمل نہیں ہے مگر اس کی بنا پر تکفیر کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا[575]۔ بعض فقہاء نے تکفیر کے لئے دارالاسلام کی قید لگائی ہے، اس لئے کہ دارالکفر میں تاویل کا احتمال ہے، ہو سکتا ہے کہ حالات سے مجبور ہو کر اس نے بادل ناخواستہ ایسا کر لیا ہو، یا یہ کہ وہاں اس کا کوئی دوسرا متبادل موجود نہ ہو یا کسی نے اس کے ساتھ زبردستی کی ہو اور

----- حواشی ---

575 - الفتاوى الهندية 2 / 276 ، والاختيار 4 / 150 ، وجواهر الإكليل 2 / 278 ، والتاج والإكليل بهامش الحطاب 6 / ، وتحفة المحتاج 9 / 91 ، 92 ط دار صادر ، وأسنى المطالب وحاشية الرملي عليه 4 / 11

غیر اسلامی ملک میں یہ سب کچھ ممکن ہے[576]۔

☆يَكْفُرُ بِوَضْعِ قَلَنْسُوَةِ الْمَجُوسِ على رَأْسِهِ على الصَّحِيحِ إِلَّا لِضَرُورَةِ دَفْعِ الْحَرِّ وَالْبَرْدِ وَبِشَدِّ الزُّنَّارِ في وَسْطِهِ إِلَّا إِذَا فَعَلَ ذلك خَدِيعَةً في الْحَرْبِ وَطَلِيعَةً لِلْمُسْلِمِينَ[577]

*كما أن الإتيان بخاصية الكفريدل على الكفر ، فإن من سجد لصنم أو تزيّا بزنار أو لبس قلنسوة المجوس يحكم بكفره[578]

*ويكفر بوضع قلنسوة المجوس على رأسه على الصحيح إلا لتخليص الأسير أو لضرورة دفع الحر والبرد عند البعض وقيل إن قصد به التشبيه يكفر وكذا شد الزنار في وسطه وفي البزازية ويحكى عن بعض من الأسالفة أنه يقول ما ذكر من الفتاوى أنه يكفر بكذا وكذا أنه للتخويف والتهديد لا لحقيقة الكفر وهذا كلام باطل وحاشا أن يلعب أمناء الله تعالى أعني علماء الأحكام بالحلال والحرام والكفر والإسلام بل لا يقولون إلا الحق الثابت عند شريعة سيدنا محمد عليه الصلاة والسلام عصمني الله وإياكم عن زلل عن اللسان وتكلم كلمة الكفر بالخطأ والنسيان آمين بحرمة سيد

----- حواشی--

576 - أسنى المطالب 4 / 11 ، أصول الدين لأبي منصور عبد القاهر التميمي البغدادي ص 266 ط استانبول ،اقتضاء الصراط المستقيم بتحقيق د . ناصر العقل 1 / 418

577 - البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 5 ص 133 زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هالناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت *الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان ج 2 ص 276 الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند،الناشر دار الفكر سنة النشر 1411هـ – 1991م ،عدد الأجزاء 6

578 - الاختيار لتعليل المختارج 4 160المؤلف : عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي الحنفي دار النشر : دار الكتب العلمية – بيروت / لبنان – 1426 هـ – 2005 م الطبعة : الثالثة تحقيق : عبد اللطيف محمد عبد الرحمن عدد الأجزاء / 5

المرسلین صلاة لله علیه وعلیهم أجمعین[579]

حضرت امام ابو حنیفہؒ کا ایک قول یہ ہے کہ یہ عمل حرام ضرور ہے مگر اس کی بنا پر اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی[580]، حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے[581]۔ غرض اختلاف تکفیر میں ہے لیکن اس کی حرمت کے بارے میں کوئی دورائے نہیں ہے۔

تشبہ مباح

۲-البتہ عام سماجی چیزیں جو کسی خاص مذہب کا شیوہ نہیں مانی جاتی ہوں، بلکہ بلا تمیز مذہب وملت ہر طبقہ کے لوگ مساوی طور پر ان کو استعمال کرتے ہوں، مثلاً سواری اور ضروریات زندگی کی چیزیں ان کو بلا قصد تشبہ ضرورت کے مطابق اختیار کرنا ممنوعہ تشبہ میں داخل نہیں ہے اور فقہاء حنفیہ کے نزدیک جائز ہے۔

☆روایت میں آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایسے جوتے استعمال فرمائے جن پر بال نہیں تھے ،جب کہ عہد نبوت کے راہب بھی اس کو استعمال کرتے تھے:

☆وأما النعال السبتية فإني رأيت رسول الله صلى الله عليه و سلم يلبس النعال التي ليس فيها شعر[582]

☆البحر الرائق میں الذخیرۃ البرھانیۃ کے حوالے سے حضرت امام ابو یوسفؒ کا ایک واقعہ نقل

----- حواشی---

579 - مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر ج 2 ص 514 عبد الرحمن بن محمد بن سليمان الكليبولي المدعو بشيخي زاده سنة الولادة / سنة الوفاة 1078هـ تحقيق خرح آياته وأحاديثه خليل عمران المنصورالناشر دار الكتب العلمية سنة النشر 1419هـ – 1998م مكان النشر لبنان/ بيروت عدد الأجزاء 4

580 - الفتاوى البزازية بهامش الهندية 6 / 332 ، ودار الشروق مع الفروق 4 / 116

581 - كشاف القناع 3 / 128

582 - الجامع الصحيح ج 5 ص 2199 حدیث نمبر:5513المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6)

کیا گیا ہے کہ وہ لوہے کی کیلوں والے خاص جوتے پہنے ہوئے تھے جس کو اس دور کے عیسائی راہب بھی استعمال کرتے تھے، کسی نے ان سے دریافت کیا اور کہا کہ حضرت سفیان ثوریؒ اور حضرت ثور بن یزیدؒ اس طرح کے نعل کے استعمال کو مکروہ کہتے تھے، کیوں کہ اس میں راہبوں سے مشابہت پیدا ہوتی ہے، لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ نے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مذکورہ بالا نعال کے حوالہ سے اس کو درست قرار دیا جس کو آپ ؐ کے عہد کے پادری بھی استعمال فرماتے تھے۔

قال في الذخيرة البرهانية قبيل كتاب التحري قال هشام رأيت على أبي يوسف نعلين مخسوفين بمسامير فقلت أترى بهذا الحديد بأسا قال لا فقلت إن سفيان وثور بن يزيد رحمهما الله تعالى كرها ذلك لأن فيه تشبها بالرهبان فقال { كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يلبس النعال التي لها شعر وأنها من لباس الرهبان[583]

☆علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ التَّشْبِيهَ بِأَهْلِ الْكِتَابِ لَا يُكْرَهُ في كل شَيْءٍ فإنا(وإنا)نَأْكُلُ وَنَشْرَبُ كما يَفْعَلُونَ إنَّمَا الْحَرَامُ هو التَّشَبُّهُ فِيمَا كان مَذْمُومًا وَفِيمَا يُقْصَدُ بِهِ التَّشْبِيهُ كَذَا ذكرهقاضيخان في شَرْحِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ فَعَلَى هذا لو لم يَقْصِدْ التَّشَبُّهَ لَا يُكْرَهُ عِنْدَهُمَا[584]

☆اسی طرح غیر اختیاری طور پر مشابہت پیدا ہو جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ روایات میں صحابی رسول حضرت معبد بن اکثمؓ کا ذکر آتا ہے کہ وہ صورت و شکل میں ایک مشرک لحی بن عمرو

----- حواشی---

[583] -البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 4 ص 75 المؤلف : زين الدين بن إبراهيم بن نجيم ، المعروف بابن نجيم المصري (المتوفى : 970هـ)

[584] -حاشية على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح ج ١ ص ٢٢٨أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحاوي الحنفي سنة الولادة / سنة الوفاة 1231هـ الناشر المطبعة الكبرى الأميرية ببولاق سنة النشر 1318هـ مكان النشر مصر*البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج ٢ ص ١١زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت

کے مشابہ تھے، حضور ﷺ نے ان کو اطمینان دلایا کہ اس غیر اختیاری مشابہت سے ان کے ایمان پر کوئی اثر نہیں پڑے گا:

وَرَأَيْتُ فِيهَا لُحَىَّ بْنَ عَمْرٍو يَجُرُّ قُصْبَهُ وَأَشْبَهُ مَنْ رَأَيْتُ بِهِ مَعْبَدُ بْنُ أَكْثَمَ ». قَالَ مَعْبَدٌ أَىْ رَسُولَ اللَّهِ يُخْشَى عَلَىَّ مِنْ شَبَهِهِ فَإِنَّهُ وَالِدٌ قَالَ « لاَ أَنْتَ مُؤْمِنٌ وَهُوَ كَافِرٌ وَهُوَ أَوَّلُ مَنْ جَمَعَ الْعَرَبَ عَلَى الأَصْنَامِ »[585]

تشبہ مکروہ

☆البتہ ضرورت کی ایسی چیز جس کا استعمال فی نفسہ مباح ہے، لیکن اس کا متبادل مسلمانوں کے پاس موجود ہو تو اسلامی غیرت وحمیت کے تقاضے سے غیروں کی تیار کردہ چیز استعمال کرنا مکروہ ہے، حضور اکرم ﷺ نے ایک عرب مسلمان کو فارس کی بنی ہوئی کمان کے استعمال پر تنبیہ فرمائی اس لئے اس کی متبادل عربی کمان مسلمانوں کے پاس موجود تھی:

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَتْ بِيَدِ رَسُولِ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم– قَوْسٌ عَرَبِيَّةٌ فَرَأَى رَجُلاً بِيَدِهِ قَوْسٌ فَارِسِيَّةٌ فَقَالَ«مَا هَذِهِ أَلْقِهَا وَعَلَيْكُمْ بِهَذِهِ وَأَشْبَاهِهَا وَرِمَاحِ الْقَنَا فَإِنَّهُمَا يَزِيدُ اللَّهُ بِهِمَا فِى الدِّينِ وَيُمَكِّنُ لَكُمْ فِى الْبِلاَدِ »[586]

حدیث" من تشبہ بقوم فھو منھم"کی سندی حیثیت

۳-حدیث من تشبہ بقوم فھو منھم سنن ابوداؤد، مسند احمد، معجم اوسط طبرانی، مسند بزار، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، بیہقی متعدد کتب حدیث میں آئی ہے، اس کی بعض سندوں پر محدثین نے کلام بھی کیا ہے، لیکن مختلف سندوں سے مروی ہونے کے علاوہ اس کے متعدد شواہد بھی موجود ہیں، اس لئے یہ حدیث کم از کم درجۂ حسن کی ضرور ہے، ابوداؤد میں یہ روایت اس طرح آئی ہے:

حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِى شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو النَّضْرِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ ثَابِتٍ

----- حواشی---

585 - مسندأحمد:275/46،رقم الحديث: 21851

586 - سنن ابن ماجة، باب السلاح، رقم الحديث:۲۸۱۰

حَدَّثَنَا حَسَّانُ بْنُ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِى مُنِيبٍ الْجُرَشِىِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم– « مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ »[587]

★علامہ ابن تیمیہؒ نے اس کی سند پر مفصل کلام کرنے کے بعد اس کو جید قرار دیا ہے :

وأيضا ماهو صريح في الدلالة ما روى أبو داود في سننه حدثنا عثمان بن أبي شيبةحدثنا أبو النضريعني هاشم بن القاسم حدثنا عبد الرحمن بن ثابت حدثنا حسان بن عطيةعن أبي منيب الجرشي عن ابن عمر رضي الله عنهما قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : « من تشبه بقوم فهو منهم » وهذا إسناد جيد فإن ابن أبي شيبة وأبا النضر وحسان بن عطية ثقات مشاهير أجلاء من رجال الصحيحين وهم أجل من أن يحتاجوا إلى أن يقال : هم من رجال الصحيحين وأما عبد الرحمن بن ثابت بن ثوبان فقال يحيى بن معين وأبو زرعة وأحمد بن عبد الله: ليس به بأس.وقال عبد الرحمن بن إبراهيم دحيم: هو ثقة وقال أبو حاتم: هو مستقيم الحديث.وأما أبو منيب الجرشي فقال : فيه أحمد بن عبد الله العجلي هو ثقة وما علمت أحدا ذكره بسوء وقد سمع منه حسان بن عطية وقد احتج الإمام أحمد وغيره بهذا الحديث .[588]

☆البانی نے سنن ابو داؤد کی تعلیق میں اس کو "حسن صحیح" کہا ہے[589]

غرض یہ روایت علماء ومحدثین کے نزدیک قابل قبول اور لائق استدلال ہے اور علماء اس پر تفصیلی

----- حواشی---

[587] - سنن أبي داود باب فِى لُبْسِ الشُّهْرَةِ رقم الحديث: 4033 المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني

[588] - اقتضاء الصراط المستقيم لمخالفة أصحاب الجحيم:213/1 المؤلف : تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم بن تيمية (المتوفى : 728هـ)

[589] - سنن أبي داود ج 4 ص 78 حديث نمبر:4033 المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي ـ بيروت مصدر الكتاب : وزارة الأوقاف المصرية وأشاروا إلى جمعية المكنز الإسلامي في التعليق حكم الألباني

گفتگو کر چکے ہیں، اس کے اعادہ کی حاجت نہیں ہے۔

کسی قوم کا کوئی مخصوص عمل جب عام ہو جائے

۵- کوئی بھی فعل یا وضع جو ایک زمانہ میں کسی خاص قوم کی پہچان رہی ہو اگر وہ عام ہو جائے اور مختلف قوم کے لوگ اس کو استعمال کرنے لگیں اور وہ کسی قوم کا شعار نہ رہیں تو ان میں تشبہ کا حکم باقی نہیں رہے گا اور عام مباح چیزوں کی طرح ان کا استعمال جائز ہو گا، اس لئے کہ ممانعت کی علت باقی نہیں رہی۔

جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت انسؓ نے ایک جماعت کو طیلسان پہنے ہوئے دیکھا تو ارشاد فرمایا کہ یہ تو خیبر کے یہودیوں کا لباس ہے، اس روایت کے ضمن میں حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ یہ استدلال اس وقت درست ہو گا جب کہ ہمارے دور میں بھی وہ یہودیوں کا شعار باقی رہے، لیکن اب اس کا استعمال یہودیوں کے ساتھ خاص نہیں رہا بلکہ عام ہو گیا ہے اس لئے یہ ممانعت کے دائرے سے خارج ہے اور اس کا استعمال جائز ہے:

وإنمايصلح الاستدلال بقصة اليهود في الوقت الذي تكون الطيالسة من شعارهم وقد ارتفع ذلك في هذه الأزمنة فصار داخلا في عموم المباح وقد ذكره بن عبد السلام في أمثلة البدعة المباحة وقد يصير من شعائر قوم فيصير تركه من الاخلال بالمروءة كما نبه عليه الفقهاء أن الشيء قد يكون لقوم وتركه بالعكس ومثل بن الرفعة ذلك بالسوقي والفقيه في الطيلسان[590]

علماء دیوبند میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے کوٹ، پینٹ کے بارے میں[591] اور حضرت

----- حواشی -----

[590] - فتح الباري شرح صحيح البخاري ج 10 ص 275 المؤلف : أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي الناشر : دار المعرفة – بيروت ، 1379 تحقيق : أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي عدد الأجزاء : 13

[591] - امداد الفتاویٰ: ۲۶۸/۴ سوال نمبر: ۳۴۵

مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے ساڑی پہننے کے متعلق یہی لکھا ہے[592]

مذہبی امور میں تشبہ

۱- مذہبی امور میں غیروں کی مشابہت اختیار کرنا ناجائز اور حرام ہے، مثلاً: نصاریٰ کی طرح سینے پر صلیب لٹکانا، ہندوؤں کی طرح زنار باندھنا یا پیشانی پر قشقہ لگانا، یا سکھوں کی طرح ہاتھ میں لوہے کا کڑا پہننا وغیرہ۔ قرآن کریم نے مذہبی مسائل میں غیروں کی نقالی کو جرم قرار دیا ہے، خواہ وہ محض ان کی ظاہری دلجوئی کے لئے ہی کی جائے:

ولن ترضى عنك اليهود ولا النصارى حتى تتبع ملتهم قل إن هدى الله هو الهدى ولئن اتبعت أهواءهم بعد الذي جاءك من العلم ما لك من الله من ولي ولا نصير[593]

اسلامی شریعت اس امر میں اس قدر حساس ہے کہ خود اپنے مذہبی معاملات میں بھی اگر کہیں غیروں سے تشبہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہوا تو اس پر پابندی عائد کر دی ہے، مثلاً:

☆اوقات مکروہہ میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا کہ یہ کافروں کی عبادت کے اوقات ہیں[594]۔ خود حدیث پاک کے الفاظ ہیں:

فإنها تغرب بين قرني شيطان وحينئذ يسجد لها الكفار[595]

☆حالت نماز میں اختصار یعنی کوکھ پر ہاتھ رکھنے سے منع کیا گیا کہ یہ یہود کا طریقہ ہے:

إن اليهود تفعله زاد ابن أبي شيبة في رواية له :" في الصلاة وفي رواية

----- حواشی---

592 - کفایت المفتی:۹/۱۶۱

593 - سورة البقرة / 120 .

594 -اقتضاء الصراط المستقيم لابن تيمية 1 / 190 ، وفتح القدير 1 / 202 ط دار إحياء التراث العربي ، والكافي لابن عبد البر 1 / 195 ، والبجيرمي على الخطيب 2 / 101 نشر دار المعرفة ، والمغني 2 / 107 ط الرياض

595 - أخرجه مسلم 1 / 570 – ط الحلبي

أخرى لا تشبهوا باليهود[596]

☆صوم وصال سے روکا گیاہے اوراس کی وجہ ایک روایت میں یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ نصاریٰ کا طریقہ ہے[597]

☆عاشورا کا ایک روزہ رکھنے سے منع کیا گیاہے اس لئے کہ یہ یہود کا معمول تھا[598]۔وغیرہ

اسی زمرہ میں غیر مسلموں کے مذہبی رسوم اور تہواروں میں شرکت بھی داخل ہے، مثلاً: غیر مسلموں کے ساتھ ہولی کھیلنا، دیوالی میں پٹاخے پھوڑنا، غیر مسلموں کے تہواروں کے موقعہ پر ان کو خوش کرنے کے لئے اپنے گھروں پر جھنڈے لگانا، کرسمس منانا، یوگا کرنا، ملاقات کے وقت نمستے کہنا وغیرہ، رضامندی کے ساتھ یہ عمل تو کفر ہے لیکن بلا رضامندی بھی جائز نہیں۔

☆قرآن کریم میں وَالَّذِينَ لايَشْهَدُونَ الزُّورَ[599] کی ایک تفسیر غیر مسلموں کے مذہبی تہوار سے کی گئی ہے۔

☆ایک حدیث پاک میں ارشاد ہے:

«من كثرسواد قوم فهومنهم،ومن رضي عمل قوم كان شريكا لمن عمله»[600]

☆بعض روایات میں ہے کہ پچھلے ادوار میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نبیؑ کو وحی کی کہ اپنی قوم سے کہدیں کہ وہ نہ تو میرے دشمنوں کے ٹھکانوں میں داخل ہوں، نہ ہی میرے دشمنوں کا لباس پہنیں، نہ میرے

----- حواشی--

[596] -عمدة القاري 7 / 297 ط المنيرية ، وصحيح مسلم بشرح النووي 5 / 36 ، والمغني 2 / 9 ط الرياض ، والشرح الصغير 1 / 340

[597] - فتح الباري 4 / 202 – 204 ط السلفية ، وعمدة القاري 11 / 71 ، 72 ، وحاشية ابن عابدين 2 / 84 ، وجواهر الإكليل 1 / 274 ، والمغني 3 / 171 ط الرياض

[598] - فتح القدير 2 / 78 ط الأميرية وعمدة القاري 11 / 119 ، وكشاف القناع 2 / 339 .

[599] - **الفرقان:72**

[600] - **المطالب العالية،لابن حجرباب الرخصة في الرجوع لمن رأى منكرا:182/5**

دشمنوں کی سواریوں پر سوار ہوں، اور نہ ہی میرے دشمنوں کے کھانے کھائیں کہ مبادا ان کا شمار بھی میرے دشمنوں کے ساتھ نہ ہو جائے:

أَوْحَى اللَّهُ إِلَى نَبِيٍّ مِنْ الْأَنْبِيَاءِ أَنْ قُلْ لِقَوْمِك لَا يَدْخُلُوا مَدَاخِلَ أَعْدَائِي : وَلَا يَلْبَسُوا مَلَابِسَ أَعْدَائِي ، وَلَا يَرْكَبُوا مَرَاكِبَ أَعْدَائِي،وَلَا يَطْعَمُوا مَطَاعِمَ أَعْدَائِي فَيَكُونُوا أَعْدَائِي كَمَا هُمْ أَعْدَائِي-[601]

☆صحابہ اور سلف صالحین اس معاملہ میں بہت محتاط تھے، اور وہ عام حالات میں مسلمانوں کو غیر مسلموں کے مذہبی مواقع پر شمولیت سے روکتے تھے، مثلاً: حضرت عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ عیسائیوں کے تہوار کے موقعہ پر ان کے عبادت خانوں میں داخل ہونے سے منع فرماتے تھے:

قال عمر رضي الله عنه:لاتعلموارطانةالأعاجم ولاتدخلواعلى المشركين في كنائسهم يوم عيدهم فإن السخطةتنزل عليهم[602]

حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے بھی اس کی ممانعت منقول ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍوقَالَ:مَنْ بَنَى بِبِلَادِ الْأَعَاجِمِ وَصَنَعَ نَيْرُوزَهُمْ وَ مِهْرَجَانَهُمْ وَتَشَبَّهَ بِهِمْ حَتَّى يَمُوتَ وَهُوَ كَذَلِكَ حُشِرَ مَعَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.[603]

☆کتب فقہ میں بھی واضح طور پر اس کو ناجائز قرار دیا گیا ہے، فتاویٰ خانیہ میں ہے:

----- حواشی---

[601] - كتاب الزهد ص 103 المؤلف : أحمد بن حنبل عدد الأجزاء : 1 * شرح صحيح البخارى . لابن بطال ج 6 ص 82 المؤلف : أبو الحسن علي بن خلف بن عبد الملك بن بطال البكري القرطبي دار النشر : مكتبة الرشد – السعودية / الرياض – 1423هـ – 2003م الطبعة : الثانية تحقيق : أبو تميم ياسر بن إبراهيم عدد الأجزاء / 10

[602] - سنن البيهقي الكبرى ج 9 ص 234 حديث نمبر : 18640المؤلف : أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر البيهقي الناشر : مكتبة دار الباز – مكة المكرمة ، 1414 – 1994 تحقيق : محمد عبد القادر عطا عدد الأجزاء : 10 * مصنف عبد الرزاق ج 1 ص 411 حديث نمبر:1609 المؤلف : أبو بكر عبد الرزاق بن همام الصنعاني الناشر : المكتب الإسلامي – بيروت الطبعة الثانية ، 1403 تحقيق : حبيب الرحمن الأعظمي عدد الأجزاء : 11

[603] - السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي باب كَرَاهِيَةِ الدُّخُولِ عَلَى أَهْلِ الذِّمَّةِ فِى كَنَائِسِهِمْ وَالتَّشَبُّهِ بِهِمْ يَوْمَ نَيْرُوزِهِمْ وَمِهْرَجَانِهِمْ رقم الحديث: 19335

قال قاضي خان : رجل اشترى يوم النيروز شيئا لم يشتره في غير ذلك اليوم : إن أراد به تعظيم ذلك اليوم كما يعظمه الكفرة يكون كفرا ، وإن فعل ذلك لأجل السرف والتنعم لا لتعظيم اليوم لا يكون كفرا . وإن أهدى يوم النيروز إلى إنسان شيئا ولم يرد به تعظيم اليوم ، إنما فعل ذلك على عادة الناس لا يكون كفرا.وينبغي أن لا يفعل في هذا اليوم ما لا يفعله قبل ذلك اليوم ولا بعده ، وأن يحترز عن التشبه بالكفرة[604]

مجمع الانہر میں ہے:

وَيَكْفُرُ بِخُرُوجِهِ إلَى نَيْرُوزِ الْمَجُوسِ وَالْمُوَافَقَةِ مَعَهُمْ فِيمَا يَفْعَلُونَهُ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ وَبِشِرَائِهِ يَوْمَ نَيْرُوزِ شَيْئًا لَمْ يَكُنْ يَشْتَرِيهِ قَبْلَ ذَلِكَ تَعْظِيمًا لِلنَّيْرُوزِ لَا لِلْأَكْلِ وَالشُّرْبِ وَبِإِهْدَائِهِ ذَلِكَ الْيَوْمِ لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ بَيْضَةً تَعْظِيمًا لِذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَا يَكْفُرُ بِإِجَابَةِ دَعْوَةِ مَجُوسٍ وَحَلْقِ رَأْسِ وَلَدِهِ.وَيَكْفُرُ بِوَضْعِ قَلَنْسُوَةِ الْمَجُوسِ عَلَى رَأْسِهِ عَلَى الصَّحِيحِ إلَّا لِتَخْلِيصِ الْأَسِيرِ أَوْ لِضَرُورَةِ دَفْعِ الْحَرِّ وَالْبَرْدِ عِنْدَ الْبَعْضِ وَقِيلَ إنْ قَصَدَ بِهِ التَّشْبِيهَ يَكْفُرُ وَكَذَا شَدُّ الزُّنَّارِ فِي وَسَطِهِ.[605]

شعائر کفر میں تشبہ

۲-شعائر سے مراد ایسی چیزیں ہیں جو کسی قوم یا مذہب کی خاص مذہبی علامت سمجھی جاتی ہوں اور اس نسبت سے وہ مشہور ہوں:

وشعائر الدين أمر ظاهر يختص به يمتاز صاحبه به من سائر الأديان

----- حواشی---

[604] - الفتاوى الخانية بهامش الهندية 3 / 577 ، وانظر الفتاوى الهندية 2 / 276 – 277 ، والفتاوى البزازية بهامش الهندية 6 / 333 ، 334 ، وحاشية ابن عابدين 5 / 481 ، والفتاوى الأنقروية 1 / 164

[605] - مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر،باب المرتد:**1/ 698**

كالختان وتعظيم المساجد والأذان والجمعة والجماعات.[606]

شعائر کفر میں تشبہ اور بھی زیادہ بدترین گناہ ہے: جیسے آج کل بہت سے تعلیمی اداروں میں وندے ماترم پڑھوایا جاتا ہے، بائبل یا گیتا سے دعائیہ کلمات پڑھوائے جاتے ہیں، سرسوتی نامی دیوی کے سامنے ہاتھ جوڑ کر سلام کیا جاتا ہے، پیشانی پر مسلمان لیڈرس بھی قشقہ لگواتے ہیں، ہندو دیوی اور دیوتاؤں کے نام کے نعرے لگوائے جاتے ہیں، مشنری اسکولوں میں ان کے عقائد کے مطابق حضرت مسیح کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوا جاتا ہے، یا کسی قدر سر جھکایا جاتا ہے، یہ سب بلاشبہ مذہبی چیزیں ہیں، اور شعائر کفر میں داخل ہیں۔ کسی مسلمان کے لئے ان میں شرکت و شمولیت جائز نہیں ہے۔

تہذیبی و قومی امور میں تشبہ

۱- حضور اکرم ﷺ نے بعض ایسی باتوں سے بھی منع فرمایا ہے، جو گو کہ غیر مسلموں کے مذہب کا جزو نہیں ہیں، لیکن ان کی تہذیب کا حصہ ہیں، یعنی ان کی قومی یا جماعتی خصوصیات ان سے وابستہ ہیں، اور بحیثیت قوم ان سے ان کی شناخت قائم ہے، جیسے آپ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ سر کے کچھ بال مونڈے جائیں اور کچھ کو باقی رکھا جائے، یا آپ نے ٹخنوں سے نیچے تک لٹکی ہوئی ازار کو منع فرمایا، یا آپ ؐ نے کھانے میں کانٹوں کے چمچوں کے استعمال کو پسند نہیں فرمایا کہ یہ اہل ایران کا طریقہ ہے، یا جیسے آپ ؐ نے مخالفت مجوس کے پس منظر میں ڈاڑھی مونڈنے کی مخالفت فرمائی، وغیرہ، ان ہدایات سے یہ روشنی ملتی ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ مذہبی کی طرح تہذیبی چیزوں میں بھی اشتراک درست نہیں ہے۔

☆ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے میرے اوپر دو زعفرانی رنگ کے کپڑے دیکھے تو ارشاد فرمایا:

----- حواشی ---

606 - حجة الله البالغة: 250/1

« إِنَّ هَذِهِ مِنْ ثِيَابِ الْكُفَّارِ فَلاَ تَلْبَسْهَا[607]

ترجمہ: یہ کفار کا لباس ہے اس کو مت پہنو۔

☆حضرت رُکانہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ فَرْقَ مَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْمُشْرِكِينَ الْعَمَائِمُ عَلَى الْقَلَانِسِ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَإِسْنَادُهُ لَيْسَ بِالْقَائِمِ وَلَا نَعْرِفُ أَبَا الْحَسَنِ الْعَسْقَلَانِيَّ وَلَا ابْنَ رُكَانَةَ [608]

ترجمہ: ہمارے اور مشرکین کے عماموں میں فرق یہ ہے کہ ہمارا عمامہ ٹوپیوں پر ہوتا ہے ان کا نہیں۔

☆حضرت بریدہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو پیتل کی انگوٹھی پہنے دیکھا تو فرمایا میں تمہارے اندر بتوں کی بو محسوس کر رہا ہوں، اس نے وہ انگوٹھی پھینک دی اور پھر لوہے کی انگوٹھی پہن کر حاضر ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا میں تم پر اہلِ جہنم کا زیور دیکھ رہا ہوں، اس نے اس کو بھی پھینک دیا، اور دریافت کیا کہ کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟ آپ نے فرمایا چاندی کی اور اس کا وزن ایک مثقال سے کم رہے[609]۔

(الْكُسْتِيجَ) بِضَمِّ الْكَافِ وَهُوَ مَا يُشَدُّ عَلَى وَسَطِهِ مِنْ عَلَامَةٍ بِهَا يَمْتَازُ عَنْ الْمُسْلِمِ وَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ مِنْ الصُّوفِ أَوْ الشَّعْرِ وَأَنْ لَا يُجْعَلَ حَلْقَةً

----- حواشی--

607 - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج٦ص١٤٣ حديث نمبر :٥٥٥٥ المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق : الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت الطبعة : عدد الأجزاء : ثمانية أحزاء في أربع مجلدات

608 - الجامع الصحيح سنن الترمذي ج ٤ص٢٤٧حديث نمبر:١٧٨٤المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت تحقيق : أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء : 5)

609 - مسند الإمام أحمد بن حنبل ج ٥ ص ٣٥٩ حديث نمبر:٢٣٠٨٤ المؤلف : أحمد بن حنبل أبو عبدالله الشيباني الناشر : مؤسسة قرطبة – القاهرة عدد الأجزاء : 6 الأحاديث مذيلة بأحكام شعيب الأرنؤوط عليها)

يَشُدُّهُ كَمَا يَشُدُّ الْمُسْلِمُ الْمِنْطَقَةَ بَلْ يُعَلِّقُهُ عَلَى الْيَمِينِ وَالشِّمَالِ كَمَا فِي الْمُحِيطِ وَعَنْ أَبُو يُوسُفَ هُوَ خَيْطٌ غَلِيظٌ مِنْ صُوفٍ بِقَدْرِ الْأُصْبُعِ يَشُدُّهُ الذِّمِّيُّ فَوْقَ ثِيَابِهِ دُونَ مَا يَتَزَيَّنُونَ بِهِ مِنْ زَنَانِيرِ الْإِبْرَيْسَمِ[610]

ساڑی، دھوتی، ٹائی، سیندور وغیرہ کا حکم

سوال نمبر ۲-ساڑی، دھوتی، ٹائی، ہاتھ میں ڈوری، خواتین کے لئے سیندور، ٹکلی (بندی)، آنکھوں میں مختلف کلر کے لینس لگانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: یہ چیزیں کسی دور میں ہندوانہ تہذیب کا حصہ ضرور تھیں، لیکن اب ان کا استعمال اس قدر عام ہو گیا ہے کہ ان کو کسی مخصوص قوم کی تہذیب قرار نہیں دے سکتے، اس لئے اب ان کے استعمال کو ممنوع نہیں کہا جائے گا، زیادہ سے زیادہ اس کو مکروہ اور ناپسندیدہ عمل کہا جا سکتا ہے۔

ہاتھ میں ڈوری باندھنا

البتہ ہاتھ میں ڈوری یا دھاگہ باندھنا اگر کفار کی طرح کسی بدعقیدگی پر مبنی ہو تو بلاشبہ اسکو ناجائز قرار دیا جائے گا۔

ثُمَّ الرَّتِيمَةُ قَدْ تُشْبَّهُ بِالتَّمِيمَةِ عَلَى بَعْضِ النَّاسِ وَهُوَ خَيْطٌ كَانَ يُرْبَطُ فِي الْعُنُقِ أَوْ فِي الْيَدِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ لِدَفْعِ الْمَضَرَّةِ عَنْ أَنْفُسِهِمْ وَذَكَرَ فِي حُدُودِ الْإِيمَانِ أَنَّهُ كُفْرٌ[611].

۳-جو لباس غیر مسلم حضرات کے یہاں کثرت سے پہنا جاتا ہے جیسے: دھوتی، شرٹ، پینٹ، کورٹ، ٹائی، اگر مسلمانوں میں بھی اس کا رواج ہو جائے تو اس میں تشبہ ختم ہو جائے گا جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے

----- حواشی---

610 - مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر 2 ص 478 عبد الرحمن بن محمد بن سليمان الكليبولي المدعو بشيخي زاده سنة الولادة / سنة الوفاة 1078هـ تحقيق خرج آياته وأحاديثه خليل عمران المنصورالناشر دار الكتب العلمية سنة النشر 1419هـ – 1998م مكان النشر لبنان/ بيروت عدد الأجزاء 4

611 - البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 8 ص 217 زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت

نئے مکانات اور گاڑیوں پر لیموں اور مرچ کا ہار لٹکانا

۴-مکانات کی تعمیر میں ہندوؤں کے تصور کے مطابق واستو کی رعایت میں مکان کے دروازوں اور نئی خریدی گئی گاڑیوں پر لیموں اور مرچ کا ہار بنا کر لٹکانا واضح
طور پر ممنوعہ تشبہ کے دائرے میں آتا ہے۔ یہ سب نحوست و بدشگونی کے تصور پر مبنی ہیں، اسلام کسی بھی چیز میں نحوست اور بدشگونی کا قائل نہیں ہے۔ احادیث میں اس کو مشرکانہ تصور بتایا گیا ہے:

« الْعِيَافَةُ وَالطِّيَرَةُ وَالطَّرْقُ مِنَ الْجِبْتِ »[612]

قَالَ « الطِّيَرَةُ شِرْكٌ الطِّيَرَةُ شِرْكٌ ». ثَلاَثًا[613]

«لاَ عَدْوَى وَلاَ طِيَرَةَ وَيُعْجِبُنِى الْفَأْلُ الصَّالِحُ وَالْفَأْلُ الصَّالِحُ الْكَلِمَةُ الْحَسَنَةُ »[614]

نیا سال یا پیدائش اور شادی کی سالگرہ منانا

۶،۵- نیا ل سال منانا یا بچوں کی پیدائش یا شادی کی سالگرہ منانا بھی عیسائیوں کا طریقہ ہے، اور ان کی تہذیب کا حصہ ہے، اب بہت سے مسلمان بھی اس کا شکار ہو رہے ہیں، یہ پسندیدہ چیز نہیں ہے اس سے بہر حال بچنا چاہئے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَتَتْبَعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًاشِبْرًاوَذِرَاعًابِذِرَاعٍ،حَتَّى لَوْ دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوهُمْ »قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى قَالَ « فَمَنْ »[615]

تم لوگ ضرور بالضرور اگلے لوگوں کے قدم بقدم چلو گے (یعنی ان کی پوری پوری پیروی کرو گے)

----- حواشی---

612 - سنن أبي داود، باب فِى الْخَطِّ وَزَجْرِ الطَّيْرِ،رقم الديث: 3909

613 - سنن أبي داود، رقم الديث: 3912

614 - سنن أبي داود،رقم الديث: 3918

615 -(بخاری شریف ج ۲ ص ۱۰۸۸ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لتتبعن سنن من کان قبلکم، رقم الحدیث: 7320)

یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل (سوراخ) میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی اسی طرح کروگے، ہم نے کہا اگلے لوگوں سے یہود و نصاری مراد ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور کون؟

☆ایک اور روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ليأتين على أمتي ما أتى على بني إسرائيل حذو النعل بالنعل حتى إن كان منهم من أتى أمه علانية لكان في أمتي من يصنع ذلك[616]

ضرور بالضرور میری امت میں وہ تمام باتیں اسی طرح پوری ہوں گی جو بنی اسرائیل کو پیش آئی ہیں، حتی کہ اگر ان میں سے کسی شخص نے اپنی ماں سے علانیہ زنا کا ارتکاب کیا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسا شخص ہوگا جو اسی طرح کرے گا۔

اپریل فول منانا

۷- اپریل فول سراسر جھوٹ اور فریب پر مبنی ہے، جس کی جڑیں بت پرستی اور توہم پرستی سے ملتی ہیں، اسلام میں اس کی ہرگز گنجائش نہیں ہے۔

عَنْ سُفْيَانَ بْنِ أَسِيدٍ الْحَضْرَمِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ كَبُرَتْ خِيَانَةً أَنْ تُحَدِّثَ أَخَاكَ حَدِيثًا هُوَ لَكَ بِهِ مُصَدِّقٌ وَأَنْتَ لَهُ بِهِ كَاذِبٌ[617]

عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال آية المنافق ثلاث إذا حدث كذب وإذا وعد أخلف وإذا اؤتمن خان[618]

----- حواشی---

616 - مشكاة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة ص٣٠

617- سنن أبي داودج 4 ص 449 حديث نمبر:4973 المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي . بيروت عدد الأجزاء : 4 مصدر الكتاب : وزارة الأوقاف المصرية

618 - الجامع الصحيح ج 1 ص 21 حديث نمبر 33 المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا

دوسری جنس سے تشبہ

مرد وعورت کے درمیان فطری طور پر صنفی امتیازات موجود ہیں، اوران کے تقاضے مختلف ہیں ،دونوں کی ساخت اور عادات واوصاف جداگانہ ہیں، اوراس فاصلہ کو باقی رکھنا مطلوب ہے، اسی لئے شریعت اسلامیہ میں ایک دوسرے کی مشابہت اختیار کرنا جرم ہے، حضوراکرم ﷺ نے ایسے لوگوں پر لعنت فرمائی ہے:

عن ابن عباس رضي الله عنهما أنه قال : لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم المتشبهين من الرجال بالنساء ، والمتشبهات من النساء بالرجال[619]

جمہور علماء نے ایک دوسرے کی مشابہت اختیار کرنے کو حرام قرار دیا ہے[620]۔

اس پس منظر میں چند مسائل پیش ہیں:

خواتین کا اپنے سر کے بال کٹوا کر چھوٹے کرنا

۱- آج کل مغرب زدہ خواتین اپنے سر کے بال کٹوا کر چھوٹا کرتی ہیں اگر یہ کسی خاص ضرورت کی بناپر نہ ہوتو ناجائز ہے، فقہاء نے مردوں سے تشبہ کی بنیاد پر اس کو مکروہ لکھاہے مگر اس سے مراد مکروہ تحریمی ہے، جو حرام کے قریب ہے، کیونکہ حدیث میں سر مونڈوانے کی ممانعت آئی ہے، اور سر کے بال اس طرح کاٹنا کہ مردوں کی طرح ہوجائے یہ بھی مونڈنے کے ہی درجے میں ہے، علاوہ اس میں مردوں کی نقالی پائی جاتی ہے اس طرح اس میں دوہری قباحت موجود ہے:

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم– أَنْ تَحْلِقَ الْمَرْأَةُ

----- حواشی---

619 - أخرجه البخاري (الفتح 10 / 332 – ط السلفية

620 - نيل الأوطار 2 / 117 ط دار الجيل ، وعمدة القاري 22 / 41 ط المنيرية ، وعون المعبود 11 / 156 ط دار الفكر ، ونهاية المحتاج 2 / 362 ، وروضة الطالبين 2 / 263 ، والزواجز 1 / 144 ط مصطفى الحلبي ، والكبائر ص 134 ط المكتبة الأميرية ، وكشاف القناع 1 / 283 ، 2 / 239 ، وإعلام الموقعين 4 / 402 نشر مكتبة الكليات الأزهرية

رَأْسَهَا[621]

وعن علي رضي الله عنه قال نهى رسول الله أن تحلق المرأة رأسها وذلك لأن الذوائب للنساء كاللحى للرجال في الهيئة والجمال[622]

وإذا حلقت المرأة شعرها؛ فإن حلقت لوجع أصابها فلا بأس به، وإن حلقت تشبهاً بالرجال فهو مكروه، وهي ملعونة على لسان صاحب الشرع[623]

☆قَطَعَتْ شَعْرَ رَأْسِهَا أَثِمَتْ وَلُعِنَتْ زَادَ فِي الْبَزَّازِيَّةِ وَإِنْ بِإِذْنِ الزَّوْجِ لِأَنَّهُ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ، وَلِذَا يَحْرُمُ عَلَى الرَّجُلِ قَطْعُ لِحْيَتِهِ، وَالْمَعْنَى الْمُؤَثِّرُ التَّشَبُّهُ بِالرِّجَالِ اهـ.[624]

مرد کے لئے سونا، چاندی اور لوہے کا کڑا پہننا

۲- آج کل بہت سے مرد بھی کان اور گلے میں زیور پہنتے ہیں، ہاتھ میں سونا چاندی اور لوہے کا کڑا پہنتے ہیں، لیکن اس کی وجہ سے ان کی پہچان مشتبہ نہیں ہوتی، اوران کو مرد کے بجائے عورت نہیں سمجھا جاتا، لیکن اس کے باوجود یہ ممنوع ہے، اس لئے کہ اس میں عورت سے تشبہ گو کہ پوری طرح نہ ہو لیکن فساق وفجار کی نقالی ضرور ہے، علاوہ مردوں کے لئے صرف چاندی کی انگوٹھی جس کا وزن ایک مثقال (۴/ گرام ۳۷۴ ملی گرام سے کم ہو) کا استعمال جائز ہے، اس کے علاوہ سونا چاندی یا کسی بھی دھات کا زیور استعمال کرنا جائز

----- حواشی--

621 - الجامع الصحيح سنن الترمذي ج 3 ص 257 حديث نمبر :914 المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت تحقيق :أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء : 5

622 - مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ج 13 ص223 المؤلف : الملا علي القاري ، علي بن سلطان محمد (المتوفى : 1014هـ)

623 - المحيط البرهاني ج 5 ص 245 المؤلف : محمود بن أحمد بن الصدر الشهيد النجاري برهان الدين مازه :الناشر : دار إحياء التراث العربي عدد الأجزاء :* البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 8 ص 233 زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت 11

624 - الدر المختار مع الشامي، الحظر والإباحة، فصل في البيع، مکتبہ زکریا دیوبند ۹/ ۵۸۳-۵۸۴، کراچی ۶/ ۴۰۷)

نہیں ہے۔

☆حضرت بریدہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو پیتل کی انگوٹھی پہنے دیکھا تو فرمایا میں تمہارے اندر بتوں کی بو محسوس کر رہا ہوں، اس نے وہ انگوٹھی پھینک دی اور پھر لوہے کی انگوٹھی پہن کر حاضر ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا میں تم پر اہلِ جہنم کا زیور دیکھ رہا ہوں، اس نے اس کو بھی پھینک دیا، اور دریافت کیا کہ کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟ آپ نے فرمایا چاندی کی اور اس کا وزن ایک مثقال سے کم رہے:

عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ: «أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ – صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِنْ شَبَهٍ فَقَالَ لَهُ: مَالِي أَجِدُ مِنْك رِيحَ الْأَصْنَامِ فَطَرَحَهُ ثُمَّ جَاءَ وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِنْ حَدِيدٍ فَقَالَ: مَالِي أَجِدُ عَلَيْك حِلْيَةَ أَهْلِ النَّارِ فَطَرَحَهُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ أَتَّخِذُهُ؟ قَالَ: اتَّخِذْهُ مِنْ وَرِقٍ وَلَا تُتِمّهُ مِثْقَالًا» [625]۔

فَعُلِمَ أَنَّ التَّخَتُّمَ بِالذَّهَبِ وَالْحَدِيدِ وَالصُّفْرِ حَرَامٌ فَأُلْحِقَ الْيَشْبُ بِذَلِكَ لِأَنَّهُ قَدْ يُتَّخَذُ مِنْهُ الْأَصْنَامُ، فَأَشْبَهَ الشَّبَهَ الَّذِي هُوَ مَنْصُوصٌ مَعْلُومٌ بِالنَّصِّ إتْقَانِيٌّ وَالشَّبَهُ مُحَرَّكًا النُّحَاسُ الْأَصْفَرُ قَامُوسٌ وَفِي الْجَوْهَرَةِ وَالتَّخَتُّمُ بِالْحَدِيدِ وَالصُّفْرِ وَالنُّحَاسِ وَالرَّصَاصِ مَكْرُوهٌ لِلرَّجُلِ وَالنِّسَاءِ[626]

مردوں کے لئے عورتوں جیسا لباس پہننا

۳-مردوں کے لئے عورتوں کی طرح شوخ رنگ یا چھینٹ دار کپڑے پہننا ممنوع ہے، اس میں عورتوں کے ساتھ تشبہ پایا جاتا ہے[627]۔

۴-راجستھانی شیروانی کا ڈیزائن اگر خواتین کے ملبوسات کی طرح ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے، وہ

----- حواشی---

[625] - مسند الإمام أحمد بن حنبل ج ۵ ص ۳۵۹ حدیث نمبر:۲۳۰۸۴ المؤلف : أحمد بن حنبل أبو عبدالله الشيباني الناشر : مؤسسة قرطبة – القاهرة عدد الأجزاء : 6 الأحاديث مذيلة بأحكام شعيب الأرنؤوط عليها)

[626] - شامی:259،360/6

[627] - فيض القدير 5 / 269 ،عمدة القاري 22 / 41 .

بھی ممنوع ہے۔

مردوں کے لئے مہندی لگانا

۵- سر اور داڑھی کے بالوں میں مرد کے لئے سیاہ رنگ کے علاوہ مہندی کا خضاب لگانا درست ہے۔ لیکن ہاتھوں اور پیروں پر مہندی لگانا عام حالات میں عورتوں کے لئے مخصوص ہے، اس لئے مردوں کے لیے خواتین کی مشابہت اختیار کرنا اور ہاتھ پیر میں مہندی لگانا درست نہیں۔ البتہ مجبوری کی صورت میں (مثلاً بغرض علاج) ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانے کی اجازت ہے۔

روي عن أبي هريرة أن النبي أتي بمخنث قد خضب يديه ورجليه بالحناء فأمر به فنفي إلى النقيع ففي شرعة الإسلام الحناء سنة للنساء ويكره لغيرهن من الرجال إلا أن يكون لعذر لأنه تشبه بهن اه ومفهومه أن تخلية النساء عن الحناء مطلقا مكروه أيضا لتشبهن بالرجال وهو مكروه اه وسيأتي في الأصل والعجب من أهل اليمن في أن رجالهم يتحنون مع أن هذا شعار الرفضة أيضا رواه البخاري وكذا أبو داود والترمذي[628]

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم

----- حواشی---

[628] - مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ج 13 ص 169 المؤلف : الملا علي القاري ، علي بن سلطان محمد (المتوفى : 1014هـ)

طب اور جدید میڈیکل سائنس

طبی اخلاقیات - مسائل و احکام

قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی کی روشنی میں [629]

آج دنیا طبی اعتبار سے کافی ترقی کر چکی ہے، جسکی وجہ سے بہت سے نئے مسائل کھڑے ہو گئے ہیں، اور چونکہ یہ بہت بڑا ذریعۂ آمدنی بھی ہے، اس لئے مکر و فریب کے بھی بہت سے دروازے کھل گئے ہیں، مگر اسلام ہر دور کے لئے کافی ووافی ہدایات رکھتا ہے، اس نے ایسے اصول و حدود مقرر کئے ہیں، جن کی مدد سے ہر دور میں ایک معتدل طبی اخلاقی نظام قائم کیا جا سکتا ہے۔

اسلام علم طب کی حوصلہ افزائی بلکہ سرپرستی کرتا ہے، اور لوگوں کو اس کے سیکھنے اور سکھانے کی ترغیب دیتا ہے، اسکے نزدیک اسکی کیا اہمیت ہے، اس کا اندازہ حضرت امام شافعیؒ کے اس قول سے ہوتا ہے کہ

"العلم علمان، علم الفقه للاديان و علم الطب للابدان [630]"

ترجمہ: علم تو بس دو ہیں، دینی معلومات کے لئے علم فقہ، اور جسمانی صحت کے لئے علم طب۔

محور اول

تعدی اور ضمان سے متعلق مسائل

اسلام علم طب میں مہارت پیدا کرنے کی تاکید کرتا ہے، اور بغیر مہارت و تجربہ کے محض ناقص

----- حواشی

629۔ تحریر بمقام دار العلوم حیدر آباد، بتاریخ ۱۹/ صفر المظفر ۱۴۱۶ھ

630۔ قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون: ص/ ۸۰

طبی معلومات کی روشنی میں علاج و معالجہ کو سخت جرم قرار دیتا ہے، اس سلسلے میں حضور ﷺ کا پاک ارشاد یہ ہے:

"من تطبب ولم یعلم منہ طب فھوضامن،رواہ ابوداؤد و النسائی"[631]

ترجمہ: جو طبی لیاقت حاصل کئے بغیر ڈاکٹری کرے تو اس ذیل میں ہونے والئے تمام ترنقصانات کا ضامن وہ ہوگا۔

اگر اس نے مریض کو نقصان پہونچانے کی نیت سے اپنی ناقص طبابت کا استعمال کیا تو اس پر ضمان عمد عائد ہوگا، اور اگر نیت یہ نہیں تھی، بلکہ اپنے طور پر مریض کو نفع ہی پہونچانا چاہتا تھا، تو راجح قول کے مطابق اس پر ضمان خطا عائد ہوگا، اگر چہ کہ ایک رائے یہ بھی ہے کہ اس شکل میں بھی وہ ضمان عمد کا مجرم ہے [632]

البتہ پوری طبی مہارت و اہلیت رکھنے اور نیک نیتی سے علاج کرنے کے باوجود مریض کو کچھ نقصان پہونچ جائے تو وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا، اس لئے کہ علاج و معالجہ کرنا ڈاکٹر کا منصبی فریضہ ہے، اور فرائض کی تکمیل کے دوران ہونے والے نقصانات کا قانونی طور پر انسان ذمہ دار نہیں ہوتا، اگر ڈاکٹر اپنے فن کا متخصص اور متعلقہ بیماریوں کا واحد معالج ہو تب تو مریض کا علاج کرنا شرعا اس پر فرض عین ہے، لیکن اگر دوسرے ڈاکٹر بھی اس مرض کے موجود ہوں تب علاج کرنا فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے، مگر زیر علاج آجانے کے بعد اس کا فریضہ ہے کہ وہ طبی اصول کے مطابق پوری توجہ و مہارت کے ساتھ مریض کا علاج کرے، اور اپنی طبی صلاحیتوں کا استعمال کرے[633]

----- حواشی---

[631] ۔ مشکوٰۃ: ص/ ۳۰۴

[632] ۔ شرح الزرقانی علی مختصر خلیل: ج۸ ص/ ۱۱۷، ۱۱۶۔ نہایۃ المحتاج: ج۸ ص/ ۳۲ بحوالہ التشریع الجنائی الاسلامی: ج۱ ص/ ۵۲۲

[633] ۔ شامی کتاب الجنایت: ج۵ ص/ ۴۰۴۔ مبسوط للسرخسی: ج۹ ص/ ۶۸

نقصانات کا ڈاکٹر ذمہ دار نہیں-ائمہ اربعہ کا مسلک

اس کے باجود بھی انسان ہونے کے ناطے ڈاکٹر سے غلطیاں سرزد ہونا، یا مریض کو نقصان پہونچ جانا کوئی بعید نہیں، اس صورت میں اصولی طور پر تقریباً تمام فقہاء متفق ہیں کہ ڈاکٹر پر اسکی ذمہ داری نہیں ہو گی۔

حنفیہ

امام اعظم ابو حنیفہؒ دو وجہ سے ڈاکٹر کو اس کا ذمہ دار قرار نہیں دیتے:

(۱) ایک ہے اجتماعی ضرورت: یعنی طبی خدمات کے دوران ہونے والے نقصانات کا ذمہ دار اگر ڈاکٹر کو قرار دیا جائے، اور قانونی یا تمدنی کسی بھی اعتبار سے اس کی گرفت کی جائے تو اس سے داکٹروں کی حوصلہ شکنی، اور ان کے فن اور خدمات کی ناقدری ہو گی، اور اس صورت حال میں کوئی بھی ڈاکٹر کھلے دل اور حاضر دماغ کے ساتھ مریض کا علاج نہیں کر سکتا، بلکہ بہت ممکن ہے کہ قانونی یا معاشرتی گرفتوں کا احساس اس پر اس حد تک غالب ہو جائے کہ وہ اپنے آپ کو خطرات میں ڈالنے کے بجائے اپنی فنی خدمات ہی سے سبکدوش ہو جائے، اگر خدانخواستہ ایسا ہو جائے تو بہت بڑا اجتماعی نقصان ہو گا۔

(۲) دوسری وجہ ہے مریض یا اس کے اولیاء کی اجازت: ڈاکٹر مریض کو بچانے یا بیماری سے نجات دلانے کا جو بھی عمل کرتا ہے، اس کی مریض یا اسکے اعزہ کی طرف سے صراحتاً یا دلالۃً اجازت ہوتی ہے، اور اجازت کے بعد انسانی اعضاء کے ساتھ حدود میں رہتے ہوئے ڈاکٹر جو بھی تصرف کرے گا اس پر کوئی ضمان نہیں ہو سکتا[634]

دوسرے ائمہ بھی مخصوص شرائط کے ساتھ اس باب میں امام صاحب کے ہم خیال ہیں، مثلاً:

----- حواشی-----

[634] ۔ بدائع الصنائع: ج ۷ ص / ۳۰۵

مالکیہ

امام مالکؒ ڈاکٹر کی براءت کے لئے دو شرطیں عائد کرتے ہیں:

(۱) ایک شرط یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے ڈاکٹر کو علاج و معالجہ کرنے کی باقاعدہ اجازت ہو، جو اسکی واقعی اہلیت کی دلیل ہوگی۔

(۲) دوسرے مریض یا اس کے اعزہ کی طرف سے بھی اجازت ہو، جو کسی مخصوص واقعہ میں مریض کے ساتھ ہر مناسب طبی عمل کے اختیار کی علامت ہوگی۔

ان دونوں اجازتوں کی پائے جانے کی صورت میں مریض کو پہونچنے والے نقصانات کا ڈاکٹر ذمہ دار نہ ہوگا، بشرطیکہ اس نے تمام طبی اصولوں کی پابندی کی ہو۔[635]

شافعیہ

امام شافعیؒ بھی دو شرطوں کے ساتھ ڈاکٹر کو ضمان سے بری قرار دیتے ہیں:

(۱) ایک یہ ہے کہ مریض یا اسکے اعزہ کی طرف سے ڈاکٹر کو طبی عمل کرنے کی اجازت ہو۔

(۲) دوسرے یہ کہ ڈاکٹر نے پوری نیک نیتی اور توجہ کے ساتھ یہ خدمت انجام دی ہو، مریض کے ساتھ اس کا کوئی غلط ارادہ شامل نہ ہو۔

اگر یہ دونوں شرطیں پائی جائیں تو مریض کو پہونچنے والے نقصان کا ضمان ڈاکٹر پر واجب نہ ہوگا، بشرطیکہ اس نے تمام طبی رعایتیں ملحوظ رکھنے میں کوئی کوتاہی نہ برتی ہو[636]

----- حواشی ---

[635] ۔ مواھب الجلیل: ج۶ ص / ۳۲۱ بحوالہ التشریع الجنائی الاسلامی: ج ا ص / ۵۲۱

[636] ۔ نہایۃ المحتاج: ج۸ ص / ۲ بحوالہ التشریع: ج ا ص / ۵۲۱

حنابلہ

امام احمد ابن حنبلؒ کی رائے بھی یہی ہے۔[637]

طبابت کے اصول وشرائط

اس بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے ہر امام کے نزدیک کچھ خاص حدود ہیں، جن کی رعایت اگر ڈاکٹر کرے تو مریض کو پہونچنے والے نقصان کا ذمہ دار وہ قرار نہیں پائے گا، اگر ہم ان تمام حدود وشرائط کو سمیٹ کر ایک ساتھ بیان کرنا چاہیں تو درج ذیل شرائط تیار ہوتی ہیں، جن کی پاسداری ہر ڈاکٹر پر لازم ہے:

طبی اہلیت ومہارت

(۱) پہلی اہم ترین شرط یہ ہے کہ طبی خدمات انجام دینے والا شخص باقاعدہ ڈاکٹر ہو، اور کسی مستند میڈیکل ادارے سے اس نے طبی تعلیم حاصل کی ہو، اس کا ثبوت درج ذیل حدیث پاک سے ملتا ہے:

"من تطبب و لم يعلم منه طب فهو ضا من[638]

ترجمہ: جس نے بغیر طبی لیاقت حاصل کئے طبابت کی تو وہ ضامن ہوگا۔

ا۔ کتب فقہ کی یہ عبارت بھی اس کی طرف رہنمائی کرتی ہے:

"قطع الحجام لحما من عينه وكان غير حاذق فعميت فعليه نصف الدية[639]

ترجمہ: حجام نے آنکھ کا گوشت کاٹا، حالانکہ وہ ماہر نہ تھا پس آنکھ کی روشنی ختم ہوگئی، تو اس پر آدھی دیت لازم ہوگی۔

----- حواشی --

[637] ۔ المغنی لابن قدامہ: ج۱۰ص/ ۳۵۰،۳۴۹

[638] ۔ مشکوۃ: ص/ ۳۰۴

[639] ۔ درمختار علی ردالمحتار: ج۵ص/ ۴۰۲ کذا فی الفتاویٰ الخانیۃ الھندیۃ: ج۳ص/ ۴۴۷

۲۔اسی طرح فتاویٰ بزازیہ جلد دوم میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ کسی کی بیمار آنکھ میں ڈاکٹر نے سرمہ لگانے کی تجویز رکھی، اور مریض نے اس کی اجازت دی، لیکن سوء اتفاق کہ آنکھ میں جو روشنی تھی وہ بھی چلی گئی، تو یہ ضامن ہو گا یا نہیں؟ اس صورت میں لکھا ہے کہ اگر وہ واقعی امراض چشم کا ماہر تھا تب تو ضامن نہیں ہو گا، لیکن اگر اس کی اہلیت ومہارت میں اختلاف واقع ہو جائے، تو فیصلہ اسی طرح ہو گا کہ یا تو کثرت رائے ہو، مثلاً تین آدمیوں میں سے دو آدمی اس کو اہل قرار دیں، اور ایک نا اہل کہے، یا اہل و نا اہل کہنے والوں کی تعداد برابر ہو، تو ڈاکٹر نا اہلی کا مجرم قرار نہیں پائے گا، اور اس پر ضمان عائد نہیں ہو گا، اور اگر کثرت رائے نا اہلی کی طرف ہو، مثلاً تین میں سے دو اس کو نا اہل کہتے ہوں اور ایک اہل، تو ڈاکٹر نا اہل قرار پائے گا اور اس پر ضمان عائد ہو گا[640]

حسن نیت اور سچی دلچسپی

(۲) دوسری بنیادی شرط یہ ہے کہ ڈاکٹر نے نہایت نیک نیتی اور دلچسپی کے ساتھ مریض کا علاج کیا ہو، اور مریض کی شفایابی کے لئے مخلصانہ جذبات رکھتا ہو[641]

اس کی مثال میں بعض وہ فقہی جزئیات پیش کی جا سکتی ہیں، جو کتاب الجنایات میں مذکور ہوئی ہیں:

(۱) ایک جزئیہ یہ ہے کہ استاد نے کسی بچے کو اس کے باپ یا ولی کی اجازت سے تعلیم و تربیت کے لئے حدود میں رہتے ہوئے مارا، اور سوء اتفاق کہ بچہ ضرب کی تاب نہ لا سکا، اور مر گیا، تو اس کا ضمان استاد پر واجب نہ ہو گا، اس لئے کہ استاد نے بچہ کو جسمانی سزا کسی بری نیت سے نہیں بلکہ ہمدردانہ اور خیر خواہانہ طور پر دی تھی، اس لئے اس سے پہونچنے والا نقصان کا تاوان اس پر عائد نہ ہو گا[642]

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی نابالغ بچہ دیوار پر بیٹھا تھا کہ ایک آدمی کے چیخنے سے وہ گر پڑا اور

----- حواشی---

[640] ۔ فتاویٰ بزازیہ علی حاشیۃ الھندیہ: ج۵ ص / ۸۹

[641] ۔ شرح الزرقانی: ج۸ ص / ۱۱۷، ۱۱۶ و نہایۃ المحتاج: ج۸ ص / ۳۲

[642] ۔ درمختار علی ردالمحتار: ج۵ ص / ۴۰۴، وکذا فی المبسوط للسرخسی ج۹ ص / ۶۵، البحر الرائق ج۸ ص / ۳۴۴

مر گیا، تو اس صورت میں مفتیٰ بہ قول کے مطابق اگر چیخنے والے نے چیختے ہوئے یہ کہا تھا کہ مت گرو، تو وہ ضامن نہیں ہو گا، اور اگر کہا تھا کہ گر جاؤ تو ضامن ہو گا[643]

ان دونوں جزئیات میں حسن نیت کی بنا پر انسان کو ضمان سے بری قرار دیا گیا ہے، استاد نے بچے کے فائدے کے لئے تنبیہ کی، اور چیخنے والے نے بچہ کو بچانے کے لئے چیخا، کہ ہاں! ہاں! نہ گرو، لیکن اس کے باوجود بچہ مر گیا، تو چونکہ ان دونوں کا قصد افساد و اضرار کا نہ تھا، اس لئے ان پر ضمان عائد نہ ہو گا۔

طبی اصولوں کی مکمل رعایت

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ ڈاکٹر نے علاج کے دوران تمام طبی رعایتیں ملحوظ رکھی ہوں، اور فنی تمام لوازمات پر عمل کرنے کی کوشش کی ہو، لیکن اس کے باوجود مریض کو نقصان پہونچ جائے تو اس کا وہ ذمہ دار نہیں ہو گا[644]

اس کی مثال میں فقہ حنفی کی کتابوں سے یہ جزئیہ پیش کیا جا سکتا ہے (جو در مختار وغیرہ میں موجود ہے) کہ ایک بچی چھت پر سے گر پڑی اور اس کا سر پھٹ گیا، اس کے علاج کے لئے کئی ڈاکٹر پہونچے، ان میں سے اکثر ڈاکٹروں نے کہا کہ دماغ کے اندرونی چوٹ کا علاج کرنے کے لئے اگر سر کا آپریشن کیا جائے گا تو بچی مر جائے گی، لیکن ایک ڈاکٹر نے کہا کہ اگر آج اس کے سر کا آپریشن نہ کیا گیا تو بچی زندہ نہ رہے گی، میں آپریشن کے ذریعہ اس کو ٹھیک کرتا ہوں، چنانچہ اس نے بچی کے سر کا آپریشن کیا، مگر بچی ایک دو روز کے بعد مر گئی۔

فقیہ نجم الدین سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا، کہ کیا تمام ڈاکٹروں سے اختلاف کر کے آپریشن کرنے والا ڈاکٹر اس موت کا ضامن ہو گا یا نہیں؟ فقیہ نجم الدین نے تھوڑی دیر سوچ کر جواب دیا کہ اگر ڈاکٹر نے آپریشن ولی کی اجازت سے کیا تھا اور عام طبی اصولوں کی رعایت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی

----- حواشی -----

643 ۔ در مختار علی رد المحتار: ج ۵ ص / ۳۹۷، البحر الرائق: ج ۸ ص / ۲۹۴ عالمگیری: ج ۶ ص / ۳۳۰

644 ۔ نہایۃ المحتاج: ج ۸ ص / ۲ و مواھب الجلیل: ج ۶ ص / ۳۲۱

تھی، تو وہ ضامن نہیں ہو گا، پھر ان سے پوچھا گیا کہ اگر ڈاکٹر ٹھیک کرنے کی ضمانت لے کر علاج کرے، اور مریض فوت ہو جائے، تو کیا ضامن ہو گا؟ انہوں نے جواب دیا، نہیں! اس لئے کہ ڈاکٹر مریض کے حق میں امین ہو تا ہے، اور امین کے لئے شرط ضمان لگانا باطل ہے، اس کے علاوہ شفا دینا اس کے اختیار میں نہیں، اس لئے اس کی ضمانت لینے کا اعتبار نہیں[645]

اس جزئیہ میں ضمان سے براءت کے لئے اجازت اور طبی اصولوں کی پوری رعایت مشروط کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ فقہاء عموماً جراحی اور قطع وبرید کے مسائل میں حد معتاد سے تجاوز نہ کرنے کی شرط لگاتے ہیں، حد معتاد بھی معروف معنی میں یہی طبی اور فنی اصولوں کی رعایت ہی کی دوسری تعبیر ہے[646]

مریض یا اس کے اعزہ کی طرف سے اجازت

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ ڈاکٹر کو اس کے طبی عمل کے لئے مریض یا اس کے اعزہ و اولیاء کی طرف سے اجازت مل چکی ہو، اور اگر مریض لاوارث ہو تو حکومت وقت سے اس کے علاج کی اجازت لینا ضروری ہے۔

اس شرط کو بہت سے فقہاء نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

جزئیات سے قطع نظر شامی کی یہ عبارت اس تعلق سے بہت واضح ہے۔

"فیستفاد بمجوع الروایتین اشتراط عدم التجاوز والاذن لعدم وجوب الضمان حتیٰ اذا عدم احدهمااوکلاهما یجب الضمان [647]"

ترجمہ: یعنی دونوں روایتوں کے مجموعہ سے ضمان کے عدم وجوب کے لئے دو شرطیں

----- حواشی---

[645] ۔ در مختار علی رد المحتار: ج ۵ ص / ۴۰۲ حاشیۃ الطحطاوی: ج ۴ ص / ۲۷۶

[646] ۔ فتاویٰ شامی کتاب الاجارہ: ج ۵ ص / ۵۴۸ فتاویٰ بزازیہ (ثانی) علی حاشیۃ الھندیۃ: ج ۵ ص / ۸۹ خانیۃ: ج ۳ ص / ۴۰۹ ہدایہ: ج ۳ ص / ۳۱۰

[647] ۔ شامی کتاب الاجارہ: ج ۵ ص / ۴۸

سمجھ میں آتی ہیں، ایک حد معتاد سے تجاوز، دوسرے اجازت، ان میں سے کوئی ایک یا دونوں مفقود ہو جائیں تو ضمان واجب ہو گا۔

یوں جزئیات کے ضمن میں یہ شرط بہت سے کتابوں میں موجود ہے[648]

یہی چار بنیادی شرطیں ہیں، جن کی رعایت ہر ڈاکٹر کے لئے ضروری ہے، ان میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو جائے تو ڈاکٹر ضمان سے بچ نہیں سکتا۔

ان شرائط کی روشنی میں آپریشن اور سرجری سے متعلق پیدا ہونے والے بہت سے سوالات کے جوابات بآسانی دیئے جاسکتے ہیں:

غیر قانونی علاج

(۱) ایسا کوئی شخص جو قانوناً کسی مرض کا علاج کرنے کا مجاز نہیں ہے، لیکن اپنے ذاتی مطالعہ و تجربہ کی بنیاد پر دواؤں اور امراض کے بارے میں واقفیت رکھتا ہے، اگر اس شخص نے کسی مریض کے کہنے پر اس کا علاج کیا تو شرعاً اس کا یہ علاج کرنا جائز ہے یا نہیں، اور اگر اس کے علاج سے مریض کو غیر معمولی ضرر پہونچا، یا اس کا انتقال ہو گیا، تو اس پر کوئی ضمان یا تاوان لازم ہو گا یا نہیں؟ کیا اس کا عمل شرعاً قابل تعزیر جرم ہو گا۔

مالکیہ کے اصول کے مطابق تو ایسے شخص کو علاج کرنے کا کوئی حق ہی نہیں، کیونکہ ان کے نزدیک طبابت کے لئے حاکم وقت سے باقاعدہ قانونی اجازت لینا ضروری ہے، اس کے بغیر طبی عمل صحیح نہیں، اس لئے اگر اس کے علاج سے مریض کو کوئی نقصان پہونچا تو اس کا ضمان اس پر ہو گا، اور شرعاً یہ قابل تعزیر جرم قرار پائے گا، اگرچہ مریض کی اجازت ہی سے اس نے علاج کیا ہو[649]

ان کے علاوہ دوسرے ائمہ کے یہاں قانونی اجازت کی شرط نہیں ملتی، خصوصاً حنفیہ کے یہاں تو یہ

----- حواشی---

[648] ۔ دیکھئے: ہدایہ: ج۳ص / ۳۱۰، خانیہ: ۳ص / ۴۰۹، بزازیہ (ثالث) علی حاشیۃ الھندیہ: ج۶ص / ۳۹۱، عالمگیری: ج۶ص / ۳۴، بدائع الصنائع: ج۷ص / ۳۰۵، درمختار: ج۵ص / ۴۰۲، البحر الرائق: ج۸ص / ۳۴۴، المبسوط للسرخسی: ج۹ص / ۶۵ وغیرہ۔

[649] ۔ مواہب الجلیل: ج۶ص / ۳۲۱ بحوالہ التشریع الجنائی الاسلامی: ج۱ص / ۵۲۱

بہر حال شرط نہیں ہے، البتہ طبی لیاقت و مہارت اور فنی تجربہ شرط ہے، خواہ اس نے حکومت سے منظور شدہ ادارہ میں تعلیم حاصل کی ہو، یا غیر منظور شدہ میں، یا اپنے طور پر مطالعہ و تجربہ سے ڈاکٹروں کے درمیان نمایاں مقام حاصل کر چکا ہو، اور اکثر اہل تجربہ اس کے تجربہ اور مہارت کے قائل ہوں، تو اس کے لئے طبی خدمات انجام دینے کی اجازت ہوگی، اس کی تائید میں فقہ کا وہ جزئیہ پیش کیا جاسکتا ہے، جو اس سے قبل ذکر کیا جا چکا ہے کہ:

آنکھ کے ایک ڈاکٹر نے کسی مریض کے لئے سرمہ تجویز کیا، اور نصف یا زیادہ تر لوگ ڈاکٹر کو اس علاج کا اہل قرار دیتے ہیں، تو اگر اس سرمہ سے مریض کی آنکھ بے نور ہوگئی، تو ڈاکٹر ضامن نہ ہوگا، البتہ اس کی اہلیت و تجربہ کے قائل لوگوں کی تعداد نصف بھی نہ ہو، تو اس صورت میں ڈاکٹر ضامن ہوگا، اس لئے کہ شرعاً وہ اس خدمت کا اہل ہی نہ تھا، اور نا اہلی کے ساتھ کام کرنا حدیث پاک کی روشنی میں موجب ضمان ہے، اگرچہ اس عمل کی مریض کی طرف سے اجازت مل گئی ہو[650]

اس کے علاوہ عہد نبوت میں یا عہد صحابہ میں جن اطباء کا ذکر ملتا ہے، ان میں سے کسی کے بارے میں یہ تذکرہ نہیں ملتا کہ ان سے علاج کرنے پہلے قانونی اجازت کا ثبوت مانگا گیا ہو، یا حکومت سے اجازت ملے بغیر انہوں نے طبی خدمات انجام نہ دی ہوں، بس صرف اہلیت و مہارت دیکھی جاتی تھی۔

اس لئے اصل مسئلہ کی رو سے مذکورہ صورت میں اگر معالج دواؤں اور امراض یا متعلقہ مرض کے بارے میں پوری واقفیت اور تجربہ رکھتا ہو، اور اپنے اس علاج کو اس سے قبل بھی کامیاب طور پر آزما چکا ہو، تو وہ ضامن نہیں ہوگا، اور نہ شرعاً اس کا یہ عمل قابل تعزیر ہوگا۔

لیکن عصر حاضر میں چونکہ بہت سے نیم حکیم بھی ڈاکٹروں کی صف میں گھس گئے ہیں، اور تجربہ و لیاقت کے بارے میں اشتہاری بیانات اور شہادتوں پر اعتماد کرنا مشکل ہو گیا ہے، اس بنا پر قانونی اجازت کی شرط لگانا ضروری ہے، تاکہ خطرہ کے وقت حکومت کی قانونی گرفت سے وہ بھی محفوظ رہ سکے، اور مریض کو

----- حواشی---

650 ۔ بزازیہ علی حاشیۃ الفتاوی الھندیۃ: ج ۵ ص / ۸۹

بھی ماہر ڈاکٹر کی خدمات حاصل ہونے میں سہولت ہو۔

طبی بے احتیاطی

(۲) جس ڈاکٹر کو قانونی علاج ومعالجہ کی اجازت ہے، اس نے اگر کسی مریض کا علاج کیا، لیکن اس نے طبی احتیاطیں ملحوظ نہیں رکھیں، مثلا بعض ضروری جانچیں نہیں کروائیں، یا مریض کی پوری طور پر دیکھ ریکھ نہیں کی، اگر اس کے علاج کے باوجود مریض فوت ہوگیا، یا اس کا کوئی عضو ضائع ہوگیا، تو ڈاکٹر مریض کو پہونچنے والے نقصان کا یا اس کی جان کے تاوان کا ضامن ہوگا، اس لئے کہ اس نے شرط کی تکمیل نہیں کی، اس کی ذمہ داری تھی، کہ مریض کے علاج میں تمام طبی رعایتیں ملحوظ رکھتا، اور اس کے ضروری تقاضوں کو پورا کرتا، لیکن اس نے ایسا نہ کرکے غلطی کی، اس لئے وہ ضامن ہوگا۔[651]

بلا اجازت آپریشن

(۳) اگر ڈاکٹر کی رائے میں زیر علاج مریض کا آپریشن ضروری ہے، اور ڈاکٹر نے مریض یا اس کے قریبی اعزہ سے اجازت لئے بغیر آپریشن کر ڈالا، جبکہ اجازت لینا ممکن تھا، اور آپریشن کامیاب ہونے کے بجائے مہلک ثابت ہوا، مریض فوت ہوگیا، یا اس کا آپریشن شدہ عضو بے کار ہوگیا، ایسی صورت میں ڈاکٹر اس مریض کو پہونچنے والے نقصان کا ضامن ہوگا، اگرچہ وہ ڈاکٹر قانونی طور پر آپریشن کا مجاز ہو، اور تجربہ بھی رکھتا ہو، اس لئے کہ ضمان سے بچنے کے لئے تمام ائمہ کے نزدیک محض قانونی اجازت کافی نہیں ہے، امام مالک قانونی اجازت کی شرط ضرور لگاتے ہیں، مگر اس کو کافی تصور نہیں کرتے، مریض یا اس کے اولیاء کی طرف سے اجازت بھی بہر حال ضروری ہے، اس کے بغیر ضمان سے ڈاکٹر محفوظ نہیں رہ سکتا۔[652]

اسی سے ملتی جلتی شکل علامہ شامی نے کتاب الجنایات میں حادثۃ الفتوی کے طور پر ذکر کی ہے، وہ یہ ہے کہ کسی نے کسی بچہ کے پیٹ پر چھری سے حملہ کیا، اور پیٹ کی کچھ انتریاں باہر نکل آئیں، آپریشن کے ماہر

----- حواشی ---------------------------------------

[651] ۔ در مختار علی رد المحتار: ج۵ ص / ۴۰۲ البحر الرائق: ج۸ ص / ۳۴۴

[652] ۔ شامی کتاب الاجارہ: ج۵ ص / ۴۸

ڈاکٹر کو بلایا گیا، تو اس نے کہا کہ باہر نکلی ہوئی آنتیں اندر داخل کرنے کے لئے پیٹ کو کچھ اور چیرنا پڑے گا، بچہ کے باپ نے ڈاکٹر کو اس کی اجازت دے دی، ڈاکٹر نے آپریشن کر کے پیٹ پر ٹانکے لگا دیئے، لیکن بچہ زخم سے جانبر نہ ہو سکا اور اسی رات اس کا انتقال ہو گیا، تو ڈاکٹر پر ضمان نہیں ہو گا۔[653]

اصل میں اجازت کے بعد جب عقد تمام ہو جاتا ہے، تو ڈاکٹر پر مریض کا علاج لازم ہو جاتا ہے، اور اصولی طور پر واجبات کی ادائیگی میں پیش آنے والے نقصانات کا اجیر ضامن نہیں ہوتا، اسی کو مبسوط اور شامی وغیرہ میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

"وکذا فعل الحجام و نحو ہ وا جب بالعقد فلا یتقید بالسلامۃ"[654]

البتہ یہاں اجازت کے تعلق سے یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اجازت صراحۃً بھی معتبر ہے، اور دلالۃً بھی، آپریشن کے لئے ہاسپیٹل میں اولیاء کا مریض کو پہونچانا اس بات کی علامت ہے کہ وہ آپریشن وغیرہ ہر طرح کے علاج کے لئے رضامند ہیں۔

(۴) اسی مسئلہ کی دوسری شکل یہ ہے کہ بعض اوقات مریض پر بے ہوشی طاری ہوتی ہے، وہ اجازت دینے کے لائق نہیں ہوتا، اور اس کے اعزہ زیر علاج مقام سے بہت دور ہوتے ہیں، ان سے فی الفور رابطہ قائم نہیں کیا جا سکتا، ایسی صورت میں اگر ڈاکٹر کی رائے میں آپریشن فوری طور پر ضروری ہے، اور تاخیر ہونے میں اس کے نزدیک مریض کی جان یا عضو کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے، اس لئے اس نے مریض یا اس کے قریبی اعزہ سے اجازت حاصل کئے بغیر مریض کا آپریشن کر دیا، اور یہ آپریشن ناکام رہا، مریض کی جان چلی گئی، یا اس کا کوئی عضو ضائع ہو گیا، تو اس صورت میں ڈاکٹر کو ضامن نہیں قرار دیا جائے گا، بشرطیکہ اس طرح کے مریضوں کے بارے میں حکومت کی طرف سے بلا اجازت آپریشن کرنے کا قانونی جواز ہو، اس لئے کہ اس مریض کو لاوارث مریضوں کے درجے میں رکھا جا سکتا ہے، کیونکہ اس کے اعزہ دنیا میں موجود ہونے کے باوجود اس کے حق میں فی الوقت غیر موجود کے درجے میں ہیں، اس وقت حکومت ہی اس کی ولی ہے،

----- حواشی -----

[653] ۔ شامی: ج۵ ص / ۳۸۷

[654] ۔ شامی؛ ج۵ ص / ۴۰۴، مبسوط للسرخسی: ج۹ ص / ۶۵

اس بنا پر حکومت کی اجازت کافی ہوگی [655]

دوسری وجہ یہ ہے کہ ڈاکٹر کی طرف سے یہاں کوئی تعدی یا بدنیتی نہیں پائی جاتی، کہ اس پر ضمان عائد کیا جائے، اس نے تو مریض کی جان بچانے کی نیت سے طبی خدمت انجام دی تھی، اس لئے وہ امین ہے، اور امین پر کوئی ضمان عائد نہیں ہوتا، جب تک کہ تعدی کا ثبوت نہ مل جائے [656]

یہاں یہ وضاحت بھی مناسب ہے کہ ڈاکٹر اگر شفایاب ہونے کی ضمانت کے ساتھ بھی علاج کرے تو مریض کو ضرر پہونچنے کی صورت میں وہ ضامن نہ ہوگا، اس لئے کہ وہ امین ہے، اور امین کے اوپر ضمان کی شرط لگانا باطل ہے [657]۔

محور دوم

متعدی امراض کے احکام

طبی طور پر یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ بعض امراض پھیلنے اور وبائی شکل اختیار کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، مثلا طاعون، جذام، ایڈز وغیرہ، ایک زمانہ میں طاعون لوگوں کے لئے پریشان کن تھا، آج سب سے زیادہ پریشان کن ایڈز بن چکا ہے، اور اب تو کرونا بھی آگیا ہے، طاعون بھی تیزی کے ساتھ پھیلتا ہے اور ایڈز بھی، فرق یہ ہے کہ طاعون اور کرونا مریض کے جسم سے مس ہونے، اس کے ساتھ کھانے پینے، اور اٹھنے بیٹھنے سے متعدی ہوتے ہیں، جبکہ ایڈز عام اختلاط سے منتقل نہیں ہوتا، بلکہ یہ مرض خاص طور سے جنسی عمل، یا ایڈز کے مریض کے خون چھونے سے منتقل ہوتا ہے، یا ماں سے اس کے بچہ کی طرف دوران حمل، یا شیر خوارگی سے منتقل ہوتا ہے، اسی طرح طاعون، جذام، اور ایڈز کے درمیان ایک خطرناک فرق یہ بھی ہے کہ طاعون، وجذام محسوس طور پر منتقل ہوتے ہیں، جبکہ ایڈز غیر محسوس طور پر منتقل ہوتا ہے، یہ مرض

----- حواشی---

[655] ۔التشریع الجنائی الاسلامی: ج۱ص/ ۵۲۲

[656] ۔شامی: ج۵ص/ ۴۸

[657] ۔بزازیہ: ج۶ص/ ۳۹۱

اندرونی طور پر جسم انسانی کے دفاعی نظام کو تباہ کر دیتا ہے، اس کے بعد انسان بڑی تیزی کے ساتھ مختلف موذی اور مہلک امراض میں گرفتار ہو کر دم توڑ دیتا ہے۔

یہ تمام علم طب کے مسلمہ حقائق ہیں۔

اسلام بھی ان امراض کی اس تاثیر کا بالکلیہ انکار نہیں کرتا، بعض احادیث سے اس موضوع کے لئے کچھ مشکلات سامنے آتی ہیں، لیکن حقیقت بین نگاہ سے دیکھا جائے، تو مسئلہ بالکل آسان ہے، علماء، فقہاء، اور محدثین نے اس موضوع پر بہت تفصیلی کلام کیا ہے، میں اس تعلق سے کچھ ضروری اشارات پیش کرتا ہوں:

امراض کی منتقلی کے متعلق کئی احادیث آئی ہیں:

۱۔ ایک مشہور حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

لاعد وی ولاطیرۃ ولا ھا مۃ ولا صفر و فر من المجذوم کما تفرمن الا سد روا ہ البخا ری[658]"

ترجمہ: بیماری کا ایک دوسرے کو لگنا، بد شگونی، ھامہ، اور صفر یہ سب چیزیں بے حقیقت ہیں، (البتہ) تم جذامی سے اس طرح بھاگو، جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔

اس حدیث میں ایک طرف عدویٰ (امراض کے متعدی ہونے) کا انکار کیا جا رہا ہے، دوسری طرف مجذوم سے اس طرح بھاگنے کو کہا جا رہا ہے، جیسے کہ انسان شیر سے بھاگتا ہے، گویا جذام منتقل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ ہی کی سند سے ایک اور روایت نقل کی گئی ہے۔

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم لاعدویٰ ولاھا مۃ ولا صفرفقا ل اعرا بی یا رسول اللہ فما با ل الابل تکون فی الرمل لکأنھاالظباء فیخالطھاالأجرب فقا ل رسول اللہ صلی

----- حواشی---

658 _ مشکوٰۃ: ص/۳۹۱

اللہ علیہ و سلم فمن اعدی الاول روا ہ البخا ری[659]"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی بیماری کا ایک دوسرے کو اڑ کر لگنا، ھامہ اور صفران سب کی کوئی حقیقت نہیں ہے، ایک اعرابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! تو پھر ان اونٹوں کے بارے میں کیا کہا جائے گا (جو اپنی تندرستی اور اپنی جلد کی صفائی و ستھرائی کے اعتبار سے) ہرن کے مانند ریگستان میں دوڑتے پھرتے ہیں، لیکن جب کوئی خارشتی اونٹ ان میں مل جاتا ہے، تو وہ دوسروں کو بھی خارش زدہ بنا دیتا ہے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا (اچھا تو بتاؤ) کہ پہلے اونٹ کو کس نے خارش زدہ بنایا؟

اس روایت میں بظاہر امراض کے منتقل ہونے کے تصور کو غلط قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ جبکہ وہیں پر عمرو ابن شرید عن ابیہ کی سند سے یہ روایت بھی نقل کی گئی ہے۔

"قال کان فی وفد ثقیف رجل مجذوم فار سل الیہ النبی صلی اللہ علیہ و سلم اذا قد با یعنا ک فارجع روا ہ مسلم"[660]

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ وفد ثقیف میں ایک مجذوم شخص تھا، جو حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے آیا تھا، لیکن حضور ﷺ نے اس کو یہ اطلاع بھیجوا کر اپنے پاس آنے سے منع فرما دیا کہ ہم نے تمہاری بیعت لے لی، اس لئے تم وہیں سے لوٹ جاؤ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض امراض منتقل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں، مگر اسی کے بالمقابل ایک اور حدیث سامنے آتی ہے۔

"عن جا برؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذ بید مجذوم فوضعها منہ فی القصعۃ و قال کل ثقۃ باللہ وتوکلاعلیہ رواہ

----- حواشی -----

659 _ مشکوۃ: ص/۳۹۱

660 _ مشکوۃ: ص/۳۹۱

ابن ماجہ"[661]

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مجذوم کا ہاتھ پکڑ کر اس کو کھانے کے پیالہ میں اپنے ساتھ شریک کیا اور فرمایا کہ کھاؤ اللہ ہی پر اعتماد و توکل ہے۔

اس طرح کی مختلف روایات منقول ہوئی ہیں، جنہوں نے علماء کو حیرانی میں ڈالدیا ہے، بہت سے علماء کا خیال یہ ہے کہ اصل بات تو وہی ہے کہ (لاعدوی) بیماری منتقل نہیں ہوتی، لیکن جن روایات میں حضور ﷺ نے مجذوم، یا مطعون سے الگ رہنے کو کہا ہے، ان سے مقصود محض عقیدہ کا تحفظ، اور کسی طرح کی بدگمانی کا دفاع ہے، یعنی جب کوئی شخص کسی بیمار سے قریب ہو گا، اور اللہ کی مرضی سے اس کو بھی وہی مرض ہو جائے گا، تو وہ خیال کر سکتا ہے کہ شاید فلاں کی بیماری میری طرف منتقل ہو گئی ہے، حالانکہ بات یہ نہیں ہو گی، اس بنا پر بطور احتیاط ایسے بیماروں سے الگ رہنے کو کہا گیا ہے۔

لیکن محققین علماء اس طرف گئے ہیں کہ اصولی طور پر انتقال مرض کی خاصیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، جیسا کہ خود حضور ﷺ نے مجذوم سے بھاگنے کو فرمایا، جیسے کہ انسان شیر سے بھاگتا ہے، شیر میں انسان کو ہلاک کرنے کی صلاحیت ہے، اسی طرح اس مرض میں انتقال کی صلاحیت ہے، اگرچہ سب کچھ اللہ کی مرضی و مشیت سے ہوتا ہے، لیکن بطور تدبیر جس طرح جھکی دیوار کے پاس سے انسان بھاگتا ہے، اسی طرح ان امراض کا حال ہے، محض فساد عقیدہ سے بچانا اگر اس کی بنیاد ہوتا، تو خود حضور ﷺ نے وفد ثقیف کے مجذوم کو اپنے پاس کیوں نہیں آنے دیا؟ حضور ﷺ کے پاس تو اس طرح کا کوئی خطرہ بہر حال نہیں تھا، حضور ﷺ کا یہ عمل بتلاتا ہے کہ بعض امراض سبب کے طور پر منتقل ہوتے ہیں، اس لئے ان سے بچنا چاہئے

اور جن روایات میں عدویٰ کی بظاہر نفی کی گئی ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ یہ امراض بطور خود بغیر خدا کی مرضی کے منتقل نہیں ہوتے، اس لئے یہ تصور غلط ہے کہ خود بیماری کسی اچھے آدمی سے لپٹ جاتی ہے

----- حواشی---

661 ۔ مشکوٰۃ: ص/ ۳۹۲

، بلکہ اللہ کے حکم سے ایسا ہوتا ہے۔

البتہ حضور ﷺ توکل کے اعلی مقام پر فائز تھے، اس لئے کبھی مجذوم کے ساتھ خدا کے بھروسہ پر کھانا بھی تناول فرمایا، یا اس بنا پر کہ ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ کو بذریعہ وحی اس خاص مجذوم کے بارے میں معلوم ہو گیا ہو کہ اس کا مرض مجھ تک منتقل نہیں ہو گا، بعد کے لوگوں میں نہ یہ توکل ہو سکتا ہے، اور نہ ایسا کوئی ذریعۂ خبر، اس لئے اس دار الاسباب میں سبب کے طور پر ان امراض سے دور رہنا ہی مناسب ہے، علامہ نوویؒ، ملا علی قاریؒ اور شیخ تورپشتی وغیرہ علماء کا مسلک یہی ہے [662]

حضرت ابوہریرہؓ کا مسلک بھی یہی نقل کیا گیا ہے [663]

غرض اس تفصیل کی روشنی میں یہ بات مان لینی پڑتی ہے کہ بعض امراض طبعی طور پر خدا کی مرضی سے منتقل ہوتے، اور پھیلتے ہیں، اور ایسے امراض سے انسان کو بچنا اور دور رہنا سبب کے طور پر ضروری ہے، اس تصور کے ساتھ اس موضوع کے سوالات پر ایک نظر ڈال لیں۔

ایڈز کا مریض کیا کرے؟

(۱) جس مریض میں ایڈز کے جراثیم پائے جائیں، اس کے لئے جائز ہے کہ اپنے گھر والوں یا متعلقین سے اس کو چھپائے، اگر اسے خوف ہو کہ اس مرض کا اظہار ہو جانے کے بعد اپنے گھر اور سماج میں اچھوت بن کر رہ جائے گا، البتہ اس پر ضروری ہے کہ وہ اپنے طور پر ایسی حرکت سے احتیاط کرے، جس سے ایڈز کا مرض دوسرے کی طرف منتقل ہوتا ہے، مثلاً شادی کرنا، کسی کو خون دینا یا کسی سے لڑنا وغیرہ، لیکن اگر کوئی ایسا عمل ناگزیر ہی ہو جائے، اور کوئی حکمت عملی اس عمل سے اسے باز نہ رکھ سکے تو اس وقت ضروری ہے کہ وہ اپنے مرض سے اپنے گھر والوں کو آگاہ کر دے، تاکہ لوگ اسے اس کام کے لئے مجبور نہ کریں، مثلاً شادی بیاہ ہی کا معاملہ ہے، ایڈز کے مریض کو چاہیئے کہ وہ ہرگز کسی ایسی لڑکی سے شادی نہ کرے جو اس مرض

----- حواشی -----

[662] ۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ: ج۹ ص/ ۳

[663] ۔ شرح مسلم للنووی: ج۲ ص/ ۲۳۰

سے محفوظ ہو، بلکہ اگر اسے شادی کرنی ہی ہو تو خفیہ طور پر کسی ڈاکٹر سے کسی ایسی لڑکی کا پتہ معلوم کرے جس کے اندر ایڈز کے جراثیم پائے جاتے ہوں، اور اس سے شادی کر لے، اگر ماں باپ مرض معلوم نہ ہونے کی بنا پر دوسرے پیغامات پر اس کو مجبور کریں، تو اس پر لازم ہے کہ صاف صاف اپنے والدین کو بتا دے کہ میں ان جگھوں پر شادی کرنے کا اہل نہیں ہوں، اور اگر کوئی اس کے لائق لڑکی مل گئی ہو تو نشاندہی کر دے کہ میں فلاں لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں، اس طرح وہ بآسانی اپنے مرض کو بھی چھپا سکتا ہے، اور دوسروں کو خطرات سے بھی محفوظ رکھ سکتا ہے۔

رہا اولاد کا مسئلہ تو اس کے لئے اصولی طور پر عزل یا اور کوئی مانع حمل تدبیر اختیار کرنے کی اجازت ہو گی، اس لئے کہ فقہاء نے عزل کرنے کی اس وقت اجازت دی ہے جبکہ فساد زمان کی بنا پر بری نسل پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، خواہ بیوی اس کے لئے راضی ہو یا نہ ہو، اور اگر دونوں رضامند ہوں تب تو کوئی بات ہی نہیں۔

"و فی الفتا ویٰ ان خا ف من ولد السوء فی الحرۃ یسعہ العزل بغیر رضاھا لفسادالزمان فلیعتبرمثلہ من الاعذار مسقطا لاذنھا۔ ۔واقرہ فی الفتح وبہ جزم القھستا نی ایضا حیث قال وھٰذااذالم یخف علی الولد السوء لفساد الزما ن والافیجوز بلااذنھا[664]

ترجمہ: جب بری نسل کے خطرہ سے عزل کی اجازت ہے، تو یہاں زیر بحث صورت میں نہ صرف یہ کہ اولاد نہایت بری، مفلوج، اور ایڈز زدہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، بلکہ اس کا بھی خطرہ ہے کہ اگر اگلی نسل بے احتیاطی کرے تو پورا معاشرہ ایڈز کی خوفناک وباء میں مبتلا ہو جائے گا، ظاہر ہے کہ اس صورت میں بدرجۂ اولی نہ صرف یہ کہ مانع حمل تدابیر اختیار کرنے کی اجازت ہو گی، بلکہ واجب قرار دیا جائے گا، اس لئے کہ یہاں ضرر عام کا اندیشہ ہے۔

----- حواشی ---

[664] ۔ ردالمحتار: ج ۲ ص / ۴۱۲ کذا فی العالمگیری: ج ۵ ص / ۳۵۶ وکذا خانیہ: ج ۳ ص / ۴۱۰

مریض کی بے احتیاطی کے وقت ڈاکٹر کا رویہ

(۲) اگر ایڈز کا مریض اپنے اہل خانہ اور متعلقین سے اپنا مرض چھپانے کے باوجود تمام احتیاطی تدابیر پر عمل کر رہا ہے، تب تو ڈاکٹر کو افشاء راز کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن اگر ڈاکٹر کو یہ معلوم ہو کہ مریض ممکنہ حد تک احتیاط نہیں کر رہا ہے، تو شرعا اس کی اجازت ہو گی کہ وہ اس مرض کا افشاء مریض کے اہل خانہ پر کر دے، تاکہ وہ لوگ اپنے طور پر اس سے محتاط رہ سکیں۔

اگر چہ بظاہر یہ کسی مسلمان کے عیب کا افشاء کرنا ہے، جس کی عام حالات میں ممانعت آئی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

" من ستر مسلما ستره الله فی الدنیا و الآخرة الحدیث"[665]

ترجمہ: جس نے مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۔

حضرت عقبہ ابن عامرؓ کی سند سے ایک اور روایت آئی ہے کہ:

"قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم من رایٰ عورة فسترھا کان کمن احییٰ موؤدة روا ہ احمد و الترمذی و صححہ "[666]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی کا عیب دیکھا پھر اس کی پردہ پوشی کی تو گویا اس نے کسی دفن در گور بچی کو زندہ نکال لیا۔

اس لئے کہ عیب ظاہر کرنے کے بعد انسان کو جس رسوائی اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور لوگوں کا اس کے ساتھ جو رویہ ہوتا ہے، یہ موت سے بھی بدتر صورت حال ہوتی ہے، اس لئے جو کسی کی پردہ پوشی کرتا ہے، وہ گویا اس شخص کو نئی زندگی عطا کرتا ہے۔

یہ سب باتیں اپنی جگہ درست ہیں، لیکن بعض خاص حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں، جن میں کسی ایک خاص شخص کی ذاتی عزت وناموس کی رعایت بہت سے لوگوں کے ضرر کا باعث بن جاتی ہے، مثلایہی

----- حواشی--

[665] ۔ مشکوٰۃ شریف: ص/ ۴۲۲و۴۲۳

[666] ۔ مشکوٰۃ شریف: ص/ ۴۲۴

ایڈز کا مریض اگر خود احتیاط نہ کرے، اور ڈاکٹر بھی اس کا راز افشاء نہ کرے تو نتیجہ یہ ہو گا کہ اس ایک آدمی کی عزت بچانے کے لئے بہت سے لوگوں کی جانیں خطرے میں پڑ جائیں گی، اسی لئے علماء اور شارحین حدیث نے ایسے حالات کا استثناء کیا ہے، جن میں ایک کی وجہ سے دوسرے کئی لوگوں کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو
667

خود حضور اکرم ﷺ نے بھی اس قسم کی بعض چیزوں کا استثناء کیا ہے، حضرت جابرؓ کی سند سے ایک روایت نقل کی گئی ہے۔

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم المجالس بالامانة الاثلثة مجالس سفک دم حرام اوفرج حرام او اقتطاع مال بغير حق رواه ابو داؤد"[668]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجالس کی باتیں امانت ہیں، سوائے تین مجلسوں کے یعنی حرام خون بہانے کا، یا زناکاری، یا ناحق کسی کا مال لوٹنے کی مجلسیں۔

یعنی مجلس میں جو باتیں ہوتی ہیں، وہ امانت ہیں، اس کی رازداری شرکاء مجلس پر ضروری ہے، لیکن اس عام اصول سے ان حالات کا استثناء ہے، جس میں خلاف شرع امور کا ارادہ کیا گیا ہو، یا کسی کو ناحق ضرر پہونچانے کا منصوبہ بنایا گیا ہو، تو اس مجلس کی بات امانت نہیں ہو گی۔

اس اصول کی روشنی میں ڈاکٹر اگر مریض کی بے احتیاطی سے خوف کرتا ہو، تو اس کو اس کے خاندان یا متعلقین پر اصل صورت حال واضح کر دینی چاہیئے، اور اس مریض کے متعلق ضروری احتیاط کا مشورہ دے دینا چاہیئے، البتہ ڈاکٹر کوشش کرے کہ خود مریض کو یہ نہ معلوم ہو کہ اس کا راز کھل چکا ہے، اس کے لئے اہل خانہ اور متعلقین کو بھی چوکنا اور محتاط کر دینا چاہیئے۔

----- حواشی---

[667] ۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ: ج ۱ ص / ۲۷۰ وکذا شرح مسلم للنووی؛ ج ۲ ص / ۳۲۲

[668] ۔ مشکوٰۃ شریف: ص / ۴۳۰

ایڈز کے مریض کے لئے خاندان کا رویہ

(۳) ایڈز اور دوسرے خطرناک متعدی امراض مثلا طاعون وغیرہ کے مریض سے اہل خانہ اور متعلقین کا سبب کے طور پر محتاط رہنا بہر حال ضروری ہے، لیکن اس طور پر کہ مریض اپنی خفت محسوس نہ کرے، اور نہ اس طور پر کہ اسے احساس ہو کہ اسے اچھوت سمجھا جارہا ہے، خصوصاً ایڈز کے مریض کے ساتھ حکمت عملی پر مبنی رویہ بآسانی برتا جاسکتا ہے، اس لئے کہ ایڈز کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ وہ عام اختلاط سے منتقل نہیں ہوتا، اس لئے ضروری حد تک غیر محسوس طریقے پر احتیاط کرنا کچھ مشکل نہیں، رہا اس کی شادی بیاہ کا مسئلہ تو اس کے لئے وہی طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے، جو سوال نمبر (۱) کے جواب میں عرض کیا جاچکا ہے۔

مرض کی منتقلی کی کوشش

(۴) ایڈز کا ایسا مریض جو کہ اپنے مرض اور اس کی نوعیت سے بخوبی واقف ہے، اگر وہ کسی دوسرے تک اپنے مرض کو منتقل کرنے کی غرض سے کوئی ایسا کام کرے، مثلا اس نے بیوی سے مجامعت کی، جس کی وجہ سے ایڈز کا وائرس (جراثیم) بیوی میں منتقل ہو گیا، یا کسی مریض کو خون کی ضرورت ہے، ایڈز کے اس مریض نے اپنا خون اس کے لئے پیش کیا، اور مریض کو وہ خون چڑھایا گیا، جس کے نتیجے میں اس مریض کو بھی ایڈز کا مرض لاحق ہو گیا، اس طرح کی تمام شکلوں میں فقہاء کا اصول یہ ہے کہ جو شخص سبب قتل یا سبب ہلاکت بنا ہے، وہ تو بہر حال قابل سزا ہے، البتہ ضمان کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اس عمل میں قتل یا ہلاک ہونے والے شخص کے اختیار کا کچھ دخل تھا یا نہیں؟ اگر اس نے اس عمل کو اپنے اختیار سے کیا تھا، چاہے اس نے لاعلمی میں کیا ہو، تو سبب قتل بننے والے شخص پر ضمان واجب نہیں ہو گا، لیکن اگر اس عمل کے وجود میں آنے کے اندر مقتول یا مبتلیٰ بہ کا کوئی اختیار شامل نہیں تھا، تو اس صورت میں ضمان واجب ہو گا۔

فقہ کی کتابوں میں اس کی ایک مثال ملتی ہے، کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو شربت میں زہر ملا کر پینے کے لئے پیش کیا، اور پینے والے نے لاعلمی میں اسے پی لیا، اور ہلاک ہو گیا، یا کوئی سخت نقصان پہونچا

، تو اگرچہ شربت پلانے والا سخت مجرم اور گنہ گار ہے، اور اسلامی عدالت اس کے لئے کوئی سزا تجویز کر سکتی ہے، لیکن ضمان اس پر واجب نہیں، اس لئے کہ پینے والے نے شربت اپنے اختیار سے پیا تھا، اگرچہ وہ زہر کے بارے میں بے خبر تھا، اس موت یا نقصان کا تنہا پلانے والا ہی ذمہ دار نہیں ہے، بلکہ خود پینے والا بھی اس میں کسی نہ کسی درجہ میں شریک ہے۔

البتہ اگر کسی کو اکراہ کے ساتھ زہر میں ملا ہوا شربت پلایا گیا، اس طور پر کہ زبردستی منہ میں انڈیل دیا گیا، یا ٹپکا یا گیا تو پلانے والے پر ضمان واجب ہو گا، اس پر تمام ائمہ احناف متفق ہیں[669]

اس اصول اور فقہی جزئیہ کی روشنی میں زیر بحث صورت کو دیکھا جائے تو ایڈز زدہ مریض جب اپنا خون کسی کو دیتا ہے، یا بیوی سے صحبت کرتا ہے، اور اس طرح ایڈز کے جراثیم منتقل کرنے کی کوشش کرتا ہے، تو اس عمل میں مریض کے ساتھ خون لینے والے، اور بیوی کی بھی کسی نہ کسی درجے میں شرکت پائی جاتی ہے، اس لئے مریض پر ضمان واجب نہ ہو گا، البتہ وہ قابل سزا ضرور ہے۔

اور اگر اس نے اپنے مرض کو منتقل کرنے کا ارادہ تو نہیں کیا، مگر مرض کو اور اس کے منتقل ہونے کی بات کو جاننے کے باوجود مجامعت کی، یا خون دیا، تو اس صورت میں بھی اس پر قانونی ضمان واجب نہ ہو گا، البتہ گنہگار، مجرم، اور قابل سزا قرار پائے گا، مگر شکل اول سے کچھ کم، اس لئے کہ اس شکل میں تعدی کا قصد موجود نہیں ہے۔

ایڈز کی بنا پر فسخ نکاح

(۵) اگر کسی مسلمان خاتون کا شوہر ایڈز میں گرفتار ہو گیا، یا ایڈز کے مریض نے اپنا مرض چھپا کر کسی عورت سے نکاح کر لیا، تو کیا عورت فسخ نکاح کا مطالبہ کر سکتی ہے؟

اس سلسلے میں فقہاء احناف کے نزدیک اصولی بات یہ ہے کہ جب تک مرد کے اندر کوئی ایسا مرض نہ لاحق ہو جائے، جس کی وجہ سے وہ جماع کی قدرت ہی سے محروم ہو جائے، اس وقت تک عورت کو فسخ نکاح

----- حواشی ---

[669] ۔ ردالمحتار: ج۵ ص/ ۳۸۵، خانیہ: ج۳ ص/ ۴۴۰، البحر: ج۸ ص/ ۲۹۴، عالمگیری: ج۶ ص/ ۶

کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں، اور خطرناک سے خطرناک مرض بھی اگر قوت جماع کو ختم نہیں کرتا تو فسخ نکاح کا اختیار نہیں، اس کی مثال میں جنون، جذام، اور برص، وغیرہ امراض کا حوالہ دیا گیا ہے، اس لئے کہ مقصد نکاح جماع ہے، جب تک یہ مقصد حاصل ہو رہا ہے، امراض کی بنا پر نکاح متاثر نہیں ہو سکتا، حنفیہ میں شیخین کا مسلک یہی ہے، ان کے علاوہ امام عطاءؒ، نخعیؒ، عمر ابن عبد العزیزؒ، ابی زیادؒ، ابو قلابہؒ، ابن ابی لیلیٰؒ، امام اوزاعیؒ، ثوریؒ، خطابیؒ، اور داؤد ظاہریؒ، وغیرہ کا بھی یہی مسلک ہے، اور مبسوط کے مطابق صحابہ میں حضرت علیؓ اور حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کی رائے بھی یہی ہے۔

البتہ حنفیہ میں امام محمدؒ اور ائمہ ثلاثہ اس کے قائل ہیں، کہ مرض اگر خطرناک اور بھاری ہو، تو فسخ نکاح کا عورت مطالبہ کر سکتی ہے، صاحب فتح القدیر نے ان حضرات کے دلائل کا بہت ہی مفصل اور عمدہ جائزہ لیا ہے، جس سے بجا طور پر امام صاحبؒ کے مسلک کی قوت ثابت ہوتی ہے۔[670]

اس اصول کی روشنی میں عورت کو ایڈز کی بنا پر حنفیہ کے نزدیک فسخ نکاح کا حق حاصل نہیں ہو گا، اس لئے کہ چاہے یہ کتنا ہی خطرناک مرض ہو، مگر اس سے جماع کی قوت ختم نہیں ہوتی، اور جہاں تک مرض کے منتقل ہونے کی بات ہے، تو برص اور جذام بھی تو طبی لحاظ سے منتقل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں، لیکن اس کے باوجود فقہاء نے فسخ نکاح کا حق نہیں دیا۔

البتہ امام محمدؒ اور ائمہ ثلاثہ کے اصول کے مطابق ایڈز کی بنا پر فسخ نکاح کا اختیار ہو گا۔۔ آج کے دور میں ایڈز کی خطرناک صورت حال دیکھتے ہوئے، اگر امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ دیا جائے، تو حالات کے زیادہ مناسب اور فقہی اصطلاح میں ارفق للناس ہو گا۔

یا دوسری صورت جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ، کوئی شافعی، مالکی، حنبلی، یا مجتہد قاضی، جو فروعات میں دلائل کی بنا پر اپنے امام سے اختلاف کرنے کا اہل ہو، ایڈز کی بنا پر فسخ نکاح کا فیصلہ کر دے، تو یہ فیصلہ درست اور نافذ ہو گا، اس لئے کہ مجتہد فیہ مسائل میں حکم حاکم، یا فیصلۂ قاضی مرجح کی حیثیت رکھتا ہے، اس

----- حواشی---

[670] ۔ رد المحتار: ج ۲ ص / ۶۴۸، ۶۴۹، عالمگیری: ج ۱ ص / ۵۳۶، فتاوی قاضی خان: ج ۱ ص / ۴۱۳

لئے عورت اپنا مسئلہ اس طور پر حل کرنا چاہے تو کر اسکتی ہے [671]

ایڈز کی بنا پر اسقاط حمل

(٦) جو خاتون ایڈز کے مرض میں گرفتار ہو، اگر اسے حمل قرار پا گیا، تو دوران حمل، یا دوران ولا دت، یا دوران رضاعت بچے کی طرف اس مرض کے منتقل ہونے کا طبی لحاظ سے پورا اندیشہ ہے، ایسی عورت کیا بچہ تک اس مرض کی منتقلی کے خوف سے اسقاط حمل کرا سکتی ہے؟ اور اگر عورت اس کے لئے تیار نہ ہو تو کیا اس کا شوہر یا حکومت کا محکمۂ صحت اسے اسقاط حمل پر مجبور کر سکتا ہے؟ کیونکہ ایڈز کا مریض بچہ سماج کے لئے خطرہ اور حکومت کے لئے بار گراں ہو گا۔

اس مسئلہ کی دو شکلیں ہیں، (١) اسقاط حمل اس مدت سے پہلے کر دیا جائے، جس کے بعد بچے کے اندر روح ڈالدی جاتی ہے، اور اس کی تخلیق اعضا کا کام شروع ہو جاتا ہے، (٢) دوسری شکل یہ ہے کہ اسقاط حمل نفخ روح کی مدت کے بعد کیا جائے، نفخ روح کی مدت قدیم فقہاء نے ایک سو بیس (١٢٠) دن یا چار ماہ مقرر کی ہے، مگر علامہ شامی کے بقول بذات خود یہ مدت مقصود نہیں ہے، بلکہ مقصود نفخ روح اور تصویر اعضا ہے، اور یہ مقصد اگر اس مدت سے قبل ہو جائے، تو بھی حکم میں کوئی فرق نہیں آئے گا [672]

(١) پہلی شکل کی فقہاء نے عذر کے وقت اجازت دی ہے، اگر شوہر کی اجازت ہو تب تو کوئی بات ہی نہیں، اور نہ ہو تو بھی بہت سے فقہاء نے عورت کو اس کی اجازت دی ہے۔۔۔ فقہ کی کتابوں میں اعذار کی جو فہرست دی گئی ہے، اس میں ایک اہم عذر ولد سوء کا اندیشہ بھی ہے، اس بنیاد پر ایڈز کی مریض خاتون نفخ روح کی مدت سے قبل قبل بلا کراہت اسقاط حمل کرا سکتی ہے، اور وہ اس کے لئے تیار نہ ہو تو شوہر یا حکومت کا محکمۂ صحت اس کو اس پر مجبور کر سکتا ہے، اس لئے کہ ایڈز زدہ مریض بچہ سے زیادہ ولد سوء کا مصداق آج کے دور میں کون ہو سکتا ہے؟

----- حواشی ---

[671] ۔ رد المحتار: ج ٢ ص / ٦٤٩، خانیہ: ج ١ ص / ٤١٣

[672] ۔۔ رد المحتار: ج ٢ ص / ٤١٢

(۲) البتہ دوسری شکل میں جب طبی تحقیق و معائنہ کے بعد ثابت ہو گیا کہ بچہ کے اندر جان پیدا ہو گئی ہے، اس وقت اسقاط حمل ایڈز کے خوف کی بنا پر فتاوی خانیہ کے مطابق جائز ہے، لیکن فقہ کی دیگر کتا بوں اور عام اصول کے لحاظ سے یہ قول قوی معلوم نہیں پڑتا، اس لئے کہ ماں کے ایڈز میں مبتلا ہونے کی صو رت میں پیٹ کے بچے کو دو طرح کی ہلاکتوں کا سامنا ہے، ایک ہلاکت محتمل ہے، وہ یہ کہ حمل، ولادت، یا رضاعت کے دوران ایڈز کے جراثیم بچہ میں منتقل ہو جائیں، جو کسی زمانہ میں بچہ کو ہلاک کر سکتے ہیں، دوسری صورت یقینی ہے، وہ یہ کہ بچہ کو اسقاط حمل کے ذریعہ اسی وقت ہلاک کر دیا جائے، ظاہر ہے کہ جس بچہ میں جان ڈالی جاچکی ہے، اور وہ ایک انسان بن چکا ہے، اس کو قتل کرنا بہر حال جائز نہیں ہے، جہاں تک مصیبت و ہلاکت کا تعلق ہے، تو یہ کوئی عقلمندی یا بچہ کے ساتھ ہمدردی نہیں، کہ جو بچہ ایڈز کے خطرے کی بنا پر کل مرنے والا ہو، اس کو آج ہی مار دیا جائے، یا جس بچہ کی ہلاکت اب تک محتمل اور ظنی ہو، اس کو یقینی اور فی الحال ہلاکت میں تبدیل کر دیا جائے، اس بنا پر بچہ میں جان پڑنے کے بعد اسقاط حمل کی اجازت نہ ہونا ہی راجح معلوم ہوتا ہے، جہاں تک سماج اور حکومت کا تعلق ہے، اس کے قابل احتیاط و احتراز مریضوں میں ایک یہ بچہ بھی شامل ہو جائے گا[673]

تعلیمی اداروں میں ایڈز کے مریض بچوں کا داخلہ

جو بچے یا بچیاں ایڈز کے مرض میں مبتلا ہیں، انہیں مدارس اور اسکولوں میں داخلہ سے محروم کرنا درست نہیں، اس لئے کہ یہ مرض مریض کو چھونے یا اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے منتقل نہیں ہوتا، بلکہ مریض سے جنسی تعلق پیدا کرنے، یا اس کا خون چھونے سے منتقل ہوتا ہے، اور اس کے لئے اسکول کے اربا ب انتظام محتاط انتظامات کر سکتے ہیں، اور نہایت مثبت طور پر اس مرض کے منفی نتائج سے بچا جا سکتا ہے، آپس کی لڑائی ہو، یا جنسی بے راہ روی، یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں، جن سے ان بچوں کو دور رکھنے کے لئے مناسب

----- حواشی ---

673 ۔ رد المحتار ج ۵ ص / ۳۰۵ و ج ۲، ص / ۴۱۲، البحر الرائق ج ۸ ص / ۳۴۴، عالمگیری ج ۶ ص / ۳۵ و ج ۵ ص / ۳۵۶، وبزازیہ ج ۶ ص / ۳۸۵، وفتاویٰ خانیہ، ج ۳ ص / ۴۱۰

انتظامات کئے جاسکتے ہیں، مگر ان محتمل اور عارضی چیزوں کی بنا پر ایڈز زدہ بچوں کو تعلیم سے محروم کرنے کا جواز سمجھ میں نہیں آتا۔

اس باب میں مجذوم کے تعلق سے وہ مسئلہ دلیل راہ بن سکتا ہے، جو علامہ نوویؒ نے علماء کے حوالہ سے شرح مسلم میں نقل کیا ہے، وہ یہ ہے کہ جو لوگ جذام میں مبتلا ہو جائیں، کیا ان کو مسجد، بازار، چراگاہ، یا پانی لینے کی جگہ وغیرہ سے روکا جائے گا یا نہیں؟ مراد ایسے مقامات ہیں، جن سے انسان یا مسلمان ہونے کے ناطے ہر ایک کو استفادہ کا حق ہے، اکثر علماء کا خیال یہ ہے کہ اگر ایسے مریضوں کی معتد بہ تعداد ہو جائے، تو حکومت پر ان کے لئے جداگانہ انتظام کرنا لازم ہو گا، اور بعض نے لازم تو قرار نہیں دیا، مگر اسکی ترغیب دی، لیکن اس پر تمام ہی متفق ہیں کہ جداگانہ انتظام ہونے سے قبل جذام، یا اس جیسے دوسرے متعدی امراض کے مریضوں کو عمومی مقامات سے روکا نہیں جائے گا، خواہ ان کی تعداد قلیل ہو یا کثیر، بلکہ احتیاطی تدابیر اور حکمت عملی کے ذریعہ ان کو استفادہ کا موقعہ اس طور پر دیا جائے گا کہ دوسروں کو نقصان نہ پہونچے، اس کی مثال دیتے ہوئے علامہ نوویؒ نے لکھا ہے، کہ اگر ایسے مریض کے پانی نکالنے سے دوسروں کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو، تو ان کے لئے پانی کا جداگانہ انتظام ہونے تک کچھ ایسے لوگوں کو مقرر کرنا ہو گا، جو ان کے لئے پانی نکالدیا کریں، تاکہ ان مریضوں کو عام لوگوں سے اختلاط کی ضرورت پیش نہ آئے[674]

اس طور پر ہم سمجھ سکتے ہیں کہ تعلیمی ادارے بھی عام استفادہ کے ادارے ہیں، اس لئے ایڈز کی بنا پر کسی کو اس سے انتفاع سے روکا نہیں جا سکتا، بلکہ ضروری ہے کہ ایسے طلبہ کی تعلیم و تربیت کا جداگانہ انتظام کیا جائے، یا انہی اداروں میں محتاط طریقۂ کار اختیار کرتے ہوئے ان کو تعلیمی استفادہ کا موقع دیا جائے۔

ایڈز مرض الموت کے حکم میں نہیں

(۸) یہاں ایک اہم ترین سوال یہ بھی ہے کہ ایڈز، نیز طاعون و کینسر جیسے امراض جب طبی لحاظ سے نا قابل علاج مرحلہ میں پہونچ جائیں، تو کیا اس کے لئے مرض الموت کا حکم ہو گا؟ اور ایسے مریض کے

----- حواشی---

[674] ۔ شرح مسلم للنووی: ج ۲ ص / ۲۳۴

لئے مرض وفات کے احکام جاری ہونگے؟

اس سوال کے جواب کے لئے اولاً مرض الموت کا حقیقی مفہوم ہمارے ذہنوں میں ہونا ضروری ہے، فقہاء کی تصریحات کے مطابق مرض الموت وہ مرض کہلاتا ہے جس میں انسان ایسی پوزیشن میں پہونچ جائے کہ وہ صاحب فراش ہو جائے، اور امروز و فردا میں اسکے مر جانے کا اندیشہ ہو، اور وہ اپنے معمول کے مطابق حوائج اصلیہ کی تکمیل پر قادر نہ ہو، مثلاً ایک معلم کا مرض الموت یہ ہے کہ وہ تدریس کے فرائض انجام نہ دے سکے، دکاندار کا یہ ہے کہ وہ اپنی دکان کی ڈیوٹی انجام نہ دے سکے، اور عورت کا مرض الموت یہ ہے کہ وہ امور خانہ داری کی انجام دہی پر قدرت نہ رکھے، وغیرہ البتہ بیت الخلا، یا کھانے پینے کے لئے گھر میں چلنا پھرنا، یا دواخانہ وغیرہ جانے کے لئے ضرورتاً باہر نکلنا مرض الموت کے لئے مانع نہیں[675]

لیکن اگر مرض طول پکڑ جائے (جس کی مدت کم از کم بقول علامہ ناطفی فقہاء نے ایک سال مقرر کی ہے) اور امروز فردا کی ہلاکت و موت کا خطرہ ٹل جائے، یا اپنے دوسرے معمولات وہ بخوبی انجام دیتا ہو، تو یہ مرض الموت کے حکم میں نہ ہوگا[676]

مرض الموت کی اس تعریف کے لحاظ سے ایڈز اس کے ذیل میں نہیں آتا، اور ایڈز کے مریض کے لئے موت و وفات کے احکام جاری نہ ہونگے، اس لئے کہ ایڈز پیدا ہونے کے بعد مریض فوراً ہلاک نہیں ہو جاتا، بلکہ سالوں سال اس کے بعد بھی زندہ اور بظاہر تندرست رہتا ہے، اور اپنے سارے کام بھی کرتا رہتا ہے، اس لئے یہ اگرچہ ناقابل علاج مرض ہے، مگر مرض الموت نہیں، ہاں اگر ایڈز اس درجہ پر پہونچ جائے، کہ انسان صاحب فراش بن جائے، اس کے جسم کا سارا دفاعی نظام کھوکھلا ہو جائے، اور اپنے معمول کے کاموں کی طاقت و قدرت ختم ہو جائے، تو اب سے یہ مرض الموت کے دائرے میں داخل ہو جائے گا۔

رہا طاعون اور کینسر کا معاملہ تو طاعون پر تو باقاعدہ فقہاء اظہار خیال کر چکے ہیں، وہ یہ طاعون بلاشبہ مرض الموت ہے، اگر کوئی انسان اس میں مبتلا ہو جائے، تو اس پر موت و وفات کے احکام جاری ہونگے، اس

----- حواشی -----

[675] ۔ فتاوی بزازیہ علی الھندیہ ج۶ ص/ ۴۳۴، فتاوی عالمگیری ج۸ ص/ ۱۰۹، ردالمحتار ج۲ ص/ ۵۶۹

[676] ۔ فتاویٰ خانیہ کتاب الوصایا: ج۳ ص/ ۵۰۲

میں کوئی کلام نہیں، اس لئے کہ طاعون کا مریض بالعموم بہت دنوں زندہ نہیں رہ سکتا، البتہ اگر طاعون کسی شہر ،علاقہ یا محلہ میں پھیلا ہوا ہو، اور خود وہ شخص مثلاً زید اب تک اس میں مبتلا نہ ہوا ہو، تو اس پر فقہاء نے کلام کیا ہے، علامہ شامیؒ نے فتح القدیر کے حوالہ سے شافعیہ کا مسلک یہ نقل کیا ہے، کہ یہ حالت بھی مرض الموت کی ہے، مشائخ حنفیہ سے اس سلسلے میں کوئی تصریح نہیں ملتی، البتہ ان کے قواعد کی رو سے اگر ہلاکت کا خوف غالب ہو جائے، اس طور پر کہ طاعون دیکھتے ہی دیکھتے گھر میں داخل ہو جائے، اور افراد خانہ بھی اس میں مبتلا ہونے لگیں، تو اس صورت میں یہ مرض الموت بن جائے گا، لیکن اگر ابھی طاعون کی وبا اس کے گھر سے دور ہو، اور ہلاکت کا خوف اس قدر غالب نہ ہو، تو یہ مرض الموت نہیں ہو گا[677]

کینسر کو ہم طاعون پر قیاس کر سکتے ہیں، مگر اسوقت جب یہ شدید صورت حال اختیار کر لے، اس لئے کہ دیکھا جاتا ہے کہ کینسر کا مریض انکشاف کے بعد فقہاء کی اصطلاح میں اکثر طویل مدت تک زندہ نہیں رہتا، اس بنا پر کینسر کے مریض کو مریض موت قرار دیا جا سکتا ہے۔

وبائی علاقہ میں آمد ورفت

(۹) ایک اہم ترین مسئلہ اس باب میں ان علاقوں میں آمد ورفت کا ہے، جن میں طاعون یا اس جیسے مہلک امراض پھیلے ہوئے ہیں۔

اس سلسلے میں اتنی بات تو طے ہے، (جیسا کہ محور دوم کے شروع میں عرض کیا جا چکا ہے) کہ بعض امراض میں طبی اعتبار سے متعدی ہونے کی صلاحیت ہوتی ہے، جس کی تائید شریعت اسلامیہ سے بھی ہوتی ہے، اس لئے فساد عقیدہ کی وجہ سے نہیں، بلکہ خود طبی لحاظ سے بھی ان علاقوں میں آمد ورفت مناسب نہیں، اور اگر اس تعلق سے حکومت کوئی پابندی عائد کرتی ہے، تو اس کا اقدام شرعاً غلط نہ ہو گا، یہی جمہور علماء کا مسلک ہے، علامہ نوویؒ نے بعض صحابہؓ کا اختلاف نقل کیا ہے، مگر وہ اس قدر مؤثر نہیں ہے، مثلاً حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ، حضرت عمرو ابن العاصؓ کے اختلاف کا ذکر کیا گیا ہے، لیکن یا تو ان

----- حواشی ---

677 ۔ ردالمحتار: ج۲ ص/ ۵٦۹

حضرات تک حضور ﷺ کی اس سے متعلق حدیثیں نہیں پہونچیں، یا کسی دوسری مصلحت کی بنا پر انہوں نے آمد ورفت کی اجازت دی، یا اس کا مطلب کچھ اور ہے [678]

جب کہ اس بارے صریح احادیث موجود ہیں، ایک حدیث ابو داؤد شریف میں آئی ہے۔

(۱)"عن یحی ٰ ابن عبد اللہ ابن بجیر قال اخبرنی من سمع فررۃابن مسیک یقول قلت یا عسول اللہ عندناارض یقال لھاابین وھی ارض ریفنا ومیرتنا وان وباءھا شدید فقال دعھا عنک فان من القرف التلف "[679]

ترجمہ: حضرت یحیٰ ابن عبد اللہ ابن بجیر کہتے ہیں کہ مجھ سے اس شخص نے بیان کیا کہ جس نے حضرت فروہ ابن مسیک سے یہ روایت سنی تھی کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارے پاس ایک زمین ہے، جس کو "ابین" کہا جاتا ہے، اور وہ ہماری زراعت اور غلہ کی زمین ہے، (یعنی وہ غلہ کی منڈی ہے جہاں تجارت کے لئے دوسری جگہوں سے غلہ لاکر جمع کیا جاتا ہے، اور دوسرے شہروں میں بھیجا جاتا ہے) لیکن وہاں کی وبا سخت ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو، کیونکہ وبا اور بیماری کا قرب ہلاکت وموت کا باعث ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی وبائی علاقہ میں خواہ طاعون کا علاقہ ہو یا کسی وبائی مرض کا، اس کا حکم یہی ہے کہ ایسی جگہ نہیں جانا چاہیئے، اور اس کا تعلق محض عدویٰ سے نہیں بلکہ طب سے ہے، اس لئے کہ فرمان نبی ﷺ کے مطابق بیماری کے قریب رہنے، یا وبائی آب وہوا میں سانس لینے سے جسم کے اندر مرض کے جراثیم سرایت کر جانے کا پورا اندیشہ ہے، اس لئے ایسے مقامات پر نہیں جانا چاہیئے [680]

اور اگر حکومت ایسے مقامات پر جانے کی پابندی لگاتی ہے، تو شریعت اور طب دونوں اعتبار سے

----- حواشی ---

[678] ۔ شرح مسلم للنووی: ج۲ ص/ ۲۲۹،۲۲۸

[679] ۔ مشکوٰۃ شریف: ص/ ۳۹۲،۳۹۱

[680] ۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ: ج۹ ص/ ۱۱

اس کا اقدام درست ہو گا، فقہاء کا عندیہ بھی یہی ہے[681]

طاعون کے بارے میں تو صراحت کے ساتھ حدیثیں آئی ہیں، مثلا ایک روایت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

"ان ھٰذاالسقم عذب بہ الامم قبلکم فاذا سمعتم بہ فی الارض فلا تدخلوھا واذاوقع بارض وانتم بھافلا تخرجوا فرارا"[682]

ترجمہ: بلاشبہ یہ وہ مرض ہے، جس کے ذریعہ سابقہ امتوں کو عذاب دیا گیا، پس جب تم کو کسی جگہ اس کے ہونے کا علم ہو تو اس جگہ مت جاؤ، اور اگر تمہاری موجودگی میں یہ وبا پھیل جائے، تو اس سے بھاگ کر نکلنے کی کوشش نہ کرو۔

اسی مفہوم کی ایک روایت حضرت عبد الرحمٰن ابن عوفؓ سے بھی منقول ہے، جو انہوں نے حضرت فاروق اعظمؓ کے سفر شام کے دوران مقام عمواس میں طاعون پھیلے ہوئے ہونے کی اطلاع ملنے کے بعد سنائی تھی، حضرت فاروق اعظمؓ نے اکابر صحابہ کے مشورہ سے یہ طے کر لیا کہ اب سفر کو ملتوی کر کے واپس ہو جائیں، جس پر حضرت ابو عبیدہؓ کو اعتراض بھی ہوا، انہوں نے کہا کہ آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگتے ہیں؟ اس موقعہ پر حضرت عمرؓ نے یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا (جو در اصل کسی موقعہ پر خود سرور دوجہاں حضرت نبی آخر الزماں ﷺ کی زبان پاک سے صادر ہوا تھا) کہ:

"ہاں ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر ہی کی طرف بھاگتے ہیں"

اتفاق سے حضرت عبد الرحمٰن ابن عوفؓ جن کے پاس متعلقہ حدیث موجود تھی، اس مشاورت کے وقت موجود نہ تھے، (ورنہ کوئی اختلاف ہی نہ ہوتا اور نہ مشورہ کی حاجت ہوتی) جب وہ تشریف لائے تو مذکورہ بالا حدیث سنائی، اور صحابہ کو اطمینان ہوا[683]

----- حواشی---

[681] ۔ فتاویٰ بزازیہ کتاب الجنایات: ج٦ص /٣٨٦

[682] ۔ مسلم شریف: ج٢ص /٢٢٨

[683] ۔ مسلم شریف: ج٢ص /٢٢٨،٢٢٩

طاعون کے مقام پر نہ جانے کی وجہ تو ظاہر ہے، مگر وہاں سے فرار کرنے سے منع اس لئے کیا گیا کہ اگر ایسے مقامات سے لوگوں کے نکلنے کا سلسلہ شروع ہو جائے، تو مرنے والوں کی تجہیز و تکفین اور دوسرے مریضوں کی دیکھ بھال کون کرے گا؟

دوسری خرابی یہ بھی ممکن ہے کہ جو لوگ وہاں سے نکلیں گے، شاید ان کے اندر مرض کے جراثیم سرایت کر چکے ہوں، اور وہ جراثیم دوسرے علاقوں میں پھیل جائیں۔

تیسرے ایسے علاقے سے فرار فساد عقیدہ پر دلالت کرتا ہے، اس لئے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ محض مرض کو مؤثر قرار دینے کے بجائے خدا تعالیٰ پر اعتماد کیا جائے۔

کسی ضرورت سے وبائی علاقہ میں آمد و رفت

(۱۰) البتہ اگر وبائی علاقہ سے فرار کی نیت سے نہیں، بلکہ ضرورت کی بنا پر نکل رہا ہو، یا اس علاقہ میں داخل ہو رہا ہو، تو اسکی ممانعت نہیں ہے، مثلاً ایسی جگہ سے کچھ لوگ اپنی ضرورت سے باہر گئے ہوئے ہیں اور پھر یہ صورت حال پیدا ہو گئی، اور ان کے قیام کی نہ اب ضرورت ہے، نہ ممکن ہے، نیز گھر اور کاروبار کو بھی ان کی نگہداشت کی ضرورت ہے، تو ایسے لوگ طاعون کے مقام پر واپس جا سکتے ہیں۔

یا اس کے برعکس کسی ضرورت سے آئے ہوئے لوگ جن کا کام ختم ہو چکا ہے، یا اب نہیں ہو رہا ہے، یا وہ شخص جس کی مناسب نگہداشت اور علاج و تیمارداری کا یہاں انتظام نہیں ہو پا رہا ہے، یا کسی وجہ سے اس کی دوسری جگہ ضرورت ہے، تو وہ طاعون کے علاقہ سے ضرورت کی نیت سے نکل سکتے ہیں، فرار کی نیت سے نہیں، اس لئے کہ حدیث میں ممانعت فرار کے طور پر نکلنے کی ہے، نہ کہ ہر طرح کے نکلنے کی، اور ضرورت کی بنا پر نکلنا فرار نہیں ہے، اس لئے اس کی اجازت ہو گی[684]

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

حدیث کے الفاظ میں "فلا تخرجو فرارا منه" آیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی

----- حواشی---

684۔ شرح مسلم للنووی: ج۲ ص/۲۲۹

شخص موت سے فرار کے لئے نہیں بلکہ اپنی کسی دوسری ضرورت سے دوسری جگہ چلا جائے، تو وہ اس ممانعت میں داخل نہیں، اسی طرح اگر کسی شخص کا عقیدہ اپنی جگہ پختہ ہو، کہ یہاں سے دوسری جگہ چلا جانا موت سے نجات نہیں دے سکتا۔ یہ عقیدہ پختہ رکھتے ہوئے محض آب وہوا کی تبدیلی کے لئے یہاں سے چلا جائے، تو وہ بھی ممانعت سے مستثنیٰ ہے، اسی طرح کوئی آدمی کسی ضرورت سے اس جگہ میں داخل ہو، جہاں وبا پھیلی ہوئی ہے، اور عقیدہ اس کا پختہ ہو، کہ یہاں آنے سے موت نہیں آئے گی، وہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے ، تو ایسی حالت میں اس کے لئے وہاں جانا بھی جائز ہوگا[685]

محور سوم

امانت اور غیبت سے متعلق مسائل

اسلام نے امانت پر زور دیا ہے، اور امانت کے بارے میں اسلام کا تصور بہت وسیع ہے، اگر کسی مجلس میں چند لوگ باہم بیٹھ کر باتیں کر رہے ہیں، ان باتوں کو امانت قرار دیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

"عن جا بر ابن عبد الله عن النبی صلی الله علیہ وسلم قال اذا حدث الرجل الحدیث ثم التفت فھی اما نۃ روا ہ الترمذی وابوداؤد"[686]

ترجمہ: جب انسان کسی سے بات کرے پھر ادھر ادھر رازدارانہ طور پر دیکھے، تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اس بات کو راز رکھنا چاہتا ہے۔

ایک دوسری روایت میں حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ:

"ان النبی صلی الله علیہ وسلم قال ان المستشار مؤتمن الحدیث

----- حواشی---

685 ۔ معارف القرآن: ج ۱ ص / ۵۹۸،۵۹۹

686 ۔ مشکوٰۃ شریف: ص / ۴۳۸

روا ہ الترمذی"687

نبی کریم صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہے۔

امانت کے حدود

اس لحاظ سے ڈاکٹر اپنے مریضوں کا راز دار ہوتا ہے، اسکی شرعی، اخلاقی، اور قانونی ذمہ داری ہے، کہ اپنے زیر علاج یا زیر تجربہ مریضوں کا راز افشاء نہ کرے، جس سے ان مریضوں کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو، یا سماج میں اس کی بدنامی یا سبکی ہو، لیکن بعض دفعہ مریض کی پردہ داری بے شمار لوگوں کی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے، ایسے وقت میں اگر ڈاکٹر محسوس کرے کہ مریض کی پردہ داری سے بہت سے لوگوں کو نقصان پہونچ سکتا ہے، تو اسے چاہیئے کہ وہ مریض کا راز مثبت انداز میں ظاہر کر دے۔

(۱) اس لئے کہ مجالس کو امانت اسی وقت تک قرار دیا گیا ہے، جب تک کہ اس سے دوسروں کی حق تلفی نہ ہوتی ہو، یا خلاف شرع عمل نہ کرنا پڑتا ہو۔

عن جابرقال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم المجالس بالامانۃ الا ثلٰثۃ مجالس سفک دم حرام اوفرج حرام اواقتطاع مال بغیرحق روا ہ ابو داؤد"688

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ مجلس کی باتیں امانت ہوتی ہیں، سوائے تین مجلسوں کے، ایک وہ جس میں کسی کا ناجائز خون بہانے کی بات کی گئی ہو، دوسرے وہ جس میں زناکاری کے تعلق سے بات ہوئی ہو، تیسرے وہ جس میں کسی کا ناحق مال لوٹنے کا ذکر ہوا ہو۔

اس کے علاوہ ایک بار حضور صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

----- حواشی -----

687 - الجامع الصحيح سنن الترمذي ج 5 ص 125 حديث نمبر :2822 المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت تحقيق : أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء : 5 الأحاديث مذيلة بأحكام الألباني عليها

688 _ مشکوٰۃ شریف: ص/۴۳۸

"الدین النصیحۃ الحدیث"[689]

ترجمہ: دین خیر خواہی کا نام ہے۔

اب اگر ایک شخص کی خیر خواہی سے دوسرے کئی لوگوں کو نقصان پہونچتا ہو، تو یہ کوئی دانشمندی اور خیر خواہی نہ ہوگی، کہ ایک شخص کی وجہ سے ڈاکٹر بہت سے لوگوں کی مضرت کا باعث بن جائے، بلکہ خیر خواہی میں فرد پر جماعت کو فوقیت حاصل ہے، اس لئے ایک فرد یا چند افراد کی خاطر پوری جماعت کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔

اسی لئے فقہاء نے قاعدہ بیان کیا ہے:

۱۔" یتحمل الضرر الخاص لأجل دفع ضرر العام"[690]

ترجمہ: ضرر عام کو دور کرنے کے لئے ضرر خاص کو گوارہ کیا جائے گا۔

۲۔ ایک دوسرا قاعدہ اسی سے ملتا جلتا ہے۔

"لوکان احدھما اعظم ضررا من الآخر فان الاشد یزال بالاخف"[691]

ترجمہ: اگر دو چیزوں میں سے ایک ضرر دوسرے سے بڑا ہو، تو چھوٹا ضرر گوارا کر کے بھاری ضرر کو دور کیا جائے گا۔

۳۔ ایک تیسرا قاعدہ بھی اسی مفہوم کو ادا کرتا ہے۔

"اذا تعارض مفسدتان روعی اعظمھما ضررا بارتکاب اخفھما"[692]

ترجمہ: جب دو مفسدے ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں تو ہلکے مفسدے کو قبول کر کے

----- حواشی -----

[689] ۔ مسلم شریف: ج ا ص / ۵۴

[690] ۔ الاشباہ: ج ا ص / ۲۸۰

[691] ۔ الاشبا: ج ا ص / ۲۸۳

[692] ۔ الاشباہ: ج ا ص / ۲۸۶

بڑے کے ضرر سے محفوظ رہنے کی کوشش کی جائے گی۔

غیبت کے نقطۂ نظر سے

کسی مہلک مریض کا افشاء راز جہاں امانت داری کے خلاف ہوتا ہے، وہیں اسے ہم شرعی لحاظ سے غیبت بھی قرار دے سکتے ہیں، کہ ڈاکٹر کسی مسلمان کے عیوب دوسرے پر ظاہر کرے، جو مریض کبھی پسند نہیں کر سکتا، اسی کا نام غیبت ہے جو حرام ہے، لیکن اسلام میں غیبت بھی انہی مواقع پر حرام ہے، جن پر اس سے بڑا کوئی مفسدہ لازم نہ آئے، لیکن اگر حقوق اور جائز مفادات کے تحفظ یا لوگوں کو ضرر سے بچانے کے لئے کوئی کسی کے پیچھے اس کے عیوب بیان کرتا ہے، تو یہ غیبت ناجائز نہیں، بلکہ بعض مواقع پر واجب ہو جاتی ہے، مثلاً راویوں، گواہوں، صدقات واوقاف کے نگرانوں کی جرح و تحقیق اگرچہ بظاہر عیب ہے لیکن یہ جائز بلکہ واجب ہے، اس لئے کہ اس کے بغیر عام لوگوں کے حقوق کا تحفظ اور حدیث پاک کی صحت مشکل ہو جائے گی[693]

علماء نے چھ (۶) مقاصد شرعی کے لئے غیبت کو جائز قرار دیا ہے، جن میں چوتھے نمبر پر مسلمانوں کو ضرر سے بچانے کے لئے بھی غیبت کی اجازت دی ہے، جس کی کئی شکلیں ہیں:

۱۔ راویوں، گواہوں اور مصنفین کی جرح وتعدیل نہ صرف جائز بلکہ متفقہ طور پر واجب ہے۔

۲۔ نکاح کے سلسلے میں مشورہ کے وقت بھی عیوب سے خبر دار کرنا جائز ہے۔

۳۔ کوئی شخص لاعلمی میں کوئی عیب دار چیز، یا چور، بدکار غلام خرید رہا ہے، تو خیر خواہانہ طور پر اس کے عیوب سے مشتری کو واقف کرا دینا جائز ہے۔

۴۔ کوئی شخص فقیہ فاسق کے پاس طلب علم کے لئے آمد و رفت رکھتا ہے، تو طالب علم کو اس کے معائب بتا دینا درست ہے وغیرہ[694]

----- حواشی---

[693] ۔شامی: ج۵ص/۲۹۰

[694] ۔۔شرح مسلم للنووی؛ ج۲ص/۳۲۰تا۳۲۲، شامی: ۵ص/۲۸۹، بزازیہ: ج۶ص/۳۰۷، عالمگیری: ج۵ص/۳۵۳

خود حضور ﷺ کے سامنے حضرت ہندؓ نے حضرت ابوسفیانؓ کی شکایت اپنے حقوق کے لئے کی، تو اس پر آپ ﷺ نے نکیر نہیں فرمائی (بخاری و مسلم)

ان تفصیلات کی روشنی میں اس تعلق سے چند مسائل پیش ہیں:

بوقت نکاح تحقیق حال

(۱) ایک ماہر امراض چشم مسلمان ڈاکٹر نے ایک نوجوان کی آنکھ کا علاج کیا، اس نوجون کی ایک آنکھ کی بصارت ختم ہو چکی ہے، لیکن ڈاکٹر کی کوشش سے اس مریض کی وہ آنکھ دیکھنے میں بالکل صحیح و سالم معلوم ہوتی ہے، اس نوجوان کا رشتہ کسی خاتون سے طے پا رہا ہے، ڈاکٹر کو یقین ہے کہ اگر اس خاتون کو نوجوا ن کے اس عیب کا علم ہو جائے، تو ہرگز یہ رشتہ کرنے کو راضی نہیں ہوگی، نوجوان یہ عیب چھپا کر اس خاتون سے رشتۂ نکاح کر رہا ہے، اگر لڑکی کے گھر والوں کو یہ بھنک لگ گئی، کہ وہ نوجوان فلاں ڈاکٹر سے آنکھ کا علاج کروا رہا ہے، اور لڑکی یا اس کے گھر والے معلومات کرنے کے لئے اس ڈاکٹر کے پاس آئیں، تو ایسی صورت میں اس مسلمان ڈاکٹر کے لئے جائز ہوگا کہ وہ خیر خواہانہ طور پر لڑکی اور اس کے گھر والوں کو نوجوان کے اس عیب سے باخبر کر دے[695]

مگر صرف اس صورت میں جب لڑکی یا اس کے گھر والے اس سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کریں، یا مشورہ کریں، بلا طلب و مشورہ ڈاکٹر کو افشاء راز کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ عیب سے خبر دار کرنا واجب نہیں، کیونکہ یہ کوئی ایسا عیب نہیں ہے، جس سے عورت یا اس کے گھر والوں کو کوئی مضرت پہونچے۔

اس کا مأخذ وہ مشورۂ پاک ہے، جو حضورؐ اکرم ﷺ نے ایک صحابی کو انصاری لڑکی سے شادی کرنے کے سلسلے میں دیا تھا کہ:

----- حواشی --

[695] ۔شامی: ج۵ ص/ ۲۹۰

"فانظر الیھا فان فی اعین الانصار شیئاً روا ہ مسلم "[696]

انصاری عورتوں کی آنکھ میں ایک خاص بات ہوتی ہے،(جو ضروری نہیں کہ ہر ایک کو پسند آئے)اس لئے پہلے لڑکی کو دیکھ لو۔

اس سے ایک طرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس طرح کے عیوب شادی بیاہ کے مشورہ کے وقت بتا ئے جاسکتے ہیں، دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مشورہ کے وقت ہی بتانا چاہیئے، یہ کوئی واجب نہیں کہ بلا مشورہ بھی اس کا پرچار کرتا رہے۔

طبی معائنہ کے بعد ڈاکٹر کا رویہ

(۲) ایک مرد اور ایک عورت جن کے درمیان رشتہ نکاح کی بات چل رہی ہے، کسی ڈاکٹر کے پا س طبی جانچ کے لئے آتے ہیں، طبی جانچ کے نتیجے میں ڈاکٹر کو کسی ایک کا کوئی ایسا مرض معلوم ہو جاتا ہے، جس کے نتیجے میں اس بات کا پورا اندیشہ ہے، کہ ناقص الاعضاء بچے پیدا ہوں، یا یہ معلوم ہو جاتا ہے، کہ مرد یا عورت کے مادہ منویہ میں جراثیم تولید نہیں ہے، ایسی صورت میں ڈاکٹر کی ذمہ داری ہے، کہ وہ دوسرے فریق کو پہلے فریق کے عیب یا مرض سے باخبر کردے، عیب یا مرض کو چھپانا جائز نہیں، اس لئے کہ دونوں نے ڈاکٹر پر پوری رضامندی کے ساتھ صحیح صورت حال معلوم کرنے کے لئے اعتماد کیا ہے، اور طبی معائنہ کر کے گویا ڈا کٹر نے اس اعتماد کو قبول کر لیا ہے، اس لئے اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس معاہدہ سے پھر جائے، یا ان دونوں میں سے کسی کے اعتماد کو ٹھیس پہونچائے، اس وقت ڈاکٹر کا افشاء راز کرنا نہ امانت کے حدود میں آتا ہے ،اور نہ غیبت کے دائرہ میں۔

دوسری شکل

(۳) ایک شخص کسی ڈاکٹر کے زیر علاج ہے، ڈاکٹر کو طبی جانچ کے نتیجے میں یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ شخص نامرد ہے، یا اس میں کوئی ایسا عیب پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے اس کا نکاح بار آور نہیں ہو سکتا، ڈاکٹر کو

----- حواشی---

[696] ۔ مشکوٰۃ: کتاب النکاح ص/ ۲۶۸

یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ شخص کسی عورت سے نکاح کی بات چیت کر رہا ہے، اور اپنے اس عیب کو چھپا کر اس عورت سے نکاح کر لینا چاہتا ہے، یا کوئی خاتون کسی ڈاکٹر کے زیر علاج ہے، وہ کسی ایسے اندرونی مرض یا عیب میں مبتلا ہے، جس پر مطلع ہونے کے بعد اس کا رشتۂ نکاح کہیں ہونا بہت مشکل ہے، اور وہ خاتون اپنے اس اندرونی عیب یا مرض کو چھپا کر کسی مرد سے نکاح کی بات چیت کر رہی ہے، رشتۂ نکاح کی بات ڈاکٹر کے علم میں آچکی ہے۔

ان دونوں صورتوں میں داکٹر کے لئے جائز ہے کہ وہ دوسرے فریق کو اپنے مریض کے مرض یا عیب سے مطلع کر دے، مگر اس وقت جب کہ دوسرا فریق اس مریض یا مریضہ کے بارے میں معلومات کر نے کے لئے ڈاکٹر سے رابطہ قائم کرے۔

الا یہ کہ ڈاکٹر کو مریض کا کوئی ایسا مہلک مرض معلوم ہو جائے، جو شادی کے بعد ایک بار بھی جنسی عمل سے دوسرے میں منتقل ہو سکتا ہو، اور دوسرے فریق کے لئے مہلک ثابت ہو سکتا ہو، مثلاً ایڈز، تو اس صورت میں ڈاکٹر کے علم میں اگر دونوں کے درمیان رشتۂ نکاح چلنے کی بات ہے، اور اس کے لئے خبر پانا ممکن ہے، تو ڈاکٹر پر واجب ہے، کہ وہ فریق ثانی کو مریض کے مرض کی اطلاع دے، خواہ فریق ثانی اس سے مشورہ طلب کرے یا نہ کرے۔

ان دونوں صورتوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ وہ عیوب یا امراض جو دوسرے کے لئے مہلک نہیں ہوتے، مثلاً نامردی، جنون، ہسٹریا یا امراض چشم وغیرہ، شادی کے بعد ان کی تلافی ممکن ہے، اس طور پر کہ اگر مثلاً عورت اس مرد کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی، تو عدالت سے رجوع ہو کر کوئی حل نکال سکتی ہے، اس میں عورت کی جان یا عضو کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔

لیکن وہ امراض جو سخت مہلک ہوتے ہیں، مثلاً ایڈز، تو اگر شادی ہو گئی، اور دونوں میں جنسی ملا قات بھی ہوئی، تو اس کی کوئی تلافی ممکن نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ تفریق کر دی جائے گی، لیکن ایڈز کے وہ جراثیم جو جنسی عمل کے دوران عورت کے اندر منتقل ہو چکے ہوں، ان کی تلافی کس طرح کی جا سکتی ہے، یہ تو عورت کے لئے یا عورت مبتلا ہو تو مرد کے لئے سخت مہلک ثابت ہو سکتے ہیں۔

اس لئے مسئلہ یہاں محض نکاح اور تفریق نکاح کا نہیں، بلکہ تحفظ جان کا بھی ہے، جو ڈاکٹر کا منصبی فریضہ ہے، اس لئے اس صورت میں اس پر لازم ہے کہ وہ فریق ثانی کو مریض یا مریضہ کے مرض یا عیب کی اطلاع کرے۔

مریض چشم ڈرائیور کے لئے ڈاکٹر کا رویہ

(۴) ایک شخص کے پاس ڈرائیونگ لائسنس ہے، اسکی بینائی بری طرح متاثر ہو چکی ہے، ڈاکٹر کی رائے میں اس کا گاڑی چلانا اس کے اور دوسروں کے لئے مہلک ثابت ہو سکتا ہے، ایسا شخص اگر ڈاکٹر کے منع کرنے کے باوجود گاڑی چلاتا ہے، تو ڈاکٹر کی ذمہ داری ہو گی کہ وہ متعلقہ محکمہ کو اس کی بینائی کے بارے اطلاع کرے، اور درائیونگ لائسنس منسوخ کرنے کی سفارش کرے، خواہ وہ پرائیوٹ طور پر گاڑی چلاتا ہو، یا گاڑی چلانے کی ملازمت کرتا ہو، اور اگر چہ اس کا پورا اندیشہ ہو کہ ڈاکٹر کی رپورٹ پر ڈرائیور کی ملازمت خطرے میں پڑ جائے گی، لیکن اس کے ساتھ چونکہ بہت سے لوگوں کی جان وابستہ ہے، اس بنا پر ضرر خاص کو ضرر عام سے بچنے کے لئے گوارا کرنا پڑے گا[697]

منشیات کا مریض ڈرائیور

(۵) اگر کوئی شخص کسی ایسی ملازمت پر ہو جس سے بہت سے لوگوں کی زندگیوں کا تحفظ وابستہ ہے، مثلا ہوائی جہاز کا پائلٹ، یا ٹرین، یا بس وغیرہ کا ڈرائیور، یہ شخص شراب یا دوسری نشہ آور چیزوں کا بری طرح عادی ہے، اور کسی ڈاکٹر کے زیر علاج ہے، نشہ کو ترک نہیں کرتا، اور اسی حالت میں ملازمت کے فرائض کو انجام دیتا ہے، تو اگر داکٹر کو امید ہو کہ وہ بہت جلد علاج کے بعد نشہ ترک کردے گا، یا یہ کہ اتنا نشہ استعمال نہیں کرتا کہ وہ بے خود ہو جائے، اور فرائض کی تکمیل متاثر ہو، تب تو افشاء راز کی ضرورت نہیں ہے، بصورت دیگر ڈاکٹر کی ذمہ داری ہو گی، کہ وہ متعلقہ محکمہ کو اس مریض کے بارے میں خبر کر دے، کہ یہ شخص کثرت سے شراب یا نشہ آور چیزوں کا استعمال کرتا ہے، تا کہ اس کی غلطی سے دوسرے مسافروں کو نقصان

----- حواشی -----

697 ۔ الاشباہ: ج ۱ ص / ۳۸۰

نہ پہونچے۔

ناجائز حمل کی پردہ داری

(۶) اگر کسی عورت کو ناجائز حمل تھا، اس عورت سے بچہ پیدا ہوا، اور وہ اس نومولود کو کسی شاہ راہ، یا پارک، یا کسی اور مقام پر زندہ حالت میں چھوڑ کر چلی آئی، تاکہ سماج میں بدنامی سے بچ جائے، اس نے ڈاکٹر سے رابطہ قائم کیا، اور ڈاکٹر کو اس صورت حال کی خبر دی، تو ایسی صورت میں ڈاکٹر کو چاہیئے کہ وہ اس عورت کی رازداری کرے، اور اس کے غلط اقدام کے بارے میں کسی کو خبر نہ دے، اس لئے کہ یہی وہ موقع ہے، جس کے لئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا، کہ:

جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، قیامت کے دن خدا اس کی پردہ داری کرے گا[698]

بلکہ اس موقع پر کوئی اس سے اس ناجائز بچہ کی حقیقت دریافت بھی کرے تو ڈاکٹر کو اپنی لاعلمی کا اظہار کر دینا چاہیئے، یا کسی مناسب طریقہ سے اس کو ٹال دینا چاہیئے، اس طور پر کہ خود بھی کسی مصیبت میں نہ پھنسے، اور دوسرا بھی محفوظ رہے[699]

منشیات کے مریض کا نفسیاتی علاج

(۷) ایک شخص شراب کا یا کسی اور نشہ آور چیز کا بہت بری طرح عادی ہے، اور اپنی اس بری عادت کو خواہش کے باوجود نہیں چھوڑ پا رہا ہے، اس شخص نے یا اس کے گھر والوں نے ایک ماہر نفسیات ڈاکٹر سے اس مریض کا علاج کرانے کے لئے رابطہ قائم کیا، ڈاکٹر نفسیاتی علاض کے مختلف طریقے مریض پر آزما چکا، لیکن اسے کامیابی نہیں مل سکی، اور یہ شخص برابر شراب یا منشیات کا رسیا رہا، اس ماہر نفسیات ڈاکٹر کے پاس اب ایک ہی طریقۂ علاج باقی بچا ہے، وہ یہ کہ مریض کو وقفہ وقفہ سے وہی شراب یا نشہ آور چیز استعمال کرنے

----- حواشی---

[698] - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج 8 ص 21 حديث نمبر :6759 المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق :الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت الطبعة :عدد الأجزاء : ثمانية أحزاء في أربع مجلدات

[699] ۔شامی:ج۵ص/۳۰۳

کی تجویز کرے، جس کا وہ عادی ہے، لیکن مریض کے علم میں لائے بغیر اس میں کوئی ایسی دوا شامل کرادے کہ شراب یا نشہ آور چیز کے استعمال کے بعد وہ مریض کافی دیر تک متلی یا قے وغیرہ کی شکایت میں گرفتار رہے، اس طرح مریض کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جائے گی، کہ میں شراب یا نشہ آور چیز کا استعمال کروں گا تو متلی اور قے میں گرفتار ہو جاؤں گا، یہ طریقۂ علاج بہت سے مریضوں پر کارآمد ثابت ہوتا ہے، اور شرعی لحاظ سے بھی کوئی مضائقہ نہیں، اس لئے کہ اگرچہ اس میں بظاہر مریض کو ایک ناجائز اور حرام چیز کا مشورہ دیا جا رہا ہے، لیکن در حقیقت اس میں تخفیف اور شراب سے نفرت پیدا کرنا مقصود ہے، اور مشہور فقہی اصول ہے ،"الامور بمقاصدها" امور میں مقاصد کا اعتبار ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ اس کا تعلق اصلاح سے ہے، اور اصلاح ہمیشہ تدریج کے ساتھ ہی کامیاب رہتی ہے، خود عہد نبوت میں شراب اور دوسری بہت سی ممنوعات میں تدریج کا طریقہ اختیار کیا گیا، اس بنا پر ماہر نفسیات ڈاکٹر کا نفسیاتی طریقۂ علاج نہ صرف جائز بلکہ محمود و پسندیدہ ہوگا ان شاء اللہ۔

جرائم پیشہ افراد کے بارے میں ڈاکٹر کا رویہ

(۸) بہت سے جرائم پیشہ افراد ماہر نفسیات ڈاکٹر کے زیر علاج ہوتے ہیں، یہ لوگ اپنے جرائم پیشہ ہونے کا حد درجہ اخفاء کرتے ہیں کہ کسی کو اس کی خبر نہ ہو سکے، مثلاً ایک شخص جاسوسی کرتا ہے، اور لوگوں کے راز مختلف ذرائع سے حاصل کر کے دوسرے افراد یا پارٹیوں تک پہونچاتا ہے، اس کی جاسوسی سے بہت سے لوگوں کا غیر معمولی نقصان ہوتا ہے، ایسا جاسوس بسا اوقات نفسیاتی الجھنوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا ہے، نفسیاتی الجھن کی وجہ سے بسا اوقات اسے بے خوابی اور دوسری شکایتیں پیدا ہو جاتی ہیں، اور وہ ڈاکٹر سے رابطہ قائم کرتا ہے، اسے اپنے پیشہ اور جرائم کی خبر دیتا ہے، ایسے بعض لوگ اپنے پیشوں اور جرائم کو انتہائی غلط سمجھتے ہیں، لیکن چونکہ ان کے معاشی مفادات اس پیشہ یا جرم سے وابستہ ہو گئے ہیں، اس لئے اسے ترک کرنے کا فیصلہ نہیں کر سکتے، ڈاکٹر کو اس مریض کے بتانے سے اس کے ناجائز پیشہ اور جرم کی خبر ہو چکی ہے، ایسی صورت میں ڈاکٹر کی ذمہ داری ہے کہ وہ مریض کے پیشہ اور جرم کی شدت محسوس کرتے ہوئے حکومت کے متعلقہ محکمہ کو اس طور پر خبر کرے، کہ خود ڈاکٹر کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ

نہ ہو، لیکن اگر ڈاکٹر محسوس کرے کہ میری مخبری سے مجھے کوئی نقصان پہونچ سکتا ہے، اور میں جرائم پیشہ لوگوں کی زد میں آسکتا ہوں، تو ڈاکٹر پر مخبری واجب نہیں [700]

ملا علی قاری کی یہ عبارت اس سلسلے میں کافی بصیرت افزاء ہے:

"و لوراٰہ فی معصیۃ فینکرھا بحسب القدرۃ وان عجز یر فعھاالی الحاکم اذا لم یترتب علیہ المفسدۃ" [701]

ترجمہ: یعنی اگر کسی کو کسی مصیبت میں مبتلا دیکھے تو حتی الامکان اس پر نکیر کرے، ور نہ حاکم وقت تک معاملہ پہونچائے، بشرطیکہ اس کو کسی مفسدہ اور پریشانی میں مبتلا ہو نے کا خطرہ نہ ہو۔

علامہ نوویؒ نے بھی یہی بات لکھی ہے:

"فاماالمعروف بذلک فیستحب ان لا یسترعلیہ بل تر فع قضیتہ الی ولی الامران لم یخف من ذلک مفسدۃ لان السترعلی ھٰذا یطمعہ فی الایذا ء و الا فسا د و انتھا ک الحر مات وجسارۃ غیرہ علی مثل فعلہ" [702]

ایک بے گناہ کی رہائی کے لئے ڈاکٹر کا اقدام

(۹) ایک شکل یہ ہے کہ کسی مریض (مثلا نفسیاتی مریض) نے کسی جرم کا ارتکاب کیا، مثلا کسی کو قتل کیا، یا اس طرح کی کوئی اور سنگین واردات کی، اور ڈاکٹر کے پاس اپنے اس جرم کا اقرار کیا، اس جرم پر شبہ کی بنیاد پر دوسرا بے گناہ شخص ماخوذ ہو گیا، اس کے خلاف مقدمہ دائر ہو گیا، اس بات کا پورا اندیشہ ہے، کہ وہ دوسرا شخص جو دراصل بے گناہ ہے، عدالت میں مجرم قرار دیا جائے گا، اور سزایاب ہو گا، ایسی صورت میں

----- حواشی -----

[700] ۔ شامی: ج۵ ص/ ۲۸۹، بزازیہ: ج۶ ص/ ۳۷۰

[701] ۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ: ج۱ ص/ ۲۷۰

[702] ۔ شرح مسلم للنووی: ج۲ ص/ ۳۲۰

اگر ڈاکٹر کو اپنے آپ پر کوئی جانی یا مالی خطرہ نہ ہو، تو اس کی ذمہ داری ہے، کہ اپنے مجرم مریض کا راز افشاء کرتے ہوئے عدالت میں جاکر بیان دے، تاکہ بے گناہ شخص کی رہائی ہو سکے، لیکن اگر ڈاکٹر کو قانونی شہادتوں کے نہ ہونے کی بنا پر عدالت میں کسی قانونی گرفت یا بے عزتی کا اندیشہ ہو، یا مریض کے جرائم پیشہ دوستوں سے اس کو کوئی خطرہ ہو، تو راز داری برتنے ہی میں اس کے لئے خیر ہے، قرآن کریم نے کہا ہے:

"ولا تلقوا بأيديكم الى التهلكة"[703]

ترجمہ: اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

واللہ اعلم بالصواب علمہ اتم واحکم

تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

۱-الف: علاج کرنے کا حق اس شخص کو حاصل ہے جو فن کا علم رکھتا ہو، اور تجربہ کار ہو، اور اس کے علم و تجربہ کی کسی مستند و معتبر ذریعہ نے تصدیق کی ہو، صحیح علم و تجربہ کے بغیر علاج معالجہ کرنا جائز نہیں۔

ب: جس شخص کو علاج معالجہ کی شرعاً اجازت نہیں ہے اگر اس کے علاج کی وجہ سے مریض کو غیر معمولی ضرر لاحق ہو جائے تو ضمان عائد ہو گا۔

۲-: اگر کسی مستند معالج نے علاج میں کوئی کوتاہی کی، اور اس کی وجہ سے مریض کو ضرر پہونچ گیا، تو معالج ضامن ہو گا۔

۳-اسی طرح قدرت کے باوجود مریض یا اس کے اولیاء کی اجازت کے بغیر اگر ڈاکٹر مریض کا آپریشن کر دے، اور آپریشن مضر یا مہلک ثابت ہو تو ضمان لازم آئے گا۔

۴-اگر مریض بے ہوش ہے اور اس کے اولیاء وہاں موجود نہ ہوں اور ڈاکٹر یہ محسوس کرتا ہو کہ اس کی جان یا عضو کی حفاظت کے لئے فوری آپریشن ضروری

----- حواشی--

[703] ۔ البقرۃ:۹۵

ہے، اور اس نے اجازت کے بغیر آپریشن کر دیا، مگر مریض کو نقصان پہونچ گیا تو ڈاکٹر ضامن نہ ہو گا۔

۵- اگر کسی شخص کے رشتۂ نکاح کی بات چل رہی ہے اور وہ کسی مرض یا عیب میں مبتلا ہے جس پر مطلع ہونے کے بعد مخطوبہ عورت اس سے نکاح کرنے پر راضی نہ ہو گی، ڈاکٹر کو اپنے مریض کے مرض یا عیب کا علم ہے اس صورت میں اگر عورت یا اس کا ولی ڈاکٹر سے ملاقات کر کے مریض کے مرض یا عیب کے بارے میں رشتۂ نکاح کے حوالہ سے مریض کی صحیح صورت حال معلوم کرنا چاہیں تو ڈاکٹر کے لئے ضروری ہے کہ صحیح صورت حال کی خبر دے دے، لیکن ڈاکٹر سے اگر اس بارے میں عورت یا اس کے اولیاء نے رابطہ قائم نہیں کیا تو اس کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ عورت یا اس کے اولیاء کو اس مرض یا عیب کی اطلاع دے۔

۶- ڈرائیور کی بینائی کے متاثر ہونے کی صورت میں ڈاکٹر پر ضروری ہو گا کہ وہ متعلقہ محکمہ کو باخبر کر دے، اسی طرح ہوائی جہاز کا پائلٹ یا ٹرین اور بس کا ڈرائیور اگر نشہ کا عادی ہو اور اس سے مسافروں کو خطرہ لاحق ہو تو ڈاکٹر پر لازم ہو گا کہ وہ متعلقہ محکمہ کو آگاہ کر دے۔

۷- اگر ڈاکٹر کو اپنے مریض کے جرم کی اطلاع ہو اور جرم میں کوئی بے گناہ شخص ماخوذ ہو رہا ہو تو اس بے گناہ شخص کی برأت کے لئے ڈاکٹر پر حقیقت حال کا اظہار ضروری ہے، رازداری سے کام لینا اس کے لئے جائز نہ ہو گا۔

ایڈز سے متعلق مسائل

۱- اگر کوئی مرد ایڈز کا مریض ہو مگر اس نے اپنا مرض ظاہر کئے بغیر کسی خاتون سے نکاح کر لیا تو ایسی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہو گا۔

اور اگر نکاح کے بعد مرد اس بیماری میں مبتلا ہو جائے اور خطرناک حد تک پہونچ

جائے تو خاتون کے لئے فسخ نکاح کا حق ہو گا۔

۲- ایڈز کی مریضہ اگر حاملہ ہو جائے اور مستند ڈاکٹروں کی رائے میں غالب گمان یہ ہے کہ بچہ بھی اس مرض سے متاثر ہو گا تو ایسی صورت میں حمل میں جان آنے سے پہلے جس کی مدت فقہاء نے ایک سو بیس دن لکھی ہے، اسقاط کرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔

۳- ایڈز کے مریض کو اگر مرض نے پورے طور پر اپنی گرفت میں لے لیا ہو اور وہ زندگی کے معمولات کو ادا کرنے سے معذور ہو گیا ہو تو ایسے شخص کو مرض موت کا مریض سمجھا جائے گا۔

۴- ایڈز کے مریض کی یہ اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھر والوں یا متعلقین کو اس مرض سے مطلع کر دے اور خود بھی احتیاطی تدابیر ملحوظ رکھے۔

۵- ایڈز کا مریض اگر اپنے مرض کو چھپانے پر ڈاکٹر سے اصرار کر رہا ہے اور ڈاکٹر کی رائے میں اس کے مرض کو راز میں رکھنے سے اس کے اہل خانہ، متعلقین، اور سماج کو ضرر لاحق ہونے کا قوی اندیشہ ہے تو ڈاکٹر کی ذمہ داری ہے کہ محکمۂ صحت اور متعلقہ حضرات کو اس کی اطلاع کر دے۔

۶- ایڈز اور دوسرے متعدی امراض میں مبتلا افراد کے بارے میں ان کے اہل خانہ، متعلقین اور سماج کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان کو تنہا اور بے سہارا نہ چھوڑیں، طبی احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی پوری نگہداشت کریں، اور انہیں علاج معالجہ اور احتیاطی تدابیر فراہم کرنے میں پورا تعاون کریں۔

۷- ایڈز زدہ بچے بچیوں کو تعلیم سے محروم کرنا درست نہیں ہے، ضروری احتیاطی طبی تدابیر کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی تعلیم و تربیت کا نظم کیا جائے۔

۸-طاعون زدہ علاقے میں آمد ورفت پر پابندی مستحسن چیز ہے، البتہ ضرورت ومجبوری کے حالات مذکورہ پابندی سے مستثنیٰ ہیں۔

۹-ایڈز کے مرض میں مبتلا شخص کا اپنے مرض کی نوعیت سے واقف ہونے کے باوجود اس مرض کو کسی بھی صحت مند انسان کی طرف عمداً منتقل کرنا حرام ہے، اور ایسا کرنا گناہ کبیرہ ہے، اس طرح کے عمل کا مرتکب اس عمل کی نوعیت اور اس کے فرد یا معاشرے پر برے اثرات پڑنے کے اعتبار سے سزا کا مستحق ہے[704]۔

----- حواشی --

704-جدید مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے ص ۱۳۷ تا ۱۴۲

کرونا وبا- شرعی تصور اور فقہی احکام[705]

کرونا ایک وبائی بیماری ہے، جو مبصرین کے مطابق چین سے شروع ہوئی اور پھر اس نے عالمی وبا کی شکل اختیار کرلی، جس کی دہشت نے تقریباً دو سال (۲۰۲۰ء، ۲۰۲۱ء) کے عرصے میں عالمی نظام کے بڑے حصہ کو معطل کر کے رکھ دیا ہے، اس طرح کی خوفناک بیماریاں گذشتہ صدیوں میں بھی آتی رہی ہیں، مگر وسائل ابلاغ اور باہم رابطوں کی کمی کی وجہ سے ان کو وہ شہرت حاصل نہ ہو سکی، جو موجودہ "کرونا" کو حاصل ہوئی، مثلاً:

کرونا سے قبل تاریخ انسانی کی مہلک ترین وبائی بیماری

کہا جاتا ہے کہ چودہویں صدی عیسوی کے آغاز میں ایک مہلک وبا آئی تھی، جس میں گردن، بغل یا ٹانگوں میں گلٹی نکلتی تھی، پھر بخار اور نقاہت کی علامات کے ساتھ سانس کی تکلیف شروع ہو جاتی تھی، اور چند روز کے بعد مریض کی موت واقع ہو جاتی تھی، اس مہلک بیماری کو تاریخ میں "کالی موت" (Black Death) کا نام دیا گیا ہے، اس کی ابتدا بھی چین سے ہوئی تھی، اور اکتوبر ۱۳۴۷ء میں تاجروں کے ذریعہ سسلی (اٹلی) پہونچی اور کم وبیش ایک سال کے قلیل عرصے میں اسپین، فرانس، برطانیہ، پرتگال، جرمنی اور یورپ کے دوسرے ملکوں میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی، اس وقت یورپ کی کل آبادی تقریباً آٹھ کروڑ تھی، لیکن صرف چار سال کے عرصے میں اس بیماری کی وجہ سے پانچ کروڑ افراد لقمۂ اجل بن گئے، مصر کی آبادی کا چالیس فی صد حصہ وبا کی نذر ہو گیا، ایشیائی ملکوں میں مکہ مکرمہ، موصل، بغداد اور بھی کئی علاقے اس کی زد میں آئے، بازار اور راستے لاشوں سے بھر گئے، ڈاکٹروں نے اپنی جان کے خوف سے علاج سے انکار کر دیا، اس وبا

----- حواشی --

705 - تحریر بمقام جامعہ ربانی منوروا شریف، بتاریخ ۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۳ھ مطابق ۱۷/ دسمبر ۲۰۲۱ء بروز جمعہ

کو تاریخ انسانی کی سب سے بدترین اور مہلک وبا قرار دیا گیا ہے، جس میں صرف چار پانچ سال کی مدت کے دوران یورپ اور ایشیا میں تقریباً بیس کروڑ افراد موت کی آغوش میں چلے گئے[706]۔

محور اول

کرونا جیسی وبائی بیماریوں کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض بیماریاں طبی اعتبار سے متعدی ہوتی ہیں، اور باہم اختلاط سے سبب کے درجہ میں پھیلتی بھی ہیں، مگر ایک مؤمن کے لئے یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی بیماری کسی کو نہیں لگ سکتی، اس لئے بیمار شخص کے ساتھ ہر ممکن مدارات و مراعات کا معاملہ کرنا صحتمند لوگوں کی ذمہ داری ہے، اور اس کے علاج و تحفظ کے لئے ہر ممکن کوشش کرنا بھی ضروری ہے، البتہ سبب کے درجہ میں اگر مستند اور معتبر اطباء اختلاط سے منع کریں، اور ملنے جلنے کو محدود کرنے کی تجویز دیں تو مریض کی نگہداشت اور ادائے حقوق کے پورے انتظام کے ساتھ احتیاطی تدابیر اختیار کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، اور یہ توکل کے منافی نہیں ہے، ظاہری اسباب و تدابیر کے اختیار کرنے سے شریعت نے کبھی نہیں روکا ہے ۔۔۔۔ جیسا کہ "کرونا وبا" کے بارے میں ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ یہ ایک متعدی بیماری ہے، جو باہم اختلاط سے تیزی کے ساتھ پھیلتی ہے، اور اس سے تحفظ کا بڑا ذریعہ تنہائی اور گوشہ نشینی ہے اور یہ پرہیز ہی اصل علاج ہے ۔۔۔۔ شریعت اس خیال کو مسترد نہیں کرتی، احادیث طاعون میں اس کی رہنمائی موجود ہے، جن میں طاعون کے موقعہ پر لوگوں کو اپنے اپنے مقام پر رہنے کی تاکید کی گئی ہے، اور ادھر سے ادھر سفر، اختلاط اور نقل مکانی سے روکا گیا ہے:

☆قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الطاعون رجس أرسل على طائفة من بني إسرائيل أو على من كان قبلكم فإذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا

----- حواشی ---

706 -عالمی وبا کورونا وائرس اور احکام و مسائل ص ۱۰ مفتی شبیر احمد عثمانی، ڈیوزبری، ناشر مدرسہ حرا اسٹین کلف ڈیوزبری برطانیہ، ۲۰۲۰ء

عليه وإذاوقع بأرض وأنتم بهافلاتخرجوا فرارا منه[707]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ طاعون ایک عذاب ہے، جو بنی اسرائیل کی ایک جماعت پر یا تم سے پہلے لوگوں پر بھیجا گیا تھا، پس جب تم سنو کہ کسی مقام پر طاعون ہے تو تم وہاں نہ جاؤ، اور جب کسی جگہ طاعون پھیل جائے تو وہاں سے راہ فرار اختیار مت کرو۔

عَنْ سَعْدٍ أَنَّ الطَّاعُونَ ذُكِرَعِنْدَرَسُولِ اللَّهِﷺفَقَالَ«إِنَّهُ رِجْزٌأُصِيبَ بِهِ مِنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَإِذَا كَانَ بِأَرْضٍ فَلاَ تَدْخُلُوهَاوَإِذَا كُنْتُمْ بِأَرْضٍ وَهُوَبِهَافَلاَ تَخْرُجُوامِنْهَا»[708]

ترجمہ: حضرت سعد بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے طاعون کا ذکر آیا تو آپ نے ارشاد فرمایا یہ ایک عذاب ہے جو تم سے پہلی امتوں پر نازل ہوا تھا، اس لئے کسی مقام پر طاعون ہو تو وہاں نہ جاؤ اور اگر تمہارے مقام پر طاعون پھیل جائے تو وہاں سے باہر نہ نکلو۔

☆عن عبد الله بن عباس:أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه خرج إلى الشأم حتى إذا كان بسرغ لقيه أمراء الأجناد أبوعبيدةبن الجراح وأصحابه فأخبروه أن الوباء قد وقع بأرض الشأم . قال ابن عباس فقال عمر ادع لي المهاجرين الأولين فدعاهم فاستشارهم وأخبرهم أن الوباء قدوقع

----- حواشی---

[707] - الجامع الصحيح ج3ص 1281 المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا * الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج 7 ص 26 حديث نمبر :5903 المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق :الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت الطبعة :عدد الأجزاء : ثمانية أحزاء في أربع مجلدات

[708] - مسند الإمام أحمد بن حنبل ج 1 ص 176 حديث نمبر :1527 المؤلف : أحمد بن حنبل أبو عبدالله الشيباني الناشر : مؤسسة قرطبة – القاهرة عدد الأجزاء : 6 الأحاديث مذيلة بأحكام شعيب الأرنؤوط عليها

بالشأم فاختلفوا فقال بعضهم قد خرجت لأمرولانرى أن ترجع عنه وقال بعضهم معك بقية الناس وأصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم و لا نرى أن تقدمهم على هذا الوباء فقال ارتفعوا عني ثم قال ادع لي الأنصار فدعوتهم فاستشارهم فسلكوا سبيل المهاجرين و اختلفوا كاختلافهم فقال ارتفعوا عني ثم قال ادع لي من كان ها هنامن مشيخة قريش من مهاجرة الفتح فدعوتهم فلم يختلف منهم عليه رجلان فقالوانرى أن ترجع بالناس ولا تقدمهم على هذاالوباء فنادى عمر في الناس إني مصبح على ظهر فأصبحوا عليه . قال أبو عبيدة بن الجراح أفرارا من قدر الله ؟ فقال عمر لو غيرك قالها يا أبا عبيدة ؟ نعم نفر من قدر الله إلى قدر الله أرأيت لو كان لك إبل هبطت واديا له عدوتان إحداهما خصبة والأخرى جدبة أليس إن رعيت الخصبةرعيتها بقدر الله وإن رعيت الجدبة رعيتها بقدر الله ؟قال فجاءعبد الرحمن بن عوف وكان متغيبا في بعض حاجته فقال إن عندي في هذاعلما سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول (إذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا عليه وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فرارا منه) قال فحمد الله عمر ثم انصرف[709]

***عن عمرو بن الشريد عن أبيه : أن مجذوما أتى النبي صلى الله عليه و سلم ليبايعه فأتيته فذكرت له فقال:ائته فأعلمه أني قد بايعته فليرجع**[710]

ترجمہ: حضرت شریدؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مجذوم (کوڑھی شخص) نبی کریم ﷺ

----- حواشی---

[709] -الجامع الصحيح ج5ص **2163** حديث نمبر : **5397** المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، **1407 – 1987** تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : **6** مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا

[710] - المعجم الكبير ج **7** ص **317** المؤلف : سليمان بن أحمد بن أيوب أبو القاسم الطبراني الناشر : مكتبة العلوم والحكم – الموصل الطبعة الثانية ، **1404 –1983**تحقيق:حمدي بن عبدالمجيد السلفي عدد الأجزاء : **20**

کے پاس بیعت کے لئے حاضر ہوا، تو میں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا ذکر کیا، تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس سے جا کر کہہ دو کہ میں نے اس کی بیعت کر لی ہے، وہ واپس چلا جائے۔

☆ **وعن أبي سلمة سمع أبا هريرة بعد يقول قال النبي صلى الله عليه و سلم (لايوردن ممرض على مصح)**[711]

ترجمہ: حضرت ابو سلمہؓ بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے سنا کہ رسول الله ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیمار جانور کو تندرست جانور کے پاس نہ لایا جائے۔

جب کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے « **لاَ عَدْوَى وَلاَ طِيَرَةَ وَلاَ صَفَرَ وَلاَ هَامَةَ** » کی روایت بھی منقول ہے، لیکن جب حضرت ابو سلمہؒ نے اس روایت کے بارے میں ان سے دریافت کیا اور اصرار کے ساتھ پوچھا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا، اور تھوڑے ناراض بھی ہوئے[712]، گو کہ یہ روایت (لاعدویٰ۔۔۔) دیگر صحابہ مثلاً حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ وغیرہ سے بھی منقول ہے[713]۔

اس طرح کی متعدد روایات کو سامنے رکھ کر علماء محققین کا موقف عدل یہ ہے کہ بعض بیماریوں میں متعدی ہونے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے، مگر وہ حکم خداوندی کے بغیر متعدی نہیں ہو سکتیں، اس لئے

----- حواشی---

[711] - الجامع الصحيح ج5ص 2177 حديث نمبر :5437 المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا

[712] -الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج 7 ص 31 حديث نمبر :5923 المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق :الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت الطبعة :عدد الأجزاء : ثمانية أحزاء في أربع مجلدات

[713] -الجامع الصحيح ج5ص2161 ،2171 ، 2177 المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا

سبب کے درجہ میں تو ان سے احتیاط ضروری ہے، لیکن اس اعتقاد کا دامن ہر گز ہاتھ سے نہ چھوٹے کہ اللہ کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا:

امام طحاویؒ رقمطراز ہیں:

هُوَ – عِنْدَنَا ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ – عَلَى أَنْ لَا يَقْدُمَ عَلَيْهِ رَجُلٌ ، فَيُصِيبَهُ بِتَقْدِيرِ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ عَلَيْهِ أَنْ يُصِيبَهُ فَيَقُولَ " لَوْلَا أَنِّي قَدُمْت هَذِهِ الْأَرْضَ ، مَا أَصَابَنِي هَذَاالْوَجَعُ " وَلَعَلَّهُ لَوْ أَقَامَ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي خَرَجَ مِنْهُ لَأَصَابَهُ فَأُمِرَ أَنْ لَا يَقْدُمَهَا،خوْفًامِنْ هَذَاالْقَوْلِ.وَكَذَلِكَ أُمِرَ أَنْ لَايَخْرُجَ مِنْ الْأَرْضِ الَّتِي نَزَلَ بِهَا،لِئَلَّا يَسْلَمَ فَيَقُولَ "لَوْ أَقَمْت فِي تِلْكَ الْأَرْضِ ، لَأَصَابَنِي مَا أَصَابَ أَهْلَهَا " وَلَعَلَّهُ لَوْ كَانَ أَقَامَ بِهَا ، مَا أَصَابَ بِهِ مِنْ ذَلِكَ شَيْءٌ .فَأُمِرَ بِتَرْكِ الْقُدُومِ عَلَى الطَّاعُونِ لِلْمَعْنَى الَّذِي وَصَفْنَا،وَبِتَرْكِ الْخُرُوجِ عَنْهُ ،لِلْمَعْنَى الَّذِي ذَكَرْنَا.وَكَذَلِكَ مَارَوَيْنَاعَنْهُ فِي أَوَّلِ هَذَا الْبَابِ ، مِنْ قَوْلِهِ { لَا يُورِدُ مُمْرِضٌ عَلَى مُصِحٍّ } فَيُصِيبُ الْمُصِحَّ ذَلِكَ الْمَرَضُ ، فَيَقُولُ الَّذِي أَوْرَدَهُ عَلَيْهِ " لَوْ أَنِّي لَمْ أُورِدْهُ عَلَيْهِ ،لَمْ يُصِبْهُ مِنْ هَذَا الْمَرَضِ شَيْءٌ " وَلَعَلَّهُ لَوْ لَمْ يُورِدْهُ أَيْضًا لَأَصَابَهُ كَمَاأَصَابَهُ لَمَّا أَوْرَدَهُ.فَأُمِرَ بِتَرْكِ إيرَادِهِ وَهُوَ صَحِيحٌ ، عَلَى مَا هُوَ مَرِيضٌ ، لِهَذِهِ الْعِلَّةِ الَّتِي لَا يُؤْمَنُ عَلَى النَّاسِ وُقُوعُهَا فِي قُلُوبِهِمْ وَقَوْلِهِمْ،مَا ذَكَرْنَا بِأَلْسِنَتِهِمْ[714]

علامہ نوویؒ لکھتے ہیں:

ومثال الجمع حديث(لاعدوى)مع حدبث(لايورد ممرض على مصح) وجه الجمع أن الأمراض لاتعدى بطبعها ولكن جعل الله سبحانه وتعالى مخالطتهاسببا للاعداء فنفى فى الحديث الاول مايعتقده الجاهلية من

----- حواشی---

[714] - شرح معاني الآثار ج 5 ص 458المؤلف : أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة بن عبد الملك بن سلمة الأزدي الحجري المصري المعروف بالطحاوي (المتوفى : 321هـ)

العدوى بطبعهاوأرشد فى الثانى إلى مجانبة ما يحصل عنده الضرر عادة بقضاء الله وقدره وفعله[715]

حافظ ابن حجرؒ تحریر فرماتے ہیں:

وأماماثبت عن النبي صلى الله عليه و سلم أنه قال لا عدوى فهو على الوجه الذي كانوايعتقدونه في الجاهلية من إضافة الفعل إلى غير الله تعالى وقد يجعل الله بمشيئته مخالطةالصحيح من به شيء من هذه العيوب سبباالحدوث ذلك ولهذا قال صلى الله عليه وسلم فر من المجذوم فرارك من الأسدوقال لايوردممرض على مصح وقال في الطاعون من سمع به بأرض فلا يقدم عليه وكل ذلك بتقدير الله تعالى وتبعه على ذلك بن الصلاح في الجمع بين الحديثين ومن بعده و طائفة ممن قبله[716]

محور دوم

کرونا کے زمانہ میں عبادات میں تخفیف

مساجد کے بجائے گھروں میں نماز

(۱) کرونا کے زمانے میں جب لوگوں کے اختلاط سے بیماری کے پھیلنے کا واقعی اندیشہ ہو اور معتبر اطباء اس کی تصدیق کریں تو مساجد کے بجائے گھروں میں نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ مسجد کی جماعت کا نظام معطل نہ ہو، اس لئے کہ عذر عام (مثلاً بارش، شدید ٹھنڈک وغیرہ) کی صورت میں شریعت نے مسجد کی

----- حواشی-----

715 -المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج ج 1 ص 35 المؤلف : أبو زكريا يحيى بن شرف بن مري النووي الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت الطبعة الطبعة الثانية ، 1392عدد الأجزاء: 18

716 - فتح الباري شرح صحيح البخاري ج ١٠ ص 161 المؤلف : أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي الناشر : دار المعرفة – بيروت ، 1379 تحقيق : أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي عدد الأجزاء : 13

حاضری کے لزوم میں رخصت دی ہے، لیکن اس پر مداومت نہ کی جائے:

☆**يسقط حضورالجماعةظاهره يعم جماعةالجمعةوالعيدين فيصلي الجمعة ظهراوتسقط صلاة العيدويحررقوله(منهامطر)في شرح المشكاةصح كنامع رسول الله صلى الله عليه وسلم زمن الحديبيةفأصابنامطرلم يبل أسفل نعالنا فنادى منادي رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوافي رحالكم قوله(وبرد شديد)ألحق به الملاعلي في شرح موطأالإمام محمدالحرالشديد-------(ولم يداوم على تركها)**[717]

البتہ اگر کئی افراد ہوں تو نماز باجماعت ادا کرنا بہتر ہے، اوراس جماعت کی فضیلت حاصل ہو گی، متعدد احادیث اور فقہی روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے:

☆**عن عبد الرحمن بن ابی بکرةعن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه و سلم اقبل من نواحى المدينة يريد الصلاة فوجد الناس قد صلوا فمال إلى منزله فجمع اهله فصلى بهم لم يرو هذا الحديث عن خالد الحذاء إلا أبو مطيع معاوية بن يحيى ولا يروى عن أبي بكرة إلا بهذا الإسناد باب**[718]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ مدینہ کے مضافات سے تشریف لائے، آپ نماز ادا کرنا چاہتے تھے، لیکن جماعت ہو چکی تھی، آپ اپنے گھر تشریف لے گئے اور گھر والوں کو جمع کر کے باجماعت نماز ادا فرمائی۔

عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَصَاحِبٌ لِي فَلَمَّا أَرَدْنَا الْإِقْفَالَ مِنْ عِنْدِهِ قَالَ لَنَا إِذَا حَضَرَتْ الصَّلَاةُ فَأَذِّنَا ثُمَّ

----- حواشی---

717 - **حاشية على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح ج1 ص 200 أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحاوي الحنفي سنة الولادة / سنة الوفاة 1231هـ الناشر المطبعة الكبرى الأميرية بولاق سنة النشر 1318هـ مكان النشر مصر**

718 - **المعجم الأوسط ج 5 ص 35 حديث نمبر :4601 المؤلف : أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبراني الناشر : دار الحرمين – القاهرة ، 1415 تحقيق : طارق بن عوض الله بن محمد ,عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني عدد الأجزاء :10**

أَقِيمَا وَلْيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا[719]

★ عن أبي أمامة : ان النبي صلى الله عليه و سلم رأى رجلا يصلي فقال ألارجل يتصدق على هذا يصلي معه فقام رجل فصلى معه فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم هذان جماعة تعليق شعيب الأرنؤوط : صحيح لغيره وهذا إسناد ضعيف جدا[720]

★وَذَكَرَ الْقُدُورِيُّ يَجْمَعُ بِأَهْلِهِ وَيُصَلِّي بِهِمْ يَعْنِي وَيَنَالُ ثَوَابَ الْجَمَاعَةِ وقال شَمْسُ الْأَئِمَّةِ الْأَوْلَى فِي زَمَانِنَا تَتَبُّعُهَا وَسُئِلَ الْحَلْوَانِيُّ عَمَّنْ يَجْمَعُ بِأَهْلِهِ أَحْيَانًا هل يَنَالُ ثَوَابَ الْجَمَاعَةِ أولَا قال لَا وَيَكُونُ بِدْعَةً وَمَكْرُوهًا بِلَا عُذْرٍ[721]

★وسيأتي في الإمامة أن الأصح أنه لو جمع بأهله لايكره وينال فضيلة الجماعة لكن جماعة المسجد أفضل[722]

مساجد میں تعدد جماعت کا مسئلہ

(۲) مساجد میں تکثیر جماعت شرعاً مطلوب ہے، ارشاد نبوی ہے:

وَإِنَّ صَلَاةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ وَحْدَهُ وَصَلَاتُهُ مَعَ الرَّجُلَيْنِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا كَثُرَ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى[723]

----- حواشی---

[719]- الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج 2 ص 134 حديث نمبر: 1570 المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق :الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت الطبعة :عدد الأجزاء : ثمانية أجزاء في أربع مجلدات

[720] - مسند الإمام أحمد بن حنبل ج 5 ص 254 حديث نمبر :22243 المؤلف : أحمد بن حنبل أبو عبدالله الشيباني الناشر : مؤسسة قرطبة – القاهرة عدد الأجزاء : 6 الأحاديث مذيلة بأحكام شعيب الأرنؤوط عليها

[721] -البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 1 ص 367 زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت

[722] -حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفةابن عابدين.ج 1 ص 396 الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشربيروت.عددالأجزاء 8

[723] سنن ابی داؤد باب فضل صلاه الجماعة:248/2 ، رقم:554

لیکن کرونا کے زمانے میں لاک ڈاؤن کی پابندیوں کے دوران مسجد میں بڑی جماعت کا قیام بہت مشکل ہو جاتا ہے، تو کیا چھوٹی چھوٹی چند جماعتوں کی گنجائش ہوگی؟

حنفیہ کے نزدیک عام حالات میں ایسی مساجد میں جہاں اذان وجماعت کا نظام قائم ہو، یعنی امام وغیرہ موجود ہو، جماعت اولیٰ کے بعد دوسری جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے، اوراس کی علت تقلیل جماعت بتائی گئی ہے:

إنْ صَلَّى فِيهِ أَهْلُهُ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ، أَوْ بَعْضُ أَهْلِهِ يُكْرَهُ لِغَيْرِ أَهْلِهِ وَلِلْبَاقِينَ مِنْ أَهْلِهِ أَنْ يُعِيدُوا الْأَذَانَ وَالْإِقَامَةَ،---------وَلِأَنَّ التَّكْرَارَيُؤَدِّي إلَى تَقْلِيلِ الْجَمَاعَةِ؛ لِأَنَّ النَّاسَ إذَا عَلِمُوا أَنَّهُمْ تَفُوتُهُمْ الْجَمَاعَةُفَيَسْتَعْجِلُونَ فَتَكْثُرُ الْجَمَاعَةُ، وَإِذَا عَلِمُوا أَنَّهَا لَا تَفُوتُهُمْ يَتَأَخَّرُونَ فَتَقِلُّ الْجَمَاعَةُ، وَتَقْلِيلُ الْجَمَاعَةِ مَكْرُوهٌ،[724]

مگر حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ اگر دوسری جماعت بہت مختصر یعنی تعداد شرکاء تین سے بھی کم ہو تو اس کی گنجائش ہے:

عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ لَوْكَانَتْ الْجَمَاعَةُ أَكْثَرَمِنْ ثَلَاثَةٍ يُكْرَهُ التَّكْرَارُ وَ إلَّافَلَا[725]

حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر جماعت ثانیہ جماعت اولیٰ کی ہیئت پر نہ ہو تو اس میں حرج نہیں، مثلاً محراب سے ہٹ کر نماز پڑھی جائے، یا بلا اذان واقامت نماز پڑھی جائے وغیرہ، اور حضرت امام محمدؒ کی ایک رائے یہ ہے کہ جماعت ثانیہ بغیر کسی خبر اور اہتمام کے ہو جائے تو کراہت نہیں:

نَعَمْ قَدْ عَلِمْت أَنَّ الصَّحِيحَ أَنَّهُ لَا يُكْرَهُ تَكْرَارُ الْجَمَاعَةِ إذَا لَمْ تَكُنْ عَلَى الْهَيْئَةِ الْأُولَى-------وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ إذَا لَمْ تَكُنْ عَلَى الْهَيْئَةِ الْأُولَى لَا تُكْرَهُ وَإِلَّا تُكْرَهُ وَهُوَ الصَّحِيحُ،وَبِالْعُدُولِ عَنْ

----- حواشی--

724- بدائع الصنائع کتاب الصلاۃ فصل فی بیان محل وجوب الاذان:٦٥٤-٦٥٥/ ابیروت،١/١٥٣جبریل

725 -حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج 1 ص 395 ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء8 -

الْمِحْرَابِ تَخْتَلِفُ الْهَيْئَةُ.[726]

وفِي الْمُجْتَبَى وَيُكْرَهُ تَكْرَارُهَا فِي مَسْجِدٍ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ إِنَّمَايُكْرَهُ تَكْرَارُهَا بِقَوْمٍ كَثِيرٍ أَمَّا إِذَا صلى وَاحِدٌ بِوَاحِدٍ وَاثْنَيْنِ فَلَا بَأْسَ بِهِ وَعَنْهُ لَابَأْسَ بِهِ مُطْلَقًاإِذَا صلى فِي غَيْرِ مَقَامِ الْإِمَامِ وَعَنْ مُحَمَّدٍ إِنَّمَا يُكْرَهُ تَكْرَارُهَاعلى سَبِيلِ التَّدَاعِي أَمَّا إِذَا كان خُفْيَةً فِي زَاوِيَةِ الْمَسْجِدِ لَا بَأْسَ بِهِ[727]

ائمۂ احناف کی ان فقہی آراء کی روشنی میں کرونااور لاک ڈاؤن کی مجبوریوں کے دوران اگر جماعت اولیٰ کی ہیئت تبدیل کردی جائے تووقتی طور پردوسری تیسری جماعتوں کی گنجائش نظر آتی ہے ، بشرطیکہ ہر جماعت کاامام الگ ہو،اس لئے کہ زیر بحث صورت میں تقلیل جماعت کی علت موجود نہیں ہے ،جماعت اولیٰ کی قلت جماعت ثانیہ کی وجہ سے نہیں بلکہ لاک ڈاؤن کی پابندیوں کی بناپر ہے،اسی لئے فقہاء نے ایسی مسجدوں میں جماعت ثانیہ کی اجازت دی ہے جہاں کوئی نظام جماعت قائم نہ ہو،یاتعدد جماعت سے اس کے نظام پر اثر نہ پڑے ،مثلاً دھیمی آواز سے اذان واقامت دے کرکچھ لوگ مسجد میں جماعت کرلیں تودوسری مقررہ اعلانیہ جماعت کرنے میں کچھ حرج نہیں:

وقال الْقُدُورِيُّ لَا بَأْسَ بها فِي مَسْجِدٍ فِي قَارِعَةِ الطَّرِيقِ وفِي أَمَالِي قاضيخان مَسْجِدٌ ليس له إمَامٌ وَلَا مُؤَذِّنٌ وَيُصَلِّي الناس فيه فَوْجًا فَوْجًا فَالْأَفْضَلُ أَنْ يُصَلِّيَ كُلُّ فَرِيقٍ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ على حِدَةٍوَلو صلى بَعْضُ أَهْلِ الْمَسْجِدِ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍمُخَافَتَةًثُمَّ ظَهَرَبَقِيَّتُهُمْ فَلَهُمْ أَنْ يُصَلُّواجَمَاعَةًعلى وَجْهِ الْإِعْلَانِ

----- حواشی---

[726] -حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج 1 ص 395 ،396ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8

[727] - البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 1 ص 367 زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت

اھ[728]

ایک مسجد میں تعدد جمعہ کا مسئلہ

☆جمعہ کا مسئلہ بھی اسی طرح ہے، اگر اس مسجد کے علاوہ کوئی دوسری متبادل جگہ (مسجد یا میدان وغیرہ) میسر نہ ہو تو حسب ضرورت مسجد میں تعدد جمعہ کی گنجائش ہے، فقہاء نے جمعہ کے باب میں ایک جزئیہ لکھا ہے کہ اگر لوگ کسی شخص کے پیچھے جمعہ کی نماز پڑھنے کو اچانک اکٹھے ہو جائیں، تو گو کہ امیر وقت سے اس کی اجازت نہ لی گئی ہو لیکن نماز جمعہ درست ہو جائے گی، جیسا کہ امیر المؤمنین ذوالنورین حضرت عثمان غنی کے محاصرہ کے موقعہ پر ان کی اجازت کے بغیر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جمعہ کی امامت فرمائی تھی جب لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے اچانک جمع ہو گئے تھے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت مقررہ امام کے علاوہ کسی اور کے پیچھے نماز جمعہ پڑھ لی جائے تو گنجائش ہے، بشرطیکہ اس مقام پر نماز جمعہ پڑھی جاتی ہو، اسی سے زیر بحث مسئلہ میں بھی استیناس کیا جا سکتا ہے:

واجتمع الناس على رجل فصلى بهم جاز للضرورة كما فعل علي في محاصرةعثمان رضي الله عنهما وإن فعلوا ذلك لغير ما ذكر لا يجوزلعدم الضرورة و روي ذلك عن محمد في العيون وهوالصحيح[729]

مساجد کے علاوہ گھروں میں جمعہ کی چھوٹی جماعتیں

(۳) اگر مسجد میں ایک یا دو جماعت کے بعد لوگ اپنے گھروں میں چھوٹی جماعتوں کا نظام قائم کریں، تو بوقت ضرورت اس کی بھی گنجائش ہے، بشرطیکہ گھر کے باہری حصے میں ہو یا گھر کا مرکزی دروازہ کھول دیا جائے تا کہ اذن عام کی شرط پوری ہو، اسی طرح امام کے علاوہ کم از کم تین بالغ مرد مقتدی موجود

----- حواشی---

[728] - البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 1 ص 367 زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926ھ/ سنة الوفاة 970ھ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت

[729] - حاشية على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح ج 1 ص 328 أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحاوي الحنفي سنة الولادة / سنة الوفاة 1231ھ الناشر المطبعة الكبرى الأميرية ببولاق سنة النشر 1318ھ مكان النشر مصر

ہوں جن پر جمعہ فرض ہو، صحت جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں ہے۔

★وَ لَوْ نَزَلَ بِأَهْلِ مِصْرٍ نَازِلَةٌ وَخَرَجُوا مِنْ الْمِصْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَصَلَّى بِهِمْ الْإِمَامُ الْجُمُعَةَ إنْ كَانُوا فِي فِنَاءِ الْمِصْرِ صَحَّ ، وَإِنْ كَانُوا بَعِيدًا لَا وَكَذَا صَلَاةُ الْعِيدَيْنِ[730]

★وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ فِي الْمُنْتَقَى لو خَرَجَ الْإِمَامُ عن الْمِصْرِ مع أَهْلِهِ لِحَاجَةٍ مِقْدَارَ مِيلٍ أو مِيلَيْنِ فَحَضَرَتْ الْجُمُعَةُ جَازَ أَنْ يُصَلِّيَ بِهِمْ الْجُمُعَةَ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى لِأَنَّ فِنَاءَ الْمِصْرِ بِمَنْزِلَتِهِ فِيمَا هو من حَوَائِجِ أَهْلِهِ وَأَدَاءُ الْجُمُعَةِمنهااه[731]

★(قَوْلُهُ دَفْعًا لِلْحَرَجِ) لِأَنَّ فِي إلْزَامِ اتِّحَادِ الْمَوْضِعِ حَرَجًا بَيِّنًا۔[732]

★قوله (وأقلها ثلاثة رجال) أطلق فيهم فشمل العبيد والمسافرين والمرضى والأميين والخرسى لصلاحيتهم للإمامة في الجمعة أما لكل أحد أو لمن هومثلهم في الأمي والأخرس فصلحا أن يقتديا بمن فوقهما واحترز بالرجال عن النساء والصبيان فإن الجمعة لا تصح بهم وحدهم لعدم صلاحيتهم للإمامة فيها بحال بحر عن المحيط قوله (ولو غير الثلاثة الذين حضرواالخطبة) أي على رواية اشتراط حضور ثلاثة في الخطبة أما على رواية عدم الاشتراط أصلا أو أنه يكفي حضور واحد فأظهر

----- حواشی---

730 - تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشِّلْبِيِّ ج 1 ص 219 المؤلف : عثمان بن علي بن محجن البارعي ، فخر الدين الزيلعي الحنفي (المتوفى : 743 هـ)الحاشية : شهاب الدين أحمد بن محمد بن أحمد بن يونس بن إسماعيل بن يونس الشِّلْبِيُّ (المتوفى : 1021 هـ)الناشر: المطبعة الكبرى الأميرية – بولاق ، القاهرة الطبعة : الأولى ، 1313 هـ

731 - البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 2 ص 152 زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت

732۔ شامی باب الجمعۃ:۳/۱۵ بیروت،۲/۱۳۵ مکتبۃ جبریل

قوله (سوى الإمام) هذا عند أبي حنيفة ورجح الشارحون دليله واختاره المحبوبي والنسفي كذا في تصحيح الشيخ قاسم [733]

*(و) السابع: (الاذن العام) من الامام،وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين، كافي.فلايضرغلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة،لان الاذن العام مقرر لاهله و غلقه لمنع العدو لا المصلي، نعم لو لم يغلق لكان أحسن كما في مجمع الانهرمعزيالشرح عيون المذاهب[734]

*وَكَذَلِكَ السُّلْطَانُ إذَا أَرَادَ أَنْ يَجْمَعَ بِحَشَمِهِ فِي دَارِهِ فَإِنْ فَتَحَ بَابَ الدَّارِ وَأَذِنَ إذْنًاعَامًّاجَازَتْ صَلَاتُهُ شَهِدَهَاالْعَامَّةُأولم يَشْهَدُوهَاكَذَافِي الْمُحِيطِ[735]

گوکہ اس میں بظاہر تشتت وانتشار پایا جاتا ہے، لیکن ترک جمعہ یا جماعت کے مقابلہ میں یہ تشتت قابل تحمل ہے، ورنہ تجربہ یہ ہے کہ لوگ نماز ہی چھوڑ بیٹھیں گے۔۔۔ البتہ اسی کے ساتھ ایسی کوششیں بھی جاری رہنی چاہئے کہ لوگوں کا مسجد سے رابطہ قائم رہے، اور حالات ٹھیک ہوتے ہی لوگ مسجد کی طرف لوٹ آئیں۔

جمعہ کے دن گھروں میں ظہر کی نماز تنہا ادا کی جائے گی

(۴) جن مقامات پر جمعہ کا نظام قائم ہے اگر وہاں کچھ لوگوں کی جماعت جمعہ فوت ہو جائے یا کسی وجہ سے وہ شریک نہ ہو سکیں، اور جمعہ قائم کرنے کی کوئی شکل موجود نہ ہو، تو وہ اپنے گھروں میں ظہر کی نماز تنہا ادا کریں گے، ایسے مقامات پر جمعہ کے دن جمعہ سے پہلے یا بعد ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے، اس دن مسلمانوں کے لئے دو ہی راستے ہیں، جمعہ میں حاضر ہوں یا ظہر کی نماز تنہا ادا کریں، فقہاء

----- حواشی---

[733] -حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ابن عابدين. ج 2 ص 151الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8

[734] - الدر المختار ، شرح تنوير الأبصار في فقه مذهب الإمام أبي حنيفة ج 2ص 164المؤلف : محمد ، علاء الدين بن علي الحصكفي (المتوفى : 1088هـ)مصدر الكتاب : موقع يعسوب [ترقيم الكتاب موافق للمطبوع

[735] - الفتاوى الهندية [حنفي] ج 4ص 331المؤلف : لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي

نے قیدیوں کے ضمن میں یہ بات لکھی ہے، کہ اگر وہ شہر میں جمعہ نہ پڑھ سکتے ہوں تو ظہر کی نماز تنہا ادا کریں گے:

(قَالَ)وَيُكْرَهُ أَنْ يُصَلِّيَ الظُّهْرَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي الْمِصْرِ جَمَاعَةً فِي سِجْنٍ أَوْفِي غَيْرِسِجْنٍ هَكَذَا رُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ –رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ – وَلِأَنَّ النَّاسَ أَغْلَقُواأَبْوَابَ الْمَسَاجِدِفِي وَقْتِ الظُّهْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي الْأَمْصَارِ فَدَلَّ أَنَّهُ لَا يُصَلِّي جَمَاعَةً فِيهَا وَلِأَنَّ الْمَأْمُورَبِهِ فِي حَقِّ مَنْ يَسْكُنُ الْمِصْرَ فِي هَذَا الْوَقْتِ شَيْئَانِ: تَرْكُ الْجَمَاعَةِوَشُهُودُ الْجُمُعَةِ وَأَصْحَابُ السِّجْنِ قَدَرُواعَلَى أَحَدِهِمَا وَهُوَ تَرْكُ الْجَمَاعَةِ فَيَأْتُونَ بِذَلِكَ۔[736]

(وَكُرِهَ) تَحْرِيمًا(لِمَعْذُورٍ وَمَسْجُونٍ) وَمُسَافِرٍ(أَدَاءُ ظُهْرٍبِجَمَاعَةٍ فِي مِصْرٍ)قَبْلَ الْجُمُعَةِ وَبَعْدَهَا[737]

البتہ یہ حکم عام حالات کے لئے ہے، اور اس کا مقصد جمعہ میں تقلیل جماعت سے بچنا ہے، لیکن کرونا جیسے عارضی حالات میں جب جمعہ میں تقلیل جماعت کا سبب یہ نہ بنے تو وقتی طور پر گھروں میں بھی ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کی گنجائش ہو گی۔

وبا کے زمانہ میں گھروں میں عیدین کی نماز پڑھنا

(۵) عید کے بھی وہی احکام و شرائط ہیں جو جمعہ کے ہیں، البتہ عیدین میں خطبہ دینا سنت ہے واجب نہیں ہے، اس لئے اگر کرونا یا لاک ڈاؤن کی وجہ سے عید گاہ یا مساجد میں عید کی نماز پڑھنے کی گنجائش نہ ہو تو گھر میں یا کسی دوسرے مقام پر عید کی نماز پڑھنا درست ہے، بشرطیکہ گھر کا دروازہ کھلا ہو، اور جماعت میں امام کے علاوہ تین بالغ مرد مقتدی موجود ہوں:

وأماشرائط وجوبهاوجوازهافكل ماهوشرط وجوب الجمعة وجوازها فهو شرط وجوب صلاة العيدين وجوازها من الإمام والمصر والجماعة والوقت

----- حواشی-----

736 ۔ المبسوط للسرخسی،باب صلاة الجمعة:۲/۳۵،۳۶ بیروت،۳۵-۲/۳۶ جبریل

737 ۔ درالمختارمع الشامی کتاب الصلاۃ باب الجمعۃ:۳/۳۲ بیروت،۲/۱۵۷ مکتبۃ جبریل

إلا الخطبةفإنها سنة بعد الصلاة. ولو تركها جازت صلاة العيد.أما الإمام فشرط عندنا لما ذكرنا في صلاة الجمعة وكذا المصر لمارويناعن علي رضي الله عنه أنه قال: لا جمعة و لا تشريق ولا فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع ولم يرد بذلك نفس الفطرو نفس الأضحى ونفس التشريق؛ لأن ذلك مما يوجد في كل موضع بل المراد من لفظ الفطر والأضحى صلاة العيدين؛ ولأنها ما ثبتت بالتوارث من الصدر الأول إلا في الأمصار، ويجوز أداؤها في موضعين؛ لما ذكرنا في الجمعة، والجماعة شرط؛ لأنها ماأديت إلا بجماعة والوقت شرط فإنهالاتؤدى إلافي وقت مخصوص به جرى التوارث، وكذا الذكورة، والعقل، والبلوغ، والحرية، وصحة البدن، والإقامةمن شرائط وجوبها كما هي من شرائط وجوب الجمعة حتى لا تجب على النسوان والصبيان والمجانين والعبيد بدون إذن مواليهم والزمنى والمرضى والمسافرين،كما لا تجب عليهم لما ذكرنا في صلاة الجمعة ولأن هذه الأعذارلما أثرت في إسقاط الفرض فلأن تؤثر في إسقاط الواجب أولى، وللمولى أن يمنع عبده عن حضورالعيدين كما له منعه عن حضورالجمعةلماذكرناهناك[738]

ماسک لگا کر نماز پڑھنا

(٦) الف: عام حالات میں بلا عذر ناک اور منہ وغیرہ کو ڈھانپ کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، لیکن عذر کی صورت میں اس کی گنجائش ہے، اس لئے کرونا سے بچنے کے لئے اگر کوئی شخص ماسک لگا کر نماز پڑھے اور ڈاکٹر اور حکام اس کو لازمی قرار دیں تو اس کو معذور قرار دیا جائے گا، اور نماز بلا کراہت درست ہو گی:

----- حواشی---

[738] - بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج 2 ص 342 تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي 587هـ دار الكتب العلمية – بيروت – لبنان الطبعة الثانية 1406هـ – 1986م

(يكره اشتمال الصماء) لنهيه عليه الصلاة والسلام عنها وهي أن يأخذ بثوبه فيخلل به جسده كله من رأسه إلى قدمه ولا يرفع جانبا يخرج يده منه سمي به لعدم منفذ يخرج منه يده كالصخرة الصماء و قيل أن يشتمل بثوب واحدليس عليه إزاروهواشتمال اليهود زيلعي وظاهر التعليل بالنهي أن الكراهة تحريمية كما في نظائره قوله (والاعتجار)لنهي النبي عنه وهو شدالرأس أو تكوير عمامته على رأسه وترك وسطه مكشوفا و قيل أن يتنقب بعمامته فيغطي أنفه إما للحر أو للبرد أو للتكبرإمداد وكراهته تحريمية أيضالما مر قوله (والتلثم)وهو تغطية الأنف والفم في الصلاة لأنه يشبه فعل المجوس حال عبادتهم النيران زيلعي[739]

صف میں نمازیوں کے درمیان فاصلہ رکھنا

(ب) نماز میں اقتدا کے درست ہونے کے لئے اتحاد مکان شرط ہے ،خواہ اتحاد حقیقتاً ہو یا حکماً، پوری مسجد، یا صحن مسجد مکان متحد کے حکم میں ہے،اس لئے اگر مقتدیوں کے درمیان دوصفوں سے بھی زیادہ فاصلہ ہو تو بھی نماز درست ہو جائے گی ،الا یہ کہ درمیان میں کوئی وسیع سڑک یا نہر حائل ہو،البتہ بے ضرورت ایسا عمل کرنا مکروہ تحریمی ہے ------اسی طرح عام حالات میں ایک صف میں نمازیوں کے درمیان بلاعذر فاصلے رکھنا خلاف سنت ہے، گوکہ نماز ہو جائے گی ،اس لئے کہ احادیث میں صفوں میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھڑے ہونے کی سخت تاکید آئی ہے، کیونکہ درمیانی خلامیں شیطان گھس جاتاہے، اس لئے کرونا سے تحفظ کے لئے اگر واقعتاً نمازیوں کے درمیان فاصلہ رکھنا ضروری ہو اور یہ محض وہم نہ ہو تو اس صورت میں صفوں میں دو شخصوں کے درمیان قدرے فاصلہ رکھنے کی گنجائش ہو گی، اور ترک سنت پر گناہ نہ ہو گا:

----- حواشی---

[739] - حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفةابن عابدين.ج **1** ص**652** الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر **1421**هـ – **2000**م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء **8**

☆عَنْ رَسُولِ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم–قَالَ«رُصُّواصُفُوفَكُمْ وَقَارِبُوا بَيْنَهَا وَحَاذُوا بِالأَعْنَاقِ فَوَالَّذِى نَفْسِى بِيَدِهِ إِنِّى لأَرَى الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ كَأَنَّهَا الْحَذَفُ »[740]

☆(ويمنع من الاقتداء) صف من النساء بلاحائل قدرذراع أوارتفاعهن قدرقامةالرجل،مفتاح السعادة أو(طريق تجري فيه عجلة)آلة يجرها الثور (أو نهرتجري فيه السفن)ولو زورقا ولو في المسجد (أو خلاء) أي فضاء (في الصحراء) أو في مسجد كبيرجدامسجد القدس (يسع صفين) فأكثر إلاإذا اتصلت الصفوف فيصح مطلقا، كأن قام في الطريق ثلاثة،و كذا اثنان عند الثاني لا واحداتفاقا،لانه لكراهة صلاته صاروجوده كعدمه في حق من خلفه.[741]

* وَيَنْبَغِي لِلْقَوْمِ إذَا قَامُوا إلَى الصَّلَاةِ أَنْ يَتَرَاصُّوا وَيَسُدُّوا الْخَلَلَ وَيُسَوُّوا بين مَنَاكِبِهِمْ في الصُّفُوفِ وَلَابَأْسَ أَنْ يَأْمُرَهُمْ الْإِمَامُ بِذَلِكَ لِقَوْلِهِ صلى الله عليه وسلم سَوُّوا صُفُوفَكُمْ فإن تَسْوِيَةَ الصَّفِّ من تَمَامِ الصَّلَاةِ وَلِقَوْلِهِ صلى الله عليه وسلم لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ أولَيُخَالِفَنَّ اللَّهُ بين وُجُوهِكُمْ وهورَاجِعٌ إلَى اخْتِلَافِ الْقُلُوبِ وَيَنْبَغِي لِلْإِمَامِ أَنْ يَقِفَ بِإِزَاءِ الْوَسَطِ فَإِنْ وَقَفَ في مَيْمَنَةِالصَّفِّ أومَيْسَرَتِهِ فَقَدْ أَسَاءَ لِمُخَالَفَتِهِ السُّنَّةَ أَلَاتَرَى أَنَّ

----- حواشی---

[740] - سنن أبي داود ج 1 ص 251 حديث نمبر :667 المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي . بيروت عدد الأجزاء : 4 مصدر الكتاب : وزارة الأوقاف المصرية وأشاروا إلى جمعية المكنز الإسلامي

[741] - الدر المختار ، شرح تنوير الأبصار في فقه مذهب الإمام أبي حنيفة ج 1 ص 631المؤلف : محمد ، علاء الدين بن علي الحصكفي (المتوفى : 1088هـ)

الْمَحَارِيبَ لم تُنْصَبْ إلَّا فِي الْوَسَطِ وَهِيَ مُعَيَّنَةٌ لِمَقَامِ الْإِمَامِ قال رَحِمَهُ اللَّهُ[742]

کرونا سے متأثر افراد کا جماعت کے وقت مسجد آنا

(۷) کرونا سے متأثر افراد کے لئے مسجد آنا اور جماعت میں شریک ہونا صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ دوسرے نمازیوں کے باعث ایذا ہو سکتا ہے، احادیث میں مسجد کے ماحول کو پاک اور بے ضرر رکھنے کی تاکید کی گئی ہے اسی لئے مسجد میں لہسن، پیاز اور بدبودار چیزیں کھا کر آنے سے منع کیا گیا ہے، تاکہ دوسروں کو تکلیف نہ پہونچے، متعدی مرض کا معاملہ تو اس سے بھی زیادہ نازک ہے، حضرت عمر فاروقؓ نے ایک جذامی شخص کو مسجد حرام آنے اور طواف کرنے سے روک دیا تھا، جس کا اس بیمار نے ساری زندگی لحاظ رکھا:

***عن أبي هريرة قال:وجد النبي صلى الله عليه و سلم ريح ثوم في المسجد فقال من أكل من هذه الشجرةالخبيثةفلايقربن مسجدنا تعليق شعيب الأرنؤوط:صحيح وهذاإسناد حسن**[743]

***عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ-صلى الله عليه وسلم « مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِىَ فَلَمْ يَمْنَعْهُ مِنَ اتِّبَاعِهِ عُذْرٌ ». قَالُوا وَمَا الْعُذْرُ قَالَ خَوْفٌ أَوْ مَرَضٌ«لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ الصَّلاَةُ الَّتِى صَلَّى ». قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَى عَنْ مَغْرَاءٍ أَبُو إِسْحَاقَ.**[744]

----- حواشی -----

[742] - تبين الحقائق شرح كنز الدقائق ج 1 ص 136فخر الدين عثمان بن علي الزيلعي الحنفي.الناشر دار الكتب الإسلامي.سنة النشر 1313هـ.مكان النشر القاهرة.عدد الأجزاء 6*3

[743] - مسند الإمام أحمد بن حنبل ج 2 ص 429 حديث نمبر :9540 المؤلف : أحمد بن حنبل أبو عبدالله الشيباني الناشر : مؤسسة قرطبة – القاهرة عدد الأجزاء : 6 الأحاديث مذيلة بأحكام شعيب الأرنؤوط عليها

[744] - سنن أبي داودج 1 ص 216 حديث نمبر :551 المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي ـ بيروت عدد الأجزاء : 4

☆عَنْ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ مَرَّ بِامْرَأَةٍ مَجْذُومَةٍ وَهِيَ تَطُوفُ بِالْبَيْتِ فَقَالَ لَهَا يَا أَمَةَ اللَّهِ لَا تُؤْذِي النَّاسَ لَوْ جَلَسْتِ فِي بَيْتِكِ فَجَلَسَتْ فَمَرَّ بِهَا رَجُلٌ بَعْدَ ذَلِكَ فَقَالَ لَهَاإِنَّ الَّذِي كَانَ قَدْ نَهَاكِ قَدْ مَاتَ فَاخْرُجِي فَقَالَتْ مَا كُنْتُ لِأُطِيعَهُ حَيًّا وَأَعْصِيَهُ مَيِّتًا[745]

★ مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بن أبي بكر بن حزم عن بن أَبِي مُلَيْكَةَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ مَرَّ بِامْرَأَةٍ مَجْذُومَةٍ وَ هِيَ تَطُوفُ بِالْبَيْتِ فَقَالَ لَهَا يَا أَمَةَ اللَّهِ لَا تُؤْذِي النَّاسَ لَوْ جَلَسْتِ فِي بَيْتِكِ فَجَلَسَتْ فَمَرَّبِهَارَجُلٌ بَعْدَ ذَلِكَ فَقَالَ لَهَا إِنَّ الَّذِي كَانَ قَدْنَهَاكِ قَدْ مَاتَ فَاخْرُجِي فَقَالَتْ مَا كُنْتُ لِأُطِيعَهُ حَيًّا وَأَعْصِيَهُ مَيِّتًا،وَفِي هَذَا الْحَدِيثِ مِنَ الْفِقْهِ الْحُكْمُ بِأَنْ يُحَالَ بَيْنَ الْمَجْذُومِينَ وَبَيْنَ اخْتِلَاطِهِمْ بِالنَّاسِ لِمَافِي ذَلِكَ مِنَ الْأَذَى لَهُمْ وَأَذَى الْمُؤْمِنِ وَالْجَارِ لَا يَحِلُّ-وَإِذَا كَانَ آكِلُ الثَّوْمِ يُؤْمَرُ بِاجْتِنَابِ الْمَسْجِدِ وَكَانَ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُبَّمَاأُخْرِجَ إِلَى الْبَقِيعِ فَمَا ظَنُّكَ بِالْجُذَامِ وَهُوَ عِنْدَ بَعْضِ النَّاسِ يُعْدِي وَعِنْدَجَمِيعِهِمْ يُؤْذِي -وَأَمَّا قَوْلُ عُمَرَ لِلْمَرْأَةِ لَوْ جَلَسْتِ فِي بَيْتِكِ بَعْدَ أَنْ أَخْبَرَهَا أَنَّهَا تُؤْذِي النَّاسَ فَإِنَّ ذَلِكَ كَانَ مِنْهُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ مِنْ لِينِ الْقَوْلِ لَهَا وَالتَّعْرِيضِ بِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يَقْدَمُ إِلَيْهَا وَ رَحِمَهَا بِالْبَلَاءِ الَّذِي نَزَلَ بِهَا فَرَقَّ لَهَا وَكَانَ أَيْضًا مِنْ مَذْهَبِهِ أَنَّهُ كَانَ لَا يَعْتَقِدُ أن شيئا يعدي وقد كان يجالس معيقيب الدوسي وَكَانَ عَلَى بَيْتِ مَالِهِ وَكَانَ يُؤَاكِلُهُ وَرُبَّمَاوَضَعَ فَمَهُ مِنَ الْإِنَاءِ عَلَى مَا يَضَعُ عَلَيْهِ مُعَيْقِيبٌ فَمَهُ - وَ قَدْ ذَكَرْنَا الْخَبَرَ بِذَلِكَ فِي صَدْرِ كِتَابِ التَّمْهِيدِ فَلِهَذَا وَاللَّهُ أَعْلَمُ لَمْ يَزْجُرْهَا وَلَمْ يَنْهَهَا وَأَشَارَ إِلَيْهَاإِشَارَةً كَانَتْ مِنْهَامَقْبُولَةًوَلَعَلَّهُ لَمْ تُخْطِئْ فِرَاسَتُهُ فِيهَا

----- حواشی---------------------------------------

[745] -موطأمالك،رواية محمد بن الحسن]الكتاب:موطأ الإمام مالك المؤلف:مالك بن أنس أبو عبدالله الأصبحي الناشر : دار القلم – دمشق الطبعة:الأولى 1413 هـ– 1991 م تحقيق : د. تقي الدين الندوي أستاذ الحديث الشريف بجامعة الإمارات العربيةالمتحدةعددالأجزاء: 3 مع الكتاب:التعليق المُمَجَّدلموطّأ الإمام محمد وهو شرح لعبد الحيّ اللّكنوي

فَأَطَاعَتْهُ حَيًّا وَمَيِّتًا[746]

* قوله (و أكل نحو ثوم) أي كبصل ونحوه مما له رائحة كريهة للحديث الصحيح في النهي عن قربان آكل الثوم والبصل المسجد قال الإمام العيني في شرحه على صحيح البخاري قلت علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين ولا يختص بمسجده عليه الصلاة والسلام بل الكل سواء لرواية مساجدنا بالجمع خلافا لمن شذ ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ما له رائحة كريهة مأكولا أو غيره و إنما خص الثوم هنا بالذكر وفي غيره أيضا بالبطل والكراث لكثرة أكلهم لها وكذلك ألحق بعضهم بذلك من بفيه بخر أو به جرح له رائحة وكذلك القصاب والسماك والمجذوم والأبرص أولى بالإلحاق وقال سحنون لا أرى الجمعة عليهما[747]

کرونا سے متأثر افراد کے لئے روزہ کا حکم

(۸) کرونا ڈاکٹروں کے مطابق ایک مرض بلکہ بدترین نتائج کا حامل مرض ہے، اس لئے جو شخص اس میں مبتلا ہو اور روزہ رکھنا اس کے لئے نقصان دہ ہو تو ایسے شخص کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے، البتہ صحتیابی کے بعد اس کی قضا اس پر واجب ہو گی:

(أو مريض خاف الزيادة) لمرضه، وصحيح خاف المرض، وخادمة خافت الضعف بغلبةالظن بأمارة أو تجربة أو بإخبار طبيب حاذق مسلم مستور

----- حواشی---

[746] - الاستذكار ج۴ص۴۰۷المؤلف: أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمري القرطبي (ت ٤٦٣ هـ)تحقيق: سالم محمد عطا، محمد علي معوض الناشر: دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة: الأولى، ١٤٢١ – ٢٠٠٠ عدد الأجزاء: ٩ [ترقيم الكتاب موافق للمطبوع]

[747] - حاشية رد المحتار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ابن عابدين.ج 1ص 661 الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8

748

وكذا مطلق المرض ليس بسبب للرخصة لأن الرخصة بسبب المرض, والسفر لمعنى المشقة بالصوم تيسيرا لهما وتخفيفا عليهما على ما قال الله تعالى {يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ} ومن الأمراض ما ينفعه الصوم و يخفه ويكون الصوم على المريض أسهل من الأكل, بل الأكل يضره ويشتد عليه, ومن التعبد الترخص بما يسهل على المريض تحصيله,والتضييق بما يشتد عليه, وفي الآية دلالة وجوب القضاء على من أفطر بغير عذر لأنه لما وجب القضاء على المريض, والمسافر مع أنهما أفطرا بسبب العذر المبيح للإفطار فلأن يجب على غير ذي العذر أولى[749]

اسپتالوں کے کرونا سیکشن میں کام کرنے والے ملازمین کے لئے روزہ کا حکم

☆ بلکہ ہنگامی حالات میں اسپتالوں میں کام کرنے والے ایسے تندرست لوگ بھی اس رخصت شرعی کے حقدار ہونگے، جن کو اندیشہ ہو کہ روزہ رکھنے سے وہ خود بیمار ہو جائیں گے اور کام کا تسلسل برقرار نہیں رکھ سکیں گے، مگر یہ اس وقت ہے جب دوسرے لوگ اس میدان میں میسر نہ ہوں:

وَمِنْهَا الْمَرَضُ الْمَرِيضُ إذَا خَافَ على نَفْسِهِ التَّلَفَ أو ذَهَابَ عُضْوٍ يُفْطِرُبِالْإِجْمَاعِ وَإِنْ خَافَ زِيَادَةَ الْعِلَّةِ وَامْتِدَادَهَا فَكَذَلِكَ عِنْدَنَا وَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ إذَا أَفْطَرَ كَذَا في الْمُحِيطِ ثُمَّ مَعْرِفَةُ ذلك بِاجْتِهَادِ الْمَرِيضِ وَ الِاجْتِهَادُ غَيْرُ مُجَرَّدِالْوَهْمِ بَلْ هو غَلَبَةُ ظَنٍّ عن أَمَارَةٍ أو تَجْرِبَةٍ أو بِإِخْبَارِ طَبِيبٍ مُسْلِمٍ غَيْرِظَاهِرِالْفِسْقِ كَذَا في فَتْحِ الْقَدِيرِ وَالصَّحِيحُ الذي يَخْشَى

----- حواشی ---

748 - الدر المختار ، شرح تنوير الأبصار في فقه مذهب الإمام أبي حنيفة ج ٢ ص 465 المؤلف : محمد ، علاء الدين بن علي الحصكفي (المتوفى : 1088هـ)مصدر الكتاب : موقع يعسوب [ترقيم الكتاب موافق للمطبوع]

749 - بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج 4 ص 275 تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي 587هـ دار الكتب العلمية – بيروت – لبنان الطبعة الثانية 1406هـ – 1986م

أَنْ يَمْرَضَ بِالصَّوْمِ فَهُوَ كَالْمَرِيضِ هَكَذَا فِي التَّبْيِينِ[750]

*قال رَحِمَهُ اللَّهُ(لِمَنْ خَافَ زِيَادَةَ الْمَرَضِ الْفِطْرُ)وقال الشَّافِعِيُّ رضي اللَّهُ عنه لَايُفْطِرُ إلَّا إذَا خَافَ الْهَلَاكَ مَرَّ على أَصْلِهِ فِي التَّيَمُّمِ وَنَحْنُ نَقُولُ إنَّ زِيَادَةَ الْمَرَضِ وَامْتِدَادَهُ قد يُفْضِي إلَى الْهَلَاكِ فَيَجِبُ الِاحْتِرَازُ عنه وَطَرِيقُ مَعْرِفَتِهِ الِاجْتِهَادُ فإذا غَلَبَ على ظَنِّهِ أَفْطَرَ وَكَذَا إذَا أخبره طَبِيبٌ مُسْلِمٌ حَاذِقٌ عَدْلٌ وَالصَّحِيحُ الذي يَخْشَى أَنْ يَمْرَضَ بِالصَّوْمِ فَهُوَ كَالْمَرِيضِ وَكَذَا الْأَمَةُ التي تَخْدُمُ إذَا خَافَتْ الضَّعْفَ جَازَ أَنْ تُفْطِرَ ثُمَّ تَقْضِيَ[751]

کرونا کی وجہ سے حج وعمرہ پر پابندی عائد کرنا

(۹)اصول کے مطابق محض کرونا کے اندیشے سے عام مسلمانوں کے لئے حج وعمرہ کا دروازہ بند کرنا درست نہیں ہے، البتہ مسجد کی طرح کرونا سے متأثر اشخاص پر پابندی عائد کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ متعدی امراض میں مبتلا شخص بسا اوقات دوسروں کے لئے باعث اذیت بن سکتا ہے، جیسا کہ گذر چکا ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ایک جذامی عورت پر طواف اور حرم پاک میں داخلے پر پابندی عائد کر دی تھی ، دراصل ایسے مریض پر حج ہی فرض نہیں ہے، حج کی فرضیت کے لئے بدن کی صحت وسلامتی بھی بنیادی شرط ہے:

وَمِنْهَا صِحَّةُ الْبَدَنِ فَلَا حَجَّ على الْمَرِيضِ وَالزَّمِنِ وَالْمُقْعَدِ وَالْمَفْلُوجِ وَالشَّيْخِ الْكَبِيرِ الذي لَا يَثْبُتُ على الرَّاحِلَةِ بِنَفْسِهِ وَالْمَحْبُوسِ وَ الْمَمْنُوعِ من قِبَلِ السُّلْطَانِ الْجَائِرِ عن الْخُرُوجِ إلَى الْحَجِّ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى شَرَطَ الإستطاعة لِوُجُوبِ الْحَجِّ وَ الْمُرَادُ منها اسْتِطَاعَةُ التَّكْلِيفِ وَهِيَ سَلَامَةُ الْأَسْبَابِ وَالْآلَاتِ وَمِنْ جُمْلَةِ الْأَسْبَابِ سَلَامَةُ الْبَدَنِ عن الْآفَاتِ

----- حواشی---

[750] - الفتاوى الهندية [حنفي] ج 1 ص 275 المؤلف : لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي

[751] - تبين الحقائق شرح كنز الدقائق ج 1 ص 333فخر الدين عثمان بن علي الزيلعي الحنفي.الناشر دار الكتب الإسلامي.سنة النشر 1313هـ.مكان النشر القاهرة.عدد الأجزاء 6*3

الْمَانِعَةِ عن الْقِيَامِ بِمَا لَا بُدَّ منه فِي سَفَرِالْحَجِّ لِأَنَّ الْحَجَّ عِبَادَةٌ بَدَنِيَّةٌ فَلَا بُدَّ من سَلَامَةِ الْبَدَنِ وَ لَا سَلَامَةَ مع الْمَانِعِ- وَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي اللَّهُ عنه في قَوْلِهِ عز وجل { من اسْتَطَاعَ إلَيْهِ سَبِيلًا} أَنَّ السَّبِيلَ أَنْ يَصِحَّ بَدَنُ الْعَبْدِوَيَكُونَ له ثَمَنُ زَادٍوَرَاحِلَةٍ من غَيْرِ أَنْ يُحْجَبَ وَلِأَنَّ الْقُرَبَ وَالْعِبَادَاتِ وَجَبَتْ بِحَقِّ الشُّكْرِ لِمَا أَنْعَمَ اللَّهُ على الْمُكَلَّفِ فإذامُنِعَ السَّبَبُ الذي هوالنِّعْمَةُوهوسَلَامَةُالْبَدَنِ أو الْمَالِ كَيْفَ يُكَلَّفُ بِالشُّكْرِ وَلَا نِعْمَةَ[752]

اگر کوئی حج کا احرام باندھنے کے بعد کرونا میں مبتلا ہو جائے

☆اور اگر حج کا احرام باندھنے کے بعد کوئی شخص کرونا میں مبتلا ہو جائے، تو ایسے شخص کو بھی دوسروں کی اذیت کے نقطۂ نظر سے حج و عمرہ سے روکا جاسکتا ہے، اس صورت کو فقہی اصطلاح میں احصار کہتے ہیں، محصر کے لئے احصار سے نکلنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی قربانی (بکری، اونٹ یا گائے وغیرہ) حرم شریف کے حدود میں پہونچانے کا انتظام کرے، قربانی پیش ہونے سے قبل وہ احرام کی پابندیوں سے آزاد نہیں ہو سکتا:

☆منع عن ركن (إذا أحصر بعدو أو مرض) أو موت محرم أو هلاك نفقة حل له التحلل فحينئذ (بعث المفرد دما) أو قيمته، فإن لم يجد بقي محرماحتى يجد أو يتحلل بطواف ، وعن الثاني أنه يقوم الدم بالطعام، ويتصدق به، فإن لم يجد صام عن كل نصف صاع يوما (والقارن دمين) فلو بعث واحدا لم يتحلل عنه وعين يوم الذبح) ليعلم متى يتحلل ويذبحه (في الحرم ولو قبل يوم النحر) خلافا لهما ولو لم يفعل ورجع إلى أهله بغير

----- حواشی -----

[752] - بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج 2 ص 121 علاء الدين الكاساني سنة الولادة / سنة الوفاة 587 الناشر دار الكتاب العربي سنة النشر 1982 مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 7

تحلل وصبر) محرما (حتى زال الخوف جاز[753]

☆ولنا قوله تعالى {وَلا تَحْلِقُوا رُؤُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ} أي : حتى يبلغ الهدي محله فيذبح,نهى الله عن حلق الرأس ممدوداإلى غايةذبح الهدي والحكم الممدود إلى غاية لا ينتهي قبل وجود الغاية, فيقتضي أن لا يتحلل مالم يذبح الهدي, سواء صام, أو أطعم, أو لا.ولأن التحلل بالدم قبل إتمام مواجب الإحرام عرف بالنص بخلاف القياس, فلا يجوز إقامة غيره مقامه بالرأي. وأما الحلق فليس بشرط للتحلل ويحل المحصر بالذبح بدون الحلق في قول أبي حنيفة , ومحمد "وإن حلق فحسن ". وقال أبو يوسف: "أرى عليه أن يحلق , فإن لم يفعل فلا شيء عليه ", وروي عنه أنه قال: "هو واجب لايسعه تركه". وذكر الجصاص وقال : "إنما لا يجب الحلق عندهما إذا أحصر في الحل؛لأن الحلق يختص بالحرم. فأما إذا أحصر في الحرم: يجب الحلق عندهما " احتج أبو يوسف بما روي "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم حلق عام الحديبية, و أمر أصحابه بالحلق" فدل أن الحلق واجب,ولهماقوله تعالى{فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ} معناه فإن أحصرتم وأردتم أن تحلوا فاذبحوا ما استيسر من الهدي جعل ذبح الهدي في حق المحصرإذا أرادالحل كل موجب الإحصار فمن أوجب الحلق فقدجعله بعض الموجب,وهذاخلاف النص؛ولأن الحلق للتحلل عن أفعال الحج, والمحصر لا يأتي بأفعال الحج فلا حلق عليه. وأما الحديث فعلى ما ذكره الجصاص:لا حجة فيه؛ لأن الحديبية بعضها في الحل وبعضهافي الحرم, فيحتمل أنه أحصر في الحرم فأمر بالحلق, وأما على جواب المذكور في الأصل فهو:محمول على الندب,

----- حواشی---

753 - الدر المختار ، شرح تنوير الأبصار في فقه مذهب الإمام أبي حنيفة ج 2 ص 651 المؤلف : محمد ، علاء الدين بن علي الحصكفي (المتوفى : 1088هـ)مصدر الكتاب : موقع يعسوب

والاستحباب. وأما زمان ذبح الهدي فمطلق الوقت لا يتوقت بيوم النحر, سواء كان الإحصار عن الحج,أوعن العمرة وهذا قول أبي حنيفة وقال أبو يوسف, ومحمدإن المحصر عن الحج لا يذبح عنه إلا في أيام النحر, لا يجوز في غيرهاولا خلاف في المحصر عن العمرة أنه يذبح عنه في أي وقت كان. وجه قولهما : إن هذا الدم سبب للتحلل من إحرام الحج فيختص بزمان التحلل كالحلق بخلاف العمرة,فإن التحلل من إحرامهابالحلق لايختص بزمان[754]

محور سوم

کرونا کے زمانہ میں مساجد سے متعلق احکام

کرونا کے زمانہ میں مساجد کو بند کرنا

(۱) عام حالات میں مساجد کو اوقات نماز کے علاوہ بھی بند کرنا ممنوع ہے، تا کہ عام مسلمان جس وقت چاہیں مسجد میں نماز ادا کر سکیں، قرآن کریم میں ہے:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَفِيهَا اسْمُهُ وَسَعَى فِي خَرَابِهَاأُولَئِكَ مَاكَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ[755]

ارشاد نبویؐ ہے:

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ لَا تَمْنَعُوا أَحَدًا طَافَ بِهَذَا الْبَيْتِ وَصَلَّى أَيَّةَ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ

----- حواشی

754 - بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج 5 ص 28 تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي 587هـ دار الكتب العلمية – بيروت – لبنان الطبعة الثانية 1406هـ – 1986م

755 -البقرة :114

أَوْ نَهَارٍ وَفِي الْبَاب عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي ذَرٍّ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ جُبَيْرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ [756]

فقہاء اسلام نے بھی چند استثنائی صورتوں کو چھوڑ کر (مثلاً چوری وغیرہ کا ڈر) مسجد کو مقفل کرنے سے سختی کے ساتھ روکا ہے:

☆وكانوا يكرهون غلق باب المسجد ولا بأس به في زماننا في غير أوقات الصلاة لفساد أهل الزمان فإنه لا يؤمن على متاع المسجد[757]

☆قوله(غلق باب المسجد)الأفصح إغلاق لمافي القاموس غلق الباب يغلقه لغة ردية في أغلقه ا هـ قال في البحر وإنما كره لأنه يشبه المنع من الصلاة قال تعالى{ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه } البقرة 114 ومن هنا يعلم جهل بعض مدرسي زماننا من منعهم من يدرس في مسجد تقرر في تدريسه وتمامه فيه قوله (إلا لخوف على متاعه) هذاأولى من التقييدبزماننا لأن المدارعلى خوف الضرر فإن ثبت في زماننا في جميع الأوقات ثبت كذلك إلا في أوقات الصلاة أولافلا أو في بعضها ففي بعضها كذا في الفتح وفي العنايةوالتدبير في الغلق لأهل

----- حواشی---

756 - الجامع الصحيح سنن الترمذي ج 3 ص 220 حديث نمبر :868 المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت تحقيق : أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء : 5 الأحاديث مذيلة بأحكام الألباني عليها * سنن ابن ماجه ج 1 ص 398 حديث نمبر :1254 المؤلف : محمد بن يزيد أبو عبدالله القزويني الناشر : دار الفكر – بيروت تحقيق : محمد فؤاد عبد الباقي عدد الأجزاء : 2 مع الكتاب : تعليق محمد فؤاد عبد الباقي والأحاديث مذيلة بأحكام الألباني عليها * المجتبى من السنن ج 1 ص 284 حديث نمبر :585المؤلف : أحمد بن شعيب أبو عبد الرحمن النسائي الناشر : مكتب المطبوعات الإسلامية – حلب الطبعة الثانية ، 1406 – 1986 تحقيق : عبدالفتاح أبو غدة عدد الأجزاء : 8 الأحاديث مذيلة بأحكام الألباني عليها

757 - الاختيار لتعليل المختارج 4 ص 177 المؤلف : عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي الحنفي دار النشر : دار الكتب العلمية – بيروت / لبنان – 1426 هـ – 2005 م الطبعة : الثالثة تحقيق : عبد اللطيف محمد عبد الرحمن عدد الأجزاء / 5 [ترقيم الشاملة موافق للمطبوع]

المحلة فإنهم إذا اجتمعوا على رجل وجعلوه متوليا بغير أمر القاضي يكون متوليا انتهى بحر ونهر [758]

☆ كره(غلق باب المسجد)إلالخوف على متاعه،به يفتى.[759]

☆فَصْلٌ كُرِهَ غَلْقُ بَابِ الْمَسْجِدِ وَقِيلَ لَا بَأْسَ بِغَلْقِ الْمَسْجِدِ فِي غَيْرِ أَوَانِ الصَّلَاةِ صِيَانَةً لِمَتَاعِ الْمَسْجِدِ وَهَذَا هو الصَّحِيحُ[760]

لیکن او قات نماز میں کسی بھی عذر سے مسجد کو کلیتاً بند کرنے کی کوئی گنجائش کتب فقہ میں نہیں ملتی ،البتہ بیماری اور تکلیف دہ حالت میں مبتلا شخص کو مسجد سے ضرور روکا جاسکتا ہے، مگر چونکہ کرونا سے متأثر افراد کی شناخت بآسانی ممکن نہیں ہے، خاص طور سے بھیڑ بھاڑ کے علاقوں میں، اس لئے مسجد میں لوگوں کے داخلے کو عارضی طور پر نسبتاً محدود کیا جاسکتا ہے، خصوصاً اس وقت جب حکومت کی طرف سے لاک ڈاؤن کا قانون نافذ ہو اور مسجد کے کھولنے میں فتنے کا اندیشہ ہو تو دفع ضرر کے لئے احتیاط کی گنجائش نظر آتی ہے، بشرطیکہ مسجد میں جماعت پنجوقتہ اور جمعہ کا نظام بالکلیہ معطل نہ ہو، کیونکہ اس وقت احتیاط نہ کرنے کی صورت میں حکومت کی طرف سے مسجد کو کلیتاً مقفل کرنے کا بہانہ مل سکتا ہے، اس لئے کل کو فوت کرنے سے بہتر ہے کچھ کے فوت کو گوارا کیا جائے:

☆وما لا يدرك كله لا يترك كله[761]

----- حواشی--

758 - حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج 1 ص 656 ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8

759 - الدر المختار ، شرح تنوير الأبصار في فقه مذهب الإمام أبي حنيفة ج 1 ص 707 المؤلف : محمد ، علاء الدين بن علي الحصكفي (المتوفى : 1088هـ)مصدر الكتاب : موقع يعسوب [ترقيم الكتاب موافق للمطبوع]

760 - الفتاوى الهندية [حنفي]ج 1 ص 323 المؤلف : لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي

761-حجة الله البالغة ج 1 ص 157الإمام أحمد المعروف بشاه ولي الله ابن عبد الرحيم الدهلوي تحقيق سيد سابق الناشر دار الكتب الحديثة – مكتبة المثنى مكان النشر القاهرة – بغدادعدد الأجزاء 1* معالم أصول الفقه عند أهل السنة والجماعة ج 1 ص 548 المؤلف : محمَّد بنْ حسَيْن بن حَسنْ الجيزاني الناشر : دار ابن الجوزي الطبعة : الطبعة الخامسة ، 1427 هـ عدد الأجزاء : 1

نیز اھون البلیتین یہی ہے:

مَنْ اُبْتُلِيَ بِبَلِيَّتَيْنِ ، وَهُمَا مُتَسَاوِيَتَانِ يَأْخُذُ بِأَيَّتِهِمَا شَاءَ،وَإِنْ اخْتَلَفَا يَخْتَارُ اَهْوَنَهُمَا[762]

إِذَا تَعَارَضَ مَفْسَدَتَانِ رُوعِيَ أَعْظَمُهُمَا ضَرَرًا بِارْتِكَابِ أَخَفِّهِمَا[763]

مسجد میں جماعت موقوف ہونے کی صورت میں اذان دینا

(۲) مسجد کی نماز باجماعت شعائر اسلامی میں داخل ہے جس کا تحفظ امت مسلمہ کا اجتماعی فریضہ ہے، اگر کوئی آبادی اس کے ترک پر اتفاق کر لے تو اس سے قتال کرنے کا حکم ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بن مسعود قَالَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَلْقَى اللَّهَ غَدًا مُسْلِمًا فَلْيُحَافِظْ عَلَى هَؤُلَاءِ الصَّلَوَاتِ حَيْثُ يُنَادَى بِهِنَّ فَإِنَّ اللَّهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ-صلى الله عليه وسلم سُنَنَ الْهُدَى وَإِنَّهُنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى وَلَوْ أَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِى بُيُوتِكُمْ كَمَايُصَلِّى هَذَاالْمُتَخَلِّفُ فِى بَيْتِهِ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ[764]

(والجَمَاعَةُ) في الصلاة الفريضة (سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ). زاد في «المحيط»: وشريعةٌ ماضية، لا يُرَخَّصُ لأحد تركها إلاَّ لعذر، حتى لو تركها أهل مصر يؤمرون بهافإن ائتمرواوإلاتحلّ مقاتلتهم،لأنها من شعائر الإسلام، وخصائص هذاالدين، فالسبيل إظهارها والزَّجْرُ عن تركها. وقال مَكْحُول الشَّامِيّ: السُّنَّةسُنَّتَانِ: سنَّة أَخْذُها هدى،وتركها ضلالة،وهي ما كانت من أعلام

----- حواشی -----

[762] - الْأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ ج 1 ص 89 عَلَى مَذْهَبِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَانِ المؤلف : الشَّيْخ زَيْنُ الْعَابِدِيْنَ بْنِ إِبْرَاهِيْمِ بْنِ نُجَيْمٍ (926–970ھ)المحقق :الناشر : دار الكتب العلمية، بيروت،لبنان الطبعة :1400ھ=1980م

[763] - غمز عيون البصائر في شرح الأشباه والنظائر ج 2 ص 109 المؤلف : أحمد بن محمد الحنفي الحموي (المتوفى : 1098ھ)

[764] - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج 2 ص 124 حديث نمبر:1520 المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق :الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت)

الإسلام وشعائره.وسُنَّة أخذها فضيلة،وتركها لا إلى حرج، كصلاة الليل[765]

لیکن اگر اتفاقی حالات میں کسی وجہ سے جماعت نہ ہوسکے تو بھی دستور کے مطابق اذان موقوف نہیں کی جائے گی،اس لئے کہ اذان کے بنیادی مقاصد میں اعلاء کلمۃ اللہ کے علاوہ اوقات نماز کی اطلاع دینا بھی شامل ہے،اور یہ مقاصد جماعت نہ ہونے کی صورت میں بھی اذان سے حاصل ہوسکتے ہیں:

☆لِأَنَّ الْأَذَانَ لِلْإِعْلَامِ بِدُخُولِ وَقْتِ الصَّلَاةِ وَالْمَكْتُوبَاتُ هِيَ الْمُخْتَصَّةُ بِأَوْقَاتٍ مُعَيَّنَةٍ دُونَ النَّوَافِلِ وَلِأَنَّ النَّوَافِلَ تَابِعَةٌلِلْفَرَائِضِ فَجُعِلَ أَذَانُ الْأَصْلِ أَذَانًا لِلتَّبَعِ تَقْدِيرًا وَلَا أَذَانَ وَلَا إقَامَةَ فِي السُّنَنِ لِمَا قُلْنَا[766]

*شرع الأذان للإعلام بدخول وقت الصلاة،وإعلاء اسم الله بالتكبير،و إظهار شرعه ورفعة رسوله ، ونداء الناس إلى الفلاح والنجاح[767]

☆نیز اذان صرف جماعت ہی کے لئے مشروع نہیں ہے،بلکہ حالت انفراد میں بھی اذان کے ساتھ نماز پڑھنا مشروع ہے،تو مسجد میں اگر جماعت کے بقدر افراد نہ پہونچ سکیں تو کم از کم مؤذن اپنی نماز ادا کرلے گا،اور جماعت کی یگگونہ مشابہت پیدا ہوجائے گی:

وَلَابَأْسَ أَنْ يُؤَذِّنَ لِنَفْسِهِ قَاعِدًا مُرَاعَاةً لِسُنَّةِ الْأَذَانِ وَعَدَمِ الْحَاجَةِ إلَى الْإِعْلَامِ[768]

----- حواشی--

765 -شرح الوقاية ج ١ ص ٣١٩

766 - بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج 1 ص 467 تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي 587هـ دار الكتب العلمية – بيروت – لبنان الطبعة الثانية 1406هـ – 1986م

767 - الموسوعة الفقهية الكويتية ج 2 ص 369صادر عن : وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية – الكويت عدد الأجزاء : 45 جزءا الطبعة : (من 1404 – 1427 هـ)بحوالہ البحر الرائق 1 / 279 ط المطبعة العلمية بالقاهرة

768 - تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشِّلْبِيِّ ج 1ص94 المؤلف : عثمان بن علي بن محجن البارعي ، فخر الدين الزيلعي الحنفي (المتوفى : 743 هـ)الحاشية : شهاب الدين أحمد بن محمد بن أحمد بن يونس بن إسماعيل بن يونس الشِّلْبِيُّ (المتوفى : 1021 هـ)الناشر : المطبعة الكبرى الأميرية – بولاق ، القاهرة الطبعة : الأولى ، 1313 هـ

☆اس کی تائید بعض ان روایات سے بھی ہوتی ہے جن میں رسول اللہ ﷺ نے اذان کے بعد "الاصلوفی رحالکم" کے اعلان کا حکم فرمایا، گو کہ زیادہ تر محدثین کے نزدیک اس روایت کا تعلق حالت سفر سے ہے اور صحیح قول کے مطابق کسی باقاعدہ مسجد سے اس طرح کا اعلان رسول اللہ ﷺ نے کبھی نہیں فرمایا، لیکن فی الجملہ اس روایت سے یہ بات ضرور نکلتی ہے کہ جماعت کے بغیر بھی اذان دی جاسکتی ہے:

حدثني نافع قال:أذن ابن عمرفي ليلةباردةبضجنان ثم قال صلوافي رحالكم فأخبرناأن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمرمؤذنايؤذن ثم يقول على إثره(ألا صلوا في الرحال)في الليلة الباردة أو المطيرة في السفر [769]

جماعت نماز میں مطلوب افراد اور حکومتی ہدایات

(۳)جمعہ کی نماز کے لئے شرعی طور پر امام کے علاوہ کم از کم تین آدمی ضروری ہیں، جب کہ دیگر نمازوں کی جماعت میں امام کے علاوہ ایک شخص بھی کافی ہے، یہ حکم نفس جماعت کے قیام کے لئے ہے، قطع نظر کہ جماعت مسجد میں ہو یا مسجد سے باہر، البتہ مسجد کو آباد کرنے کے لئے مقدار کی کوئی حد مقرر نہیں ہے ،مسجد کی وسعت کے لحاظ سے جتنی زیادہ سے زیادہ تعداد ہو بہتر ہے، البتہ اگر گورنمنٹ کی ہدایات اس میں مانع ہوں، اور تعمیل نہ کرنے کی صورت میں مسلمانوں یا مسجد کے خلاف بڑے فتنہ کا اندیشہ ہو تو مسجد اور مسلمانوں کے تحفظ کے لئے وقتی طور پر احتیاط کی گنجائش ہے، لیکن کوئی ضروری نہیں کہ ہم اقامت جماعت کے معروف معیار کو ہی بنیاد بنائیں ،بلکہ حکومت سے بات کرکے پوری احتیاط اور طبی ہدایات کی رعایت کے ساتھ مسجد اور آبادی کے لحاظ سے زیادہ سے زیادہ تعداد (مثلاً پانچ ،دس، بیس وغیرہ) کی منظوری حاصل کریں، تاکہ قیام جماعت کے ساتھ مسجد کے آباد کرنے کا فریضہ بھی پورا ہو:

----- حواشی---

[769] - صحيح البخاري]ج 1ص 227 حديث نمبر:٦٠٦المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا

☆ومنها أن أقل الجماعة في غير صلاة الجمعة الاثنان وهو أن يكون إمام واحد مع القوم لما روي عن النبي عليه السلام أنه قال الاثنان فمافوقهما جماعة و يستوي أن يكون ذلك الواحد رجلاأو امرأة أو صبيا يعقل لأن هؤلاء من أهل الصلاة فأما المجنون والصبي الذي لا يعقل فلاعبرة بهما[770]

☆وفي«المحيط»:أقل الجماعة اثنان،وهو أن يكون واحدمع الإمام لقوله صلى الله عليه وسلم«الاثنان فما فوقهما جماعة»بخلاف الجمعة لِمَا سيأتي في بابها. وكذا إن كانت معه امرأة أو صبي يعقل، كانت جماعة لأنهما من أهل الصلاة------(ويَقُومُ المُؤْتَمُّ الوَاحِدُ) بالغاً كان أو صبياً (عَلى يَمِينِهِ) أي يُسْتَحَبُّ أنْ يقف عن يمين الإمام، مساوياً له عند أبي حنيفة، وأبي يوسف و واضعاً أصابع رجله بإزاء عَقِب الإمام عند محمد،لما روى الجماعة عن كُرَيْب. مَوْلى ابن عباس. عن ابن عباس قال: «بِتّ عند خالتي مَيْمُونَة، فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم يُصَلِّي من الليل. فَقُمْتُ عن يساره وأخذني بيميني، فأدارني من ورائه، فأقامني عن يمينه، فصلّيت معه». وفي رواية: «فجعلني عن يمينه»وفي أخرى:«وأخذ برأسي من ورائي»وفي رواية : بيدي أو عَضُدِي. «وفيه دَلالة على أنَّ أقل الجماعة في غير الجمعة واحدويؤيده قوله صلى الله عليه وسلم«الاثنان جماعةفما فوقهما»رواه ابن ماجه[771]

☆قَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ(وَهُمْ ثَلَاثَةٌ) أَيْ أَقَلُّ الْجَمَاعَةِ ثَلَاثَةٌ (سِوَى الْإِمَامِ)، وَ هَذَاعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ اثْنَانِ سِوَى الْإِمَامِ ؛لِأَنَّ فِي

----- حواشی---

[770] -تحفة الفقهاء ج 1ص 288 علاء الدين السمرقندي سنة الولادة / سنة الوفاة 539ھ الناشر دار الكتب العلمية سنة النشر 1405 – 1984 مكان النشر بيروت

[771] - شرح الوقاية ج 1 ص 321

الْمُثَنَّى مَعْنَى الِاجْتِمَاعِ ، وَهِيَ مُنْبِئَةٌ عَنْهُ[772]

مساجد کے کسی حصہ یا اس سے ملحق جگہ پر کووڈ سینٹر بنانا

(۴)مساجد کے کسی حصہ میں یا اس سے ملحق جگہ پر کووڈ سینٹر بنانا درست نہیں، اس لئے کہ یہ مقاصد مسجد کے خلاف ہے، مسجد اللہ کی عبادت اور ذکر کے لئے بنائی جاتی ہے، کووڈ سینٹر بننے کے بعد لوگ مسجد میں آنے سے گھبرائیں گے، اور گھروں میں ہی نماز پڑھنے کو ترجیح دیں گے، جس سے مسجد کے ویران ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

☆مسجد میں غیر اللہ کو پکارنا درست نہیں، کووڈ سینٹر بننے کے بعد مسلم وغیر مسلم ہر طرح کے مریض وہاں لائے جائیں گے، اور حالت تکلیف میں غیر مسلم اپنے معبودوں کو پکاریں گے، جو قرآن کریم کے حکم کے خلاف ہے:

وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا[773]

ابن کثیر لکھتے ہیں:

يقول تعالى آمرًا عباده أن يُوَحِّدوه في مجال عبادته، ولا يُدْعى معه أحد ولا يشرك به كما قال قتادة في قوله: { وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا } قال: كانت اليهود والنصارى إذا دخلوا كنائسهم وبِيَعِهِم، أشركوا بالله، فأمر الله نبيه صلى الله عليه وسلم أن يوحدوه وحده[774]

علامہ سمرقندیؒ لکھتے ہیں:

{وَأَنَّ المساجد لِلَّهِ} . قال الحسن : يعني : الصلاة لله تعالى؛ وقال قتادة

----- حواشی ---

[772] - تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق ج 3 ص 75المؤلف : فخر الدين عثمان بن علي الزيلعي (المتوفى : 743هـ)

[773] -الجن :18

[774] - تفسير القرآن العظيم ج 8 ص 244 المؤلف : أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (المتوفى : 774هـ)المحقق : سامي بن محمد سلامة الناشر : دار طيبة للنشر والتوزيع الطبعة : الثانية 1420هـ – 1999 م عدد الأجزاء : 8

:كانت اليهود والنصارى يدخلون كنائسهم ،ويشركون بالله تعالى . فأمر الله تعالى نبيه صلى الله عليه وسلم أن يخلص الدعوة له إذادخل المسجد . وقال القتبي :قوله :{ وَأَنَّ المساجد لِلَّهِ } يعني : السجود لله.ويقال:هي المساجد بعينهايعني : بنيت المساجد ، ليعبدوا الله تعالى فيها. {فَلاَتَدْعُواْ مَعَ الله أَحَداً} يعني:لا تعبدوا أحداً غير الله تعالى . قرأ حمزة ، والكسائي ،وعاصم { يَسْلُكْهُ }بالياء،والباقون بالنون ، وكلاهما يرجع إلى معنى واحد. يقال : سلكت الخيط في الإبرة وأسلكته ، إذا أدخلته[775]

☆کووڈ سینٹر بننے کے بعد پاک وناپاک ہر طرح کے مریض یہاں لائے جائیں گے، بعض مریض بول وبراز بھی کر دیں گے، ریح خارج کریں گے، ان میں جنابت اور حیض واستحاضہ والے مریض بھی ہونگے جن کو مسجد میں داخل ہونے کی شرعاً اجازت نہیں ہے، نیز خواتین کے ساتھ بچے بھی آئیں گے جن سے مسجد کی حرمت متأثر ہو گی:

ارشاد نبوی ہے:

☆ (أن هذا المسجد لا يبال فيه . وإنما بني لذكر الله وللصلاة)[776]

*إن هذه المساجد لا تصلح لشيء من هذا القذر والبول والخلاء، وإنما هي لذكر الله عز وجل والصلاة ولقراءة القرآن[777]

----- حواشی ---

775 - بحر العلوم ج 4 ص 334 المؤلف : أبو الليث نصر بن محمد بن أحمد بن إبراهيم السمرقندي (المتوفى : 373هـ)

776 - سنن ابن ماجه ج 1 ص 176 حديث نمبر : 529 المؤلف : محمد بن يزيد أبو عبدالله القزويني الناشر : دار الفكر – بيروت تحقيق : محمد فؤاد عبد الباقي عدد الأجزاء : 2 مع الكتاب : تعليق محمد فؤاد عبد الباقي والأحاديث مذيلة بأحكام الألباني عليها

777 - كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال ج 7 ص 661 حديث نمبر : 20791 المؤلف : علاء الدين علي بن حسام الدين المتقي الهندي البرهان فوري (المتوفى : 975هـ)المحقق : بكري حياني – صفوة السقا الناشر : مؤسسة الرسالة الطبعة : الطبعة الخامسة ،1401هـ/1981م مصدر الكتاب : موقع مكتبة المدينة الرقمية

* فَإِنِّى لاَ أُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلاَ جُنُبٍ »[778]

*عن واثلة بن الأسقع – أن النبي صلى الله عليه و سلم قال(جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وشراركم وبيعكم وخصوماتكم ورفع أصواتكم وإقامة حدودكم وسل سيوفكم.واتخذوا على أبوابها المطاهر وجمروها في الجمع)في الزوائد إسناده ضعيف . فإن الحارث بن نبهان متفق على ضعفه [779]

☆مختلف مریضوں کے اجتماع کے بعد مسجد میں ہر طرح کی دنیوی باتیں آپس میں شروع ہو جائیں گی، شوروشغب کی آوازیں بلند ہونگی، بعض لوگ موبائل پر ہر طرح کے ویڈیو دیکھیں گے اور گیم کھیلیں گے ،پاک وناپاک ،خوشبودار وبدبودار کھانے کھائے جائیں گے،وغیرہ اس طرح مسجد کا سارااحترام رخصت ہوجائے گا، جس کو کبھی گوارا نہیں کیا جاسکتا اس کو علامات قیامت میں شمار کیا گیا ہے، مسجد کو پاک صاف رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، یہاں تک کہ کوئی بدبودار چیز کھاکر مسجد کے اندر آنے سے منع کیا گیا ہے:

« إِنَّ هَذِهِ الصَّلاَةَ لاَ يَصْلُحُ فِيهَا شَىْءٌ مِنْ كَلاَمِ النَّاسِ إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ »[780]

عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَكُونُ حَدِيثُهُمْ فِي مَسَاجِدِهِمْ فِي أَمْرِدُنْيَاهُمْ، فَلَا تُجَالِسُوهُمْ، فَلَيْسَ

----- حواشی---

[778] - سنن أبي داود ج 1 ص 92 حديث نمبر :232 المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي . بيروت عدد الأجزاء : 4 مصدر الكتاب : وزرارة الأوقاف المصرية وأشاروا إلى جمعية المكنز الإسلامي

[779] - سنن ابن ماجه ج 1 ص 274 حديث نمبر :750 المؤلف : محمد بن يزيد أبو عبدالله القزويني الناشر : دار الفكر – بيروت تحقيق : محمد فؤاد عبد الباقي عدد الأجزاء : 2 مع الكتاب : تعليق محمد فؤاد عبد الباقي والأحاديث مذيلة بأحكام الألباني عليها

[780] - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج 2 ص 70 أيه} بةلاق : 1227المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق :الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت الطبعة : عدد الأجزاء : ثمانية أحزاء في أربع مجلدات

لِلَّهِ فِيهِمْ حَاجَةٌ " هَكَذَا جَاءَ مُرْسَلًا[781]

غرض مسجد کو کووڈ سینٹر بنانے میں بہت سی قباحتیں موجود ہیں، اور یہی خرابیاں مسجد سے ملحق حصہ پر سینٹر کھولنے میں بھی پیش آئیں گی، اس لئے وہاں بھی اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، نیز فناء مسجد کئی امور میں مسجد کے حکم میں ہے، اس لئے اس کا بھی احترام اسی طرح فرض ہے:

و فِي الْمُجْتَبَى وَفِنَاءُ الْمَسْجِدِ له حُكْمُ الْمَسْجِدِ يَجُوزُ الِاقْتِدَاءُ فيه وَإِنْ لم تَكُنْ الصُّفُوفُ مُتَّصِلَةً وَلَاتَصِحُّ في دَارِ الضِّيَافَةِ إلَّاإذَا اتَّصَلَتْ الصُّفُوفُ اه[782]

علاوہ دیگر متبادل جگہیں موجود ہیں، اگر اس قسم کے سینٹرز کی ضرورت ہے تو اسکول، مدرسے، شادی خانے وغیرہ کی عمارتیں اس کے لئے موجود ہیں، متبادل کے رہتے ہوئے مساجد کی حرمت کو متأثر کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

یہاں پر اس روایت سے غلط فہمی نہ ہو، جس میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بعض زخمیوں مثلاً حضرت سعد بن معاذؓ کا خیمہ مسجد میں لگوایا تھا، جن کے زخم کا خون فرش پر بہنے لگتا تھا، اور حضرت رفیدہؓ زخمیوں کے دیکھ بھال کی انچارج بنائی گئی تھیں، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ روایت کے مصداق میں یہ طے نہیں ہے کہ یہ واقعہ مسجد نبوی یا کسی اصطلاحی مسجد کا ہے، ابن حجرؒ وغیرہ کا یہی خیال ہے:

قيل المراد المسجد الذي كان النبي صلى الله عليه و سلم أعده للصلاة فيه في ديار بني قريظة أيام حصارهم وليس المراد به المسجد النبوي بالمدينة

----- حواشی ---

[781] - : شعب الإيمان ج 4 ص 387 حديث نمبر : 2701 المؤلف : أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبو بكر البيهقي (المتوفى : 458هـ) حققه وراجع نصوصه وخرج أحاديثه : الدكتور عبد العلي عبد الحميد حامد أشرف على تحقيقه وتخريج أحاديثه : مختار أحمد الندوي ، صاحب الدار السلفية ببومباي – الهند الناشر : مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند الطبعة : الأولى ، 1423 هـ – 2003 م عدد الأجزاء : 14 (13 ، ومجلد للفهارس)

[782] - البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 1 ص 385 زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت

[783]

لیکن بہت سے محققین علماء کے نزدیک یہ اصطلاحی مسجد کا واقعہ نہیں ہے، بلکہ بنو قریظہ میں جنگ کے موقعہ پر نماز پڑھنے کے لئے عارضی جگہ بنائی گئی تھی اور اسی کے قریب حضور ﷺ کا بھی قیام تھا، اور وہیں کچھ ہٹ کر حضرت رفیدہؓ کا بھی خیمہ تھا، اس لئے حضرت سعد کو وہاں ٹھہرایا دیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ خود نگرانی فرما سکیں اور رفیدہؓ کی خدمات بھی حاصل ہوں، ایسا نہیں تھا کہ مسجد نبوی میں کوئی خیمہ لگایا گیا ہو اور حضرت رفیدہ اس میڈیکل سیکشن کی مستقل انچارج بنائی گئی ہوں، علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:

قيل المرادبه المسجد الذي كان النبي أعده للصلاة فيه في ديار بني قريظة أيام حصارهم وفي كلام ابن إسحاق ما يدل أنه كان مقيما في مسجد المدينة حتى بعث إليه رسول الله ليحكم في بني قريظة وفيه فلما خرج إلى بني قريظة كان سعد في مسجد المدينة والقول الأول أصح[784] من المسجد: الذي كان النبي – صلى الله عليه وسلم – أعده للصلاة فيه في ديار بني قريظة أيام حصارهم، وليس المراد به المسجد النبوي[785]

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی بھی یہی رائے ہے:

باب الْخَيْمَةِ فِى الْمَسْجِدِ لِلْمَرْضَى وَغَيْرِهِمْ :463 - حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُبْنُ يَحْيَى قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نُمَيْرٍقَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أُصِيبَ سَعْدٌ يَوْمَ الْخَنْدَقِ فِى الأَكْحَلِ، فَضَرَبَ النَّبِىُّ – صلى الله عليه وسلم - خَيْمَةً فِى

----- حواشی---

[783] - فتح الباري شرح صحيح البخاري ج 7 ص 412 المؤلف : أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي الناشر : دار المعرفة – بيروت ، 1379 تحقيق : أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي عدد الأجزاء : 13

[784] - عمدة القاري شرح صحيح البخاري ج 25 ص 455المؤلف : بدر الدين أبو محمد محمود بن أحمد العيني (المتوفى : 855هـ)

[785] - الفجر الساطع على الصحيح الجامع ج 3ص 86 شرح مغربي ممتع على صحيح الإمام البخاري المؤلف : محمد الفضيل بن محمد الفاطمي الشبيهي

الْمَسْجِدِ لِيَعُودَهُ مِنْ قَرِيبٍ، فَلَمْ يَرُعْهُمْ - وَفِي الْمَسْجِدِ خَيْمَةٌ مِنْ بَنِي غِفَارٍ - إِلاَّ الدَّمُ يَسِيلُ إِلَيْهِمْ فَقَالُوا يَا أَهْلَ الْخَيْمَةِ، مَا هَذَا الَّذِى يَأْتِينَا مِنْ قِبَلِكُمْ فَإِذَا سَعْدٌ يَغْذُو جُرْحُهُ دَمًا ، فَمَاتَ فِيهَا . أطرافه 2813، 3901 ، 4122،4117 - تحفة 16978والمتبادر منه المسجد النبوي، و هو الذي يَقْتَضِيه «سنن البخاري» وكلامُ الحافظ، ويُسْتفاد مِنْ سِيرةِ محمدبن إسحق أنَّه مسجدٌ آخردون المسجد النبوي، وقد عُرِف من عادةِ النَّبي صلى الله عليه وسلّم في السِيَر أنَّه كان إذا نَزَلَ منزِلا اتَّخَذَ مكانًا لِصَلاتِهِ يَحْجزه من أطرافه، و أصحابُ السِير يَذْكُرونه بلفظ المسجدسواءٌيُسَمِّيه الفقهاءمسجدًا أوْلا، وهذه واقعةُ الأحزابِ حين اغتسل النَّبي صلى الله عليه وسلّم بعد فَرَاغِهِ عنها و جاءه جبريل عليه السلام وأشارَ إلى بني قُرَيْظَة فحاصروهم فنزلوا على حُكْم سعد،و كان حليفهم في الجاهلية فَحَكَمَ فيهم بقضاء الله ،فجاءه فقال : «قوموا إلى سيدكم»، لأنَّه كان جريحًا ؛ القصة بطولها. ولعلَّ النَّبي صلى الله عليه وسلّم لما حاصَرَهُم إلى عِدَّةِ أيام، اتخذ هناك موضعًا لِصَلاتِهِ فما يَحْكُم به الوجدان أنَّ المرادمن المسجد هو هذا وبه يُناسب قوله: (لِيَعُودَه مِنْ قريب) فإنَّ المسجدالنبوي كان على ستة أميالٍ منه فأين كان يَعُوده مِنْ قريب وحينئذٍ لا يثبت مارَامَهُ البخاري رحمه الله تعالى من التوسيع في أحكامِ المساجد، فإنَّه وإنْ كان في مسجدٍ، لكنَّه لم يكن مسجدًا ممانحن بصدده وهو المسجد الفقهي ، على أنَّك قد عَلِمْتَ أنَّ تلك الواقعة كانت مَحْفُوفة بالقرائن إلا أنَّ البُخَاري يَسْتَنْبِط منها مسألة ولا يبالي[786]

اور اگر مسجد نبوی یا کوئی مسجد ہی رہی ہو تو یہ فناء مسجد کا قصہ ہو گا، اس لئے کہ مسجد میں خون بہنے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

----- حواشی ---

786 - فيض الباري على صحيح البخاري ج 2 ص 83المؤلف: (أمالي) محمد أنور شاه بن معظم شاه الكشميري الهندي ثم الديوبندي (ت ١٣٥٣هـ)المحقق: محمد بدر عالم الميرتهي، أستاذ الحديث بالجامعة الإسلامية بدابهيل (جمع الأمالي وحررها ووضع حاشية البدر الساري إلى فيض الباري)الناشر:دار الكتب العلمية بيروت ،لبنان الطبعة:الأولى،١٤٢٦هـ - ٢٠٠٥ م عدد الأجزاء: ٦

اور آخری بات یہ ہے کہ اس دور میں کوئی دوسرا متبادل موجود نہیں تھا، ایک مجبوری کی صورت حال تھی، آج کے حالات کو ان پر قیاس کرنا درست نہیں، یوں بھی یہ واقعہ جنگ کے دوران پیش آیا تھا، اور جنگ کے حالات امن کے حالات سے مختلف ہوتے ہیں ۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی عہد میں بعض مرتبہ قیدیوں کو بھی مسجد کے اندر باندھ کر رکھا گیا تھا، مگر وہ ایک وقتی مجبوری تھی، اس کو مستقل عمل کے لئے سند جواز نہیں بنایا جا سکتا، علامہ کشمیریؒ لکھتے ہیں:

قوله: (وقال إبراهيم) .. إلخ وإنَّما لأنَّ في إبراهيم لينًا ولِعَدم الاتصالِ أيضًا.قلتُ: وما أخرجَ المصنِّف رحمه الله تعالى مِنَ الأحاديث في إثباتِ أفعال غير الصَّلاةِ في المسجد كلُّها واردةعلى الوقائع على سبيلِ القِلَّة، ولعلَّ الفقهاء أيضًا لا يُنْكِرُونها، وإنَّما الكراهةُ فيما إِذَا اعتادَ بها، أَمَّا إذا كانتْ مرةً أو مرتين فهي جائزةٌ عِنْدَهم أيضًا، فإِنْ أَرَاد المصنِّف رحمه الله تعالى مِنْ هذه التراَجِم ثبوتَ هذه الأفعالِ فقط فهو مُسَلَّم ولا يخالف الفقهاء. وإِنْ أراد به التوسيع في أحكامِ المَساجِد فلا يَثْبت مُدَّعَاهُ مِنْ هذه الأحاديث، لأَنَّك قد عَلِمتَ أَنَّها لا تَدُلِ على أنَّ المَسَاجِدَ كانت تُفْعل فيها هذه الأفعال كأنَّها مهيأة لها، وإذا كان المستحبُّ في النَّوافِلِ أَنْ تُصلَّى في البيوتِ فما بالُ هذه 787

----- حواشی---

787 ـ فيض الباري على صحيح البخاري ج 2 ص 53المؤلف: (أمالي) محمد أنور شاه بن معظم شاه الكشميري الهندي ثم الديوبندي (ت ١٣٥٣هـ)المحقق: محمد بدر عالم الميرتهي، أستاذ الحديث بالجامعة الإسلامية بدابهيل (جمع الأمالي وحررها ووضع حاشية البدر الساري إلى فيض الباري) الناشر: دار الكتب العلمية بيروت – لبنان الطبعة: الأولى، ١٤٢٦هـ - ٢٠٠٥ م عدد الأجزاء: ٦

محور چہارم

کرونا سے متأثر مریض کی تیمارداری

(۱) فقہاء نے صراحت کی ہے کہ مریض کی تیمارداری فرض کفایہ ہے، جس کی ذمہ داری رشتہ داروں، دوستوں، پڑوسیوں اور پھر عام انسانوں پر عائد ہوتی ہے، اگر کوئی تیمارداری نہ کرے تو سب لوگ گناہ گار ہونگے:

صرح الفقهاء بأن التمريض فرض كفاية ، فيقوم به القريب، ثم الصاحب ثم الجار، ثم سائر الناس[788]

اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ تیمارداری کی ذمہ داری کی بناپر جمعہ اور جماعت کی حاضری سے بھی تیماردار کو رخصت دے دی گئی ہے، تقریباً تمام فقہاء کے یہاں جزوی فرق کے ساتھ یہ مسئلہ مصرح ہے:

***أو يَكُونُ قَائِمًا بِمَرِيضٍ**[789]

★(وقيامه بمريض) أي يحصل له بغيبته المشقة والوحشة كذا في الإمداد[790]

***ومنها أن يكون قيما بمريض يخاف ضياعه لان حفظ الآدمي أفضل من حفظ الجماعة ومنها أن يكون له قريب مريض يخاف موته لانه يتألم عليه**

----- حواشی -----

788 -الموسوعة الفقهية الكويتية ج 14 ص 18 صادر عن : وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية – الكويت عدد الأجزاء : 45 جزءاالطبعة : (من 1404 – 1427 هـ) الطبعة الثانية ، دارالسلاسل – الكويت ،بحواله : القوانين الفقهية ص438 ، وروضة الطالبين 2 / 35 ، 36 .

789 -البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 1ص 367زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت

790 -حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ابن عابدين.ج 1ص 556 الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8

بذلك أكثر مما يتألم بذهاب المال[791]

البتہ چونکہ یہ ایک متعدی مرض ہے اور ڈاکٹر ایسے مریضوں سے عام لوگوں کو ملنے کی اجازت نہیں دیتے، خود رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل اس باب میں مختلف رہا ہے، کبھی آپ نے بیعت کے لئے آئے ہوئے جذامی شخص سے ملنے سے انکار کر دیا، اور کبھی جذامی کی پلیٹ میں ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرمایا، کبھی ارشاد فرمایا کہ بیماریاں متعدی نہیں ہوتیں، اور کبھی فرمایا کہ بیمار آدمی صحتمند کے پاس نہ جائے، وغیرہ، علماء نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے، یہ انسان کی کیفیت دروں اور قوت ایمانی پر منحصر ہے، بلاشبہ اہل یقین اور اصحاب توکل کے لئے متعدی امراض میں مبتلا افراد سے اجتناب کی حاجت نہیں ہے، لیکن عام لوگوں کے لئے اسباب کے درجہ میں احتیاط ہی مناسب ہے، اس طرح دو مختلف طرز عمل اور کیفیات کی بنا پر متعدی امراض کے مریضوں کی تیمارداری کی ذمہ داری کسی شخص متعین پر عائد نہیں کی جاسکتی، البتہ جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے، اس کی ادائیگی بہر حال ضروری ہے خواہ خود سے انجام دہی کی جائے یا ڈاکٹروں اور اسپتالوں کے ذریعہ، تیمارداری میں بہر حال کوتاہی نہیں ہونی چاہئے، یہ کوتاہی شرعاً جرم قرار پائے گی، حافظ ابن حجرؒ کے فتاوی میں پوری تفصیل کے ساتھ یہ مسئلہ موجود ہے:

(وسئل)ماحكم تمريض المجذوم والأبرص والذي فيه طاعون والذي فيه علة وقال أهل الطب إنها تعدي ؟ (فأجاب) بقوله قد ورد في العدوى وعدمهاأحاديث ظاهرها التعارض فمن ذلك حديث ابن ماجه وغيره أن النبي صلى الله عليه وسلم قال { لا تديموا النظر إلى المجذومين } و حديث النسائي والترمذي ومسلم في إفراده{أنه كان في وفدثقيف رجل مجذوم فأرسل إليه النبي صلى الله عليه وسلم فقال ارجع فقد بايعناك } و روى البخاري تعليقا من حديث أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال { فر من المجذوم كماتفرمن الأسد }فهذه كلها

----- حواشی ---

[791] - **المهذب في فقه الإمام الشافعي ج 1ص 94إبراهيم بن علي بن يوسف الشيرازي أبو إسحاق مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 2**

ظاهرةفي إثبات العدوى ومن الأحاديث الظاهرة بل الصريحة في نفي العدوى{أنه صلى الله عليه وسلم أخذ بيد رجل مجذوم فأدخلها معه في القصعة فقال كل بسم الله ثقة بالله و توكلا عليه }خرجه ابن أبي شيبة والترمذي وابن ماجه و قال صلى الله عليه وسلم { لايوردن ممرض على مصح } رواه الشيخان و قال صلى الله عليه وسلم { لاعدوى ولا طيرة ولا هامة ولا صفر } و الجواب عن ذلك أنه لا تنافي بين هذه الأحاديث لأنه صلى الله عليه و سلم إنما أمر بالفرار من المجذوم وبعدم إدامة النظر إليه و برجوعه و مبايعته من بعيد شفقة على أمته وخشية أن يصيب من يقرب منه بالمخالطة وغيرها الجذام فيسبق إلى قلب بعضهم أن نحوالجذام يعدي بطبعه.وهواعتقادبعض الكفار كمايأتي وأماالذي عليه المحققون فهو انتفاء العدوى أصلا فقدفاها صلى الله عليه وسلم بقوله ردا على من أثبتها فمن أعدى الأول و بقوله لا عدوى الحديث وبقوله أنه لا يعدي شيء شيئا ولهذا أكل مع المجذوم ثقة بالله وتوكلا عليه وبذلك علم الجمع بين هذه الأخبار وجمع بينها أيضا بأنه صلى الله عليه وسلم خاطب كل أحد من الناس بمايليق به فبعض الناس يكون قوي الإيمان فخاطبه بطريق التوكل وبعضهم لايقوى على ذلك فخاطبه بالاحتياط والأخذ بالتحفظ وقد فعل صلى الله عليه وسلم الحالتين معا فاجتنب المجذوم تارة رعاية لما فيه من البشرية وخالطه تارة أخرى لماغلب عليه من القوة الإلهيةوأيضافليتأسى به كل من سالكي المقامين و يكون لكل طبقة من الناس حجة بحسب حالهم وعلى ما يليق بهم والذي مال إليه النووي وغيره الجمع الأول وحاصله أن الجاهلية كانت تعتقد أن الأمراض المعدية تعدي بطبعها من غير إضافة شيء إلى الله سبحانه وتعالى فأبطل صلى الله عليه وسلم اعتقادهم بقوله لا عدوى وأرشد في

الحديث الآخر إلى مجانبة ما قد يحصل عنده عادة الضرر بقضاء الله سبحانه وتعالى وقدره .وأجاب ابن قتيبة بأن القرب من المجذوم وصاحب السل قد يؤدي إلى السقم لكن بالرائحةلابالعدوى وردبأن الرائحة من أحدأسباب العدوى وأجاب الطبراني بأن أمره صلى الله عليه وسلم بتجنب ذلك على سبيل الاحتياط و مخافة ما يقع بالنفس من العدوى ثم فعل خلاف ذلك حيث خالط وقال لا عدوى ليبين أن أمره بالفرار ليس للوجوب .وقال الباجي الأمر بالفرار للإباحة أي إذا لم تصبر على أذاه وكرهت مخالطته فيباح لك أن تفر منه وروي عنه صلى الله عليه وسلم { كل مع المجذوم وبينك وبينه قيد رمح أو رمحين } وقيد بكسر القاف بمعنى قدر وروي عنه أيضا { أنه مر على الجذمى فخمر أي غطى أنفه فقالوا يا رسول الله أليس قلت لا عدوى قال بلى ولكن أقذرهم } قال وكيع أحد رواته هذا رخصة وأجابت عائشةرضي الله تعالى عنهاوغيرهابأن الأمربالفرار ونحوه منسوخ بخبر لا عدوى ونحوه وبمواكلته للمجذوم وذهب بعضهم إلى إثبات ذلك بأن أبا هريرة رضي الله عنه كان يحدث بحديث { لا عدوى ولا طيرة } وبحديث { لا يورد ممرض على مصح } ثم أمسك عن الأول فراجعوه فيه وقالوا إنا سمعناك تحدثه فأبى أن يعترف به .قال أبو سلمة الراوي عنه فلا أدري أنسي أبو هريرةأونسخ أحد الحديثين بالآخر أي العدوى باقية والأمربالفرار منسوخ وهذا قول فاسد والحاصل أن في المسألة أقوالا أربعة الأول أن المرض يعدي بطبعه وحده وهو قول الكفار الثاني أن المرض يعدي بأمرخلقه الله سبحانه وتعالى وأودعه فيه ولاينفك عنه أصلاإلاإن وقع لصاحب معجزةأوكرامةفيتخلف وهذامذهب إسلامي لكنه مرجوح الثالث أن المرض يعدي لكن لا بطبعه بل بعادة أجراها الله سبحانه و تعالى فيه

عادة وقدتتخلف بإرادة الله تعالى على ندورفي العادةالرابع أن المرض لا يعدي أصلالا طبعا ولا عادة بل من اتفق له وقوع ذلك المرض فهو بخلق الله سبحانه وتعالى ذلك فيه ابتداءولهذا نرى الكثير ممن يصيبه المرض الذي يقال أنه يعدي يخالطه الصحيح كثيرا ولا يعديه ولايصيبه منه شيء والراجح هوالأخير و إن كان الثالث مشهورا أيضا لقوله صلى الله عليه وسلم { لايعدي شيء شيئا } وقوله فمن أعدى الأول ومن ثم قال المحققون معنى لا عدوى أنه لا يعدي شيء شيئا بطبعه حتى يكون الضرر من قبله وإنماهو بتقدير الله عز وجل وفعله وإرادته قيل ولاعدوى نهي عن أن يقال ذلك أو يعتقد وقيل هو خبر أي لا يقع ومعنى الطيرة التشاؤم من التطيرمصدرتطيريتطير طيرة مأخوذ من اسم الطير.وقد كانت العرب إذاأرادت أمراجاءت إلى وكر الطيرفنفرته فإن تيامن يمنت به وسمته الشامخ ومضت لماعزمت عليه وإن تياسر سمته البارح وتشاءمت به وتركته فزجرهم النبي صلى الله عليه وسلم و عرفهم أنهالاتضرولاتنفع وأما قوله لا يورد ممرض على مصح قال الخطابي و أبوعبيد ليس المراد به الرجل المريض على الصحيح وإنماالممرض الذي مرضت ماشيته والمصح صاحب الصحاح وليس النهي من أجل أن المرض يعدى الصحاح ولكن من أجل أن الصحاح إذا مرضت بقدر الله تعالى يوقع في نفس صاحبها أن ذلك من قبيل العدوى فيفتنه ذلك ويشككه في أمره فأمر باجتنابه والمباعدة عنه لذلك لا للعدوى ، والله سبحانه وتعالى أعلم[792]

(۲)اگر افراد خاندان علاج اور تیمارداری کے اخراجات کے متحمل نہ ہوں تو ظاہر ہے کہ فرض کفایہ کی بنیاد پر یہ ذمہ داری درجہ بدرجہ حکومت اور سماج پر بھی عائد ہوتی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

----- حواشی---

[792] - الفتاوى الفقهية الكبرى [شافعي]ج 8 ص 382 ،383 المؤلف : شهاب الدين أحمد بن محمد، ابن حجر الهيتمي (المتوفى : 974هـ)

محور پنجم

کرونا سے فوت ہونے والوں کی تجہیز و تکفین اور جنازہ کے مسائل

کرونا سے مرنے والے شخص کو غسل دینے کا مسئلہ

☆ کرونا سے فوت شدہ لوگوں کی لاشیں عموماً ہاسپٹل کی طرف سے کور میں پیک کر کے حوالے کی جاتی ہیں اور ورثہ کے لئے ان کو کھولنے کی اجازت نہیں ہوتی، ایسی صورت میں تجہیز و تکفین کا مسئلہ بہت پیچیدہ ہو جاتا ہے، رہا میت کے غسل کا معاملہ، تو اگر غسل دینا قانونی ممانعت کی وجہ سے ممکن نہ ہو تو کور پر ہی پانی بہا دینا غسل کے لئے کافی ہو گا، فقہاء نے ایسی لاشوں کے لئے جس کو غسل دینا ممکن نہ ہو یہی حکم تحریر کیا ہے:

لَوْ كَانَ الْمَيِّتُ مُتَفَسِّخًا يَتَعَذَّرُ مَسْحُهُ كَفَى صَبُّ الْمَاءِ عَلَيْهِ[793]

اگر غسل دینے کی کوئی صورت نہ ہو اور تیمم دینا ممکن ہو، چہرہ اور دونوں ہاتھ کھولنے کی اجازت ہو تو تیمم کرایا جائے گا:

وَإِذَا مَاتَ الرَّجُلُ فِي السَّفَرِ وَلَيْسَ هُنَاكَ مَاءٌ طَاهِرٌ يُيَمَّمُ وَيُصَلَّى عَلَيْهِ، هَكَذَا فِي الْمُحِيطِ.رَجُلٌ مَاتَ وَلَمْ يَجِدُوا مَاءً فَيَمَّمُوهُ وَصَلَّوْاعَلَيْهِ ثُمَّ وَجَدُوا مَاءً غُسِّلَ وَصُلِّيَ عَلَيْهِ ثَانِيًا فِي قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ – رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى – كَذَا فِي فَتَاوَى قَاضِي خَانْ.[794]

وَلِأَنَّ تَرْكَ الْغُسْلِ لَوْ كَانَ لِلتَّعَذُّرِ لَأَمَرَ أَنْ يُيَمَّمُوا، كَمَا لَوْ تَعَذَّرَ غُسْلُ الْمَيِّتِ فِي زَمَانِنَا لِعَدَمِ الْمَاءِ،[795]

----- حواشی

[793] - ہندیہ الْبَابُ الْحَادِي وَالْعِشْرُونَ فِي الْجَنَائِزِ الْفَصْلُ الثَّانِي فِي غُسْلِ الْمَيِّتِ:۱/۱۵۸

[794] - ہندیہ ۱/۱٦۰

[795] - بدائع الصنائع:324/1

لیکن اگر غسل یا تیمم کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو مجبوراً بلا غسل ہی نماز جنازہ پڑھ کر اس کو دفن کر دیا جائے گا، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر غسل دینا ممکن نہ ہو تو غسل ساقط ہو جائے گا، البتہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

فَلَوْ دُفِنَ بِلاَ غُسْلٍ وَلَمْ يُمْكِنْ إِخْرَاجُهُ إِلاَّ بِالنَّبْشِ سَقَطَ الْغُسْل وَصُلِّيَ عَلَى قَبْرِهِ بِلاَ غُسْلٍ لِلضَّرُورَةِ[796]

قوله (وإن صلى عليه أولا) أي ثم تذكروا أنه دفن بلا غسل قوله (استحسانا) لأن تلك الصلاة لم يعتد بها لترك الطهارة مع الإمكان والآن زال الإمكان وسقطت فريضة الغسل جوهرة [797]

وَشَرْطُهَا إِسْلاَمُ الْمَيِّتِ وَطَهَارَتُهُ مَا دَامَ الْغُسْلُ مُمْكِنًا وَإِنْ لَمْ يُمْكِنْ بِأَنْ دُفِنَ قَبْلَ الْغُسْلِ وَلَمْ يُمْكِنْ إخْرَاجُهُ إلَّا بِالنَّبْشِ تَجُوزُ الصَّلَاةُ عَلَى قَبْرِهِ لِلضَّرُورَةِ -[798]

کرونا سے مرنے والے شخص کی تکفین کا مسئلہ

(۲) جہاں تک کفن کا مسئلہ ہے تو مجبوری کی حالت میں اسی کور کو شرعی طور پر کفن متصور کیا جا سکتا ہے، اس لئے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ زندگی میں جس چیز کو پہننا جائز ہے، اس کو کفن بنانا بھی جائز ہے، البتہ اس کا ساتر ہونا ضروری ہے، کہ اندر سے جسم کی کھال نمایاں نہ ہو:

اتَّفَقَ الْفُقَهَاءُ عَلَى أَنَّ تَكْفِينَ الْمَيِّتِ بِمَا يَسْتُرُهُ فَرْضٌ عَلَى الْكِفَايَةِ-[799]

----- حواشی--

[796] - الموسوعۃ الفقہیۃ:16/28-29

[797] - **حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ابن عابدين. ج 2 ص 208 الناشر دار الفكر للطباعة والنشر. سنة النشر 1421هـ – 2000م. مكان النشر بيروت. عدد الأجزاء 8**

[798] - **الفتاوى الهندية [حنفي] ج 4 ص 446 المؤلف : لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي**

[799] - الموسوعہ الفقہیۃ:13/465 بحوالہ شرح فتح القدير 1 / 452 ، وحاشية الرهوني 2 / 209 ط الأميرية ببولاق ، والمجموع 5 / 140 ط المنيرية ، وكشاف القناع 2 / 103 ط عالم الكتب ، والبخاري 2 / 93 ط محمد علي صبيح

وَ يُشْتَرَطُ فِي الْكَفَنِ أَلاَّ يَصِفَ الْبَشَرَةَ، لِأَنَّ مَا يَصِفُهَا غَيْرُ سَاتِرٍ فَوُجُودُهُ كَعَدَمِهِ ، وَيُكْرَهُ إِذَا كَانَ يَحْكِي هَيْئَةَ الْبَدَنِ،وَإِنْ لَمْ يَصِفِ الْبَشَرَةَ 800

ويجب تكفينه بما يستره ولو لم يملك غيره ولابأس بالزيادة مع التمكن من غير مغالاة ويكفن الشهيد في ثيابه التي قتل فيها وندب التطيب بدن الميت وكفنه أقول: أما تكفينه بما يستره فلأمره صلى الله عليه وسلم بإحسان المكفن كمافي حديث " إذا كفن أحدكم أخاه فليحسن كفنه" وهو في صحيح مسلم وغيره من حديث أبي قتادة والكفن الذي لا يستره ليس بحسن. 801

اسی طرح کفن کے نصاب کی تکمیل بھی کی جائے گی، اگر کور کا استر ایک ہی ہو تو مرد کے لئے عدد مسنون تین یا کم از کم دو اور عورت کے لئے پانچ یا کم از کم تین کا نصاب پورا کرنا ضروری ہے، بایں طور کہ اسی کور پر مزید کفن لپیٹ دیئے جائیں، اس سے کم بغیر مجبوری کے مکروہ ہے۔

وَكُلُّ مَا يُبَاحُ لِلرِّجَالِ لُبْسُهُ فِي حَالِ الْحَيَاةِ يُبَاحُ تَكْفِينُهُ بَعْدَ الْوَفَاةِ ومَا لَا يُبَاحُ لَهُ لُبْسُهُ حَالَ الْحَيَاةِ لَا يُبَاحُ تَكْفِينُهُ بَعْدَ الْوَفَاةِ، كَذَا فِي شَرْحِ الطَّحَاوِيِّ،802

وَيُكْرَهُ أَنْ يُكَفَّنَ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ؛ لِأَنَّ فِي حَالَةِ الْحَيَاةِ تَجُوزُ صَلَاتُهُ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مَعَ الْكَرَاهَةِ، فَكَذَا بَعْدَ الْمَوْتِ يُكْرَهُ أَنْ يُكَفَّنَ فِيهِ إلَّاعِنْدَ الضَّرُورَةِ بِأَنْ كَانَ لَا يُوجَدُ غَيْرُهُ لِمَا رُوِيَ أَنَّ «مُصْعَبَ بْنَ عُمَيْرٍ لَمَّا اُسْتُشْهِدَ كُفِّنَ فِي نَمِرَةٍ فَكَانَ إذَا غُطِّيَ

----- حواشی---

800 -الموسوعة الفقهية:468/13 بحواله بدائع الصنائع 1 / 307 ، والمجموع 5 / 147 ، والشرح الصغير 1 / 549 ط دار المعارف بمصر ، والمغني لابن قدامة 2 / 464 ط الرياض ، ونهاية المحتاج 2 / 447 ط المكتبة الإسلامية ، وكشاف القناع 2 / 103 ، وروضة الطالبين 2 / 109۔

801 - الدراري المضية شرح الدرر البهية ج ١ ص ١٣٥ المؤلف : محمد بن علي بن محمد الشوكاني (المتوفى : 1250هـ)الناشر : دار الكتب العلمية الطبعة : الطبعة الأولى 1407هـ - 1987م

802 - ہنديہ الْبَابُ الْحَادِي وَالْعِشْرُونَ فِي الْجَنَائِزِ الْفَصْلُ الثَّالِثُ فِي التَّكْفِينِ:١/١٦١

بِهَا رَأْسُهُ بَدَتْ رِجْلَاهُ، وَإِذَا غُطِّيَ بِهَا رِجْلَاهُ بَدَا رَأْسُهُ فَأَمَرَ النَّبِيُّ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – أَنْ يُغَطَّى بِهَا رَأْسُهُ وَيُجْعَلَ عَلَى رِجْلَيْهِ شَيْءٌ مِنْ الْإِذْخِرِ».وَكَذَا رُوِيَ «أَنَّ حَمْزَةَ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ – لَمَّا اُسْتُشْهِدَكُفِّنَ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ لَمْ يُوجَدْ لَهُ غَيْرُهُ» فَدَلَّ عَلَى الْجَوَازِ عِنْدَالضَّرُورَةِ.[803]

وَيُكْرَهُ الِاقْتِصَارُ عَلَى ثَوْبَيْنِ لَهَا وَكَذَا لِلرَّجُلِ عَلَى ثَوْبٍ وَاحِدٍإلَّالِلضَّرُورَةِ،[804]

وَأَدْنَى مَا يُكَفَّنُ فِيهِ فِي حَالَةِالِاخْتِيَارِ ثَوْبَانِ: إزَارٌ وَرِدَاءٌ لِقَوْلِ الصِّدِّيقِ: كَفِّنُونِي فِي ثَوْبَيَّ هَذَيْنِ؛ وَلِأَنَّ أَدْنَى مَا يَلْبَسُهُ الرَّجُلُ فِي حَالِ حَيَاتِهِ ثَوْبَانِ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ يَجُوزُ لَهُ أَنْ يَخْرُجَ فِيهِمَا وَيُصَلِّيَ فِيهِمَا مِنْ غَيْرِ كَرَاهَةٍ، فَكَذَا يَجُوزُ أَنْ يُكَفَّنَ فِيهِمَا أَيْضًا[805]

وَأَدْنَى مَا تُكَفَّنُ فِيهِ الْمَرْأَةُ ثَلَاثَةُ أَثْوَابٍ: إزَارٌ، وَرِدَاءٌ، وَخِمَارٌ؛ لِأَنَّ مَعْنَى السَّتْرِفِي حَالَةِالْحَيَاةِ يَحْصُلُ بِثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ حَتَّى يَجُوز لَهَا أَنْ تُصَلِّيَ فِيهَاوَ تَخْرُجَ فَكَذَلِكَ بَعْدَالْمَوْتِ وَيُكْرَهُ أَنْ تُكَفَّنَ الْمَرْأَةُ فِي ثَوْبَيْنِ،[806]

کرونا سے مرنے والے شخص پر نماز جنازہ

----- حواشی ---

[803] - بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج 1 ص 307علاء الدين الكاساني سنة الولادة / سنة الوفاة 587الناشر دار الكتاب العربي سنة النشر 1982 مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 7 وكذافی حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج 2 ص 203 ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 8

[804] - ہندیہ الْبَابُ الْحَادِي وَالْعِشْرُونَ فِي الْجَنَائِزِالْفَصْلُ الثَّانِي فِي غُسْلِ الْمَيِّتِ:۱/۱۵۸

[805] - بدائع الصنائع:306،307/1

[806] - بدائع الصنائع:307/1

(۳) اگر کرونا سے مرنے والے شخص کی تدفین نماز جنازہ کے بغیر کر دی گئی ہو اور اس کی قبر معلوم ہو تو اس کی قبر پر نماز جنازہ ادا کی جائے گی، جب تک کہ لاش کے متغیر ہو جانے کا اندازہ نہ ہو، اس کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے، موسم اور علاقہ کے لحاظ سے اس کا اندازہ کیا جائے گا۔

(وَإِنْ دُفِنَ) وَأُهِيلَ عَلَيْهِ التُّرَابُ (بِغَيْرِ صَلَاةٍ) أَوْ بِهَا بِلَا غُسْلٍ أَوْمِمَّنْ لَا وِلَايَةَ لَهُ (صُلِّيَ عَلَى قَبْرِهِ) اسْتِحْسَانًا (؛مَا لَمْ يَغْلِبْ عَلَى الظَّنِّ تَفَسُّخُهُ) مِنْ غَيْرِ تَقْدِيرٍ هُوَ الْأَصَحُّ.[807]

(۴) لیکن اگر مقام تدفین کا علم نہ ہو تو غائبانہ نماز جنازہ حنفیہ کے نزدیک درست نہیں ہے:

(قَوْلُهُ: وَشَرْطُهَا) أَيْ شَرْطُ صِحَّتِهَا ------ وَهِيَ: سَتْرُ الْعَوْرَةِ، وَحُضُورُ الْمَيِّتِ، وَكَوْنُهُ أَوْ أَكْثَرُهُ أَمَامَ الْمُصَلِّي[808]

وَمِنْ الشُّرُوطِ حُضُورُ الْمَيِّتِ وَوَضْعُهُ وَكَوْنُهُ أَمَامَ الْمُصَلِّي فَلَا تَصِحُّ عَلَى غَائِبٍ[809]

کرونا سے مرنے والا مسلمان شہید کے حکم میں

(۵) کرونا بھی طاعون کی طرح ایک وبائی مرض ہے اور احادیث میں طاعون سے مرنے والوں کو حکماً شہید قرار دیا گیا ہے، یعنی آخرت میں اس کو شہید کا ثواب ملے گا، لیکن دنیا میں اس کی تجہیز و تکفین عام مردوں کی طرح کی جائے گی، اور اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی ، اس کو نظیر بنا کر کرونا سے وفات پانے والے مسلمانوں کو بھی حکمی طور پر شہید کہا جا سکتا ہے، بشر طیکہ صبر و احتساب کے ساتھ اس کی موت ہوئی ہو، اور فرار اور بے صبری کا اس نے مظاہرہ نہ کیا ہو:

عن عائشة رضي الله عنها زوج النبي صلى الله عليه و سلم قالت:سألت رسول الله صلى الله عليه و سلم عن الطاعون فأخبرني أنه (عذاب يبعثه الله على من يشاء وأن الله جعله رحمة للمؤمنين ليس من أحد يقع

----- حواشی---

[807] - درمختار مع الشامی،کتاب الصلاۃ،باب صلاۃ الجنازۃ:۳/۱۲۵ بیروت،۲/۲۲۴

[808] - شامی:207/2

[809] - ہندیہ الْبَابُ الْحَادِي وَالْعِشْرُونَ فِي الْجَنَائِزِ الْفَصْلُ الْخَامِسُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ:164/1

الطاعون فيمكث في بلده صابرا محتسبا يعلم أنه لا يصيبه إلا ما كتب الله له إلا كان مثل أجرشهيد)[810]

★عن عائشة : أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال : لا تفنى أمتي إلا بالطعن والطاعون قلنا : يا رسول الله قد عرفنا الطعن فما الطاعون ؟ قال :غدة كغدة الإبل المقيم بها كالشهيد و الفار منها كالفار من الزحف قال حسين سليم أسد : إسناده حسن [811]

***عن عمرو بن جابر الحضرمي أنه سمع جابر بن عبد الله يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول : في الطاعون الفار منه كالفار يوم الزحف ومن صبر فيه كأن له أجر شهيد تعليق شعيب الأرنؤوط : حسن لغيره وهذاإسناد ضعيف لضعف عمرو بن جابر الحضرمي**[812]

***وبه أنه سمع جابربن عبد الله يحدث أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ذكرالطاعون فقال الفارمنه كالفارمن الزحف والصابرفيه له أجرشهيد**[813]

----- حواشی---

[810] - الجامع الصحيح ج 3 ص 1281 حديث نمبر :3287 المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا

[811] - مسند أبي يعلى ج 7 ص 379 حديث نمبر :4408 المؤلف : أحمد بن علي بن المثنى أبو يعلى الموصلي التميمي الناشر : دار المأمون للتراث – دمشق الطبعة الأولى ، 1404 – 1984تحقيق : حسين سليم أسد عدد الأجزاء : 13الأحاديث مذيلة بأحكام حسين سليم أسد عليها

[812] - مسند الإمام أحمد بن حنبل ج 3 ص 352 حديث نمبر : 14835 المؤلف : أحمد بن حنبل أبو عبدالله الشيباني الناشر : مؤسسة قرطبة – القاهرة عدد الأجزاء : 6 الأحاديث مذيلة بأحكام شعيب الأرنؤوط عليها

[813] - المعجم الأوسط ج 3 ص 293حديث نمبر:3193 المؤلف : أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبراني الناشر : دار الحرمين – القاهرة ، 1415 تحقيق : طارق بن عوض الله بن محمد ,عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني عدد الأجزاء : 10

محور ششم

کرونا ویکسین سے متعلق مسائل

الکوحل آمیز سینیٹائزر کا استعمال

(۱) اگر سینیٹائزر کا مادہ انگور یا کھجور سے کشید کیا گیا ہو تو یہ نجس اور حرام ہے، قلیل و کثیر کچھ بھی اس کا استعمال درست نہیں، اس لئے کہ اس وقت یہ اصطلاحی خمر کے دائرے میں آئے گا جس کی حرمت قرآن کریم کی نص قطعی سے ثابت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ[814]

قرآن کریم نے جس خمر کو حرام قرار دیا ہے مفسرین کے مطابق وہ انگور اور کھجور سے تیار ہوتا تھا، اس لئے بغیر کسی علت کے اس کی حرمت ثابت شدہ ہے، البتہ بعض ماہرین کی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ آج کل اکثر الکوحل انگور اور کھجور کے علاوہ دیگر چیزوں سے (مثلاً گیہوں، جو، شہد، انجیر وغیرہ) تیار کیا جاتا ہے[815]، اس لئے اب اس کی حرمت حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے اصول پر علت سکر کے ساتھ مقید ہوگی، اور قلیل غیر مسکر کے استعمال کی گنجائش ہوگی، جب کہ حضرت امام محمدؒ، مالکیہ، شافعیہ، اور حنابلہ کے نزدیک اس صورت میں بھی اس کا استعمال خواہ قلیل ہو یا کثیر درست نہیں ہے، حنفیہ کے یہاں بھی مفتیٰ بہ قول حضرت امام محمدؒ ہی کا مانا جاتا ہے، لیکن ضرورت کی صورت میں شیخین کے قول پر عمل کیا جائے گا:

(وحرم قليلها وكثيرها) بالاجماع (لعينها) أي لذاتها، وفي قوله تعالى: * (إنما الخمر والميسر)*(المائدة: 09) الآية عشر دلائل على حرمتها

----- حواشی ---

[814] -المائدة :90

[815] -عالمی وبا کورونا وائرس احکام و مسائل ص ۷۳ مؤلفہ مفتی شبیر احمد عثمانی ڈیوزبری، ناشر مدرسہ حرا ڈیوزبری برطانیہ

مبسوطة في المجتبى وغيره (وهي نجسة نجاسة مغلظة كالبول ويكفر مستحلها وسقط تقومها) في حق المسلم (لا ماليتها) في الاصح (وحرم الانتفاع بها) ولو لسقي دواب أو لطين أو نظر للتلهي، أو في دواء أو دهن أو طعام أوغيرذلك إلا لتخليل أو لخوف عطش بقدر الضرورة ----- (وحرمها محمد) أي الاشربة المتخذة من العسل والتين ونحوهما.قاله المصنف (مطلقا) قليها وكثيرها(وبه يفتى) ذكره الزيلعي و غيره ،واختاره شارح الوهبانية وذكر أنه مروي عن الكل، نظمه فقال: وفي عصرنا فاختير حد وأوقعوا طلاقا لمن من مسكر الحب يسكر وعن كلهم يروى وأفتى محمد بتحريم ما قد قل وهو المحرر قلت: وفي طلاق البزازية، وقال محمد: ما أسكر كثيره فقليله حرام، وهو نجس أيضا، ولو سكر منها المختار في زماننا أنه يحد.[816]

*(وَأَمَّا)قَوْلُهُمْ:إنَّ هَذِهِ الْأَشْرِبَةَ خَمْرٌ لِوُجُودِ مَعْنَى الْخَمْرِ فِيهَا ، وَهُوَ صِفَةُ مُخَامَرَةِ الْعَقْلِ قُلْنَا : اسْمُ الْخَمْرِلِلنِّيءِ مِنْ مَاءِ الْعِنَبِ إذَا صَارَ مُسْكِرًا حَقِيقَةٌ ، وَلِسَائِرِ الْأَشْرِبَةِ مَجَازٌ ؛ لِأَنَّ مَعْنَى الْإِسْكَارِ وَالْمُخَامَرَةِ فِيهِ كَامِلٌ وَفِي غَيْرِهِ مِنْ الْأَشْرِبَةِ نَاقِصٌ فَكَانَ حَقِيقَةً لَهُ مَجَازًا لِغَيْرِهِ ، وَهَذَا لِأَنَّهُ لَوْكَانَ حَقِيقَةًلِغَيْرِهِ لَكَانَ الْأَمْرُ لَايَخْلُومِنْ أَحدِوَجْهَيْنِ:إمَّاأَنْ يَكُونَ اسْمًامُشْتَرَكًا ،وَ إمَّاأَنْ يَكُونَ اسْمًاعَامًّاوَلَا سَبِيلَ إلَى الْأَوَّلِ ؛ لِأَنَّ شَرْطَ الِاشْتِرَاكِ اخْتِلَافُ الْمَعْنَى،فَالِاسْمُ الْمُشْتَرَكُ مَا يَقَعُ عَلَى مُسَمَّيَاتٍ مُخْتَلِفَةِ الْحُدُودِوَالْحَقَائِقِ، كَاسْمِ الْعَيْنِ وَنَحْوِهَا ، وَهَهُنَا مَا اخْتَلَفَ،وَلَا سَبِيلَ إلَى الثَّانِي لِأَنَّ مِنْ شَرْطِ الْعُمُومِ:أَنْ تَكُونَ أَفْرَادُ الْعُمُومِ مُتَسَاوِيَةً فِي قَبُولِ الْمَعْنَى الَّذِي وُضِعَ لَهُ اللَّفْظُ لَامُتَفَاوِتَةً، وَلَمْ يُوجَدْ التَّسَاوِي هَهُنَا ، وَإِذَا لَمْ يَكُنْ بِطَرِيقِ الْحَقِيقَةِ

----- حواشی-----

[816] - الدر المختار ، شرح تنوير الأبصار في فقه مذهب الإمام أبي حنيفة ج 7 ص 4 المؤلف : محمد ، علاء الدين بن علي الحصكفي (المتوفى : 1088هـ)

تَعَيَّنَ أَنَّهُ بِطَرِيقِ الْمَجَازِ فَلَا يَتَنَاوَلُهَا مُطْلَقُ اسْمِ الْخَمْرِوَاللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى أَعْلَمُ[817]

کرونا ویکسین لگوانے کا حکم

(۲) انسان اگر بیمار ہو جائے تو بیماری خواہ کیسی ہی شدید ہو شریعت میں اس کا علاج واجب نہیں ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ مستحب یا مباح ہے، اس لئے کہ علاج سے شفا ملنا یقینی نہیں ہے، پھر جو انسان ابھی بیمار نہیں ہوا اس پر کرونا ویکسین لگانے کا لزوم کیوں کر ہو سکتا ہے، ویکسین بیماری کا علاج نہیں ہے بلکہ حفظ ماتقدم کی ایک تدبیر ہے، جس کی کامیابی کی کوئی ضمانت نہیں ہے، اس لئے ویکسین لگانے کو زیادہ سے زیادہ مباح قرار دیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ اس کی افادیت ثابت ہو اور منفی نقصانات و مضرات سے پاک ہو:

★**ولا بأس بالحقنة لأنها من باب التداوي وأنه أمر مندوب إليه قال النبي عليه الصلاة والسلام "تداووا فإن الله تعالى لم يخلق داء إلا وقد خلق له دواء إلاالسام والهرم"**[818]

★ **جَازَتْ الْحُقْنَةُ لِلتَّدَاوِي وَجَازَ أَنْ يَنْظُرَ إلَى ذَلِكَ الْمَوْضِعِ لِلضَّرُورَةِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ { لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ ، وَإِذَا أَصَابَ الدَّوَاءُ الدَّاءَ بَرِئَ بِإِذْنِ اللَّهِ تَعَالَى } رَوَاهُ مُسْلِمٌ ، وَأَحْمَدُ وَرُوِيَ أَنَّ { الْأَعْرَابَ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَانَتَدَاوَى قَالَ نَعَمْ عِبَادَ اللَّهِ تَدَاوَوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَمْ يَضَعْ دَاءً إلَّا وَضَعَ لَهُ شِفَاءً أَوْدَوَاءً إلَّا دَاءً وَاحِدًا قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ ، وَمَا هُوَ قَالَ الْهَرَمُ } رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ صَحَّحَهُ وَ رَوَاهُ جَمَاعَةٌ ،وَمِنْ النَّاسِ مَنْ كَرِهَ التَّدَاوِيَ لِمَا رَوَى ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ**

----- حواشی--

[817] - بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج 11 ص 341 تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي 587هـ دار الكتب العلمية – بيروت – لبنان الطبعة الثانية 1406هـ – 1986

[818] - بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج 11 ص 372تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي 587هـ دار الكتب العلمية – بيروت – لبنان الطبعة الثانية 1406هـ – 1986م

وَسَلَّمَ قَالَ {يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًابِغَيْرِحِسَابٍ هُمْ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْقُونَ ، وَلَا يَتَطَيَّرُونَ ، وَلَا يَكْتَوُونَ وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ } رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ، وَمُسْلِمٌ ، وَأَحْمَدُ ، وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ{أَنَّ امْرَأَةً سَوْدَاءَ أَتَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ إنِّي أُبَرْسَمُ ، وَإِنِّي أَتَكَشَّفُ فَادْعُ اللَّهَ لِي قَالَ إنْ شِئْتِ صَبَرْتِ ، وَلَك الْجَنَّةُ، وَإِنْ شِئْتِ دَعَوْت اللَّهَ تَعَالَى أَنْ يُعَافِيَك فَقَالَتْ أَصْبِرُ فَإِنِّي أَتَكَشَّفُ فَادْعُ اللَّهَ أَنْ لاأَتَكَشَّفَ فَدَعَا لَهَا } رَوَاهُ أُولَئِكَ الثَّلَاثَةُ ، وَلَنَا مَا رَوَيْنَا وَرَوَى الْبُخَارِيُّ ،وَأَحْمَدُ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَالَ { مَا أَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى دَاءً إلَّا أَنْزَلَ شِفَاءً } وَ رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ تَدَاوَى وَاحْتَجَمَ .وَقَالَ جَابِرٌ إنَّ { رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَوَى سَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ فِي أَكْحَلِهِ مَرَّتَيْنِ } رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ ، وَمُسْلِمٌ بِمَعْنَاهُ ،وَلَاجُنَاحَ عَلَى مَنْ تَدَاوَى إذَا كَانَ يَرَى أَنَّ الشَّافِيَ هُوَ اللَّهُ دُونَ الدَّوَاءِ،وَأَنَّ الدَّوَاءَجَعَلَهُ سَبَبًا لِذَلِكَ وَ الْمُعَافِي فِي الْحَقِيقَةِ هُوَ اللَّهُ تَعَالَى عِنْدَ ذَلِكَ ، وَمَا رَوَاهُ بَعْضُهُمْ مِنْ الْأَخْبَارِ مَا يَدُلُّ عَلَى كَرَاهِيَةِ التَّدَاوِي فَذَاكَ إذَا كَانَ يَرَى الشِّفَاءَ مِنْ الدَّوَاءِ، وَيَعْتَقِدُ أَنَّهُ لَوْ لَمْ يُعَالَجْ لَمَا سَلِمَ وَنَحْنُ نَقُولُ لَا يَجُوزُ لِمِثْلِ هَذَاالتَّدَاوِي[819]

★قوله (بخلاف الأدوية) أي الموقوفة في التيمارخانة فإن الحاجة إليهادون الحاجة إلى السقاية فإن العطشان لو ترك شرب الماء يأثم ولوترك المريض التداوي لا يأثم [820]

★قال في الشرنبلالية عن الاختيار قال إن الله ليؤجرفي كل شيء حتى اللقمة

----- حواشی---

[819]- تبين الحقائق شرح كنز الدقائق ج 6 ص 33 فخر الدين عثمان بن علي الزيلعي الحنفي.الناشر دار الكتب الإسلامي.سنة النشر 1313هـ.مكان النشر القاهرة.عدد الأجزاء 6*3

[820] - حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ابن عابدين.ج 4 ص 399 الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8

يرفعهاالعبد إلى فيه فإن ترك الأكل والشرب حتى هلك فقد عصى لأن فيه إلقاءالنفس إلى التهلكة وإنه منهي عنه في محكم التنزيل اه بخلاف من امتنع عن التداوي حتى مات إذ لا يتيقن بأنه يشفيه كما في الملتقى وشرحه قوله(مفاده إلخ)أي مفاد قوله ومأجورعليه فإن ظاهره أنه مندوب وبه صرح في متن الملتقى فيفيد جواز الترك[821]

محور ہفتم

کروناوائرس کے پھیلاؤ کو روکنے کے لئے اسلامی ہدایات

وبا کے دفعیہ کے لئے اذان دینا

(ا) دفع بلاء کے لئے اذان دینا جائز بلکہ مستحب ہے، ائمۂ احناف سے تو اس سلسلے میں کوئی قول منقول نہیں ہے، لیکن فقہاء شافعیہ نے بعض احادیث کی بنیاد پر اس کو مستحب قرار دیا ہے۔

روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک موقعہ پر حضرت علیؓ کو بے حد غمگین دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ علی! تمہارے اہل خانہ میں سے کوئی تمہارے کان میں اذان دے، اس لئے کہ اذان رنج و غم کا علاج ہے ----- چنانچہ بہت سے اکابر نے اس کا تجربہ کیا اور اپنے حق میں بہت مفید پایا۔

ایک اور روایت میں حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا گیا ہے، کہ کسی انسان یا جانور میں بد تمیزی اور شرارت دیکھو تو اس کے کان میں اذان دو۔

متأخرین حنفیہ نے بھی ان احادیث کی بنیاد پر فقہ شافعی کے مطابق اذان دینے کو مستحب قرار دیا ہے، مذکورہ احادیث گو کہ صحت کے لحاظ سے بلند پایہ نہیں ہیں، لیکن فضائل اعمال میں حدیث ضعیف سے بھی استدلال درست ہے خصوصاً ایسے امور میں جن میں مذہب میں کوئی مخالف قول موجود نہ ہو۔

----- حواشی -----

[821] - حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ابن عابدين.ج 6 ص 339 الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8

البتہ مذکورہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک اتفاقی امر تھا، اس لئے اس کو لازمی معمول نہ بنایا جائے، اور نہ اس کو سنت قائمہ کا درجہ دیا جائے، اسی طرح یہ اذان مسجد میں نہیں دی گئی تھی، اس لئے یہ اذان مسجد سے نہ دی جائے، کہ نماز کی اذان کا اشتباہ پیدا ہو، اور نہ اس کے لئے کسی مخصوص ہیئت یا اجتماعی کیفیت کا اہتمام کیا جائے۔

قال الحافظ شمس الدين بن الجزرى فى كتاب أسنى المطالب فى مناقب على بن أبى طالب أخبرنا شيخنا الإمام المحدث جمال الدين محمد بن يوسف بن محمد بن مسعود السرمدى مشافهة أنبأنا شيخنا الإمام أبو الثناء محمود بن محمد بن محمود المقرئ أنبأنا شيخنا أبو أحمد عبد الصمد بن أبى الجيش أنبأنا أبو محمد يوسف بن عبد الرحمن بن على ابن الجوزى أنبأنا والدى أنبأنامحمدبن ناصر الحافظ أنبأنا أبو بكر محمد بن أحمد بن على بن خلف أنبأنا عبد الرحمن السلمى أنبأنا عبد الله بن موسى السلامى أنبأنا الفضل بن عياش الكوفى أنبأناالحسين بن هارون الضبى حدثنا عمر بن حفص بن غياث عن أبيه عن جعفر بن محمد عن أبيه عن على بن الحسين عن أبيه عن على بن أبى طالب قال : رآنى النبى – صلى الله عليه وسلم –حزينافقال يا ابن أبى طالب أراك حزينا قلت هو كذلك قال فمر بعض أهلك يؤذن فى أذنك فإنه دواء للهم قال ففعلت فزال عنى قال الحسين جربته فوجدته كذلك قال على بن الحسين جربته فوجدته كذلك قال محمد بن على جربته فوجدته كذلك قال جعفربن محمد جربته فوجدته كذلك قال حفص بن غياث جربته فوجدته كذلك قال عمربن حفص جربته فوجدته كذلك قال الحسين بن هارون جربته فوجدته كذلك قال الفضل جربته فوجدته كذلك قال عبد الله بن موسى جربته فوجدته كذلك قال عبد الرحمن جربته فوجدته كذلك قال أبو بكر جربته فوجدته كذلك قال ابن الجوزى لم أسمع ابن

ناصر يقول فيه شيئا بل جربته فوجدته كذلك قال أبو محمد يوسف جربته فوجدته كذلك قال عبد الصمد جربته فوجدته كذلك قال أبوالثناءجربته فوجدته كذلك قال ابن الجوزى ولم أسمع شيخناالسرمدى يقول فيه شيئا و لكن جربته فوجدته كذلك قلت وسمعت هذاالحديث من الحافظ تقى الدين محمد بن فهد بسماعه من الجزرى وقال جربته فوجدته كذلك قال ابن الجزرى حسن التسلسل لم أر فى رجاله من تكلم فيه بقدح . [كنز العمال 5001][822]

* من ساء خلقه من إنسان أو دابة فأذنوا في أذنه ."الديلمي – عن الحسين بن علي"[823]

*(قوله : وخرج بالفرائض إلخ) قال الرملي أي الصلوات الخمس فلا يسن للمنذورة و رأيت في كتب الشافعية أنه قد يسن الأذان لغير الصلاة كمافي أذان المولود والمهموم والمفزوع و الغضبان ومن ساء خلقه من إنسان أو بهيمةوعند مزدحم الجيش وعند الحريق قيل وعند إنزال الميت القبر قياسا على أول خروجه للدنيا لكن رده ابن حجرفي شرح العباب وعند تغول الغيلان أي عندتمرد الجن لخبر صحيح فيه أقول : ولا

----- حواشی--

[822] - جامع الأحاديث ج 30 ص 365 المؤلف : جلال الدين السيوطي* جمع الجوامع أو الجامع الكبير للسيوطي ج 1 ص 26596 المصدر : موقع ملتقى أهل الحديث منسقه : قام بتنسيقه وفهرسته للموسوعة الشاملة 2 أبوعمر(80) لملتقى أهل الحديث* كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال ج 2 ص 124 حديث نمبر:3440المؤلف : علاء الدين علي بن حسام الدين المتقي الهندي البرهان فوري (المتوفى : 975هـ)المحقق : بكري حياني – صفوة السقا الناشر : مؤسسة الرسالة الطبعة : الطبعة الخامسة 1401هـ/1981م

[823] - كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال ج 15 ص 421 حديث نمبر: 41662 المؤلف : علاء الدين علي بن حسام الدين المتقي الهندي البرهان فوري (المتوفى : 975هـ)المحقق : بكري حياني – صفوة السقا الناشر : مؤسسة الرسالة الطبعة : الطبعة الخامسة ،1401هـ/1981م

بعد فیه عندنا[824]

⋆مطلب في المواضع التي يندب لها الأذان في غير الصلاة قوله (لا يسن لغيرها)أي في الصلوات وإلا فيندب للمولودوفي حاشية البحر للخير الرملي رأيت في كتب الشافعية أنه قد يسن الأذان لغير الصلاة كما في أذن المولودو المهموم و المصروع و الغضبان ومن ساء خلقه من إنسان أو بهيمة وعند مزدحم الجيش وعندالحريق قيل وعندإنزال الميت القبرقياساعلى أول خروجه للدنيا لكن رده ابن حجر في شرح العباب وعند تغول الغيلان أي عند تمردالجن لخبر صحيح فيه ـ أقول ولا بعد فيه عندنا ا هـ أي لأن ما صح فيه الخبر بلا معارض فهو مذهب للمجتهد و إن لم ينص عليه لما قدمناه في الخطبة عن الحافظ ابن عبد البر والعارف الشعراني عن كل من الأئمة الأربعة أنه قال إذا صح الحديث فهو مذهبي على أنه في فضائل الأعمال يجوز العمل بالحديث الضعيف كما مر أول كتاب الطهارة هذا وزادابن حجر في التحفة الأذان والإقامة خلف المسافر ـ قال المدني أقول وزاد في شرعة الإسلام لمن ضل الطريق في أرض قفرأي خاليةمن الناس- وقال المنلا علي في شرح المشكاة قالوا يسن للمهموم أن يأمر غيره أن يؤذن في أذنه فإنه يزيل الهم كذا عن علي رضي الله عنه ونقل الأحاديث الواردةفي ذلك فراجعه اهـ[825]

***فَلَا يُرَدُّ طَلَبُ الْأَذَانِ فِي أُذُنِ مَنْ سَاءَ خُلُقُهُ ، وَلَوْ بَهِيمَةً أَوْ الْمَغْمُومَ**

----- حواشی---

[824] -البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 3 ص 11المؤلف : زين الدين بن إبراهيم بن نجيم ، المعروف بابن نجيم المصري (المتوفى : 970هـ)

[825] -حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ابن عابدين.ج 1 ص 385 الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8

أَوْ الْمَصْرُوعَ أَوْالْغَضْبَانَ أَوْعِنْدَمُزْدَحَمِ الْجَيْشِ ، أَوْ عَلَى الْحَرِيقِ أَوْ وَقْتَ تَغَوُّلِ الْغِيلَانُ ، وَطَلَبُهُمَا مَعًا خَلْفَ الْمُسَافِرِ وَفِي أُذُنَيْ الْمَوْلُودِ[826]

★وقد يسن الاذان لغير الصلاة، كما في أذن المهموم والمصروع والغضبان ،ومن ساء خلقه من إنسان أو بهيمة، وعند الحريق، وعند تغول الغيلان – أي تمرد الجن –وهو والاقامة في أذني المولود وخلف المسافر[827]

★(قوله وعند تغول الغيلان) أي تصور مردة الجن والشياطين بصور مختلفة بتلاوة أسماء يعرفونها هم وإنما سن الأذان عند ذلك لأنه يدفع الله شرهم به لأن الشيطان إذا سمع الأذان أدبر[828]

★نَعَمْ قَدْ يُسَنُّ الْأَذَانُ لِغَيْرِ الصَّلَاةِ كَمَا فِي آذَانِ الْمَوْلُودِ ، وَالْمَهْمُومِ ، وَالْمَصْرُوعِ ،وَالْغَضْبَانِ وَمَنْ سَاءَ خُلُقُهُ مِنْ إنْسَانٍ ، أَوْ بَهِيمَةٍ وَعِنْدَ مُزْدَحَمِ الْجَيْشِ وَعِنْدَ الْحَرِيقِ قِيلَ وَعِنْدَ إنْزَالِ الْمَيِّتِ لِقَبْرِهِ قِيَاسًا عَلَى أَوَّلِ خُرُوجِهِ لِلدُّنْيَا لَكِنْ رَدَدْته فِي شَرْحِ الْعُبَابِ وَعِنْدَ تَغَوُّلِ الْغِيلَانِ أَيْ تَمَرُّدِ الْجِنِّ لِخَبَرٍصَحِيحٍ فِيهِ ، وَهُوَ ، وَالْإِقَامَةُ خَلْفَ الْمُسَافِرِ[829]

----- حواشی---

[826] -حاشيتا قليوبي وعميرة ج 2 ص 130المؤلف : شهاب الدين القليوبي (المتوفى : 1069 هـ) وأحمد البرلسي عميرة (المتوفى : 957هـ)[هي حاشية على كتاب المنهاج للنووي (المتوفى : ت 676هـ)]

[827] -فتح المعين بشرح قرة العين ج 1 ص 267 المؤلف : زين الدين بن عبد العزيز بن زين الدين ابن علي بن أحمد المعبري المليباري الهندي (المتوفى : 987هـ)مصدر الكتاب : موقع يعسوب [هو شرح للمؤلف على كتابه هو المسمى قرة العين بمهمات الدين] [ترقيم الكتاب موافق للمطبوع]

[828] -حاشية إعانة الطالبين على حل ألفاظ فتح المعين لشرح قرة العين بمهمات الدين ج 1 ص 230 أبي بكر ابن السيد محمد شطا الدمياطي(المتوفى : بعد 1302هـ) [هو حاشية على حل الفاظ فتح المعين لشرح قرة العين بمهمات الدين / لزين الدين بن عبد العزيز المعبري المليباري (المتوفى : 987 هـ)]الناشر دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع مكان النشر بيروت

[829] - تحفة المحتاج في شرح المنهاج ج 5 ص 51 المؤلف : شهاب الدين أحمد بن حجر الهيتمي (المتوفى : 974هـ)[هو شرح متن منهاج الطالبين للنووي (المتوفى 676 هـ)]

دفع وبا کے لئے اجتماعی نماز و دعا کا حکم

(۲) دفع وبا کے لئے اجتماعی نماز کا ثبوت نہیں ہے، عہد نبوت میں چاند و سورج گرہن، قحط، آندھی طوفان اور زلزلے وغیرہ کے بعض واقعات پیش آئے مگر نماز کسوف اور استسقا کو چھوڑ کر کسی کے لئے آپ نے اجتماعی نماز نہیں پڑھی، اور نہ اجتماعی دعا کا اہتمام فرمایا، البتہ ایسے مواقع پر آپ انفرادی طور پر توبہ اور رجوع الی اللہ کی تلقین فرماتے تھے، روایت میں آتا ہے کہ آپ تیز ہوا، یا طوفان باد و باراں کے آثار دیکھتے تو مسجد تشریف لے جاتے اور دعا و استغفار میں مشغول ہو جاتے، ظاہر ہے کہ آپ کی اتباع میں صحابہ بھی یہی کرتے ہونگے، اس لئے اسوۂ نبویؐ کو سامنے رکھتے ہوئے کسی وبا یا بلا کے موقعہ پر دعا و استغفار کا اہتمام کیا جانا چاہئے، بالخصوص ماثور دعاؤں کا، انفرادی نمازیں پڑھی جائیں، اجتماعی نماز ثابت نہیں ہے۔

★عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِىِّ –صلى الله عليه وسلم– أَنَّهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِىُّ – صلى الله عليه وسلم– إِذَا عَصَفَتِ الرِّيحُ قَالَ « اللَّهُمَّ إِنِّى أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيهَاوَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَ شَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ ».قَالَتْ وَإِذَا تَخَيَّلَتِ السَّمَاءُ تَغَيَّرَ لَوْنُهُ وَخَرَجَ وَ دَخَلَ وَأَقْبَلَ وَأَدْبَرَ فَإِذَا مَطَرَتْ سُرِّىَ عَنْهُ فَعَرَفْتُ ذَلِكَ فِى وَجْهِهِ . قَالَتْ عَائِشَةُ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ « لَعَلَّهُ يَا عَائِشَةُ كَمَا قَالَ قَوْمُ عَادٍ (فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوا هَذَاعَارِضٌ مُمْطِرُنَا)[830]

*حَدَّثَنِى ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ أَنَّ أَبَاهُرَيْرَةَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم – يَقُولُ « الرِّيحُ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ ». قَالَ سَلَمَةُ فَرَوْحُ اللَّهِ تَأْتِى بِالرَّحْمَةِوَتَأْتِى بِالْعَذَابِ فَإِذَا رَأَيْتُمُوهَافَلاَ تَسُبُّوهَا وَسَلُوا اللَّهَ خَيْرَهَا

----- حواشی---

[830] - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج 3 ص 26 حديث نمبر:2122 المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق :الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة ـ بيروت الطبعة : عدد الأجزاء : ثمانية أجزاء في أربع مجلدات

وَاسْتَعِيذُوا بِاللَّهِ مِنْ شَرِّهَا »[831]

واللہ اعلم بالصواب وعلمی اتم واحکم

تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

"کرونا وبا کی وجہ سے جہاں دوسرے شعبہ ہائے حیات میں مشکلات پیدا ہوئیں، وہیں عبادات کے بعض اہم مسائل میں بھی رکاوٹیں پیدا ہوئیں، جن میں سے چند کے احکام یہ ہیں۔

۱- کورونا جیسی پابندیوں کے ماحول میں ایک مسجد میں پنج وقتہ اور جمعہ وعیدین کی نماز میں ایک سے زائد جماعت کی اجازت ہوگی، البتہ اس کا خیال رکھا جائے کہ ہر جماعت کا امام الگ ہو اور دوسری جماعت تبدیلیٔ ہیئت کے ساتھ ہو۔

۲- عام حالات میں جب کہ نمازیوں کی تعداد بہت زیادہ ہو اور ایک مرتبہ میں مسجد کے اندر نہ آسکتے ہوں اور نمازیوں کے مسجد سے باہر نماز ادا کرنے میں دشواریاں پیدا ہوتی ہوں، تو اس صورت میں توسیع مسجد یا دوسری مسجد کی تعمیر ہونے تک ایک مسجد میں ایک سے زائد جماعت کی گنجائش ہے۔

۳- کورونا جیسے وبائی دور میں طبی اور انتظامی ہدایات اور تقاضوں کے مطابق مسجد کی جماعت کے علاوہ متعدد مقامات و مکانات میں نماز جمعہ پڑھنا درست ہے۔

۴- جو لوگ کورونا جیسی پابندیوں کی وجہ سے اپنے گھروں میں نماز ظہر پڑھنا چاہتے ہیں، ان کے لئے جماعت سے بھی پڑھنا درست ہے اور انفراداً بھی۔

۵- اگر کورونا پابندیوں کی وجہ سے میت کو غسل دینا یا تیمم کرانا دشوار ہو تو فریضۂ

----- حواشی---

[831] - سنن أبي داود ج 4 ص 486 حديث نمبر :5099المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستانيالناشر : دار الكتاب العربي . بيروت عدد الأجزاء : 4 مصدر الكتاب : وزرارة الأوقاف المصرية وأشاروا إلى جمعية المكنز الإسلامي

غسل ساقط ہو جائے گا اور اس پر نماز جنازہ ادا کرنا درست ہو گا۔

٦-اگر کورونا میت کو کفن مسنون دینا دشوار نہ ہو تو کور پر کفن مسنون پہنانا بہتر ہے، اور دشواری کی صورت میں کور ہی کفن کے حکم میں ہو گا۔

٧-اگر کورونا میت کو نماز جنازہ پڑھے بغیر دفن کر دیا گیا ہو تو اس کی قبر پر اس وقت تک نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے جب تک کہ اس کی لاش کے تغیر کا ظن غالب نہ ہو[832]۔

تجاویز مجلس تحقیقات شرعیہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

کرونا کے بارے میں شرعی تصور

١-وبا ایسی بیماری ہے جو تیزی کے ساتھ پھیلتی ہے، اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری آبادی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے، اور اکثر و بیشتر جان لیوا ہوتی ہے، کتاب و سنت میں اس کے تصورات واضح طور پر ملتے ہیں، یہ کبھی بنو آدم کی بداعمالیوں کے نتائج ہوتے ہیں ، اور کبھی انسان بطور آزمائش بھی اس سے دوچار کئے جاتے ہیں، جس میں تنبیہ الٰہی ہوتی ہے، بہر صورت جب کوئی شخص وبا میں مبتلا ہو تو وہ ہمدردی اور تعاون کا مستحق ہے۔

٢-شریعت میں وباء سے تحفظ کی ہدایات موجود ہیں، جن میں ظاہری تدابیر بھی ہیں ، جیسے صفائی ستھرائی کا اہتمام ، بلاضرورت ایک مقام سے دوسرے مقام تک آمدورفت سے بچنا اور اطباء و ماہرین کی ہدایات پر عمل کرنا، اور باطنی تدابیر بھی ہیں جن میں توبہ و استغفار، دعاوابتہال، رجوع الی اللہ اور صدقہ وغیرہ ہیں۔

٣-دفع وبا کے لئے اجتماعی نماز کے اہتمام کا ثبوت کتاب و سنت سے نہیں ہے۔

----- حواشی---

832 - بموقعہ ٢٩ واں اور ٣٠ واں فقہی سیمینار بمقام المعہد العالی الاسلامی حیدر آباد منعقدہ ١ تا ١٤ اکتوبر ٢٠٢١ء

۴- صحت و بیماری اللہ کے ہاتھ میں ہے اور کوئی بھی انسان اللہ ہی کے فیصلہ سے بیماری میں مبتلا ہوتا ہے یا صحتیاب ہوتا ہے، لیکن بعض بیماریاں متعدی ہوتی ہیں، یہ اسلام کے تصور توحید کے خلاف نہیں ہے۔

کرونا کے زمانہ میں عبادات میں تخفیف

۵- وباء کے زمانہ میں جب کہ مساجد میں باجماعت نماز ادا کرنے پر پابندی ہو تو مساجد کے بجائے گھروں میں جماعت کے ساتھ یا انفرادی طور پر نماز ادا کی جائے گی۔

۶- وباء کے دور میں اگر ماہرین صحت کی ہدایت ہو کہ لوگ بڑی تعداد میں جمع نہ ہوں تو مسجد میں پہلی جماعت کے بعد ہیئت بدل کر متعدد جمعہ اور جماعت کی اجازت ہوگی۔

۷- وبائی دور میں طبی وانتظامی ہدایات کے مطابق مسجد کی جماعت کے علاوہ متعدد مقامات اور مکانات میں نماز جمعہ اور عیدین پڑھنا درست ہے۔

۸- وباء کے دور میں جمعہ کے دن جو لوگ پابندیوں کی وجہ سے اپنے گھروں میں نماز ظہر پڑھنا چاہتے ہیں ان کے لئے جماعت سے بھی پڑھنا درست ہے اور انفرادی طور پر بھی۔

۹- طبی ہدایات کی بنا پر ماسک لگا کر نماز پڑھی جاسکتی ہے، اور صفوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کی بھی گنجائش ہے۔

۱۰- کرونا سے متاثر افراد کا مسجد میں آنا اور جماعت میں شریک ہونا ممنوع ہے۔

۱۱- کرونا سے متاثر افراد کے لئے اطباء کے مشورہ پر روزہ نہ رکھنے کی گنجائش ہے۔

کرونا کے زمانہ میں مساجد سے متعلق مسائل

۱۲- مسجد اللہ رب العزت کا گھر اور مقدس عبادتگاہ ہے، ہر حال میں اس کو آباد رکھنے

کا حکم ہے، اس لئے کرونا یا کسی بھی وبائی مرض کے زمانہ میں مساجد کو مکمل طور پر بند کر دینا یا معطل کر دینا جائز نہیں ہے۔

۱۳- اگر کسی وجہ سے مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا موقوف ہو جائے تب بھی اپنے وقت پر اذان کا اہتمام کرنا ضروری ہے۔

۱۴- کثرت جماعت شرعاً مطلوب ہے، البتہ اگر وباء کی وجہ سے حکومت کی ہدایات کی بنا پر افراد کو محدود کرنے کی مجبوری ہو تو اس پر عمل کرنا چاہئے۔

۱۵- مسجد کے احترام و تقدس کے پیش نظر مسجد کے کسی حصہ کو کووڈ سینٹر بنانا جائز نہیں۔

کرونا سے متأثر مریض کی تیمارداری

۱۶- کرونا سے متأثر مریض کو بالکل الگ تھلگ کر دینا اور اس کی تیمارداری نہ کرنا اسلامی تعلیمات کے منافی اور انسانیت کے خلاف ہے۔

۱۷- کرونا سے متأثر مریض اگر اپنا علاج خود نہ کرا سکے تو اقرباء کی ذمہ داری ہے کہ اس کے علاج کا بندوبست کریں اور اس کو بے سہارا نہ چھوڑیں، اگر ان میں استطاعت نہ ہو یا وہ غفلت برتیں تو حکومت اور سماج اس کے علاج اور دیکھ ریکھ کے ذمہ دار ہونگے۔

کرونا سے فوت ہونے والے افراد کی نماز جنازہ اور غسل سے متعلق مسائل

۱۸- اگر کرونا پابندیوں کی وجہ سے میت کو غسل دینا یا تیمم کرانا دشوار ہو تو فریضۂ غسل ساقط ہو جائے گا، اور میت کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔

۱۹- اگر کرونا میت کو کفن مسنون دینا دشوار نہ ہو تو کور (Cover) پر کفن پہنا دینا

چاہئے اور دشواری کی صورت میں کورہی کفن کے حکم میں ہوگا۔

۲۰-اگر کرونا میت کو نماز جنازہ پڑھے بغیر دفن کر دیا گیا اور اس کی قبر پر اس وقت تک نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے جب تک کہ اس کی لاش کے تغیر کا ظن غالب نہ ہو۔

۲۱-اگر میت کو بغیر جنازہ دفن کر دیا گیا اور اس کی قبر کی جگہ بھی معلوم نہ ہو تو اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔

۲۲-کرونا وبا سے انتقال کرنے والے مسلمان ان شاء اللہ شہادت کے اجر کے مستحق ہونگے۔

کرونا ویکسین سے متعلق مسائل

۲۳-الکوحل آمیز سینٹائزر کا استعمال مباح ہے۔

۲۴-کرونا ویکسین ایک قسم کی دوا اور حفاظتی تدبیر ہے ضرورت کے تحت اس کا لگوانا جائز ہے[833]۔

----- حواشی -----

833 - بموقعہ دوروزہ پہلا فقہی سیمینار، منعقدہ بتاریخ ۲۳، ۲۴/ نومبر ۲۰۲۲ء بمقام دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

یوتھینیزیا(EUTHANASIA)کا شرعی حکم[834]

زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے، نہ زندگی کسی کو اپنے اختیار سے ملتی ہے اور نہ موت، اللہ جس کو جب تک چاہتا ہے، زندہ رکھتا ہے، اور جب چاہتا ہے موت دے دیتا ہے، زندگی کے کتنے لمحات کس کے لئے مقرر ہیں؟ یہ بھی کسی کے علم میں نہیں، ایک اچھا خاصا انسان اچانک رخصت ہو جاتا ہے، اور ایک مجبور و بیمار شخص برسوں زندگی کی دشواریوں کو جھیلتا رہتا ہے۔

زوال پذیر زندگی

زندگی لمحہ بہ لمحہ کتنے رنگ بدلتی ہے، اور کن کن مرحلوں کے بعد انسان موت سے ہم آغوش ہوتا ہے؟ تجربہ سے پہلے ان کا تصور بھی مشکل ہے۔۔۔ اسی لئے اسلام نے جو تصور حیات دیا ہے، اس میں انسانوں کے لئے کافی سامان تسکین موجود ہے، سب کچھ اللہ کے حوالے، اللہ جس حال میں رکھے، بندہ ہر آن اس پر راضی رہتا ہے، زندگی کی ہزار تبدیلیاں بھی اسے فریب نہیں دے سکتیں، وہ ہر چیز کا رشتہ اللہ سے جوڑتا ہے، اور ہر منظر میں وہ قدرت الٰہی کی جھلک دیکھتا ہے۔ مومن کو تعلیم دی گئی ہے:

(۱)" فلا تغرنكم الحيٰوة الدنيا ولا يغرنكم با لله الغرور[835]"

ترجمہ: دنیا کی زندگی تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے، اور اللہ کے معاملے میں کسی فریب کا شکار نہ ہو جاؤ۔

ایک حدیث میں ہے:

"مايصيب المسلم من نصب ولا وصب ولاهم ولاحزن ولا اذىٰ ولا غم حتىٰ الشوكة يشاكها الا كفر الله بهامن خطاياه"[836]

----- حواشی --

834 - تحریر بمقام جامعہ ربانی منورواشریف، بتاریخ ۵/ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۵/ جنوری ۲۰۰۷ء

835 - لقمان: ۳۳

836 - بخاری علی فتح الباری ج ۱۰ ص / ۱۱۰

ترجمہ: مؤمن کو جو بھی غم، تکلیف، مصیبت، ایذاء اور دکھ پہونچتا ہے، یہاں تک کہ کوئی کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالی ان تکلیفوں کو اس کے لئے کفارہ گناہ بنا دیتے ہیں۔

اسلام نے تعلیم دی ہے کہ سخت سے سخت مصیبت میں بھی اللہ سے بیزاری اور رحمت خداوندی سے مایوسی کی کیفیت نہیں پیدا ہونی چاہیئے:

"قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ"[837]

ترجمہ: آپ میرے ان بندوں سے فرمادیں جنہوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔

موت کی تمنا جائز نہیں

ہر حال میں خدائے کریم سے لو لگانا اور اس کے کرم کی آس رکھنا ایسی نعمت ہے جو مومنوں کے علاوہ کسی کو نصیب نہیں، اسی لئے بڑی سے بڑی پریشانی میں بھی مؤمن کو تمنائے موت کی بھی اجازت نہیں، چہ جائے کہ تدبیر موت کی، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" لا یتمنین احد کم الموت من ضر اصابہ"[838]

ترجمہ: دنیا کی کسی تکلیف کے سبب کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے:

"لایتمنی احد کم المو ت اما محسنا فلعلہ ان یزدادو امامسیئا فلعلہ ان یستتاب"[839]

ترجمہ: مومن ہرگز موت کی تمنا نہ کرے، جو تکلیف وہ اٹھا رہا ہے، اگر وہ نیکو کار ہے

----- حواشی---

[837] ۔الزمر:۵۳

[838] ۔ بخاری علی فتح الباری ج ا ص / ۱۰۷

[839] ۔ بخاری علی فتح الباری ج ا ص / ۱۱۰

توشاید یہ تکلیفیں اس کی نیکی میں زیادتی کا ذریعہ بنیں گی، اور اگر بدکار ہے توشاید اس کے لئے معافی کا ذریعہ بنیں۔

خودکشی جائز نہیں

اسی طرح اسلام میں اس کی بھی اجازت نہیں کہ شدت بیماری یا دنیاوی پریشانی کے سبب سے کوئی شخص خودکشی کرے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ[840]

ترجمہ: اپنے ہاتھ ہلاکت میں نہ ڈالو۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من تردی من جبل فقتل نفسہ فھو فی نارجھنم یتردی فیھا خالدامخلدا فیھا ابدا ومن تحسی سما فقتل نفسہ فسمہ فی ید یتحساہ فی نا ر جھنم خا لدا مخلدا فیھا ابدا،ومن قتل نفسہ بحدیدۃ فحدیدتہ فی یدہ یتوجأ بھا فی بطنہ فی نا رجھنم خا لدا مخلدا ابدا "[841]

ترجمہ: جس شخص نے اپنے کو پہاڑ سے گرا کر مار ڈالا وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ گرتا چلا جائے گا، جس نے زہر پی کر اپنے کو ہلاک کیا اس کے ہاتھ میں زہر کا پیالہ ہوگا اور پیتا ہوا ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل ہو جائے گا، اور جس نے کسی دھار دار چیز سے اپنے کو قتل کیا وہ قتل کی اسی شدید ترین کیفیت کے ساتھ ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈالدیا جائے گا۔

----- حواشی ---

840 ۔بقرہ:۱۹۵

841 ۔ مسلم مع فتح الملہم: ج۱ص/ ۲۶۵، ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج۳ص/ ۱۵۹

انسانی جان کی حرمت

قرآن وحدیث کی ان تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے نزدیک انسان کس قدر محترم ہے، کہ انسان کو اپنی جان وجسم کو بھی نقصان پہونچانے کا اختیار نہیں ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ:

کم خوری کی ایسی ریاضت جس سے انسان کمزور ہو جائے اور ادائے عبادت میں بھی دشواری ہونے لگے، جائز نہیں، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نفسک مطیتک فارفق بھا"

ترجمہ: تمہاری جان تمہاری سواری ہے، اس لئے اس کے ساتھ نرمی برتو۔

اور نرمی یہ ہے کہ اسے تکلیف نہ پہونچائی جائے، اور نہ اسے بھوکا رکھا جائے[842]

ظاہر ہے کہ جب انسان اپنے جسم وجان کے حق میں بھی صاحب اختیار نہیں ہے، تو کسی دوسرے کی جان لے نے یا اس کو نقصان پہونچانے کی اجازت کیونکر ہو سکتی ہے، اسلام نے پوری شدت وتاکید کے ساتھ کسی کے قتل ناحق کی ممانعت کی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ولاتقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق"[843]

ترجمہ: کسی محترم جان کو ناحق قتل نہ کرو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"من قتل نفسابغیرنفس اوفساد فی الارض فکأنماقتل الناس جمیعا"[844]

ترجمہ: جس نے کسی انسان کو قصاص یا فساد کے علاوہ ناحق طور پر قتل کیا اس نے گویا

----- حواشی ---

[842] ۔ غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر للحموی: ج ۱ ص / ۱۰۲، مجمع الانہر: ج ۲ ص / ۵۲۴

[843] ۔ انعام: ۱۵۱

[844] ۔ مائدہ: ۳۲

ساری انسانیت کو قتل کر دیا۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لوان اهل السماء و الارض اشترکوا فی دم مؤ من لأکبهم الله فی النارروا ه الترمذی"[845]

ترجمہ: اگر آسمانوں و زمین کے سارے ہی لوگ کسی ایک مومن شخص کے قتل میں شریک ہو جائیں تو اللہ ان سب کو جہنم میں ڈالدے گا۔

جواز قتل کے اسباب

اسلام نے قتل کے قانونی جواز کے لئے کچھ بنیادیں مقرر کی ہیں:

حضرت عثمان غنیؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا یحل دم امرئ مسلم الا باحدی ثلٰث: زنا بعد احصا ن او کفربعد اسلا م او قتل نفس بغیر حق فقتل بہ روا ه التر مذی"[846]

ترجمہ: کسی مسلمان کا خون تین باتوں میں سے کسی ایک بات کی بنا پر حلال ہو سکتا ہے :(۱) شادی کے بعد زنا کا ارتکاب کرے (۲) اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو جائے (۳) یا کسی کو ناحق قتل کر دے۔

ان مقررہ بنیادوں کے علاوہ کسی بھی صورت میں کسی بھی معصوم جان کا قتل حرام ہے۔

یو تھینیزیا

مغربی تہذیب اور یورپ کے اخلاقی بحران نے جو بہت سے مسائل کھڑے کئے ہیں، ان میں ایک اہم ترین مسئلہ یو تھینیزیا (EUTHA NASIA) ہے، یعنی ایسا مریض جس کے شفایاب ہونے کی کوئی

----- حواشی --

845 ۔ مشکوٰۃ: ص/۳۰۰

846 ۔ مشکوٰۃ کتاب القصاص: ص/۳۰۱

امید نہ ہو، اگر وہ سخت تکلیف کا شکار ہے، اور اپنے گھر والوں اور تیمار داروں کے لئے مصیبت ہے، تو اس کو اس تکلیف دہ زندگی سے نجات دلائی جائے، خواہ کوئی دوا دے کر، یا اس کا علاج ترک کر کے۔

مغربی ملکوں اور مغرب کے زیر اثر ملکوں میں یہ رجحان کافی تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے، اسلامی معاشرہ کے لئے یہ کوئی اہم مسئلہ نہیں ہے، اس لئے کہ جس معاشرہ کی بنیاد ایمان ویقین، عقیدۂ اخرت، اور خدمت خلق کے جذبہ پر ہو، جس سوسائٹی میں یہ تعلیم دی گئی ہو کہ زندگی اور موت اللہ کا عطیہ ہیں، زندگی کی تکلیفوں پر صبر کرنا تقاضائے ایمان ہے، ماں باپ کی خدمت جنت کی ضمانت ہے، اقرباء کے ساتھ حسن سلوک، بیماروں کی تیمار داری اور معذوروں کی امداد بہت بڑی سعادت ہیں، اور جہاں دوسروں کی خدمت کر کے معنوی راحت حاصل ہوتی ہے، ایسی سوسائٹی کے لئے ایسے نا قابل علاج مریضوں کی خدمت و تیمارداری، حقیقت یہ ہے کہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

البتہ ایمان ویقین سے محروم سوسائٹی جس کے نزدیک دنیا ہی سب کچھ ہے، یہیں کی تکلیف تکلیف ہے، اور یہیں کا آرام آرام ہے، اس کے لئے یہ بہت بڑا مسئلہ ہو سکتا ہے، آخر وہ کسی کے لئے تکلیف کیوں اٹھا ئیں؟ کسی کی خدمت سے ان کو کیا ملے گا؟ دوسروں کی خاطر اپنی زندگی میں تلخیاں کیوں گھولیں؟۔۔۔۔ اس لئے ضروری ہے کہ شرعی طور پر اس مسئلہ کا جائزہ لے کر حکم شرعی منقح کیا جائے۔

یوتھینیزیا کی قسمیں

یوتھینیزیا (EUTHANASIA) (یعنی نا قابل علاج اور شدید تکلیفوں میں مبتلا مریض کی زندگی کو ختم کر دینا، تا کہ وہ اس تکلیف دہ زندگی سے نجات پا جائیں) کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) عملی (ACTIVE) (۲) غیر عملی (PASSIVE)

(۱) ایکٹو یوتھینیزیا کی صورت یہ ہے کہ مریض کو موت تک پہونچانے کے لئے کوئی مثبت عمل کرنا پڑے، مثلا کینسر کا مریض جو شدید تکلیف میں مبتلا ہو، یا وہ مریض جو طویل بے ہوشی کا شکار ہو، اور اس کے بارے میں ڈاکٹر کا خیال ہو کہ اس کی زندگی کی اب کوئی توقع نہیں ہے، ایسے مریض کو ایسی دوا دے دی

جائے، جس سے مریض کی سانس رک جائے۔

(۲) پیسیو یو تھینیزیا کا مطلب یہ ہے کہ مریض کی جان لینے کے لئے کوئی عملی تدبیر نہیں کی جاتی ، البتہ اسے زندہ رکھنے کے لئے جو ضروری علاج کیا جانا چاہیئے وہ نہیں کیا جاتا، اور اس طرح وہ مریض مر جاتا ہے، مثلا کینسر یا بیہوشی یا دماغی چوٹ، یا مینینجائٹس کا مریض نمونیہ یا کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جائے، جو قابل علاج ہو، لیکن ڈاکٹر اس لئے مرض کا علاج نہ کرے تاکہ اس کی موت جلد واقع ہو جائے، اسی طرح ایسے بچے جو شدید طور پر معذور ہوں، مثلا ان کی ریڑھ کی ہڈی میں ایسی خرابی ہو جس کی وجہ سے ٹانگیں مفلوج ہو ں، یا پیشاب یا پاخانہ پر قابو باقی نہ رہا ہو، یا بچہ کا دماغ پیدائش کے وقت مجروح ہو چکا ہو، ایسی حالت میں یہ زندگی بھر مریض بار گراں بن کر زندہ رہے گا، اب اگر ایسے بچوں کو نمونیہ یا کوئی دوسرا قابل علاج مرض پیدا ہو جائے تو ان کا علاج نہ کر کے انہیں ایسی گرانبار اور تکلیف دہ زندگی سے جلد نجات دلانے کی صورت اختیار کی جائے۔

پہلی صورت کا خلاصہ ہے مریض کے لئے بالارادہ تدبیر موت اور دوسری صورت کا حاصل ہے ترک علاج برائے موت۔

عملی یو تھینیزیا

نتیجے کے لحاظ سے یہ دونوں صورتیں ہی انتہائی قبیح اور مذموم ہیں۔

(۱) جہاں تک پہلی صورت کا معاملہ ہے تو یہ واضح طور پر قتل ناحق ہے، قتل کے قانونی جواز کے لئے جو تین بنیادیں احادیث میں آئی ہیں (جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے) ان میں شدت تکلیف یا مرض کا ناقابل علاج ہونا نہیں ہے۔

تحفظ جان فرض ہے

بلکہ شریعت میں جن بنیادی مصالح کے تحفظ کو فرض قرار دیا گیا ہے، ان میں ایک تحفظ جان بھی ہے۔

اسی لئے شریعت نے جان بچانے کی غرض سے مردار کھانے اور حرام چیزوں کے بقدر ضرورت استعمال کی بھی اجازت دی ہے۔

"فمن اضطر غیر باغ و لا عاد فلا اثم علیہ"[847]

ترجمہ: جو شخص مجبور ہو جائے اور حد سے تجاوز نہ کرے اور نہ زیادتی کرے تو اس کے لئے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

غذا انسان کے تحفظ کے لئے ضروری ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص غذا استعمال نہ کرے، اور مر جائے تو وہ گنہ گار ہو گا[848]

فقہاء نے اس کی بھی تصریح کی ہے کہ جان کی حفاظت کے لئے جسم کے جزوی نقصان کی ضرورت پڑے تو اس کو گوارا کیا جائے گا، مثلاً کسی کے ہاتھ میں ناسور ہو جائے، اور ڈاکٹر اس کو کاٹ کر الگ کرنے کی تجویز کرے تو اس کی تجویز کے مطابق ہاتھ کاٹ دینے کی اجازت ہو گی

علامہ عزالدین ابن عبد السلامؒ تحریر فرماتے ہیں:

"واما مالا یمکن تحصیل مصلحتہ الا بافساد بعضہ فکقطع الید المتأکلۃ حفظا للروح اذا کان الغالب السلامۃ فانہ یجوز قطعھا وان کان افسادا لما فیہ من تحصیل المصلحۃ الراجحۃ وھو حفظ الروح "[849]

ترجمہ: جس مصلحت کا حصول کسی جزوی نقصان کے بغیر ناممکن ہو، مثلاً حفاظت کے لئے سڑے ہوئے ہاتھ کو کاٹنے کی ضرورت ہو، تو ایسی صورت میں اگر سلامتی جان کی غالب امید ہو تو جزوی نقصان کو گوارا کیا جائے گا۔

اس لئے کہ ہاتھ کے نقصان کے مقابلے میں تحفظ جان کا مسئلہ زیادہ اہم اور قابل ترجیح ہے۔

----- حواشی---

[847] ۔بقرہ:۲:۱۷۲

[848] ۔ فتاوی ہندیہ: ج۵ص/۳۵۵، فتاوی بزازیہ علی الہندیہ: ج۶ص/۳۶۷، مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر: ج۲ص/۵۲۴

[849] ۔ قواعد الاحکام فی مصالح الامام لعزبن عبد السلام: ص/۷۸

نا قابل علاج مریض جس شدت مرض میں مبتلا ہے، وہ اس کا جسمانی اور جزوی نقصان ہے، جان لینے کے مقابلہ میں اس جزوی نقصان کو گوارا کرنا زیادہ آسان ہے، یہ ہرگز مناسب نہیں کہ کسی جسمانی تکلیف سے بچانے کے لئے جان لینے کی تکلیف میں مبتلا کر دیا جائے۔

مرض الموت کی تکالیف بھی نعمت ہیں

پھر موت کا ایک وقت مقرر ہے، موت سے قبل انسان جن اذیتوں سے دوچار ہوتا ہے، اس میں بھی مریض کے لئے خیر کے بہت سے پہلو پوشیدہ ہوتے ہیں، یہ امراض گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں، رفع درجات کا ذریعہ ہوتے ہیں بہت سے ایسے لوگ جو زندگی بھر کی نیکیوں کی بدولت وہ مقام نہیں پاسکتے، مرض الموت کی تکالیف انہیں پہونچا دیتی ہیں۔

اس لئے مرض کی شدت ہو یا اس کی درازی ہر ایک میں خیر پوشیدہ ہے، اور جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے حکم سے ہوتا ہے، اور بندہ کی بھلائی کے لئے ہوتا ہے، اس لئے کسی شخص کو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ خدا کے مقرر کردہ اس سلسلۂ خیر کو توڑ دے، اور جان کے درپے ہو جائے، یہ اختیار نہ خود مریض کو ہے، اور نہ اس کے ڈاکٹروں یا اعزاء اور تیمارداروں کو، انسانی جان کا مالک صرف خدا ہے، انسان صرف اس کا پابند ہے کہ وہ صحت کی تدبیر کرے، باقی نتیجہ اللہ کے حوالے کر دے، اگر بجائے تدبیر صحت کے کوئی تدبیر موت شروع کر دے اپنے لئے یا دوسرے کے لئے تو یہ قتل قرار پائے گا، جس کی کسی صورت میں اجازت نہیں دی جاسکتی۔

(۲) غیر عملی یوتھینیزیا

یوتھینیزیا کی دوسری قسم غیر عملی ہے، یعنی مریض کو موت تک پہونچانے کے لئے کوئی عمل تو نہیں کیا جاتا لیکن اس کا ضروری علاج ترک کر دیا جاتا ہے، اور اس کے نتیجے میں مریض مر جاتا ہے، یہ صورت بھی ناجائز ہے، جس کی کئی وجوہ ہیں:

تحفظ جان کی تدبیر کرنا

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ جان کا بچانا فرض ہے، اور جان بچانے کے لئے ضروری تدابیر کا اختیار کرنا بھی فرض ہے، کسی مریض کو بے علاج چھوڑ دینا تحفظ جان کی تدبیر کا ترک کرنا ہے، جو گناہ ہے، تحفظ جان کے لئے جس طرح پانی اور غذا ضروری ہے، دوا بھی ایک وسیلہ ہے۔

نبی کریم ﷺ نے خود دوا استعمال فرمائی، اور دوسروں کو بھی دوا کے استعمال کی ترغیب دی۔

"عن اسا مۃ بن شریک قال: قا لت الاعرا ب:یا رسول اللہ الانتداویٰ ؟ قال نعم یا عبا داللہ ! تداووا فان اللہ لم یضع داء الاوضع لہ شفاء او دوا ء الا دا ء وا حدا فقا لوا : یا رسول اللہ !و ما ھو ؟قال الھرم "[850]

ترجمہ: حضرت اسامہ بن شریکؓ کہتے ہیں کہ کچھ دیہات کے لوگوں نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہم دوا علاج کرا سکتے ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں! اے اللہ کے بندو! دوا کراؤ، اللہ نے ہر بیماری کی دوا رکھی ہے، سوائے ایک بیماری کے، انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! وہ کونسی بیماری ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: بڑھاپا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دنیا میں کوئی بھی مرض نا قابل علاج نہیں ہے، بڑھاپا (اور نتیجتاً موت) کے سوا ہر بیماری کی دوا موجود ہے، یہ انسانی علم کی کوتاہی ہے کہ بیماری کی دوا دریافت نہ ہو سکے، غرض جان بچانے کے لئے اس کی سعی کی جانی چاہیئے۔

علاج کی شرعی حیثیت

البتہ اس باب میں علاج کی معروف شرعی حیثیت سے غلط فہمی ہو سکتی ہے، دراصل علاج کو جمہور علماء مباح کہتے ہیں، اور شافعیہ زیادہ سے زیادہ اس کے استحباب کی طرف گئے ہیں [851]

----- حواشی ---

[850] ۔ ترمذی مع تحفۃ الاحوذی: ج۳ ص /۱۵۸

[851] ۔ الموسوعۃ الفقہیۃ: ج۱۱ ص /۱۱۷

متعدد کتب فقہیہ میں اس قسم کی جزئیات آئی ہیں، کہ اگر کوئی مریض اپنے مرض کا علاج نہ کرائے، اور نتیجۃً مر جائے تو گنہ گار نہ ہو گا۔[852]

تنقیح مسئلہ

اس طرح کی فقہی جزئیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ علاج کوئی ضروری امر نہیں ہے، اس لئے اس کے ترک سے گناہ نہ ہو گا، لیکن مسئلہ کی تنقیح کی جائے تو پوری حقیقت یہ نہیں ہے، دراصل مسئلہ کا مدار اس پر ہے کہ علاج میں شفاء کا یقین کس حد تک ہے؟ بیماری کی تشخیص اور اس کے لئے دوا کی تجویز ڈاکٹر کے تجربہ و تحقیق پر موقوف ہے، داکٹر نے بیماری کے لئے جس دوا کی تجویز کی ہے اس میں اس بیماری کی شفاء کی صلاحیت ہے یا نہیں؟ اس میں کتنی واقعیت ہے؟ مسئلہ واقعیت کا ہے، مقدر کا نہیں، شفاء مقدر میں ہے یا نہیں، یہ علم تو سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہے۔

فقہاء کی گفتگو کا اصل محور شفاء کا تیقن ہے، یعنی جس طرح کھانا کھانے سے یقین ہے کہ بھوک مٹ جائے گی، اور انسان بھوک کی بنا پر ہرگز نہیں مرے گا، الا یہ کہ موت ہی مقدر ہو، کیا دوا کے استعمال سے بھی اسی درجہ کی شفاء کا یقین حاصل ہے؟ ظاہر ہیکہ ڈاکٹر کی تمام تر تشخیص و تجویز فہم و اجتہاد پر مبنی ہوتی ہے، خود بیماری کی تشخیص بھی ظنی، اور اس کے ساتھ دواؤں کی تجویز بھی ظنی۔

قدرتی بات ہے کہ ظنیات کو یقینیات کے درجہ میں نہیں رکھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ فقہاء نے جہاں جہاں یہ حکم شرعی بیان کیا ہے، کہ ترک علاج گناہ نہیں ہے، وہاں اس کی توجیہ یہی کی ہے کہ شفاء یقینی نہیں ہے، مثلاً:

☆ عالمگیری میں فتاویٰ قاضی خان کے حوالے سے ایک جزئیہ نقل کیا گیا ہے، جس میں توجیہ مسئلہ کے الفاظ یہ ہیں:

----- حواشی ---

[852]۔ ردالمختار: ج ۵ ص / ۳۴۳، فتاوی عالمگیری: ج ۵ ص / ۳۵۵ بزازیہ علی الھندیہ: ج ۶ ص / ۳۶۷، مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر: ج ۲ ص / ۵۲۴ وغیرہ

"فلم یفعل حتیٰ ما ت لایکون اٰثما لا نہ لم یتیقن ان شفا ءہ فیہ "[853]

ترجمہ: مریض نے ڈاکٹر کی تجویز پر عمل نہیں کیا اور مر گیا تو گنہ گار نہ ہوگا، اس لئے کہ اس علاج میں شفاء یقینی نہیں ہے۔

☆فتاوی ظہیریہ کے حوالے سے عالمگیری ہی میں ترک طعام اور ترک علاج میں فرق واضح کرتے ہوئے تحریر کیا گیا ہے:

"والفرق ان الأکل مقدار قوتہ مشبع بیقین فکا ن تر کہ اھلاکا ولا کذ لک المعا لجۃ والتداوی"[854]

ترجمہ: فرق یہ ہے کہ کھانے سے آسودگی کا حصول یقینی ہے، اس لئے ترک طعام اپنے کو ہلاک کرنا ہے، علاج و دوا کی یہ کیفیت نہیں ہے۔

☆فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

لأن عدم الھلاک بالأکل مقطوع والشفاءبالمعالجۃمظنون وقد مر "[855]

ترجمہ: اس لئے کہ کھانے سے ہلاکت سے بچ جانا یقینی ہے، جبکہ علاج سے شفاء ملنا ظنی ہے۔

اس طرح کی تصریحات دیگر کتب فقہ میں بھی موجود ہے[856]

☆عالمگیری میں فصول عمادیہ کے حوالے سے ایک اصولی بحث نقل کی گئی ہے:

دفع ضرر کے اسباب تین طرح کے ہیں:

----- حواشی ---

[853] ۔عالمگیری: ج۵ص/ ۳۵۵،۳۵۴

[854] ۔عالمگیری: ج۵ص/ ۳۵۵

[855] ۔بزازیہ علی الھندیہ: ج۶ص/ ۳۶۷

[856] ۔ردالمحتار: ج۵ص/ ۳۴۳، مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر: ج۲ص/ ۵۲۵

(۱) یقینی: یعنی جن سے بالیقین دفع ضرر ہو جائے، مثلاً روٹی اور پانی، بھوک پیاس مٹانے کا یقینی ذریعہ ہیں، وغیرہ

(۲) ظنی: یعنی ایسے اسباب جن سے غالب امید ہو کہ دفع ضرر ہو جائے گا، مثلاً علاج و معالجہ وغیرہ۔

(۳) موہوم: دفع ضرر کا نہ یقین ہو اور نہ ظن، بس ایک خیال کی حد تک یہ بات ہو، مثلاً دعاء، تعویذ اور ٹوناٹوٹکا وغیرہ۔

ان تینوں طرح کے اسباب کا حکم یہ ہے کہ پہلی قسم کے اسباب کو ہلاکت سے بچنے کے لئے اختیار کرنا واجب ہے، ان کا ترک حرام ہے، دوسری قسم کے اسباب کو اختیار کرنا جائز ہے، اس کا ترک کرنا حرام نہیں، البتہ حالات اور اشخاص کے اعتبار سے اختیار کرنا افضل ہے، تیسری قسم کے اسباب کو اختیار کرنا خلاف توکل ہے[857]

ترقی یافتہ طب

ان تمام تر بحثوں کا خلاصہ ایک ہی بات ہے، وہ ہے شفاء کے یقین کا مسئلہ، جس دور میں فقہاء نے یہ بحثیں کی تھیں، اس دور میں طب اور میڈیکل سائنس نے اس قدر ترقی نہیں کی تھی، اس دور میں ڈاکٹروں اور اطباء کی تشخیصات و تجویزات کا مدار تجربہ وظن پر ہوا کرتا تھا، لیکن آج جبکہ میڈیکل دنیا کافی آگے بڑھ چکی ہے، اب تشخیص محض تجربہ و تفکر کی بنا پر نہیں بلکہ معائنہ ومشاہدہ اور مشینی تجربہ کی بنیاد پر ہوتی ہے، ہر بیماری کی نوعیت و کیفیت کے لحاظ سے الگ الگ قسم کی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں، اور ڈاکٹر یقین یا کم از کم ظن غالب کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس مرض کا یہ علاج نہ کیا گیا تو خطرناک صورت پیدا ہو سکتی ہے، ظاہر ہے کہ ایسی صورت حال میں حکم شرعی بدل جائے گا، قدیم فقہاء کے زمانہ میں یقینی شفاء کے معیار کا کوئی علاج موجود نہ تھا، اس لئے ان حضرات نے علاج کو صرف مباح یا مستحب قرار دیا، اس لئے کہ تحفظ جان کے لئے یہ کوئی

----- حواشی---

[857] ۔عالمگیری: ج ۵ ص / ۳۵۵

یقینی ذریعہ نہ تھا، لیکن جب معیار میں ترقی پیدا ہوئی، اور شفاء میں یگگونہ یقین یا کم از کم ظن غالب کی کیفیت پیدا ہوئی، اور ڈاکٹروں کے لب ولہجہ میں بھی اعتماد ویقین کا انداز آیا، تو خود ان فقہاء کی تصریحات وتوجیہات کے مطابق بھی ترک علاج کو صرف مباح کہنا مشکل ہے۔

اس موقعہ پر شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی یہ تحریر کافی اہمیت رکھتی ہے جو ان کے مجموعۂ فتاویٰ میں موجود ہے، دواوعلاج کے حکم شرعی پر تحقیقی بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

" فا ن الناس قد تنا زعوا فی التدا وی هل هو مباح او مستحب او واجب ؟و التحقيق ان منه ما هو محرم و منه ما هو مكرو ه ومنه ما هو مبا ح و قد يكون منه ما هو وا جب و هو ما يحكم انه يحمل به بقا ء النفس لا بغيره كما يجب اكل الميتة عند الضرورة فا نه وا جب عندالا ئمة الا ربعة وجمهو رالعلماء،و قد قال مسروق : من اضطر الى اكل الميتة فلم يأ كل حتیٰ ما ت دخل النا ر وقد يحصل احيا نا للا نسان اذا استحر المرض ما لم يتعا لج معه ما ت و العلا ج المعتا د تحصل معه الحيا ة كا لتغذية للضعيف وكاستخراج الدم احيا نا"[858]

ترجمہ: دواعلاج کے بارے میں علماء کی رائے مختلف ہے، بعض لوگ مباح کہتے ہیں، بعض مستحب اور بعض واجب، لیکن تحقیق یہ ہے کہ علاج کبھی حرام، مکروہ، کبھی مباح اور کبھی مستحب ہوتا ہے، اور کبھی علاج واجب بھی ہوتا ہے، وہ اس وقت جب اس کے ذریعہ تحفظ جان کا یقین (یا کم از کم ظن غالب) حاصل ہو جائے، جس طرح کہ ائمہ اربعہ اور جمہور علماء نے بوقت ضرورت مردار کھانے کو واجب قرار دیا ہے، مسروقؒ فرماتے ہیں کہ جو مردار کھانے پر مجبور ہو جائے اور نہ کھائے اور مر جائے تو جہنم میں جائے گا، اس طرح کبھی ایسی صورت حال سے آدمی کو شدت مرض کی

----- حواشی---

858۔ مجموع الفتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ: ج۱۸ ص / ۱۲

صورت میں دوچار ہونا پڑتا ہے، کہ اگر علاج نہیں کرائے گا تو مر جائے گا، اور علاج و دوا سے زندگی بچ سکتی ہے، جیسے کمزور کے لئے غذا یا کبھی (بعض امراض میں) خون نکلوانا وغیرہ۔

اس تفصیلی بحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ علاج کو جن فقہاء نے مباح کہا ہے، وہ ان حالات میں ہے، جبکہ تحفظ جان اس پر موقوف نہ ہو، اور شفاء کا یقین یا غلبۂ ظن نہ ہو، اگر کسی صورت میں یہ یقین حاصل ہو جائے اور بقائے جان اس سے وابستہ ہو جائے تو بالیقین علاج واجب قرار پائے گا، اور اس کا ترک حرام ہو گا۔

اس لئے ایسی صورت میں جبکہ ایک شخص کسی ناقابل علاج مرض میں مبتلا ہے، لیکن زندگی کے فوری خاتمہ کا اندیشہ نہیں ہے، اگر اس کو کوئی ایسا مرض لاحق ہو جائے جو قابل علاج ہو اور علاج نہ ہونے کی صورت میں موت کا اندیشہ ہو، تو ایسی صورت میں علاج کو مباح کہنا صحیح نہ ہو گا، بلکہ علاج واجب ہو گا اس لئے کہ ڈاکٹروں کی رپورٹ (جو عموماً صحیح، یقینی یا کم از کم غلبۂ ظن کی حامل ہوتی ہے) کے مطابق اس کی زندگی کی بقاء علاج پر موقوف ہے، اس صورت میں علاج کو بالارادہ ترک کرنا قتل نفس قرار پائے گا، اور اگر مریض کی اجازت سے ایسا کیا جاتا ہے تو خود کشی ہو گی۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے اس موضوع پر کافی محققانہ کلام فرمایا ہے، قاضی صاحب کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> "ایک شخص ایک ایسے مرض میں مبتلا ہے جو اطباء کی نگاہ میں لاعلاج ہے، لیکن فوری طور پر مہلک نہیں ہے، اسی دوران اسے ایسا مرض لاحق ہوتا ہے، جو طبی نقطۂ نظر سے مہلک اور جان لیوا ہے، لیکن اس نئے مرض کی دوائیں میڈیکل سائنس نے دریافت کرلی ہیں، جن سے شفاء کے حصول کا ظن غالب ہے، ایسی صورت میں دوا کے استعمال سے جان بچ جائے گی، اور دوا استعمال نہیں کی جائے گی تو یہ شخص مر جائے گا، اس کا ظن غالب ہے، تو ایسے حالات میں فقہاء کی عام عبارتوں کا سہارا لیکر یہ کہنا کہ علاج محض مباح ہے، اس لئے اس کا ترک گناہ نہیں ہو گا، صحیح نہیں ہے، بلکہ

صحیح بات یہ ہے کہ جان بچانے کے لئے دوا کا استعمال اس صورت میں واجب ہو گا، اور اس کا ترک گناہ[859]

مباح کا غلط استعمال جائز نہیں

(۲) نیز یہاں یہ نکتہ بھی بہت اہم ہے کہ علاج مباح ہو یا واجب؟ زیر بحث صورت میں ترک علاج کا مقصد مریض کو موت تک پہونچانا ہے، عام حالات میں ترک علاج مباح بھی ہو تو اس مخصوص صورت میں اس کو مباح قرار نہیں دیا جا سکتا، اس لئے کہ اس مباح کا ارتکاب ایک امر محظور کے لئے کیا جا رہا ہے۔ شریعت کا ضابطہ ہے کہ

"انما الاعما ل بالنیات" (الحدیث)[860]

ترجمہ: اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

" الامور بمقاصدها "[861]

یعنی کسی بھی معاملے میں حکم شرعی لگاتے ہوئے اس کے مقاصد کو پیش نظر رکھنا ہو گا، اس لئے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ "مباحات" کا حکم حالات کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے، علامہ ابن نجیم مصری الاشباہ میں لکھتے ہیں۔

"واما المباحات فانها تختلف صفتها باعتبار ما قصدت لاجله"[862]

ترجمہ: مباح چیزوں کا حکم ان کے مقاصد کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے۔

----- حواشی --

[859] ۔ مباحث فقہیہ: ص/۴۰۱

[860] - صحيح البخاري ج ۱ ص ۱ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا

[861] - الأشباه و النظائر في قواعد و فروع فقه الشافعية ج 1 ص 8 المؤلف : عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى : 911هـ)الناشر : دار الكتب العلمية بيروت – لبنان مصدر الكتاب : موقع مكتبة المدينة الرقمية

[862] ۔ الاشباہ والنظائر مع حاشیۃ الحموی: ج ا ص/ ۷۸

اس لئے اگر علاج مباح ہو تو کسی کی جان لینے یا اپنی جان دینے کی غرض سے اس مباح کا ترک جائز نہ ہوگا، حضرت قاضی صاحبؒ نے اپنے مضمون میں اس نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے، دیکھئے حوالہ بالا۔

ترک عمل بھی عمل ہے

(۳) تیسرا اہم نکتہ جس کی طرف قاضی صاحب نے توجہ دلائی ہے قاضی صاحب ہی کے الفاظ ملاحظہ کریں:

"اس خاص صورت میں علاج و معالجہ سے گریز محض "ترک" نہیں بلکہ کف ہے، یعنی کسی کام کا نہیں کرنا بذات خود کوئی عمل نہیں، جس پر جواز و عدم جواز کا حکم لگا یا جائے، لیکن اپنے کو کسی کام سے روک لینا عمل جسمانی نہیں، لیکن عمل نفسی ہے، جس کا تعلق قلب کے ارادہ سے ہے، اس لئے اس پر ثواب و عتاب مرتب ہوگا، کہ انسان جس طرح عمل جسمانی کا مکلف ہے، اسی طرح عمل نفسی کا بھی ذمہ دار ہے، اسی لئے جن امور سے شرع نے روکا ہے، ان کو نہ کرنا کوئی عمل نہیں، محض "ترک "ہے، لیکن اپنے کو اس عمل سے روک لینا عمل ہے، جسے "کف" کہا جاتا ہے، اور اس پر ثواب مرتب ہوتا ہے، دیکھئے الاشباہ و النظائر اور دیگر کتب اصول فقہ، "تروک" کی بحث کے تحت علامہ حمویؒ نے حاشیہ میں لکھا ہے:

"ان الكف فعل النفس فا ن الفعل كما ينسب الى الجوا رح ينسب الى النفس و حينئذ فالترك من حيث هوهولا يتصوران يكو ن مثابا عليه"

ترجمہ: یعنی کف (کسی عمل سے اپنے کو روکنا) فعل نفس ہے، اس لئے کہ فعل جیسے اعضاء و جوارح کے ہوتے ہیں، نفس کے بھی ہوتے ہیں پس ترک عمل اس حیثیت سے کہ ترک ہے اس پر ثواب کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

لیکن کسی کام سے اپنے کو باز رکھنا فعل و عمل ہے، جس پر ثواب و گناہ مرتب ہو سکتا ہے، حموی نے

اس کی دلیل یہ لکھی ہے کہ قرآن نے "قرآن" کے عمل کو چھوڑ دینے کو قوم کا عمل بتایا ہے۔

" ان قومی اتخذ واھٰذا القرآن مهجو را"[863]

اور حدیث میں حفظ لسان (یعنی زبان سے کوئی لغو اور جھوٹی بات نہ نکالنا) کو بہترین عمل قرار دیا ہے۔

پس زیر بحث معاملہ میں علاج سے باز رہنا بھی ایک عمل ہے، جس کا مقصد جان کو ضائع کرنا ہے، پس ایکٹویو تھینیزیا میں دوا دے کر مارنا عمل جسمانی ہے، اور پیسیو یو تھینیزیا میں دوا سے روک کر مارنا ہے، جو عمل نفسی ہے، اس لئے دونوں ہی صورتیں ناجائز اور حرام ہیں[864]

جب علاج کلیتاً مفید نہ رہے

البتہ مرض کی ایسی انتہائی صورت جس میں ڈاکٹر نے مایوسی ظاہر کر دی ہو، اور علاج ہر گز مفید نہ ہو، اور محض مصنوعی آلات اور مشینوں کے ذریعہ سانس کی آمد ورفت باقی رکھی گئی ہو، تو ظاہر ہے کہ یہ صورت محض مباح کی ہے، اس لئے کہ بقائے نفس علاج سے وابستہ نہیں رہا، مصارف اس کے علاوہ ہیں، اور حیات بھی مصنوعی محسوس ہوتی ہے، اسلئے ایسی صورت میں ان آلات اور مشینوں کو ہٹا لینے اور علاج ترک کر دینے کی اجازت ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب علمہ اتم واحکم

تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

شریعت اسلامی میں انسانی جان کی بڑی اہمیت ہے اور حتی المقدور اس کی حفاظت خود اس شخص کا اور دوسروں کا فریضہ ہے، اس لئے:

----- حواشی---

[863] ۔فرقان:۳۰

[864] ۔مباحث فقہیہ: ص/ ۴۹۲، ۴۰۱

۱- کسی مریض کو شدید تکلیف سے بچانے یا اس کے **متعلقین** کو علاج اور تیمارداری کی زحمت سے نجات دلانے کے لئے **عمداً** ایسی تدبیر کرنا کہ جس سے اس کی موت واقع ہو جائے حرام ہے اور یہ قتل نفس کے حکم میں ہے۔

۲- ایسے مریض کو گو مہلک دوا نہ دی جائے مگر قدرت کے باوجود اسکا علاج ترک کر دیا جائے تا کہ جلد سے جلد اس کی موت واقع ہو جائے، یہ بھی جائز نہیں ہے[865]۔

----- حواشی---

865- جدید مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے حصہ اول ص ۲۳۴

موت کی حقیقت - چند مسائل واحکام[866]

موت ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، ہر زندہ وجود کو موت کی تلخی سے دوچار ہونا ہے، مگر خود موت کی حقیقت کیا ہے؟ امام غزالیؒ کے بقول انسان کے لئے اس کا سراغ نکالنا مشکل ہے، اس لئے کہ موت زندگی کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، اور انسان کو زندگی کی حقیقت بھی معلوم نہیں، کیونکہ زندگی کی حقیقت جاننے کے لئے حقیقت روح کا علم ضروری ہے، اور حقیقت روح کی تفصیل نصوص میں نہیں ملتی۔

حقیقت روح

قرآن نے صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا ہے:

"قل الروح من امر ربی"[867]

ترجمہ: آپ فرمادیں کہ روح میرے رب کے امر سے ہے۔

امر رب سے کیا مراد ہے؟ علماء کے کئی اقوال ہیں، پھر جس روح کو "امر الٰہی" قرار دیا گیا ہے اس سے کون سی روح مراد ہے؟ "یسئلونک عن الروح" میں سوال کس روح کے تعلق سے ہے؟ قرآن کی آیات میں روح کا ذکر آیا ہے اس سے مراد کیا ہے؟ یہ بھی علماء اور مفسرین کے درمیان مختلف فیہ مسئلہ ہے، کئی اقوال ملتے ہیں: (۱) روح انسان (۲) روح حیوان (۳) جبرئیل (۴) عیسیٰ (۵) قرآن (۶) وحی (۷) فرشتہ جو روز قیامت تنہا صف میں کھڑا ہوگا (۸) فرشتہ جس کے پاس گیارہ ہزار پر اور چہرے ہیں (۹) فرشتہ جس کے پاس ستر ہزار زبانیں ہیں (۱۰) فرشتہ جس کے پاس ستر ہزار چہرے ہیں اور ہر چہرے میں ستر ہزار زبانیں ہیں اور ہر زبان سے ہزار زبانوں میں اللہ کی تسبیحات ادا ہو رہی ہیں اور ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا ہو رہا ہے (۱۱) ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ فرشتہ ہے جس کا سر عرش اعظم کے پاس اور پاؤں زمین کے نچلے حصے میں

----- حواشی ---

866 - تحریر بمقام جامعہ ربانی منوروا شریف، بتاریخ ۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ

867 - آل عمران.۱۶۹

ہے وغیرہ۔[868]

غرض روح انسانی کے بارے میں آج تک قطعیت کے ساتھ تو کوئی بات نہیں کہی جاسکی، بلکہ شروع سے علماء کے ایک بڑے طبقہ کی رائے یہ رہی کہ اس باب میں سرے سے لب کشائی ہی کی گنجائش نہیں ہے، اس لئے کہ خود اللہ اور رسول نے اس راز سے پردہ نہیں اٹھایاہے، اس لئے ادب اور احتیاط یہی ہے کہ وہی تعبیر اختیار کی جائے جو اللہ اور رسول نے اختیار کی ہے اپنی طرف سے اس میں کوئی اضافہ نہ کیاجائے۔

امام الطریقۃ شیخ ابو النجیب السہروردی (صاحب عوارف المعارف) اور امام غزالیؒ وغیرہ کی رائے یہی ہے، البتہ تاویل کی کسی درجہ میں اجازت دی ہے، اس کے بالمقابل شیخ جنید بغدادیؒ اور متاخرین صوفیاء وعلماء نے اس میں گفتگو کی اجازت دی ہے چنانچہ متعدد علماء اور صوفیاء سے روح کی تشریح کے ذیل میں مختلف اقوال منقول ہیں، مثلاً:

(۱) بعض نے اس کا مصداق نفس داخل اور نفس خارج کو قرار دیاہے، یعنی سانس جو اندر اور باہر جااورآرہی ہے۔

(۲) ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حیات ہے۔

(۳) بعض کے نزدیک اس سے مراد وہ جسم لطیف ہے جو پورے بدن میں سرایت کئے ہوئے ہے۔

(۴) ایک رائے خون کی بھی ہے، وغیرہ۔

کہاجاتاہے کہ اس سلسلے میں ایک سو(۱۰۰) کے قریب اقوال ہیں جن میں باہم کافی تضاد بھی پایا جاتاہے، مگر ابن مندہ نے بعض متکلمین کے حوالے سے نقل کیاہے کہ عام لوگوں کو ایک روح مگر ہر نبی کو پانچ (۵) روحیں اور ہر مومن کو تین (۳) روحیں دی جاتی ہیں، بعض لوگوں نے روح اور نفس کو ایک کہاہے، اور بعض نے الگ الگ قرار دیاہے، کچھ حضرات نے روح پر قلب کا اطلاق کیاہے تو کچھ نے نفس پر[869]

----- حواشی--

868 ۔ فتح الباری شرح البخاری ج/۸ص/۵۱۳، ۵۱۲

869 ۔ فتح الباری ج/۸ص/۵۱۵، عوارف المعارف للسہروردی باب ۵۱ مطبوعہ قاہرہ ص/۲۸۸، ۲۸۶

حقیقت موت

اس طرح انسان اپنی حیات اور موت دونوں کی حقیقتوں سے بے خبر ہے، زندگی اور موت کے مختلف مراحل اور علامات کے بارے میں جو کچھ بحث کی جاتی ہے اس کا تعلق استقراء اور اجتہاد سے ہے، نصوص میں بھی جن مقامات پر موت وحیات کا ذکر آیا ہے وہاں گفتگو کا محور موت وحیات کے اگلے اور پچھلے مراحل واحوال اور ان سے مطلوب نتائج اور تقاضے ہیں، زیادہ سے زیادہ موت کی بعض علامات کا تذکرہ کیا گیا ہے، مثلاً قرآن کریم میں ہے:

"ولوترى اذالظالمون فى غمرات الموت والملٰئكة باسطوا ايديهم اخرجواانفسكم الآية"[870]

ترجمہ: اور اگر آپ دیکھیں اس مرحلے کو جب ظالم موت کی سختیوں (بے ہوشی اور بے چینی کی کیفیت) میں مبتلا ہوتے ہیں، اور فرشتے ان کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اپنی جانیں نکالو"

"تدوراعينهم كالذى يغشىٰ عليه من الموت"[871]

ترجمہ: ان کی آنکھیں اس طرح گردش کرتی ہیں جیسے ان پر موت کی غشی طاری ہوتی ہو"

"كانما يساقون الى الموت وهم ينظرون"[872]

ترجمہ: گویا ان کو موت کی طرف کھینچا جا رہا ہو اور وہ ایک ٹک تاک رہے ہوں"

اس قسم کے مضامین کی متعدد آیات قرآن کریم میں موجود ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ بے ہوشی، غشی، اور آنکھوں کا پھٹ جانا وغیرہ موت کے وقت کی کیفیات ہیں۔

بعض احادیث میں بھی موت کی بعض علامات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

☆ حضرت ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

----- حواشی---

870 - انعام:۹۳

871 - الاحزاب:۱۹

872 - الانفال:۶

"ان الروح اذا قبض تبعہ البصر"[873]

ترجمہ: روح جب قبض ہوتی ہے تو نگاہ کھلی رہ جاتی ہے"

☆حضرت شداد بن اوسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اذا حضرتم موتاکم فا غمضوا البصر فان البصریتبع الروح"[874]

ترجمہ: مرنے والے شخص کے پاس آؤ تو اس کی آنکھیں بند کر دو، اس لئے کہ آنکھ روح کے ساتھ کھلی رہ جاتی ہے"

اس قسم کی آیات و روایات اور روز مرہ کے تجربات کی روشنی میں فقہاء نے بھی بعض علامات موت کا ذکر کیا ہے، مثلاً جسم کا ٹھنڈا ہونا، قدموں کا ڈھیلا پڑ جانا، سانس کا منقطع ہو جانا، ناک میں کجی پیدا ہونا، کنپٹی کا دھنس جانا، خصیہ کا اندر چلا جانا اور کھال لٹک جانا، ہتھیلیوں کا ڈھیلا پڑ جانا وغیرہ[875]

مگر ظاہر ہے کہ یہ سب صرف علامات ہیں جو موت کے وقت یا اس کے بعد ظاہر ہوتی ہیں، موت کی حقیقت نہیں ہے، عام طور پر فقہ کی کتابوں میں احکام شرع کو ظاہری علامات ہی سے متعلق کیا گیا ہے، اس لئے کہ موت ایک باطنی عمل ہے جس کا علم قرائن و آثار ہی کے ذریعہ ممکن ہے[876]

یوں موت کی اصطلاحی تعریف عام طور پر کی جاتی ہے کہ:

"ھو مفارقۃ الروح للجسد"[877]

"روح کا جسم سے الگ ہو جانا" یعنی اعضاء جسم روح کی اطاعت سے آزاد ہو جائیں، اور جسم پر اس کا کنٹرول باقی نہ رہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا روح ایک غیر مادی اور لطیف شئ ہے، اس کا جسم میں جانا اور جسم سے نکلنا

----- حواشی---

873 ۔ مسلم ج/۲ص/۶۳۴ مطبوعہ عیسی الحلبی

874۔ابن ماجہ ج/۱ص/۴۶۸

875 ۔البحر الرائق ج۲ص۲۹۸، ردالمحتار ج/۳ص/۷۳، فتاویٰ ہندیہ ج/۱ص/۱۵۷، روضۃ الطالبین ج/۲ص/۹۸

876 ۔دیکھئے المغنی لابن قدامہ ج/۳ص/۳۶۷، مطبوعہ ھجر

877 المجموع شرح المہذب ج/۵ص/۱۰۵، مغنی المحتاج ج/۱ص/۳۲)

سراسر غیر محسوس عمل ہے، اس کا ادراک قرائن ہی کے ذریعہ ممکن ہے، تخلیق کے مرحلے میں نفخ روح کی ایک مدت (۱۲۰ دن) معلوم ہے، لیکن خروج روح کے لئے پختہ مدت کا علم خدا کے علاوہ کسی کو نہیں ہے، اس لئے بہت ایسا ہوتا ہے کہ انسان مرچکا ہوتا ہے اور لوگوں کو خبر نہیں ہوتی، لوگ جب دیکھتے ہیں کہ اس کے اعضاء کام نہیں کر رہے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرچکا ہے، روح کی اسی لطافت و معنویت کی طرف قرآن کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے:

"فلولا اذا بلغت الحلقوم ۝ وانتم حينئذ تنظرون ۝ ونحن اقرب اليہ منكم ولٰكن لاتشعرون ۝ فلولاان كنتم غير مدينين ۝ ترجعونهاان كنتم صادقين"[878]

ترجمہ: جب جان حلق تک پہونچ جاتی ہے اور تم وہاں موجود دیکھ رہے ہوتے ہو اور ہم اس مرنے والے شخص سے تم سے زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں اگر تم روز جزاء پر یقین نہیں رکھتے تو اس روح کو لوٹالو اگر تم سچے ہو"

فلاسفہ کی رائے

فلاسفۂ قدیم نے جو موت کی توجیہ و تشریح کی ہے اس کے لحاظ سے بھی موت ایک انتہائی درجہ کا اندرونی عمل ہے جس کا براہ راست مشاہدہ و ادراک ناممکن ہے، فلاسفہ کا خیال ہے کہ حیات جسمانی کے لئے رطوبت غریزیہ اور حرارت غریزیہ دونوں ضروری ہیں، زندہ جسم میں یہ دونوں رطوبتیں اور توانائیاں ایک توازن کے ساتھ لازماً ہوتی ہیں، البتہ حرارت غریزیہ رطوبت غریزیہ کو رفتہ رفتہ تحلیل کرتی رہتی ہے، یہاں تک کہ رطوبت بالکلیہ ختم ہوجاتی ہے، اور رطوبت کے ختم ہوتے ہی حرارت بھی فنا ہوجاتی ہے، اور موت واقع ہوجاتی ہے، اس طرح موت ہر زندہ جسم کے لئے لازم ہے[879]

----- حواشی ---

878 - واقعہ: ۸۳،۸۷

879 - التفسیر الکبیر للرازی ج/۸ ص/۲۰۶

مراحل تخلیق وموت

البتہ کتاب وسنت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام قدرتی امور کی طرح تخلیق کا معاملہ بھی مرحلہ وار مکمل ہوتا ہے، خدا کا امر "کن" اسباب کی رعایت میں بتدریج ظہور میں آتا ہے، قرآن میں تخلیق انسانی کے مراحل کی نشاندہی کی گئی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ولقد خلقنا الانسان من سللۃ من طین ۝ ثم جعلنہ نطفۃ فی قرار مکین ۝ ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ ۝ فخلقنا المضغۃ عظاماً فکسونا العظام لحماً، ثم انشأنہ خلقاً آخر، فتبارک اللہ احسن الخالقین[880]

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو چنی ہوئی مٹی سے پیدا کیا، پھر ہم نے اس کو ایک مقررہ جگہ پر نطفہ بنایا، پھر ہم نے اس نطفہ سے جما ہوا لہو بنایا، پھر اس جمے ہوئے لہو سے گوشت کی بوٹی بنائی، پھر اس بوٹی سے ہڈیاں بنائیں، پھر ان ہڈیوں پر گوشت کا لباس پہنایا، پھر ہم نے اس کو ایک نئی صورت عطا کی، سو بڑی برکت اللہ کی ہے جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ انسانی تخلیق دفعۃً نہیں ہوتی بلکہ اس کی تخلیق میں ایک مدت درکار ہوتی ہے اور اس کو کئی مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے، نظام کائنات کے اس فطری اصول کا تقاضا ہے کہ یہ ضابطہ تخلیق کی طرح موت کے معاملہ میں بھی جاری ہو، اس لئے عین ممکن ہے کہ موت بھی دفعۃً واقع نہ ہو، بلکہ عمل موت کی تکمیل کئی مرحلوں میں ہو، چنانچہ قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت میں مراحل تخلیق کے ذکر کے بعد سلسلۂ کلام میں موت کا بھی ذکر کیا گیا ہے:

"ثم انکم بعد ذٰلک لمیتون ۝ ثم انکم یوم القیامۃ تبعثون ۝[881]

ترجمہ: پھر اس کے بعد تمہیں موت سے دوچار ہونا ہے پھر قیامت کے دن تم کو اٹھایا جائے گا"

----- حواشی ---

[880] ۔ مومنون: ۱۴، ۱۲

[881] ۔ مؤمنون: ۱۶، ۱۵

اس سے بھی اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ موت کے معاملہ میں بھی قدرت کا تدریجی اصول کارفرما ہے، چنانچہ اطباء اور ماہرین نے تسلیم کیا ہے کہ انسان پر بحیثیت کل موت واقع ہو جانے کے بعد بھی اس میں کچھ دیر تک یکگونہ حیات باقی رہتی ہے۔

عصر حاضر کے مشہور فقیہ و محقق اور ممتاز عالم دین حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے انسانی زندگی اور اس کے فقدان کا اچھا تجزیہ کیا ہے، تحریر فرماتے ہیں کہ:

"انسانی زندگی جس کے فقدان کا نام موت ہے اس کی چند صورتیں ہیں:

(۱) وہ انسانی زندگی جو بیداری کی حالت میں ہوتی ہے، جس میں احساس، شعور، اور حرکت تینوں ہی موجود ہوتے ہیں۔

(۲) دوسری قسم جسے حیات جسمانی کہتے ہیں، یعنی نیند کی حالت جس کے خود کئی درجے ہیں، نیند کا ابتدائی درجہ وہ ہے جس میں ایک درجہ بیداری بھی پائی جاتی ہے، اور احساس و حرکت بھی، البتہ اگر نیند گہری ہو تو احساس و حرکت کا بھی فقدان ہو جاتا ہے، اور فوری طور پر انسانی شعور بھی باقی نہیں رہتا۔

(۳) تیسری صورت عضوی زندگی، اس سے مراد وہ زندگی ہے جو انسان کی موت کے بعد بھی اس کے بعض اعضاء میں باقی رہتی ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ انسانی دماغ تو مر چکا ہوتا ہے ، لیکن مصنوعی اعضاء کے ذریعہ قلب کی حرکت جاری رکھی جاتی ہے، یہ در اصل بحیثیت فرد انسان کی زندگی نہیں، بلکہ ایک طرح کی جزوی حیات ہے، جو اس کے اعضاء قلب، جگر، گردے وغیرہ میں محدود مدت کے لئے باقی رہ سکتی ہے، اس طرح کہ ان اعضاء کو وہ ساری غذا پہونچائی جاتی رہے جو دوران حیات پہونچائی جاتی تھی۔

(۴) چوتھی قسم حیات نسیجی (TISSCOE'S LIFE) کہلاتی ہے، اس سے مراد خلیوں کے مجموعے کی ایک خاص نوع کی زندگی ہے۔

(۵) پانچویں قسم جسے حیات خلویہ (CELLULAR LIFE) کہتے ہیں، کسی ایک انسانی خلیے کی خاص نوع کی زندگی جس کا تجربہ لبریٹریز (تجربہ گاہوں) میں مطالعہ کے سلسلے میں کیا جاتا ہے، غور کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کا آغاز حیات خلویہ سے ہوتا ہے، یعنی ایک خلیہ پہلے وجود میں آتا ہے پھر آہستہ آہستہ اس کی تعداد بڑھتی جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ حیات نسیجی کے مرحلے کو پہونچتا ہے، پھر اس میں اعضاء پیدا ہوتے ہیں، جو حیات عضوی ہے، پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے، اور اس میں حیات جسدی خواب اور بیداری کے مراحل تک پہونچتی ہے، اور جب موت آتی ہے تو اس کے بالکل برعکس پہلے انسان بیداری کی مکمل زندگی سے محروم ہوتا ہے، پھر عضوی زندگی، اور اس کے بعد نسیجی زندگی ختم ہوتی ہے، اورآخر ش حیات خلویہ تک جا پہونچتی ہے[882]

اس سلسلے میں حضرت قاضی صاحبؒ نے اطباء کی عالمی یونین کے اس اعلامیہ کا بھی حوالہ دیا ہے جو آسٹریلیا کے شہر سڈنی میں ۱۹۶۸ء میں اپنی بائیسویں کانفرنس کے موقع پر جاری کیا گیا تھا، اعلان سڈنی میں یہ بات کہی گئی ہے کہ:

"خلیے (CELLS) یا انسجہ (TISSUES) کی سطح پر موت ایک تدریجی عمل ہے اور انسجہ آکسیجن سے محرومی کو برداشت کرنے میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، مسئلہ یہ اہم نہیں ہے کہ مختلف اعضاء یا خلیات کے مجموعے کی موت کا وقت مقرر کیا جائے، اہم ترین بات اصل اس بات کا یقین حاصل کرنا ہے کہ موت کا عمل ایسے نقطہ تک پہونچ گیا ہے کہ جہاں پہونچنے کے بعد اس کا روکنا ممکن نہیں ہے، چاہے علاج کے کوئی سے بھی وسائل استعمال کر لئے جائیں اور یہ بھی کہ کسی عضو یا خلیات

----- حواشی ---

[882] -مباحث فقہیہ ص ۳۷۳،۳۷۲

کے مجموعے کے زندہ رہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ انسان زندہ ہے [883]

اس تفصیل سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ موت کا عمل بمراحل ہوتا ہے، اور دل یا دماغ کے مرتے ہی انسان پر مکمل طور پر موت طاری نہیں ہو جاتی، اب یہ کہ موت کے ان مراحل کی تکمیل کس شخص کے لئے کتنی دیر میں ہوتی ہے ہر شخص کے اپنے حالات اور وسائل اللہ کی مرضی پر موقوف ہے۔

کسی کو مردہ قرار دینا

رہا یہ کہ کسی انسان کو بحیثیت کل مردہ کب تصور کیا جائے؟ یہ موضوع دراصل طب کا ہے، لیکن فقہ کے بہت سے مسائل اس سے مربوط ہیں، اس سلسلے میں سڈنی کا وہ پیراگراف بہت اہم ہے جس میں کہا گیا ہے:

"اہم ترین بات دراصل اس بات کا یقین حاصل کرنا ہے کہ موت کا عمل ایسے نقطے تک پہونچ گیا ہے کہ جہاں پہونچنے کے بعد اس کا روکنا ممکن نہیں، چاہے علاج کے کوئی بھی وسائل استعمال کر لئے جائیں، اور یہ بھی کہ کسی عضو یا خلایا کے مجموعے کے زندہ رہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ انسان زندہ ہے" کسی شخص میں یہ صورت حال جب بھی پیدا ہو گی مان لیا جائے گا کہ اس کی موت کا عمل شروع ہو چکا ہے، اور دنیا کی کوئی طاقت اب اسے زندگی کی طرف واپس نہیں لا سکتی، لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا کہ موت کا عمل شروع ہوتے ہی کسی کو مردہ قرار نہیں دیا جائے گا جب تک کہ موت پوری طرح اس پر طاری نہ ہو جائے۔

نظام جسم میں دل و دماغ کی اہمیت

البتہ موت پوری طرح طاری ہونے کے لئے دل اور دماغ بنیادی اہمیت رکھتے ہیں، دل کو سرچشمۂ حیات اور دماغ کو سرچشمۂ علم و احساس مانا جاتا ہے، دل تازہ خون کی ترسیل کرتا ہے، اور دماغ اس خون کی بدولت زندگی حاصل کرتا ہے اگر چار پانچ منٹ تک دماغ کو تازہ خون نہ ملے تو دماغ زندہ نہیں رہ سکتا وہ گھلنا اور پگھلنا شروع ہو جاتا ہے، تازہ خون کی ترسیل کا کام انسان کے نظام جسم میں صرف دل کا ہے، اور اسی کی

----- حواشی -----

883 ۔مباحث فقہیہ ص/۳۷۴

بدولت دماغ اور پورے مجموعۂ جسم کی حیات وابستہ ہے، اسی طرح اعضاء اور حواس سے احساسات اور معلومات کا رشتہ دماغ سے قائم ہے، دماغ قائم نہ ہو تو پورا نظام جسم معطل ہو کر رہ جاتا ہے، دماغ سے رشتہ کٹنے کے بعد جسم مردہ نہیں بے حس ہو جاتا ہے، جیسے کہ عارضی طور پر بوقت ضرورت جسم کے کسی حصے کو "سن" کیا جاتا ہے، مگر سن ہو جانے کی بناء پر جسم کے اس حصے کو مردہ نہیں کہا جائے گا۔

اس سلسلے میں پھیلی ہوئی بحثوں میں غور کرنے سے ایسا لگتا ہے کہ دل اور دماغ کے بارے میں قدیم اطباء و محققین کی جو تحقیقات و تصورات ہیں ان میں بڑی حد تک واقعیت ہے، قدیم تصورات میں دل کو اصل سرچشمۂ حیات مانا گیا ہے، اور دماغ کو اس کے تابع، اس لئے کہ دماغ کی زندگی دل کی زندگی سے وابستہ ہے، نہ کہ دل کی زندگی دماغ کی زندگی سے، دماغ اپنی زندگی کے لئے دل سے غذا حاصل کرتا ہے، اگر دل کی طرف سے دماغ کو غذا حاصل نہ ہو تو چند منٹ بھی وہ زندہ نہیں رہ سکتا، اور دماغ کے مر جانے کے بعد دوبارہ اس میں زندگی آنے کا امکان بہت کم رہتا ہے، جدید میڈیکل انقلاب نے مصنوعی دل تیار کر کے اس کی اہمیت کم نہیں کی ہے، اس لئے کہ مصنوعی دل بھی دل ہی کے قائم مقام ہے، نظام جسم میں دل کی جو اہمیت ہے مصنوعی دل اس کی جگہ لے لیتا ہے، اور خون کی ترسیل کا جو کام حقیقی دل کے ذریعہ انجام پاتا تھا وہ مصنوعی دل انجام دیتا ہے، لیکن دل کے دوسرے اہم کام جو اخلاق وصفات اور معنیٰ و کیف سے وابستہ ہیں مصنوعی دل کے دائرۂ اختیار سے باہر ہیں، اس لئے کہ مصنوعی آلات اور مشینیں معنوی چیزوں کا بدل نہیں بن سکتیں، اور غالباً یہی وجہ ہے کہ جدید میڈیکل دنیا آج تک مصنوعی دماغ بنانے سے عاجز ہے، کیونکہ دماغ کا تعلق علم و معرفت اور احساس و شعور سے ہے، جو مصنوعی آلات کے دائرۂ امکان سے باہر ہے، اگر میڈیکل دنیا مصنوعی دماغ تیار کر سکتی تو جس طرح اصلی دل کے مرنے کے بعد مصنوعی دل لگا کر انسان کو محدود مدت کے لئے زندہ رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے، حقیقی دماغ کے مرنے کے بعد مصنوعی دماغ کے ذریعے انسان کو زندہ رکھنے کی کوشش بھی ضرور کی جاسکتی تھی۔

قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی میں اس سلسلے میں کوئی واضح معیار موجود نہیں کہ دل کے مرنے سے موت واقع ہوگی یا دماغ کے مرنے سے؟ البتہ نظام جسم میں مجموعی طور پر دل کو مرکزی اہمیت دی گئی

ہے، مثلاً قرآن کریم میں ہے:

"افلم یسیروا فی الارض فتکون بھم قلوب یعقلون بہا او آذان یسمعون بھا ، فانھا لا تعمی الابصار ولٰکن تعمی القلوب التی فی الصدور"[884]

ترجمہ: کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلتے؟ کہ ان کے پاس دل ہوں جن سے عقل کا کام لیں، یا کان ہوں جن سے سنیں، اس لئے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ سینوں میں جو دل ہیں وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں۔

ایک حدیث پاک میں ارشاد نبویؐ ہے:

"الاوان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وہی القلب متفق علیہ"[885]

ترجمہ: سنو! جسم میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ ٹھیک ہوتا ہے تو سارا نظام جسم درست ہوتا ہے، اور جب وہ بگڑتا ہے تو سارا نظام جسم بگڑ کر رہ جاتا ہے، وہ ٹکڑا دل ہے"

ان دونوں نصوص میں دل کو مرکزی اہمیت دی گئی ہے، آیت کریمہ میں دل کو مخزن عقل اور حدیث پاک میں سرچشمۂ صلاح وفساد قرار دیا گیا ہے، مگر ان دونوں باتوں کا تعلق حیات جسمانی سے نہیں بلکہ معنی وکیف سے ہے، دل بہر حال تمام ادراکات وکیفیات اور علوم ومعارف کا مخزن ہے، دماغ آلۂ علم ہے مگر معلومات وکیفیات کا مخزن قلب ہے، اور دماغ بھی سرچشمۂ احساس اسی وقت تک ہے جب تک کہ اسے دل کی جانب سے غذا فراہم کی جاتی رہے، دل کی مثال بادشاہ کی ہے جو کائنات جسم کے مختلف عناصر کو مختلف ذمہ داریوں کا پابند بناتا ہے، دماغ فہم وشعور کے معاملے میں اس کا وزیر ہے، مگر اصل مخزن قلب ہے، امام رازیؒ لکھتے ہیں:

"کالدلالۃ علی ان القلب آلۃ لھذ التعقل فوجب جعل القلب محلاً

----- حواشی--

884 ۔ الحج:۴۶

885 ۔ مشکوٰۃ علی المرقات ج/۶ص/۳۶

للتعقل"[886]

ترجمہ: آیت کریمہ سے اشارہ ملتا ہے کہ دل اس فہم و ادراک کا آلہ ہے اس لئے ضروری ہے کہ قلب کو "مخزن عقل" قرار دیا جائے۔

صوفیاء نے دل اور دماغ دونوں ہی کو اہمیت دی ہے، اور بعض جہتوں سے قلب اور بعض سے دماغ کو مرکز عقل قرار دیا ہے۔

اس موضوع کے مباحث اور انسان کے نظام جسم کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسان کے تمام اعضاء اور حواس دماغ سے براہ راست مربوط ہیں، اور دل سے بواسطۂ دماغ، اعضاء وجوارح سے جب دماغ کا رشتہ ٹوٹتا ہے تو دل سے بھی رشتہ ٹوٹ جاتا ہے، اور پھر انسانوں کے اعضاء اور خلیات میں جزوی حیات تو قائم رہتی ہے مگر انسان جس شخصیت سے عبارت ہے وہ ختم ہو جاتی ہے۔

موت کا تعلق دل اور دماغ سے

عام طور پر علماء وفقہاء نے اس مسئلے سے بحث نہیں کی ہے کہ موت حرکت قلب کے بند ہونے سے آتی ہے یا دماغ کے منجمد ہو جانے سے، فقہاء شرع کے نزدیک جسم سے روح کے نکلنے کا نام موت ہے، اس کی تشریح یہ کی جاتی ہے کہ اعضاء جسم انسان کے تابع نہ رہ جائیں اور اپنا کام چھوڑ دے[887]

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"روح کا جو کچھ عمل بتایا جاتا ہے اپنے آثار کے اعتبار سے وہی عمل ہے جو جذع دماغ (STEM BRAIN) کا آج کے اطباء بتاتے ہیں، پس یوں کہا جا سکتا ہے کہ روح کا بدن سے جدا ہو جانا یہ نتیجہ پیدا کرتا ہے کہ اعضاء جسم انسانی دماغ کے تابع باقی نہیں رہتے۔

----- حواشی --

886 ۔ التفسیر الکبیر ج/ ۱۱ ص/ ۲۹۲

887 ۔ احیاء العلوم للغزالی ج/ ۴ ص/ ۵۲۵

روح اپنا عمل بنیادی طور پر جذع دماغ(STEM BRAIN) کے ذریعہ جسم انسانی پر کرتی ہے، اور کسی بھی غیر مادی لطیف شئ کو اپنے عمل کے اظہار کے لئے کسی مادی شئ کو اپنا معمول بنانا پڑتا ہے، پس روح انسانی جذع دماغ کو اپنا مرکز بنا کر اپنے تصرفات کرتی رہتی ہے، لیکن جب جذع دماغ اپنا وجود کھو بیٹھتا ہے تو روح اسے چھوڑ دیتی ہے[888]

موت کی اس تشریح سے ظاہر ہوتا ہے کہ جذع دماغ کی موت سے انسان کی موت واقع ہوتی ہے، قلب کی موت سے نہیں—— مگر جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ انسان کے نظام جسم میں قلب و دماغ دونوں کی بنیادی اہمیت ہے، اور اعضاء جسم دماغ کے واسطے سے قلب سے مربوط ہوتے ہیں، لیکن جب دماغ فیل ہو جاتا ہے تو قلب سے اس کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے، اس وقت اگر جب کہ قلب بھی زندہ اور متحرک ہوتا ہے اور اعضاء جسم بھی، مگر درمیانی واسطہ ختم ہو جانے کی بناء پر قلب کی ہدایات اعضاء جسم تک نہیں پہونچ پاتیں، اور یہ اعضاء بذات خود زندہ ہونے کے باوجود باہم مربوط نہیں ہوتے، اس لئے میرا حقیر خیال یہ ہے کہ چونکہ شریعت مطہرہ نے واضح اور متعین طور پر موت کو دل اور دماغ میں سے کسی ایک کے ساتھ نہیں جوڑا ہے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ موت کو دل اور دماغ دونوں سے مشترکہ طور پر مربوط مانا جائے، اور جب تک دونوں کی موت نہ ہو جائے انسان کو مردہ تصور نہ کیا جائے، اگر دل پہلے بند ہوتا ہے اور دماغ تک مصنوعی آلات کی مدد سے خون پہونچایا جاتا ہے اور دماغ اپنا کام جاری رکھتا ہے تو انسان کو زندہ مانا جائے گا، اس لئے کہ دماغ کی مدد سے اعضاء و حواس کام کر رہے ہوتے ہیں، اور اگر دماغ پہلے مرتا ہے، اور مصنوعی آلات کی مدد سے دل کی حرکت جاری رکھی جاتی ہے، اور اس کی مدد سے دیگر اعضاء کو زندگی پہونچائی جاتی ہے، تب بھی انسان کو زندہ مانا جائے گا جب تک کہ دل بھی اپنا کام بند نہ کر دے۔

یعنی دل و دماغ میں سے کسی ایک کی موت صرف موت کا آغاز ہوتا ہے، اور دوسرے کی موت پر

----- حواشی--

888 ۔مباحث فقہیہ ۳۷۵،۳۷۴

اس کی تکمیل ہوتی ہے، اور درمیانی مرحلہ موت کی تکمیل کا مرحلہ ہے نہ کہ موت کے بعد کا، زیادہ سے زیادہ اس کو انتہائی "مرض الموت" کا نام دے سکتے ہیں، مرض الموت کی جو تعریف کی گئی ہے اس کا خلاصہ یہی ہے کہ بیماری کی ایسی انتہائی کیفیت جس میں بالعموم موت واقع ہو جاتی ہو اور مریض اپنے مفاد کے حصول سے بالکلیہ معذور ہو جائے[889]

اور اگر اس کو مرض الموت نہ قرار دیا جاسکے تو بھی زیادہ سے زیادہ اسے آغاز موت کہا جاسکتا مکمل موت کہنا مشکل ہے، اس لئے اس حالت میں اس کے ساتھ زندوں کی طرح معاملہ کیا جانا چاہئے، حسب استطاعت اس کا علاج ہونا چاہئے، اور پیوند کاری کی غرض سے اس کے اعضاء کی قطع وبرید درست نہیں۔

چند مسائل

اس تفصیل کی روشنی میں چند مسائل پیش خدمت ہیں:

(۱) دماغی موت موت کا ایک جزو ہے، اس کی تکمیل قلب کی موت پر ہوتی ہے، اگر دماغ مر چکا ہو لیکن مصنوعی آلات تنفس کے ذریعہ قلب کی حرکت اور سانس کی آمد و رفت باقی رکھی گئی ہو تو ایسے شخص کو مردہ قرار نہیں دیا جائے گا۔

(۲) اگر دماغ نہیں مرا ہے یعنی جذع المخ کام کر رہا ہے لیکن حرکت قلب پوری طرح بند ہو گئی ہے، اور سانس کی آمد و رفت ختم ہو چکی ہے تو ایسی حالت میں اس شخص پر مردہ کے احکام جاری نہیں ہونگے۔

(۳) مصنوئی آلات تنفس کی مشین (UENTI LAPR) پر ایسا مریض جس کی زندگی سے اطباء مایوس نہ ہوئے ہوں لیکن مشین ہٹا لینے پر سانس کی آمد و رفت رک جاتی ہو یہ طریقۂ علاج کافی گراں ہے، اگر مریض کے اقارب اس گراں طریقۂ علاج کو جاری رکھنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں تو یہ آلات ہٹا لینے کی اجازت ہوگی، اس لئے کہ ترک علاج اس وقت گناہ ہے جبکہ شفاء کا یقین یا کم از کم غالب امید ہو، زیر بحث صورت میں یہ یقین موجود نہیں ہے، نیز تمام احکام کا مدار استطاعت پر ہے ارشاد ربانی ہے " لا یکلف اللہ

----- حواشی -----

889 - فتاویٰ ہندیہ ج/ ۴ص/ ۱۷۶، بدائع الصنائع ج/ ۳ص/ ۲۲۴، تحریر الفاظ التنبیہ للنووی ص/ ۲۴۱

نفساً الا وسعها " [890]

ترجمہ: اللہ کسی پر اس کی وسعت سے بڑھ کر بار نہیں ڈالتے"

(۴) ڈاکٹروں کی ناامیدی کی صورت میں مصنوعی آلات تنفس کی مشین سے استفادہ کو زیادہ سے زیادہ جائز کہا جا سکتا ہے۔

(۵) موت کے احکام مثلاً نفاذ وصیت، اجراء میراث، اور آغاز عدت وغیرہ کا اعتبار ایسے غیر معمولی امراض کی صورت میں احتیاطاً اس وقت سے ہو گا جبکہ مشین ہٹالی جائے اور دماغ کے ساتھ قلب کی حرکت اور سانس کی آمدورفت بھی موقوف ہو جائے۔

اس لئے کہ جس شخص میں زندگی کی فی الجملہ علامات موجود ہوں اس کو زندہ ہی تصور کیا جائے گا، موت کا وقفہ بعض صورتوں میں طویل ہو سکتا ہے، اس لئے آغاز موت کو موت قرار دینا درست نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم

تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

۱- جب سانس کی آمدورفت پوری طرح رک جائے اور موت کی علامات ظاہر ہو جائیں، تب ہی موت کے واقع ہونے کا حکم لگایا جائے گا، اور اسی وقت سے موت سے متعلق وصیت کا نفاذ، میراث کا اجراء اور عدت کا آغاز وغیرہ احکام جاری ہونگے۔

۲- اگر مریض مصنوعی آلۂ تنفس پر ہو لیکن ڈاکٹر اس کی زندگی سے مایوس نہ ہوئے ہوں، اور امید ہو کہ فطری طور پر تنفس کا نظام بحال ہو جائے گا، تو مریض کے ورثہ کے لئے اسی وقت مشین کا ہٹانا درست ہو گا جب کہ مریض کی املاک سے اس علاج کو جاری رکھنا ممکن نہ ہو، نہ ورثہ ان اخراجات کو برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں، اور نہ اس علاج کو جاری رکھنے کے لئے کوئی اور ذریعہ میسر ہو۔

۳- اگر مریض آلۂ تنفس پر ہو اور ڈاکٹروں نے مریض کی زندگی اور فطری طور پر نظام تنفس کی

----- حواشی--

[890] - البقرہ:۲۸۵

بحالی سے مایوسی ظاہر کر دی ہو تو ورثہ کے لئے جائز ہو گا کہ مصنوعی آلۂ تنفس علاحدہ کر دیں[891]۔

----- حواشی---

891 - جدید مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے حصہ اول ص ۲۳۳

سرپر بالوں کی افزائش وزیبائش کے مسائل[892]

جسم اللہ کی ایک امانت ہے، جس کی حفاظت و نگہداشت اور اعتدال میں رہتے ہوئے اس کی تحسین وتزئین انسان کی ذمہ داری ہے، جسم کو صحیح مطلوبہ حالت پر رکھنا اور اگر کوئی نقص پیدا ہو جائے تو اس کی اصلاح کرنا تاکہ اپنی صحت کے علاوہ لوگوں کے لئے بھی باعث کشش رہے، اسلام میں ناپسندیدہ نہیں بلکہ مطلوب ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَايُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ}[الأعراف: 31]

ترجمہ: اے اولاد آدم! ہر نماز کے موقعہ پر زینت اختیار کرو، اور کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو، بلاشبہ حد سے تجاوز کرنے والے لوگ اللہ پاک کو پسند نہیں ہیں۔

ایک حدیث میں ہے:

أصلحوا رحالكم ، وأصلحوا لباسكم حتى تكونوا كأنكم شامة في الناس ، فإن الله لا يحب الفحش ولا التفحش[893]

ترجمہ: اپنی سواریوں اور لباس کو درست رکھو، تاکہ لوگ تمہاری طرف متوجہ ہوں ،اللہ پاک کو خراب حالت یا بہ تکلف اپنی حالت خراب بنانا پسند نہیں ہے۔

حدود شریعت کو قائم رکھنے کا نام اعتدال ہے

ان نصوص سے ظاہر ہوتا ہے کہ اجتماعی مواقع پر بطور خاص زینت کو اختیار کرنا اسلام میں مطلوب ہے، اور کھانے پینے کی طرح یہ بھی انسانی ضرورت کا حصہ ہے، البتہ یہ جذبہ حد اعتدال میں رہنا چاہئے، اور

----- حواشی--

892 - تحریر بمقام جامعہ ربانی منورواشریف بہار، بتاریخ ۸/ جمادی الثانیۃ ۱۴۴۱ھ م ۳/ فروری ۲۰۲۰ء سوموار

893 -" أخرجه أبو داود(4 /349–ط عزت عبيددعاس)وفي إسناده جهالة.(ميزان الاعتدال للذهبي 392/3

شریعت نے جو حدود مقرر کردیئے ہیں، ان سے تجاوز نہیں ہونا چاہئے، اسی لئے ایک طرف شریعت نے سر کے بال، مونچھ، ناخن، زیر ناف اور زیر بغل کے بال وغیرہ کاٹنے، اور گھنی اور لمبی ڈاڑھیوں میں تراش وخراش کی اجازت دی[894]، تو وہیں ڈاڑھی کلیتاً مونڈنے اور اپنے بنیادی ساخت میں غیر فطری تغیرات سے منع فرمایا، شریعت کے مقرر کردہ حدود پر قائم رہنے ہی کا نام اعتدال ہے، اور اعتدال کو برقرار رکھتے ہوئے زینت اختیار کرنا درست بلکہ مطلوب ہے، البتہ اعتدال سے انحراف کرنے والی تحسینات اللہ کو پسند نہیں ہیں، اور ایسی ہی تحسینات کبھی تغییر خلق اللہ کے دائرے میں داخل ہو جاتی ہیں، یہاں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ تحسین جسم کو زخمی کرکے حاصل کی گئی ہے یا بلا زخمی کئے ہوئے، اصل چیز حکم شریعت کا لحاظ ہے، مثلاً عورتوں کو زیورات پہننے کے لئے کان اور ناک چھیدنے کی، اور مردوں کو ختنہ کرنے کی اجازت ہے، اسی طرح چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا، وغیرہ، جب کہ جسم کے دیگر حصوں میں چھید کرکے رنگ بھرنے کی[895]، یا مردوں کو خصی ہونے کی اجازت نہیں ہے[896]، شریعت نے ان کو تغییر خلق اللہ کا مصداق

----- حواشی---

894 - جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللِّحَى خَالِفُوا الْمَجُوسَ »(الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ١ ص ١٥٣ حديث نمبر:٦٢٦المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق :الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة ـ بيروت الطبعة :عدد الأجزاء : ثمانية أجزاء في أربع مجلدات 1- الكتاب مشكول 2- موافق للمطبوع كاملاً بحمد الله-* " كان يأخذ من لحيته من عرضها وطولها " أخرجه الترمذي (5 / 94 - ط الحلبي) وفي إسناده عمر بن هارون البلخي ، وهو متهم بالكذب . (ميزان الاعتدال 3 / 228

895 - عن أبي هريرة رضي الله عنه :عن النبي صلى الله عليه و سلم قال (لعن الله الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة) [5602] [ش (الواصلة . .) هي التي تصل الشعر بغيره والمستوصلة التي تطلب فعل ذلك أو يفعل لها . (الواشمة) التي تفعل الوشم وهو أن تغرز إبرة في الجلد حتى يخرج الدم ويحشى الموضع بكحل أو غيره فيتلون الموضع والمستوشمة التي تطلب فعل ذلك لها] (الجامع الصحيح المختصرج ٥ ص ٢٢١٦ حديث نمبر :٥٥٨٩المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق :د. مصطفى ديب البغاأستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا ـ

896 - سمعت سعد بن أبي وقاص يقول رد رسول الله صلى الله عليه و سلم على عثمان بن مظعون التبتل ولو أذن له لاختصينا(الجامع الصحيح المختصرج ٥ ص ١٩٥٢ حديث نمبر :٤٧٨٦المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري

قرار دیا ہے، اسی طرح ایسا تصرف بھی ممنوع ہے جو جنس یا بنیادی ہیئت کی تبدیلی پر اثر انداز ہو، یہ تغییر خلق اللہ ہے۔

اعتدال سے تجاوز کا نام تبدیل خلق اللہ ہے

اللہ پاک نے اس دنیا میں حسن وجمال کے بے پناہ مظاہر پیدا فرمائے ہیں، ان کے درمیان انسان کا یہ فطری جذبہ کبھی جذبۂ مسابقت میں تبدیل ہو جاتا ہے، شریعت نے اپنے مقرر کردہ حدود کے ذریعہ اسی جذبۂ مسابقت کو کنٹرول کیا ہے۔ اکثر انسان حسن ظاہر کو بڑھانے کی دھن میں حسن باطن سے غافل ہو جاتا ہے، جس کی طرف ایک روایت میں اشارہ کیا گیا ہے:

إِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ وَإِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِينُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِينِهِمْ[897]

ترجمہ: میں نے اپنے تمام بندوں کو سیدھے طریق پر پیدا کیا، لیکن شیطان نے آکر ان کو اپنے دین سے منحرف کر دیا۔

شریعت مطہرہ نے جو حدود مقرر کئے ہیں ان سے حسن ظاہر کی حفاظت کے ساتھ حسن باطن کی بھی حفاظت ہوتی ہے، شریعت میں حسن ظاہر کی اہمیت ہے مگر حسن باطن کی اہمیت اس سے بھی زیادہ ہے، ایک حدیث میں اسی حقیقت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے:

----- حواشی---

الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق :د. مصطفى ديب البغاأستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا -

897 - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ٨ ص ١٥٨ حديث نمبر:٧٣٨٦المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق :الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت الطبعة :عدد الأجزاء : ثمانية أجزاء في أربع مجلدات [ملاحظات بخصوص الكتاب]1– الكتاب مشكول 2

إنّ الله لا ينظر إلى أجسادكم ولا إلى صوركم ، ولكن ينظر إلى قلوبكم[898]

ایک اور روایت میں ہے:

تنكح المرأة لأربع :لمالها،ولحسبها، وجمالها ، ولدينها ، فاظفر بذات الدين تربت يداك[899]

یہی وہ معیار فطرت ہے جس کی تبدیلی اسلام کی نگاہ میں جرم ہے، اور یہی تبدیل خلق اللہ کا اصل مصداق ہے[900]، قرآن کریم میں ہے:

فأقم وجهك للدين حنيفًا فطرة الله التي فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله ذلك الدين القيّم[901]

کسی چیز میں ایسی تبدیلی کہ وہ دوسری چیز بن جائے اس کو بھی تبدیل خلق اللہ کے زمرہ میں شامل کیا گیا ہے، مثلاً بوڑھے شخص کو جوان صورت بنا دینا، یہ تدلیس اور دھوکہ ہے، جو شرعاً حرام ہے:

تغييرالشيب يعني:نتفه،فإنّ تغييرلونه قدأَمَربه[902]

انسان اپنے جسم کا مالک نہیں ہے

دراصل انسان اپنے جسم کا مالک نہیں امین ہے، اس لئے شریعت کی اجازت کے بغیر انسان

----- حواشی---

[898] - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ٨ ص ١١ حديث نمبر:٦٧٠٧المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق :الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة ـ بيروت الطبعة :عدد الأجزاء : ثمانية أجزاء في أربع مجلدات [ملاحظات بخصوص الكتاب]1- الكتاب مشكول 2

[899] - الجامع الصحيح ج ٥ ص ١٩٥٨ حديث نمبر :٤٨٠٢المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق :د. مصطفى ديب البغاأستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا ـ

[900] - تفسير البحر المحيط ج ٤ ص ٢٨١المؤلف : أبو حيان محمد بن يوسف بن علي بن يوسف بن حيان النحوي الأندلسي (المتوفى : 745هـ) المفردات في غريب القرآن ص 157

[901] - سورة الروم : 30

[902] - لسان العرب(344/6)؛وانظر:النهاية في غريب الحديث ص 685 .

اپنے جسم میں کسی طرح کے تصرف کا اختیار نہیں رکھتا، درر الحکام میں ہے:

وَلَوْ أُكْرِهَ بِالْقَتْلِ عَلَى أَنْ يَقْتُلَ نَفْسَهُ لَا يَسَعُهُ أَنْ يَقْتُلَ نَفْسَهُ[903]

علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

فإنه لا يجوز له الإقدام على قطع عضو لم يأمر الله ورسوله بقطعه ولا أوجب قطعه كما لو أذن له في قطع أذنه أو إصبعه فإنه لا يجوز له ذلك ولا يسقط الإثم عنه بالإذن[904]

ابن حزمؒ لکھتے ہیں:

"واتفقوا أنّه لا يحل لأحدٍ أن يقتل نفسه ، ولا يقطع عضوًا من أعضائه ، ولا أن يؤلم نفسه في غير التداوي بقطع العضو الألم خاصّةً"[905]

اس اصولی گفتگو کے بعد اس ضمن میں پیدا ہونے والے چند سوالات کے جوابات پیش خدمت ہیں:

گنجا پن ایک مرض ہے

سوال نمبر (۱) الف: اگر کسی کے سر سے بال ختم ہو گئے ہوں تو سر پر بالوں کی افزائش علاج و معالجہ میں داخل ہے، یا زینت میں؟

الجواب: شریعت اسلامیہ کا مزاج یہ ہے کہ ضرورت وحاجت یا کسی عیب یا نقص کی اصلاح کے وقت شریعت جسم میں جزوی تصرف و عمل کی اجازت دیتی ہے، خواہ وہ علاج کے نقطۂ نظر سے کیا جائے یا جائز حدود میں رہتے ہوئے زینت کے لئے، مثلاً عورت کے چہرہ پر بال اگ آئے تو اس کو ختم کرنے کی تدبیر حنفیہ

----- حواشی---

[903] - درر الحكام شرح مجلة الأحكام ج ٢ ص ٦٥٥علي حيدرتحقيق تعريب: المحامي فهمي الحسيني الناشر دار الكتب العلمية مكان النشر لبنان / بيروت عدد الأجزاء 16×4

[904] - تحفة المودود بأحكام المولودج ١١ ص ١٣

[905] -مراتب الإجماع في العبادات والمعاملات والاعتقادات ج ١ ص ١٥٧المؤلف : أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي القرطبي الظاهري (المتوفى : 456هـ)الناشر : دار الكتب العلمية – بيروت عدد الأجزاء : 1

کے نزدیک مستحب اور مالکیہ کے نزدیک واجب ہے اور شوہر حکم کرے تو شوافع کے نزدیک واجب ہے[906]۔
حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی یہی فتویٰ منقول ہے[907]۔

دراصل اس سوال کا منشأیہ ہے کہ علاج کا تعلق ضرورت یاحاجت سے ہے جب کہ زینت تحسینیات کے قبیل سے ہے، فقہاء نے ضرورت وحاجت کے وقت بعض محظورات کی اجازت دی ہے، جب کہ تحسینیات کا درجہ اس سے کمتر ہے، جیسا کہ کتب اصول فقہ میں اس کی تفصیل موجود ہے[908]، اوراوپر ابن حزم وغیرہ کی عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جسم میں عمل جراحی بھی علاج کے علاوہ کسی اور غرض سے درست نہیں ہے، لیکن علماء اصول نے اس کی بھی وضاحت کی ہے کہ تحسین حاجت ہی کا تتمہ ہے، جس طرح کہ حاجت ضرورت کا تکملہ ہے، امام شاطبیؒ لکھتے ہیں:

أن الحاجيات كالتتمة للضروريات،وكذلك التحسينات كالتكملة للحاجيات،فإن الضروريات هي أصل المصالح[909]

اس لئے تحسین اگر کسی ظاہری نقص یاعیب کی اصلاح کے لئے اختیار کی جائے تو گو کہ اس پر

----- حواشی---

[906] - حاشية ابن عابدين 5 / 239 ، وحاشية قليوبي 3 / 252 .الفواكه الدواني على رسالة ابن أبي زيد القيرواني ج ٨ ص ٨٩ المؤلف : أحمد بن غنيم النفراوي (المتوفى : 1126هـ)

[907] - فقد روت امرأة بن أبي الصقر : أنها كانت عند عائشة رضي الله عنها ، فسألتها امرأة فقالت : يا أم المؤمنين إن في وجهي شعرات أفأنتفهن ، أتزين بذلك لزوجي ؟ فقالت عائشة : أميطي عنك الأذى ، وتصنعي لزوجك كما تصنعين للزيارة ، وإن أمرك فأطيعيه ، وإن أقسم عليك فأبريه ، ولا تأذني في بيته لمن يكره[مصنف عبد الرزاق]الكتاب : مصنف عبد الرزاق ج ٣ ١٤٦ حدیث نمبر:٥١٠٤المؤلف : أبو بكر عبد الرزاق بن همام الصنعاني الناشر : المكتب الإسلامي – بيروت الطبعة الثانية ، 1403تحقيق : حبيب الرحمن الأعظمي عدد الأجزاء : 11

[908] - أحكام القرآن للجصاص (147/1) *شفاء الغليل للغزالي ص 246 ؛ الأشباه والنظائر للسيوطي ص97

[909] - الموافقات ج ٢ ص ٢٥ المؤلف : إبراهيم بن موسى بن محمد اللخمي الغرناطي الشهير بالشاطبي (المتوفى : 790هـ)المحقق : أبو عبيدة مشهور بن حسن آل سلمان الناشر : دار ابن عفان الطبعة : الطبعة الأولى 1417هـ/ 1997م عدد الأجزاء : 7

حاجت کی پوری تعریف صادق نہ آئے لیکن شرعاًاس کی اجازت ہو گی، اوراس کا ثبوت ایک حدیث پاک سے ہے، حضرت عرفجہ کی ناک ایک جنگ میں کٹ گئی تھی، انہوں نے اس عیب کو دور کرنے کے لئے چاندی کی ناک لگوائی، مگر وہ بدبودار ہو گئی، تو حضور ﷺ کی اجازت سے سونے کی ناک لگوائی، ظاہر ہے کہ ناک کے بغیر بھی انسان بآسانی سانس لے سکتا ہے، لیکن ظاہری نقص کی تکمیل کے لئے ان کو سونے کے استعمال نیز فی الجملہ عمل جراحی کی اجازت دی گئی:

عن عرفجة بن أسعد قال:أصيب أنفي يوم الكلاب في الجاهلية فاتخذت أنفامن ورق فأنتن علي فأمرني رسول الله صلى عليه وسلم أن أتخذ أنفا من ذهب حدثناعلي بن حجرحدثناالربيع بن بدرمحمدبن يزيد الواسطي عن أبي الأشهب نحوه[910]

غرض اصلاح نقص بھی بمنزلۂ علاج ہے، گنجاپن ایک نقص بھی ہے اور مرض بھی، اس لئے شرعاً اس کی اصلاح اور بال اگانے کی تدبیر کرنا جائز ہے، خواہ اس کے لئے سرجری کی ضرورت پیش آئے، اوراس حکم میں مرد وعورت دونوں مساوی ہیں، اس لئے کہ علاج یاجسمانی عیب کی اصلاح کے معاملے میں مرد و عورت کی تفریق نہیں ہے۔ جیساکہ حضرت عرفجہ کی روایت سے اندازہ ہوتاہے، اس لئے کہ یہ قصہ ایک مرد کے سلسلے میں مروی ہے، ظاہر ہے ناک لگوانے کے لئے یکگونہ سرجری کی ضرورت بھی پڑتی ہے، فقہاء نے دانت لگوانے کی بھی اجازت دی ہے، اس میں بھی سرجری کی ضرورت ہے:

ولو سقط سنه يكره أن يأخذ سن ميت فيشدها مكان الأولى بالإجماع وكذا يكره أن يعيد تلك السن الساقطة مكانها عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله ولكن يأخذسن شاة ذكية فيشدهامكانها وقال أبو يوسف رحمه الله لا بأس بسنه ويكره سن غيره قال ولايشبه سنه سن ميت

----- حواشی---

[910] - **الجامع الصحيح سنن الترمذي ج ۴ص۲۴۰ حديث نمبر: ۱۷۷۰المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت تحقيق :أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء : 5الأحاديث مذيلة بأحكام الألباني عليها**

استحسن ذلك وبينهماعندي فصل ولكن لم يحضرني "ووجه"الفصل له من وجهين أحدهماأن سن نفسه جزء منفصل للحال عنه لكنه يحتمل أن يصيرمتصلا في الثاني بأن يلتئم فيشتدبنفسه فيعودإلى حالته الأولى وإعادة جزء منفصل إلى مكانه ليلتئم جائز كماإذاقطع شيء من عضوه فأعاده إلى مكانه فأما سن غيره فلا يحتمل ذلك. والثاني أن استعمال جزء منفصل عن غيره من بني آدم إهانة بذلك الغيروالآدمي بجميع أجزائه مكرم ولا إهانة في استعمال جزءنفسه في الإعادة إلى مكانه[911]

بالوں کی افزائش کے لئے سرجری کا حکم

سوال نمبر ۲: (الف) بالوں کی افزائش کے لئے ٹرانسپلائٹ آپریشن (سرجری) کرانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جسم کے جس حصے پر فطری طور پر بال ہوتے ہیں وہاں بال نہ ہونا ایک جسمانی مرض اور عیب ہے، جس طرح کہ جو حصہ بال کا فطری مقام نہیں ہے، اس پر بال پیدا ہو جانا ایک جسمانی مرض ہے، مثلاً مرد کی ہتھیلی پر یا کسی بے موقع جگہ پر، یا عورت کے چہرے پر بال نکل آئے تو یہ مرض ہے[912]، اور شریعت میں مرض کے علاج اور ظاہری نقص کی اصلاح کے لئے عمل جراحی کی اجازت دی گئی ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث عرفجہؓ سے ثابت ہوتا ہے، علامہ ابن حزمؒ نے علاج کے لئے سرجری کے جواز پر علماء کا اتفاق نقل کیا ہے:

----- حواشی ---

[911] - بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ١١ص٣٨٩ تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي **587**هـ دار الكتب العلمية – بيروت – لبنان الطبعة الثانية **1406**هـ – **1986**م محمد عارف بالله القاسمي

[912] - حاشية ابن عابدين 2 / 113 ، 5 / 239 ، 271 ، 481 – 482 ، وروضة الطالبين 7 / 344 ، والمهذب في فقه الإمام الشافعي 2 / 67 – 68 ، وحاشية الجمل على شرح المنهج 4 / 280 ، وكشاف القناع عن متن الإقناع 5 / 184 – 185 ط . النصر الحديثة ، والمغني لابن قدامة 7 / 18 ط . الرياض الحديثة ، وشرح منتهى الإرادات 3 / 92 ، ومصنف عبد الرزاق 3 / 146 .

" واتفقوا أنّه لا يحل لأحدٍ أن يقتل نفسه ،ولا يقطع عضوًا من أعضائه،ولا أن يؤلم نفسه في غير التداوي بقطع العضو الألم خاصّةً"[913]

عورتوں کو اپنے چہرے کا بال اکھاڑنے اور صاف کرنے کی اجازت دی گئی ہے بلکہ حنفیہ کے یہاں یہ مستحب اور مالکیہ کے یہاں واجب ہے، ظاہر ہے کہ بال نکالتے وقت چہرہ لہولہان ہو گا، لیکن بشرط سلامتی زخم ہونے کے باوجود بال نکالنے کی اجازت ہوگی ،حضرت عائشہؓ کے عہد میں ایک خاتون کے چہرے پر بال نکل آئے تھے،انہوں نے آپ سے مسئلہ دریافت کیا کہ آپ نے فرمایا کہ اپنے شوہر کے لئے زینت اختیار کرو اور چہرے کے بال صاف کرلو:

فقدروت امرأةبن أبي الصقر:أنها كانت عند عائشة رضي الله عنها، فسألتهاامرأة فقالت : يا أم المؤمنين إن في وجهي شعرات أفأنتفهن ، أتزين بذلك لزوجي؟فقالت عائشة:أميطي عنك الأذى ،وتصنعي لزوجك كما تصنعين للزيارة ، وإن أمرك فأطيعيه ، وإن أقسم عليك فأبريه ، ولا تأذني في بيته لمن يكره[914]

ابن عابدینؒ لکھتے ہیں:**قوله (والنامصة إلخ) ذكره في الاختيار أيضا وفي المغرب النمص نتف الشعر ومنه المنماص المنقاش اه ولعله محمول على ما إذا فعلته لتتزين للأجانب وألا فلو كان في وجهها شعر ينفر زوجها عنها بسببه ففي تحريم إزالته بعدلأن الزينة للنساء مطلوبة للتحسين إلا أن يحمل على مالا ضرورة إليه لما في نتفه بالمنماص من الإيذاء وفي تبيين المحارم إزالة الشعر من الوجه حرام إلا إذا نبت للمرأة لحية أو شوارب فلا**

----- حواشی---

913 -مراتب الإجماع في العبادات والمعاملات والاعتقادات ج ١ ص ١٥٧المؤلف : أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي القرطبي الظاهري (المتوفى : 456هـ)الناشر : دار الكتب العلمية – بيروت عدد الأجزاء : 1

914 - مصنف عبد الرزاق ج ٣ ١٤٦حدیث نمبر:٥١٠٤المؤلف : أبو بكر عبد الرزاق بن همام الصنعاني الناشر : المكتب الإسلامي – بيروت الطبعة الثانية ،1403 تحقيق : حبيب الرحمن الأعظمي عدد الأجزاء : 11

تحرم إزالته بل تستحب اه وفي التاترخانية عن المضمرات ولا بأس بأخذ الحاجبين وشعر وجهه ما لم يشبه المخنث اه[915]

فقہ مالکی کی معروف کتاب "حاشیۃ العدوی" میں ہے:

قَوْلُهُ : وَالْمُتَنَمِّصَاتِ] بِضَمِّ الْمِيمِ وَفَتْحِ الْفَوْقِيَّةِ وَالنُّونِ وَتَشْدِيدِ الْمِيمِ الْمَكْسُورَةِ وَفَتْحِ الصَّادِ بَعْدَ الْأَلِفِ فَوْقِيَّةٌ جَمْعُ مُتَنَمِّصَةٍ وَهِيَ الَّتِي تَنْتِفُ شَعْرَالْحَاجِبِ حَتَّى يَصِيرَدَقِيقًا حَسَنًا ، وَالنَّهْيُ مَحْمُولٌ عَلَى الْمَرْأَةِ الْمَنْهِيَّةِ عَنْ اسْتِعْمَالِ مَا هُوَ زِينَةٌ لَهَا كَالْمُتَوَفَّى عَنْهَا وَالْمَفْقُودِ زَوْجُهَا فَلَا يُنَافِي مَا وَرَدَ عَنْ عَائِشَةَ مِنْ جَوَازِ إزَالَةِ الشَّعْرِ مِنْ الْحَاجِبِ وَالْوَجْهِ وَفِي بَعْضِ الرِّوَايَاتِ : وَالنَّامِصَةَ وَالْمُتَنَمِّصَةَ فَالنَّامِصَةُ هِيَ الَّتِي تَنْتِفُ الْحَاجِبَ حَتَّى تُرِقَّهُ كَذَا قَالَ أَبُو دَاوُد ، وَالْمُتَنَمِّصَةُ هِيَ الْمَعْمُولُ لَهَا ذَلِكَ وَمَا ذَكَرْنَاهُ مِنْ تَفْسِيرِ النَّامِصَةِ عَنْ أَبِي دَاوُد وَقَدْ قَالَ بَعْضُ شُرَّاحِ الْمُصَنِّفِ : وَفَسَّرَهَا عِيَاضٌ وَ مَنْ وَافَقَهُ بِأَنَّهَا الَّتِي تَنْتِفُ الشَّعْرَ مِنْ الْوَجْهِ ، وَالْأَوَّلُ يَقْتَضِي جَوَازَ نَتْفِ شَعْرِ مَا عَدَا الْحَاجِبَيْنِ مِنْ الْوَجْهِ ، وَتَفْسِيرُ عِيَاضٍ يَقْتَضِي خِلَافَ ذَلِكَ [قَوْلُهُ : وَالْمُتَفَلِّجَات][916]

الفواکہ الدوانی میں ہے:

وَقَيَّدْنَاذَلِكَ بِالرَّجُلِ لِمَامَرَّمِنْ أَنَّ الْمَرْأَةَ يَجِبُ عَلَيْهَاإزَالَةُ مَاعَدَا شَعْرَ رَأْسِهَا[917]

----- حواشی --

[915] - حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ٦ ص ٣٧٣ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8

[916] - حاشية العدوي على شرح كفاية الطالب الرباني ج ٢ ص ٥٩٩المؤلف : علي بن أحمد الصعيدي العدوي (المتوفى : 1189هـ)تحقيق يوسف الشيخ محمد البقاعي الناشر دارالفكرسنة النشر 1412مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 2

[917] - الفواكه الدواني على رسالة ابن أبي زيد القيرواني ج ٨ ص ٨٩ المؤلف : أحمد بن غنيم النفراوي (المتوفى : 1126هـ)

اسی کی نظیر یہ بھی ہے کہ جسم کے کسی حصہ پر کوئی عیب دار چیز نکل آئے، مثلاً زائد انگلی، یا زائد ہتھیلی وغیرہ، تو فقہاء کرام نے اس کی سرجری کی اجازت دی ہے بشرطیکہ سلامتی کا پہلو غالب ہو۔

ومن وجوه التحسن للهيئة : قطع الأعضاء الزائدة في البدن كالسن الزائدة ،و الأصبع الزائدة ، والكف الزائدة ، لما فيها من التشويه ويقاس على ذلك سائر التشوهات في البدن،ويشترط في ذلك أن تكون السلامة هي الغالبة في إزالته[918]

افزائش کے لئے انسانی بالوں کا استعمال درست نہیں

(ب،ج) البتہ ایک انسان کے سر میں دوسرے انسان کے بال کے ذریعہ افزائش درست نہیں، اس لئے کہ بلاضرورت شدید انسانی اعضاء کا استعمال کرامت انسانی کے خلاف ہے، احادیث میں ایسی عورتوں پر لعنت بھیجی گئی ہے جو اپنے بالوں میں دوسری عورتوں کے بال جوڑتی ہیں:

عن أبي هريرة رضي الله عنه:عن النبي صلى الله عليه و سلم قال (لعن الله الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة [919]

فقہاء نے بھی صراحت کے ساتھ ایسے مواقع پر انسانی اعضا کے استعمال سے منع کیا ہے، اور اس کی جگہ کوئی جائز متبادل مثلاً حیوانی اجزاء یا کوئی دھات وغیرہ استعمال کرنے کی ہدایت دی ہے:

ولوسقط سنه يكره أن يأخذ سن ميت فيشدها مكان الأولى بالإجماع

----- حواشی---

[918] - **الموسوعة الفقهية الكويتية ج ١٠ ص ٢١٦صادر عن : وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية – الكويت عدد الأجزاء : 45 جزءا الطبعة : (من 1404 – 1427 هـ) ..الأجزاء 1 – 23 : الطبعة الثانية ، دارالسلاسل – الكويت ..الأجزاء 24 – 38 : الطبعة الأولى ، مطابع دار الصفوة – مصر..الأجزاء 39 – 45 : الطبعة الثانية ، طبع الوزارة،بحواله** الفتاوى الهندية 5 / 360 .

[919] - **كتاب : الجامع الصحيح ج ٥ ص ٢٢١٦حديث نمبر:٥٥٨٩المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا**

وكذايكره أن يعيد تلك السن الساقطة مكانها عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله ولكن يأخذسن شاة ذكية فيشدها مكانها وقال أبو يوسف رحمه الله لابأس بسنه ويكره سن غيره قال ولا يشبه سنه سن ميت استحسن ذلك وبينهماعندي فصل ولكن لم يحضرني"ووجه"الفصل له من وجهين أحدهما أن سن نفسه جزء منفصل للحال عنه لكنه يحتمل أن يصير متصلا في الثاني بأن يلتئم فيشتد بنفسه فيعود إلى حالته الأولى وإعادة جزء منفصل إلى مكانه ليلتئم جائز كما إذا قطع شيء من عضوه فأعاده إلى مكانه فأما سن غيره فلا يحتمل ذلك. والثاني أن استعمال جزء منفصل عن غيره من بني آدم إهانةبذلك الغير والآدمي بجميع أجزائه مكرم ولا إهانة في استعمال جزء نفسه في الإعادة إلى مكانه[920]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وَوَصْلُ الشَّعْرِ بِشَعْرِ الْآدَمِيّ حَرَامٌ سَوَاءٌ كان شَعْرَهَا أو شَعْرَ غَيْرِهَا كَذَا في الِاخْتِيَارِ شَرْحِ الْمُخْتَارِ وَلَا بَأْسَ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَجْعَلَ في قُرُونِهَا وَذَوَائِبِهَا شيئا من الْوَبَرِ كَذَا في فَتَاوَى قَاضِي خَانْ في جَوَازِ صَلَاةِ الْمَرْأَةِ مع شَعْرِغَيْرِهَاالْمَوْصُولِ اخْتِلَافٌ بَيْنَهُمْ وَالْمُخْتَارُ أَنَّهُ يَجُوزُ كَذَا في الْغِيَاثِيَّةِ [921]

مجمع الانہر میں ہے:

ولا يجوز بيع شعر الآدمي ولا الانتفاع به ولا بشيء من أجزائه لأن الآدمي مكرم غير مبتذل فلا يجوز أن يكون شيء من أجزائه مهانامبتذلا وقد

----- حواشی---

[920] - بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ١١ص٣٨٩ تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي **587**هـ دار الكتب العلمية – بيروت – لبنان الطبعة الثانية **1406**هـ – **1986**م محمد عارف بالله القاسمي

[921] -الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان ج ٥ ص ٣٥٨ الباب التاسع عشر ،الشيخ نظام وجماعة من علماء الهندسنة الولادة / سنة الوفاة تحقيق الناشر دار الفكرسنة النشر **1411**هـ – **1991**م مكان النشرعدد الأجزاء ٦

قال عليه الصلاةوالسلام لعن الله الواصلة والمستوصلةالحديث وإنما يرخص فيما يتخذ من الوبر فيزيد في قرون النساء و ذوائبهن وعن محمد أنه يجوز الانتفاع به استدلالا بما روي أنه عليه الصلاة والسلام حين حلق رأسه قسم شعره بين أصحابه رضي الله تعالى عنهم وكانوا يتبركون به ولو لم يجز الانتفاع به لما فعل لكن فيه ما فيه تتبع [922]

بالوں کی عارضی افزائش کا حکم

(د) سرجری کے علاوہ دیگر طریقوں سے بھی غیر انسانی بالوں کو عارضی یا مستقل طور پر چپکانے میں کچھ حرج نہیں ہے، بشرطیکہ کوئی نجس مادہ استعمال نہ کیا جائے، فقہاء نے عورتوں کو اپنے چھوٹے بالوں میں حیوان کے بالوں کو جوڑنے کی اجازت دی ہے، ظاہر ہے کہ بال میں بال جوڑنے کا عمل مستقل تو ہو نہیں سکتا، جس طرح کہ دانت دونوں طرح سے لگائے جاتے ہیں، فقہاء نے جانوروں کے دانت یا دھات سے تیار شدہ دانت لگانے کی اجازت دی ہے، جیسا کہ پہلے اس مضمون کی کئی عبارتیں گذر چکی ہیں۔

نیز کتب فقہیہ میں وقتی مفادات کے تحت عارضی طور پر سر یا ڈاڑھی پر بال لگانے کا بھی ذکر کیا گیا ہے، علماء نے اس کی گنجائش دی ہے، فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

إذَا لم يَكُنْ لِلْعَبْدِ شَعْرٌ في الْجَبْهَةِ فَلَا بَأْسَ لِلتُّجَّارِ أَنْ يُعَلِّقُوا على جَبْهَتِهِ شَعْرًالِأَنَّهُ يُوجِبُ زِيَادَةً في الثَّمَنِ وَهَذَا دَلِيلٌ على أَنَّهُ إذَا كان الْعَبْدُ لِلْخِدْمَةِ وَلَا يُرِيدُ بَيْعَهُ أَنَّهُ لَا يَفْعَلُ ذلك كَذَا في الْمُحِيطِ وَلَا بَأْسَ لِلتَّاجِرِ أَنْ يَحْلِقَ شَعْرَ جَبْهَةِ الْغُلَامِ لِأَنَّهُ يَزِيدُ في الثَّمَنِ فَإِنْ كان الْعَبْدُ لِلْخِدْمَةِ لَا يُرِيدُ بِهِ

----- حواشی---

[922] - مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر ج ٣ ص ٨٦عبد الرحمن بن محمد بن سليمان الكليبولي المدعو بشيخي زاده سنة الولادة / سنة الوفاة 1078ھ تحقيق خرج آياته وأحاديثه خليل عمران المنصورالناشر دار الكتب العلمية سنة النشر 1419ھ – 1998م مكان النشر لبنان/ بيروت عدد الأجزاء 4

التِّجَارَةَلَايُسْتَحَبُّ أَنْ يَفْعَلَ ذلك كَذَافِي فَتَاوَى قَاضِي خَانْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ[923]

*وَإِنْ لم يَكُنْ لِلْعَبْدِ شَعْرٌ فِي لِحْيَتِهِ فَلَا بَأْسَ لِلتُّجَّارِ أَنْ يُشْعِرُوا على جَبْهَتِهِ لِأَنَّهُ يُوجِبُ زِيَادَةً فِي الْقِيمَةِ[924]

افزائش کردہ بالوں پر وضو اور مسح کا حکم

سوال نمبر (۳): (الف) بال کی افزائش کے بعد وضو اور غسل کا حکم متأثر ہوگا، یا نہیں؟

الجواب: اس سلسلہ میں مختلف جزئیات کو سامنے رکھتے ہوئے شریعت کا مزاج یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر بالوں کو عارضی طور پر چپکایا گیا ہو، اور اس کو بآسانی علاحدہ کرنا ممکن ہو، اور اس سے عضو پر کوئی نقصان اور حرج نہ پہونچتا ہو تو وہ عمامہ، ٹوپی اور خواتین کے برقع اور اوڑھنی کے حکم میں ہیں، یعنی سر پر مسح کے لئے ان کو ہٹانا ضروری ہے، خواہ مرد ہو یا عورت:

وَلَا يَجُوزُ الْمَسْحُ على الْقَلَنْسُوَةِ وَالْعِمَامَةِ وَكَذَا لو مَسَحَتْ الْمَرْأَةُ على الْخِمَارِإِلَّا انه إذَا كان الْمَاءُ مُتَقَاطِرًا بِحَيْثُ يَصِلُ إلَى الشَّعْرِ فَحِينَئِذٍ يَجُوزُ ذلك عن الشَّعْرِ كَذَافِي الْخُلَاصَةِ هذا إذَا لم يَتَلَوَّنْ الْمَاءُ هَكَذَا في الظَّهِيرِيَّةِ والافضل أَنْ تَمْسَحَ تَحْتَ الْخِمَارِ[925]،

☆ اور اگر بال کو سر سے ہٹانا دشوار ہو، یا اس سے جسم پر مضرت پہونچنے کا اندیشہ ہو تو یہ زخم کی پٹی

----- حواشی---

[923] - الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان ج ۵ ص ۳۵۸ الباب التاسع عشر ،الشيخ نظام وجماعة من علماء الهندسنة الولادة / سنة الوفاة تحقيق الناشر دار الفكرسنة النشر **1411**هـ – **1991**م مكان النشرعدد الأجزاء ٦☆**كذافی المحيط** البرهاني ج ۵ ص ۲۴۵المؤلف : محمود بن أحمد بن الصدر الشهيد النجاري برهان الدين مازه المحقق :الناشر : دار إحياء التراث العربي الطبعة :عدد الأجزاء : **11**

[924] - البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج ۸ ص ۲۳۳زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة **926**هـ/ سنة الوفاة **970**هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت

[925] - الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان ج ۱ ص ۵ الباب التاسع عشر ،الشيخ نظام وجماعة من علماء الهندسنة الولادة / سنة الوفاة تحقيق الناشر دار الفكرسنة النشر **1411**هـ – **1991**م مكان النشرعدد الأجزاء

، یا عورتوں کی گوندھی ہوئی چوٹیوں، ناخن کے اندر یا ناخن پر چڑھے یا چپکے ہوئے رنگ یا گوندھ وغیرہ کے حکم میں ہے، اس پر مسح کرنا جائز ہے، ہٹانے کی ضرورت نہیں ہے، خواہ عورت ہو یا مرد۔ شامی میں ہے:

وجه السقوط أن علة عدم وجوب غسلها الحرج أي أن الأصل وجوب الغسل إلا أنه سقط للحرج وإنما يرد الإشكال على التعليل بكونها خلقة ولهذا قال في الفتح والأصح الأول أي كون عدم الوجوب للحرج لالكونه خلقة وقال قبله في نواقض الوضوء بعد ذكره الإشكال لكن في الظهيرية إنما علله بالحرج لا بالخلقة وهو المعتمد فلا يرد الإشكال ا هـ قوله (ضفيرتها) المراد الجنس الصادق بجميع الضفائر ط قوله (للحرج) والأصل فيه ما رواه مسلم وغيره عن أم سلمة قالت قلت يا رسول الله إني امرأة أشد ضفر رأسي أفأنقضه لغسل لجنابة فقال لا إنما يكفيك أن تحثي على رأسك ثلاث حثيات ثم تفيضين عليه الماء فتطهرين ومقتضى هذا الحديث عدم وجوب الإيصال إلى الأصول فتح لكن في المبسوط وإنما شرط تبليغ الماء أصول الشعر لحديث حذيفة فإن كان يجلس إلى جنب امرأته إذا اغتسلت فيقول يا هذه أبلغي الماء أصول شعرك وشؤون رأسك و هي مجمع عظام الرأس ذكره القاضي عياض بحرواستفيد من الإطلاق أنه لا يجب غسل ظاهر المسترسل إذا بلغ الماء أصول الشعر وبه صرح في المنية وعزاه في الحلية إلى الجامع الحسامي و الخلاصة ثم قال وممن نص أيضا على أن غسل ظاهر المسترسل من ذوائبها موضوع عنها البزدوي و الصدر الشهيد وعبرعنه بالصحيح في المحيط البرهاني ومشى عليه في الكافي والذخيرةا هـ قوله (اتفاقا) كذا في شرح المنية وفيه نظر لأن في المسألة ثلاثة أقوال كما في البحر والحلية الأول الاكتفاء بالوصول إلى الأصول ولو منقوضا و ظاهر الذخيرة أنه ظاهر المذهب ويدل عليه ظاهر الأحاديث الواردةفي هذا الباب الثاني التفصيل المذكور

ومشى عليه جماعة منهم صاحب المحيط والبدائع والكافي الثالث وجوب بل الذوائب مع العصر وصحح وتمام تحقيق هذه الأقوال في الحلية وحال فيها آخرا إلى ترجيح القول الثاني وهو ظاهر المتون قوله (ولو لم يبتل أصلها) بأن كان متلبدا أو غزيراإمداداأو مضفورا ضفرا شديدا لا ينفذ فيه الماء ط قوله (مطلقا) قال ح لم يظهر لي وجه الإطلاق ا هـ. و قال ط أي سواء كان فيه حرج أم لا وقوله هو الصحيح مقابله أنه لابد من عصر الشعر ثلاثا بعد غسله منقوضا أومعقوصاا هـ[926]

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وَالْعَجِينُ فِي الظُّفْرِ يَمْنَعُ تَمَامَ الِاغْتِسَالِ وَالْوَسَخُ وَالدَّرَنُ لَا يَمْنَعُ وَالْقَرَوِيُّ وَالْمَدَنِيُّ سَوَاءٌ وَالتُّرَابُ وَالطِّينُ فِي الظُّفْرِ لَايَمْنَعُ وَالصَّرَّامُ وَالصَّبَّاغُ مَا فِي ظُفْرِهِمَا يَمْنَعُ تَمَامَ الِاغْتِسَالِ وَ قِيلَ كُلُّ ذَلِكَ يُجْزِيهِمْ لِلْحَرَجِ وَالضَّرُورَةِ ،وَمَوَاضِعُ الضَّرُورَةِمُسْتَثْنَاةٌعَنْ قَوَاعِدِ الشَّرْعِ كَذَافِي الظَّهِيرِيَّةِ[927]

در مختار میں ہے:

والحاصل لزم غسل المحل ولو بماءحار،فإن ضرمسحه، فإن ضر مسحها، فإن ضر سقط أصلا.(ويمسح) نحو (مفتصد وجريح على كل عصابة)مع فرجتهافي الاصح (إن ضره) الماء (أو حلها) ومنه أنه لا يمكنه ربطهابنفسه ولايجد من يربطها.(انكسر ظفره فجعل عليه دواء أو وضعه على شقوق

----- حواشی---

926 - حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ١ ص ١٥٣ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8

927 - الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان ج ١ ص ١٦٨ الباب التاسع عشر ،الشيخ نظام وجماعة من علماء الهندسنة الولادة / سنة الوفاة تحقيق الناشر دار الفكرسنة النشر 1411هـ – 1991م

رجله أجرى الماء عليه) إن قدر وإلا مسحه وإلا تركه[928]

حرج کا معیار

(د) مشکل کا معیار یہ ہے کہ جس کام سے نفس اور جسم کو گرانی یا مضرت پیش آئے وہ مشکل ہے، ورنہ آسان ہے، مشکل صورتوں میں دفع حرج کے لئے دین میں بڑی گنجائشیں موجود ہیں۔ علامہ بقاعیؒ لکھتے ہیں:

قال الحرالي: اليسر عمل لا يجهد النفس ولايثقل الجسم، والعسر ما يجهد النفس ويضر الجسم[929]

بالوں کو تراش خراش کر ڈیزائن بنانا

سوال نمبر (۴): آج کل بہت سے نوجوان سر کے بالوں کی عجیب وغریب ڈیزائن میں کاٹ چھانٹ کرتے ہیں، اوران کو سنہرے اور دیگر رنگوں سے رنگین کرتے ہیں تو مردوں کے لئے چھوٹے بڑے بال رکھنا اوران کو باقاعدہ رنگین کرانے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اس طرح کے بال رکھنے والوں کے وضو، غسل اور نماز کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: سر کے بالوں کو مختلف مقامات سے کاٹنے چھاٹنے کا فیشن جاہلی تہذیب کا حصہ ہے، عہد نبوت میں اس کی ایک خاص قسم کو "قزع" کہا جاتا تھا، جس کا رواج زیادہ تر بچوں کے لئے تھا، قزع کی تشریح راویان حدیث اور شارحین نے یہ کی ہے، کہ سر کے کچھ حصے کو مونڈ دیا جائے، اور کچھ کو چھوڑ دیا جائے، یا جگہ بجگہ بال چھوڑ دیئے جائیں، نبی کریم ﷺ نے اس امر جاہلیت سے منع فرمایا، آپ نے فرمایا کہ یا تو پورا مونڈ دو یا

----- حواشی---

[928] - الدر المختار ، شرح تنوير الأبصار في فقه مذهب الإمام أبي حنيفة ج ١ ص ٣٠٤ المؤلف : محمد ، علاء الدين بن علي الحصكفي (المتوفى : 1088هـ) حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ١ ص ٢٨١ ابن عابدين. الناشر دار الفكر للطباعة والنشر. سنة النشر 1421هـ – 2000م. مكان النشر بيروت.

[929] - نظم الدرر في تناسب الآيات والسور ج ١ ص ٢٧٣ المؤلف : إبراهيم بن عمر بن حسن الرباط بن علي بن أبو بكر البقاعي (المتوفى : 885هـ)

پورا چھوڑ دو:

سمع ابن عمر رضي الله عنهما يقول:سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم ينهى عن القزع . قال عبيد الله قلت وما القزع ؟ فأشارلنا عبيد الله قال إذاحلق الصبي وترك هاهنا شعرة وهاهنا وها هنا فأشار لنا عبيد الله إلى ناصيته وجانبي رأسه قيل لعبيد الله فالجارية والغلام ؟ قال لا أدري هكذا قال الصبي[930]

☆عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم–نَهَى عَنِ الْقَزَعِ.قَالَ قُلْتُ لِنَافِعٍ وَمَا الْقَزَعُ قَالَ يُحْلَقُ بَعْضُ رَأْسِ الصَّبِىِّ وَيُتْرَكُ بَعْضٌ[931]

٭عَنْ ابْنِ عُمَرَأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى صَبِيًّا قَدْ حُلِقَ بَعْضُ شَعْرِهِ وَتُرِكَ بَعْضُهُ فَنَهَاهُمْ عَنْ ذَلِكَ وَقَالَ احْلِقُوهُ كُلَّهُ أَوْ اتْرُكُوهُ كُلَّهُ[932]

یہی تہذیب آج دوسری شکل میں پھر عود کر آئی ہے، اس لئے یہ ہر حال میں بچہ اور بڑا، مرد اور عورت سب کے لئے ممنوع ہے، یہ غیر اسلامی تہذیب کی نقل ہے، جس پر سخت وعید وارد ہوئی ہے:

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم– قَالَ « لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا لاَ تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِوَلاَ بِالنَّصَارَى

----- حواشی---

930 -: **الجامع الصحيح ج ۵ ص ۵۱۴حديث نمبر:۵۵۷۶المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987**

931 - **الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ۶ص۱۶۴ حديث نمبر:۵۶۸۱المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق :الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة ـ بيروت الطبعة :عدد الأجزاء : ثمانية أحزاء في أربع مجلدات [ملاحظات بخصوص الكتاب]1– الكتاب مشكول 2–**

932 - **سنن أبي داودج ۴ص۱۳۴حديث نمبر:۴۱۹۷المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي ـ بيروت عدد الأجزاء :4**

[933]

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم– «مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ [934]

فقہاء نے بھی اس کو ایک کافرانہ تہذیب قرار دے کر اختیار کرنے سے منع کیا ہے، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

وفي الذخيرة ولا بأس أن يحلق وسط رأسه ويرسل شعره من غير أن يفتله و إن فتله فذلك مكروه لأنه يصيرمشبهاببعض الكفرة و المجوس في ديارنا يرسلون الشعرمن غير فتل ولكن لا يحلقون وسط الرأس بل يجزون الناصيةتاترخانية قال ط و يكره القزع وهو أن يحلق البعض ويترك البعض قطعا مقدار ثلاثة أصابع كذا في الغرائب[935]

بالوں کو مختلف رنگوں میں رنگنے کا حکم

☆البتہ سفید بال کو بعض مصالح کے تحت سیاہ رنگ کے علاوہ مختلف رنگوں میں رنگنے کی اجازت شریعت میں موجود ہے، ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے والد گرامی حضرت ابو قحافہؓ کے سفید بالوں میں سیاہ چھوڑ کر کوئی بھی خضاب لگانے کو ارشاد فرمایا:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ أُتِىَ بِأَبِى قُحَافَةَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَرَأْسُهُ وَلِحْيَتُهُ كَالثَّغَامَةِبَيَاضًافَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ–صلى الله عليه وسلم– « غَيِّرُوا

----- حواشی---

933 - الجامع الصحيح سنن الترمذي ج ٥ ص ٥٦ حديث نمبر:٢٦٩٥ المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت تحقيق : أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء : 5 الأحاديث مذيلة بأحكام الألباني عليها۔

934 - سنن أبي داودج ٤ ص ٧٨ حديث نمبر:٤٠٣٣ المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي . بيروت عدد الأجزاء :4

935 - حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ٦ ص ٤٠٧ ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8

هَذَا بِشَیْءٍوَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ[936]

سیاہ رنگ کے خضاب کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، بعض صحابہ اور تابعین (مثلاً حضرت عثمان بن عفان[937]، حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت سعد بن الوقاصؓ، حضرت عقبہ بن عامرؓ، حضرت ابو سلمہؓ، حضرت عبداللہ بن جعفرؓ، امام زہریؒ وغیرہ) سے اس کے لگانے کا ثبوت ملتا ہے:

★عن عبد الرحمن بن بزرج قال : رأيت الحسن و الحسين رضي الله عنهما ابني فاطمة رضي الله عنها يخضبان بالسواد وكان الحسين يدع العنفقة[938]

★حدثنا الشيخ أبو بكر بن إسحاق أنا إسماعيل بن قتيبة ثنا محمد بن عبد الله بن نمير قال : مات عمروبن العاص بن وائل بن هاشم بن سعيد بن سهم بن عمرو بن هصيص بن كعب بن لؤي بن غالب و أمه النابغة بنت حرملة بن الحارث بن كلثوم بن جوشن بن عمرو بن عبد الله بن خزيمة بن عنزة بن أسدبن ربيعة بن نزار و كان قصيرا يخضب بالسواد و قد قيل النابغة بنت حرملة بن سبية من عنزة و أخوه من أمه عروة بن أمامة العدوي و كان من مهاجرة الحبشة وأخوه هشام بن العاص قتل يوم أجنادين شهيدا و قد قيل أن عمروبن العاص توفي سنة إحدى و خمسين

----- حواشی---

936 - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ٦ص١٥٥ حديث نمبر:٥٦٣١المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق :الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت الطبعة :عدد الأجزاء : ثمانية أحزاء في أربع مجلدات [ملاحظات بخصوص الكتاب]1- الكتاب مشكول 2- موافق للمطبوع

937 -الموسوعة الفقهية الكويتية ج ٢ ص ٢٧٨صادر عن : وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية – الكويت

938 - المعجم الكبير – الطبراني]ج ٣ ص ٩٩ الكتاب : المعجم الكبيرالمؤلف : سليمان بن أحمد بن أيوب أبو القاسم الطبراني الناشر : مكتبة العلوم والحكم – الموصل الطبعة الثانية ، 1404 – 1983 تحقيق : حمدي بن عبدالمجيد السلفي عدد الأجزاء : 20* مُصنف ابن أبي شيبة ج ٨ ص ٢٤٨المصنف : أبو بكر عبد الله بن محمد بن أبي شيبة العبسي الكوفي (159 . 235 هـ) تحقيق : محمد عوامة.ملاحظات :. رقما الجزء والصفحة يتوافقان مع طبعة الدار السلفية الهندية القديمة.. ترقيم الأحاديث يتوافق مع طبعة دار القبلة-

و الله أعلم[939]

★عن سعيدبن المسيب: كان سعد بن أبي وقاص يخضب بالسوادتعليق الذهبي قي التلخيص : سنده واه[940]

★عن أبي سلمة أنه كان يخضب بالسواد[941]

★قَالَ مَعْمَرٌ وَكَانَ الزُّهْرِيُّ يَخْضِبُ بِالسَّوَادِ،تعليق شعيب الأرنؤوط : إسناداه صحيحان على شرط الشيخين [942]

جبکہ متعدد روایات میں اس کی ممانعت بھی وارد ہوئی ہے، اس لئے (باستثناء حالت جنگ) یہ کم از کم مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ ضرور ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم–«يَكُونُ قَوْمٌ يَخْضِبُونَ فِى آخِرِ الزَّمَانِ بِالسَّوَادِ كَحَوَاصِلِ الْحَمَامِ لاَيَرِيحُونَ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ[943]

البتہ خضاب کی یہ تمام روایات سفید بال سے متعلق ہیں، جیسا کہ حضرت ابو قحافہؓ والی روایت میں صراحت کے ساتھ بیاض کا لفظ آیا ہے، یہ معقول طور پر ایک مجبوری یا ضرورت کی شکل ہے، مگر ایک بھی ایسی روایت موجود نہیں ہے جس میں کالے بال کو مختلف رنگوں سے رنگنے کا ذکر آیا ہو، پس آج کی نوجوان نسل جو

----- حواشی---

939 - المستدرك على الصحيحين ج ٣ ص ٥١٢ حديث نمبر :٥٩٠٤المؤلف : محمد بن عبدالله أبو عبدالله الحاكم النيسابوري الناشر : دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة الأولى ، 1411 – 1990تحقيق : مصطفى عبد القادر عطاعدد الأجزاء : 4مع الكتاب : تعليقات الذهبي في التلخيص

940 -المستدرك على الصحيحين ج ٣ ص ٥٦٧ حديث نمبر :٦٠٩٩المؤلف : محمد بن عبدالله أبو عبدالله الحاكم النيسابوري الناشر : دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة الأولى ، 1411 – 1990تحقيق : مصطفى عبد القادر عطا

941 -مُصنف ابن أبي شيبة ج ٨ص ٢٤٩المصنف : أبو بكر عبد الله بن محمد بن أبي شيبة العبسي الكوفي (159 . 235 هـ)تحقيق : محمد عوامة.ملاحظات :. رقما الجزء والصفحة يتوافقان مع طبعة الدار السلفية الهندية القديمة..

942 - [مسند أحمد بن حنبل]الكتاب : مسند الإمام أحمد بن حنبل ج ٢ ص ٣٠٩المؤلف : أحمد بن حنبل أبو عبدالله الشيباني الناشر : مؤسسة قرطبة – القاهرة عدد الأجزاء : 6الأحاديث مذيلة بأحكام شعيب الأرنؤوط عليها

943 - سنن أبي داودج ٤ص١٣٩حديث نمبر:٤٢١٤المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي . بيروت عدد الأجزاء :4

کچھ کررہی ہے، اس کو معروف خضاب سے کوئی نسبت نہیں، وہ محض فیشن، غیروں کی نقالی اور گناہ ہے۔

الموسوعۃ الفقہیۃ میں شرح روض الطالب وغیرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ سیاہ ڈاڑھی کو سفید رنگ سے رنگنا اپنی مشیخت وعظمت کے اظہار کے لئے درست نہیں ہے، ہاں اگر کوئی جائز مقصد پیش نظر ہو تو مضائقہ نہیں[944]

☆ جہاں تک وضو اور غسل اور نماز کا مسئلہ ہے تو اگر رنگ پاک اجزاء سے تیار شدہ ہو، اور رنگنے کے بعد اس کی جرمیت ختم ہوگئی ہو اور صرف رنگ وچکناہٹ باقی ہو تو باتفاق فقہاء اس حالت میں وضو غسل ونماز سب درست ہیں، چکناہٹ اور رنگ صحت وضو وغسل کے لئے مانع نہیں ہیں[945]۔

إذ لو كان بعين النجاسة كالدم وجب زوال عينه وطعمه وريحه ولا يضر لونه كماهوظاهر من مسألة الميتة أفاده ح مطلب في حكم الصبغ والاختضاب بالصبغ أو الحناء النجسين قوله (والأولى غسله)اعلم أنه ذكر في المنيةأنه لو أدخل يده في الدهن النجس أو اختضبت المرأة بالحناء النجس أوصبغ بالصبغ النجس ثم غسل كل ثلاثا طهر ثم ذكر عن المحيط أنه يطهر إن غسل الثوب حتى يصفوالماء ويسيل أبيض ا ه وفي الخانية إذا وقعت النجاسة في صبغ فإنه يصبغ به الثوب ثم يغسل ثلاثا فيطهر كالمرأة إذااختضبت بحناء نجس ا ه وذكر مسألة الحناء في موضع آخر مطلقةأيضا ثم قال وينبغي أن لا يطهر ما دام يخرج الماء ملونا بلون الحناء فعلم أن اشتراط صفو الماء إما قول ثان كما يشعربه كلام المحيط أوهو تقييد لإطلاق القول الأول وبيان له كما يشعر به قول

----- حواشی---

944 - **الموسوعة الفقهية الكويتية ج ٢ ص ٢٨٣صادر عن : وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية – الكويت عدد** الأجزاء : **45** جزءا **بحواله** شرح روض الطالب 1 / 551 ، وشرح عين العلم وزين الحلم لنور الدين المعروف بالقاري 1 / 328

945 - شرح الحطاب 1 / 163 ط مكتبة النجاح – طرابلس

الخانية وينبغي وعلى كل فكلام المحيط والخانية يشعر باختيار ذلك الشرط لذااقتصرعلى ذكره في الفتح هذا وقد ذكر سيدي عبد الغني كلاما حسناسبقه إليه صاحب الحلية وهوأن مسألة الاختضاب أو الصبغ بالحناء أو الصبغ النجسين وغمس اليد في الدهن مبنية في الأصل على أحد قولين إما على أن الأثر الذي يشق زواله لا يضر بقاؤه وإما على ما روي عن أبي يوسف من أن الدهن يطهر بالغسل ثلاثا بأن يجعل في إناء فيصب عليه الماء ثم يرفع ويراق الماء وهكذا ثلاث مرات فإنه يطهر وعليه الفتوى خلافا لمحمد كما في شرح المنية فمن بنى ذلك على الأول اشترط في هذه المسألة صفو الماء ليكون اللون الباقي أثرا شق زواله فيعفى عنه وإن كان ربما نفض على ثوب آخر أوظهر في الماء عندغسله في وقت آخر والقول باشتراط غسله ثلاثابعد صفو الماء ضعيف ومن بنى على الثاني اكتفى بالغسل ثلاثا لأن الحناء و الصبغ والدهن المتنجسات تصير طاهرة بالغسل ثلاثا فلايشترط بعدذلك خروج الماء صافياا ه وقد أطال في الحلية في تحقيق ذلك كماهودأبه ثم جنح إلى البناءعلى الأول وقال إنه الأشبه فليكن التعويل عليه في الفتوى ا ه ولا يخفى أنه ترجيح لما في المحيط والخانية والفتح[946]

☆(و)الثالث(زوال ما يمنع وصول الماء إلى الجسد) لحرمة الحائل (كشمع وشحم)قيدبه لأن بقاء دسومة الزيت ونحوه لايمنع لعدم الحائل[947]

*زوال ما يمنع وصول الماء إلى البشرة لجرم الحائل كشمع أو شحم

----- حواشی---

[946] - حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ١ ص ٣٢٩ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8

[947] -مراقی الفلاح ج ١ ص ٣٣

وکذاطلاء الأظافر .أما الدسومة التي لا جرمية لها فلا مانع كدسومة الزيت وما شابهه[948]

ممتاز شافعی فقیہ علامہ شربینیؒ لکھتے ہیں

☆و لا أثر لدهن ذائب ولون نحو حناء، ويجب إزالة ما تحت الاظفار من وسخ يمنع وصول الماء[949]

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم

تجاویز ادارۃ المباحث الفقہیۃ

☆انسان کے لئے سر پر بالوں کا وجود زینت اور جمال کے اسباب میں سے ہے، اور اس سے محرومی عیب ہے، لہذا اگر کسی کے سر پر بال نہ رہیں تو ازالۂ عیب کے لئے بالوں کی افزائش کی مباح تدبیریں اختیار کرنا جائز ہے۔

☆سر پر بالوں کی افزائش کے لئے بذریعہ سرجری (ٹرانسپلانٹ) یا کسی اور طریقہ سے دوسرے انسان اور خنزیر کے علاوہ کسی بھی جانور کے بالوں کو مستقل یا عارضی طور پر استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔

☆اگر سر پر بال اس طرح سے جما دیئے جائیں کہ وہ بآسانی اس سے جدا نہ ہو سکیں تو وہ مستقل طور پر سر کا حصہ قرار پائیں گے، اور ان پر وضو میں مسح کرنا اور غسل میں پانی بہانا کافی ہو گا، لیکن اگر اس طرح سر پر بال لگائے جائیں کہ انہیں بآسانی الگ کیا جاسکتا ہو، تو وہ ٹوپی کے حکم میں ہونگے، انہیں ہٹائے بغیر مسح یا غسل درست نہ ہو گا، اور اس حکم میں مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

----- حواشی ---

948 -فقه العبادات على المذهب الحنفي ج ١ ص ٣٣ تأليف : الحاجة نجاح الحلبي

949 - الإقناع في حل ألفاظ أبي شجاع ج ١ ص ١٤١ المؤلف : محمد بن أحمد الخطيب الشربيني (المتوفى : 977هـ)

☆موجودہ زمانے کے فیشن کے مطابق سر کے بالوں کی بے ڈھنگے انداز میں ڈیزائننگ کرنا یا سر کے کسی حصے کے بالوں کو بالکل چھوٹا کر دینا اور دوسری جانب کے بالوں کو بڑا رکھنا اہل فسق سے تشبہ کی بنا پر ممنوع ہے، نیز کالے بالوں پر سنہرا یا کوئی دوسرا رنگ چڑھانا بھی پسندیدہ نہیں، اور اگر سر کے بعض حصے کو استرے سے مونڈ کر بقیہ بالوں کو چھوڑ دیا جائے تو یہ قزع میں داخل ہو کر بلاشبہ ناجائز ہے۔

☆اگر بالوں کو ایسے رنگ سے رنگا جائے جو بالوں تک پانی پہونچنے سے مانع نہ ہو تو اس کی وجہ سے وضو، غسل اور نماز میں کوئی خرابی نہیں آئے گی[950]۔

----- حواشی -----

950 - بموقعہ سولہواں فقہی اجتماع منعقدہ ۳تا۵ / شعبان المعظم ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۷تا۱۹ / مارچ ۲۰۲۱ء بمقام دفتر جمعیۃ دہلی۔

مصنوعی طریقۂ تولید سے ثبوت نسب کا حکم[951]

موجودہ دور میں میڈیکل سائنس کی وجہ سے جو نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں ان میں ایک اہم مسئلہ مصنوعی طریقۂ تولید سے بچوں کی پیدائش اور ان کے ثبوت نسب کا ہے، مصنوعی طریقۂ تولید کی اکثر صورتیں جمہور علماء اور موجودہ فقہی اداروں کے نزدیک ناجائز ہیں، جو انسانی احترام کے خلاف اور اسلام کے نظام نسب کے لئے سخت مضرت رساں ہیں، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس طریقۂ تولید سے اولاد حاصل کرلے تو حاصل شدہ اولاد پر کیا احکام مرتب ہونگے ؟ اور ان کا نسب شرعاً کس سے ثابت مانا جائے گا ؟ اس سلسلے میں درج ذیل سوالات خاص طور پر توجہ طلب ہیں:

ٹیوب زادہ کا نسب زوجین سے ثابت ہو گا

(۱) اگر زوجین اپنے نطفوں کو مصنوعی ٹیوب میں رکھوائیں اور ٹیوب ہی میں بچہ کی نشوونما ہو اور اسی میں مراحل خلقت کی تکمیل ہو جائے اور ان کو رحم مادر میں رکھنے کی نوبت ہی نہ آئے تو اس بچہ کا نسب کس سے ثابت ہو گا؟

☆ جہاں تک مجھے معلوم ہے یہ صورت محض فرضی ہے، اور ابھی تک میڈیکل سائنس کو اس میدان میں کوئی خاطر خواہ کامیابی نہیں مل سکی ہے، کہ رحم مادر کے بغیر بچہ کی ولادت کا عمل مکمل کرلیا گیا ہو، البتہ منصوبہ کی حد تک اس موضوع پر کوششیں کی جارہی ہیں[952]۔

----- حواشی ---

951 - تحریر بمقام جامعہ ربانی منورواشریف سمستی پور، ربیع الاول ۱۴۳۹ھ

952 - جیسا کہ ممتاز محقق اور باخبر عالم دین حضرت مولانا بدرالحسن قاسمی مقیم کویت نے اس کی وضاحت کی ہے (دیکھئے موصوف کی کتاب: عصری حاضر کے فقہی مسائل ص ۵۹ مطبوعہ ایفا پبلیکیشن نئی دہلی ۲۰۱۰ء)

نیز فتاویٰ عثمانی میں فخر الاماثل حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی تحریر سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے، لکھتے ہیں:

☆ اور اگر اس قسم کا کوئی واقعہ کہیں پیش بھی آیا ہو تو یہ بہت نادر صورت حال ہے اور ظاہر ہے نادر صورتیں مدار حکم نہیں بنتیں۔

☆ البتہ اگر کسی زمانہ میں یہ طریقۂ تولید کامیابی سے ہم کنار ہو جائے تو (فقہ تقدیری کے طور پر) اس صورت میں بچہ کا نسب صاحب نطفہ زوجین سے ثابت ہو گا، اس لئے کہ:

☆ ثبوت نسب میں بنیادی چیز نکاح ہے، جو یہاں موجود ہے، یعنی نکاح کے بعد زوجین کے مادۂ تولید کے اختلاط سے جو بچہ پیدا ہو گا اس کا نسب زوجین سے ثابت ہو گا بشرطیکہ اس میں مطلوبہ پوری احتیاط ملحوظ رکھی گئی ہو مثلاً: اس میں کسی دوسرے اجنبی شخص کا مادۂ تولید شامل نہ ہو، اور نہ کسی دوسری اجنبی عورت کے رحم میں رکھا گیا ہو وغیرہ:

وَمِنْهَاثُبُوتُ النَّسَبِ،وَإِنْ كَانَ ذَلِكَ حُكْمَ الدُّخُولِ حَقِيقَةًلَكِنَّ سَبَبَهُ الظَّاهِرَهُوَالنِّكَاحُ لِكَوْنِ الدُّخُولِ أَمْرًا بَاطِنًا، فَيُقَامُ النِّكَاحُ مَقَامَهُ فِي إثْبَاتِ النَّسَبِ وَلِهَذَا قَالَ النَّبِيُّ : صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ { الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ ، وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ }وَكَذَالَوْ تَزَوَّجَ الْمَشْرِقِيُّ بِمَغْرِبِيَّةٍ ،فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ يَثْبُتُ النَّسَبُ ، وَ إِنْ لَمْ يُوجَدْالدُّخُولُ حَقِيقَةً لِوُجُودِ سَبَبِهِ،وَهُوَ النِّكَاحُ[953]

☆ علاوہ سائنسی اور شرعی دونوں طریق سے یہ بات ثابت ہے کہ بچہ کی تخلیق میں نطفۂ پدر اور بیضۂ مادر دونوں ہی بنیادی اہمیت رکھتے ہیں، اور بچہ دونوں کی خصوصیات کا مجموعہ ہوتا ہے، ایک حدیث پاک میں یہ مضمون آیا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ لِرَسُولِ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم– هَلْ تَغْتَسِلُ الْمَرْأَةُ إِذَا احْتَلَمَتْ وَأَبْصَرَتِ الْمَاءَ فَقَالَ« نَعَمْ ». فَقَالَتْ لَهَا عَائِشَةُ

----- حواشی---

"اگر بالفرض آپ کے قول کے مطابق ولادت کا کوئی مشینی طریقہ ایجاد ہو جائے تو اس وقت یہ بات قابل غور ہو سکتی ہے۔۔۔(فتاویٰ عثمانی ج ۴ ص ۳۱۶ مطبوعہ مکتبہ معارف القرآن کراچی نومبر ۲۰۱۶ء)

953 - بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ٢ ص ٣٣٢ علاء الدين الكاساني سنة الولادة / سنة الوفاة 587 الناشر دار الكتاب العربي سنة النشر 1982 مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 7

تَرِبَتْ يَدَاكِ وَأُلَّتْ. قَالَتْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم– « دَعِيهَا وَهَلْ يَكُونُ الشَّبَهُ إِلاَّمِنْ قِبَلِ ذَلِكِ إِذَا عَلاَ مَاؤُهَا مَاءَ الرَّجُلِ أَشْبَهَ الْوَلَدُ أَخْوَالَهُ وَإِذَا عَلاَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَهَا أَشْبَهَ أَعْمَامَهُ [954]».

ابن نجیم لکھتے ہیں:

لأن الولد مخلوق من مائهما ومضاف إلى كل منهما[955]

☆ نیز اسلام میں ثبوت نسب کی بڑی اہمیت ہے، نسب کی نفی انسان کی موت کے مترادف مانی جاتی ہے، اسلئے بچہ کو نسب سے محروم کرنے کے مقابلے میں انسب یہ ہے کہ اس کا نسب ممکنہ حد تک ثابت مانا جائے ، غور کیجئے تو رحم مادر تو محض قدرت کا بنایا ہوا ایک محل ولادت ہے اگر انسان اس کا متبادل تلاش کرلے تو محل کی تبدیلی سے نفس شے پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

زوجین کا نطفہ ٹیوب کے بعد بیوی کے رحم میں منتقل کرنا

(۲) اگر میاں بیوی کے اجزائے منویہ کو خارجی ٹیوب میں رکھ کر افزائش کی جائے اور کچھ وقت کے بعد اس کو بیوی کے رحم میں منتقل کیا جائے اور وہیں سے بچہ کی پیدائش ہو تو اس بچہ کے بارے میں کیا حکم ہو گا؟

اس بچہ کا نسب انہی دونوں میاں بیوی سے ثابت ہو گا، اس لئے کہ نکاح کے ذریعہ فراش قائم ہے اور اجزائے منویہ بھی فی الواقع انہی کے ہیں، اس ان سے ثبوت نسب میں کوئی دقت نہیں ہے۔

شوہر کا نطفہ اجنبی عورت کے بیضہ سے مخلوط کر کے بیوی کے رحم میں منتقل کرنا

(۳) اگر کوئی شوہر یہ عمل کرے کہ اپنے نطفہ اور کسی اجنبی عورت کے انڈے کو ٹیوب میں بارآور

----- حواشی ---

954 - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ۱ ص ۱۷۲ حديث نمبر : ۷۴۱المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق : الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت الطبعة

955 - البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج ۸ ص ۳۹ المؤلف : زين الدين بن إبراهيم بن نجيم ، المعروف بابن نجيم المصري (المتوفى : 970هـ)

کرائے اور اسے ایک مدت کے بعد اپنی بیوی کے رحم میں ڈلوادے اور بیوی کے رحم ہی سے اس کی ولادت ہو تو اگرچہ یہ عمل شرعاًناجائز اور حرام ہے لیکن اس نومولود بچہ کا نسب کس سے ثابت مانا جائے گا؟

اس بچہ کا نسب انہی میاں بیوی سے ثابت ہو گا، اجنبی عورت سے ثابت نہ ہو گا، اس لئے کہ اسلام میں جائز فراش کی موجودگی میں نطفۂ حرام کا اعتبار نہیں ہوتا، پس گو کہ نطفہ اجنبی عورت کا ہے مگر چونکہ بچہ مرد کی جائز بیوی کے رحم سے تولد ہوا ہے اس لئے بچہ شرعاً فراش کی طرف منسوب ہو گا، شریعت میں اصل نطفہ کا نہیں بلکہ محل کا اعتبار ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ ماں کے رشتہ کو ولادت کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے اور وہاں پر صیغۂ حصر استعمال کیا گیا ہے:

ان امہاتہم الاالتی ولدنہم[956]

ایک دوسری آیت کا بھی مقتضا یہی ہے:

حملتہ امہ کرھاووضعتہ کرھا[957]

ان دونوں آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ ماں صرف وہ ہے جو بچہ کو جنم دیتی ہے، پس غیر عورت سے بچہ کا نسب ثابت ہونا ممکن نہیں،

اجنبی عورت کے نطفہ سے مرد کے نطفہ کا اختلاط ایک عمل حرام اور مشابہ زنا ہے، اور زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا، ارشاد نبوی ہے:

الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ ، وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ[958]

☆رہی بات یہ کہ مرد کا یہ نطفہ بیوی کے رحم میں غیر فطری طریق پر داخل کیا گیا، تو اس سے ثبوت نسب کے مسئلہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا اس لئے کہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ ثبوت نسب کے لئے

----- حواشی---

956 -المجادلۃ :۲

957 -الاحقاف :۱۵

958 - الجامع الصحيح المختصرج ۲ ص ۷۲۴حدیث نمبر:۱۹۴۸المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق -

بیوی کے ساتھ فطری طور پر وطی کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ مادۂ منویہ کا بیوی کے رحم میں کسی بھی طرح پہونچ جانا کافی ہے:

وَأَطْلَقَ فِي الْوِلَادَةِ من السَّيِّدِ فَشَمِلَ ما إذَا كان بِجِمَاعٍ منه أو بِغَيْرِهِ لِمَا فِي الْمُحِيطِ عن أبي حَنِيفَةَ إذَا عَالَجَ الرَّجُلُ جَارِيَتَهُ فِيمَا دُونَ الْفَرْجِ فَأَنْزَلَ فَأَخَذَتْ الْجَارِيَةُمَاءَهُ في شَيْءٍ فَاسْتَدْخَلَتْهُ فَرْجَهَا في حَدَثَانِ ذلك فَعَلِقَتْ الْجَارِيَةُ وَوَلَدَتْ فَالْوَلَدُ وَلَدُهُ وَالْجَارِيَةُ أُمُّ وَلَدٍ له اه[959]

اجنبی شخص کے مادۂ منویہ سے بیوی کے رحم کو بارآور کرنا

(۴) اگر کسی شخص کی منی میں تولید کے اجزاء معدوم یا نہایت ضعیف ہوں جن سے استقرار حمل نہیں ہو سکتا اور وہ یہ تدبیر کرے کہ کسی دوسرے شخص کے مادۂ منویہ کو اپنی بیوی کے انڈوں سے ملا کر خارجی ٹیوب میں بارآور کرائے اور پھر اپنی بیوی کے رحم میں منتقل کرا دے اور بیوی کے رحم ہی سے بچہ کی پیدائش ہو تو اس بچہ کا نسب کس سے ثابت ہوگا؟ اور جس مرد کا نطفہ اس میں ملایا گیا ہے اس سے بچہ کا کیا تعلق ہوگا؟

ظاہر ہے کہ فراش صحیح کے رہتے ہوئے غیر مرد سے بچہ کا نسب ثابت نہیں ہو سکتا، یہ بچہ دونوں میاں بیوی ہی کا ہوگا، غیر مرد زانی کے درجہ میں ہے، اور زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا۔

زوجین کا نطفہ اجنبی عورت کے رحم میں بارآور کرنا

(۵) بعض مرتبہ بیوی کا رحم حمل کا تحمل کرنے کے قابل نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں یہ شکل اپنائی جاتی ہے کہ میاں بیوی کا مادۂ منویہ ٹیوب میں بارآور کر کے کسی اجنبی عورت کے رحم میں پہونچا دیا جاتا ہے، اور اسی عورت کے ذریعہ باقاعدہ اس بچہ کی پیدائش ہوتی ہے، تو اس شکل میں پیدا شدہ بچہ کس کا کہلائے گا؟ آیا ان میاں بیوی کا جن کے نطفہ سے افزائش ہوئی ہے یا اس عورت کا جس کے رحم سے ولادت ہوئی ہے؟

----- حواشی ---

[959] - البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 4 ص ۲۹۲ زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926ھ/ سنة الوفاة 970ھ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت

مذکورہ بالا اصول کے مطابق بچہ اس عورت کا ہوگا جس کے رحم سے ولادت ہوئی ہے، جس طرح کہ مرد اگر اپنا نطفہ دوسری عورت کے رحم میں پہونچائے تو مرد سے بچہ کا نسب ثابت نہیں ہوتا، اسی طرح اگر وہ اپنا نطفہ اپنی بیوی کے نطفہ کے ساتھ مخلوط اور مقلوب کرکے دوسری عورت کے رحم میں داخل کرے تو بھی نسب ثابت نہیں ہوگا، میاں بیوی ایک غیر عورت کے رحم میں اپنا نطفہ پہونچا کر عمل حرام کے مرتکب ہوئے ہیں اس لئے ان کے حصے میں محرومی کے سوا کچھ نہیں آئے گا، کیونکہ ثبوت نسب کے باب میں نطفہ کا نہیں بلکہ قانونی محل ولادت یا فراش صحیح کا اعتبار ہوتا ہے، تفصیل اوپر آچکی ہے۔

☆علاوہ ثبوت نسب کے لئے اس طریقۂ تولید کو معتبر مان لیا جائے تو بے پناہ مفاسد کا دروازہ کھل جائے گا جس کا ہم تصور نہیں کر سکتے، اس لئے سد اللباب بھی اس طریقۂ تولید کو حرام اور غیر مفید نسب قرار دیا جائے گا۔

اجنبی مرد و عورت کے نطفہ کو بارآوری کے لئے اپنی بیوی کے رحم میں داخل کرنا

(٦) اگر کوئی شوہر کسی اجنبی مرد اور اجنبی عورت کے نطفوں کو بارآور کرکے اپنی منکوحہ بیوی کے رحم میں منتقل کرکے ولادت کرائے تو اس سے پیدا شدہ بچہ کا نسب کس سے ثابت ہوگا؟

اس صورت کا حکم ظاہر ہے کہ بچہ کا نسب میاں بیوی سے ثابت ہوگا، اجنبی مرد و عورت سے نہیں، الولد للفراش وللعاہر الحجر کا اصول یہاں منطبق ہوگا۔

ایک بیوی کا بیضہ اپنے نطفہ کے ساتھ بارآور کرکے دوسری بیوی کے رحم میں داخل کرنا

(٧) اسی ضمن میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ایک شخص کی دو بیویاں ہیں جن میں ایک بیوی حمل کی متحمل نہیں ہے جب کہ دوسری بیوی متحمل ہے اب اس شخص نے غیر متحمل بیوی کے انڈے اور اپنے نطفہ کو لے کر خارج میں بارآور کرایا اور پھر اسے دوسری بیوی (جو متحمل ہے) اس کے رحم میں ڈلوا کر بچہ کی پیدائش کرائی، تو اس صورت میں بچہ کا نسب باپ سے تو بہر حال ثابت ہوگا، لیکن ان دونوں بیویوں میں سے یہ بچہ کس کا کہلائے گا؟

اصول کا تقاضا تو یہی ہے کہ جس بیوی کے رحم سے بچہ کی ولادت ہوئی ہے بچہ اسی کا ہو گا، اور جس بیوی کا انڈا استعمال کیا گیا ہے نسب اس سے ثابت نہیں ہو گا، اس لئے کہ یہ طریقۂ استقرار ناجائز ہے، کیونکہ اس میں خلط نسب کا اندیشہ ہے، وہ اس طرح کہ دوسری عورت کے رحم میں تلقیح شدہ نطفہ منتقل کئے جانے کے بعد اگر شوہر اس سے ہم بستر ہو تو کیا ضمانت ہے کہ بچہ اس وطی سے پیدا ہوا ہے یا داخل کئے گئے نطفہ سے؟ اس معاملے میں ڈاکٹروں کی جو تحقیقات پیش کی جاتی ہیں وہ زیادہ سے زیادہ ظنی ہیں، اور ان کے درمیان بھی اتفاق رائے نہیں ہے، مثلاً:--رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی اسلامک فقہ اکیڈمی نے ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق تلقیح کے بعد بھی شوہر سے دوبارہ بارآور ہونے کے امکان کا اظہار کیا ہے [960]، جبکہ مفتی عبدالواحد صاحب (پاکستان) نے میڈیکل تحقیقات کے مطابق اس امکان سے انکار کیا ہے [961]، اس لئے میڈیکل تحقیقات کو بنیاد بنائے جانے کے بجائے زیادہ مضبوط بات یہ ہے کہ یقینی فراش کا اعتبار کرتے ہوئے مباشرت اور امکان حمل کو تسلیم کیا جائے، اور یہی اختلاط نسب کی بنیاد ہے۔

☆علاوہ اس مصنوعی طریقۂ تولید کی اجازت جن مخصوص صورتوں میں دی گئی ہے وہ ضرورت کی شرط کے ساتھ مشروط ہے زیر بحث صورت میں تحصیل اولاد کے لئے مرد کی دوسری بیوی موجود ہے اس لئے اس غیر فطری عمل کی مرد کو ضرورت نہیں ہے۔

انہی وجوہات کی بنا پر اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ اور عالم اسلام کے اکثر علماء نے زیر بحث صورت کے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے، رابطۂ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی اسلامک فقہ اکیڈمی نے اولاً اپنے ساتویں سیمینار (منعقدہ ۱۱ تا ۱۶ ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ) میں پہلی بیوی کا نطفہ لیکر دوسری بیوی کے رحم میں ڈالے جانے کے مصنوعی عمل کی اجازت دی تھی لیکن بعد میں اس فیصلے پر علمی دنیا سے جو رد عمل اور تبصرے سامنے آئے ان پر غور کرتے

----- حواشی---

960 - فتاویٰ عثمانی ج ۴ ص ۲۴۶ بحوالہ عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل ص ۱۶۰ و ۱۶۱ مؤلفہ حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ۔

961 - فتاویٰ عثمانی ج ۴ ص ۳۰۸۔

ہوئے رابطہ کی اسلامک فقہ اکیڈمی نے اپنے آٹھویں سیمینار میں اپنے اس فیصلے سے رجوع کر لیا اور عدم جواز کے قول کو قبول کر لیا[962]۔

اس طرح اس صورت کے عدم جواز پر اکثر علماء اور فقہی اداروں کا اتفاق قائم ہو چکا ہے، ظاہر ہے کہ دوسری بیوی کے فراش قوی کے بالمقابل یہ ناجائز طریقۂ تولید ثبوت نسب کے باب میں ہر گز معتبر نہیں ہے، میری رائے اس سلسلے میں جمہور علماء کے موافق ہے۔

بعض علماء (مثلاً شیخ مصطفی زرقاء، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی وغیرہ) نے اس کو رضاعت کے مشابہ قرار دیتے ہوئے دونوں کو ماں تسلیم کرنے کی بات کہی ہے[963]، لیکن یہ قیاس درست نہیں ہے اس لئے کہ رضاعت ایک امر محمود ہے، اس میں بڑی وسعت ہے، ایک بچہ کی مادریت کئی خواتین سے ثابت ہو سکتی ہے، جب کہ زیر بحث صورت میں مصنوعی تلقیح کا عمل ناجائز ہے، اوراس کے بالمقابل جائز متبادل فراش موجود ہے، اس لئے ناجائز کا اعتبار کرنا درست نہیں۔

بعض حضرات کا یہ بھی خیال ہے کہ نسب میں تعدد ممکن ہے اور ایک بچہ کو کئی باپ سے منسوب کیا جانا سکتا ہے[964]، لیکن یہ حکم بھی جائز صورتوں کے ساتھ وابستہ ہے، ناجائز کے ساتھ نہیں، واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم۔

تجاویز ادارۃ المباحث الفقہیۃ

اسلام اگرچہ اصولی طور پر "مصنوعی طریقۂ تولید" کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا اوراس سلسلہ میں اپنائے جانے والے بہت سے طریقے بلاشبہ ناجائز وحرام ہیں، تاہم اگر کوئی ان طریقوں کو اپنا لے اوراولاد وجود میں آجائے تو ثبوت نسب کے بارے میں

----- حواشی---

962 - فتاویٰ عثمانی ج ۴ ص ۲۴۶ بحوالہ عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل ص ۱۶۰ و ۱۶۱ مؤلفہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی

963 - عصری حاضر کے فقہی مسائل ص ۶۵ و ۶۶ مولانا بدر الحسن قاسمی۔ وجدید فقہی مسائل ج ۵ ص ۱۶۱ مؤلفہ مولا خالد سیف اللہ رحمانی۔

964 - فتاویٰ عثمانی ج ۴ ص ۲۸۸ بحوالہ کنز باب دعوی النسب۔

درج ذیل احکام ہوں گے:

۱- اگر زوجین اپنے مادۂ تولید کو مصنوعی ٹیوب میں رکھوائیں یا خود رکھیں اور بالفرض ٹیوب ہی میں بچے کی نشو و نما ہو اور اسی سے پیدائش ہو تو بچے کا نسب انہی زوجین سے ثابت ہو گا۔

۲- اگر میاں بیوی کے اجزاء منویہ کو خارجی ٹیوب میں رکھ کر افزائش کی جائے اور کچھ وقت کے بعد اسے بیوی کے رحم میں منتقل کیا جائے اور وہیں سے بچہ کی پیدائش ہو تو اس کا نسب بھی زوجین سے ثابت ہو گا۔

۳- اگر کوئی شخص اپنے نطفہ اور کسی اجنبی عورت کے بیضہ کو ٹیوب میں بارآور کرائے اور پھر اسے ایک مدت کے بعد اپنی بیوی کے رحم میں منتقل کرادے اور بیوی کے رحم ہی سے بچے کی ولادت ہو تو یہ عمل شرعاً ناجائز و حرام ہو گا، لیکن جو بچہ پیدا ہو گا اس کا نسب زوجین سے ثابت ہو گا، اور جس عورت کے بیضے استعمال کئے گئے ہیں اس سے نسب کا تعلق نہ ہو گا البتہ اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو گی۔

۴- اگر شوہر کی منی قابل تولید نہ ہو یعنی اس سے استقرار حمل نہ ہو سکے اور وہ یہ تدبیر کرے کہ کسی دوسرے شخص کے مادہ منویہ کو اپنی بیوی کے بیضوں سے ملا کر خارجی ٹیوب میں بارآور کرائے اور پھر اپنی بیوی کے رحم میں منتقل کرادے اور بیوی کے رحم سے ہی بچے کی پیدائش ہو تو یہ طریقہ بھی حرام ہے، لیکن چونکہ بچے کی پیدائش منکوحہ بیوی کے رحم سے ہوئی ہے اس لئے اس بچے کا نسب بھی انہی میاں بیوی سے ثابت ہو گا، اور جس غیر مرد کا مادہ شامل کیا گیا ہے اس سے نسب ثابت نہیں ہو گا، البتہ اس سے حسب ضابطہ حرمت مصاہرت ثابت ہو گی۔

۵- اگر بیوی کا رحم حمل کا متحمل نہ ہو اور یہ شکل اپنائی جائے کہ میاں بیوی کا مادۂ منویہ ٹیوب میں بارآور کر کے کسی اجنبی عورت کے رحم میں پہونچا دیا جائے، اور اس

عورت سے بچے کی پیدائش ہو تو یہ طریقہ بھی یقیناً کھلی بے حیائی اور حرام ہے، لیکن بچے کا نسب اسی عورت سے ثابت ہو گا جس کے بطن سے پیدائش ہوئی ہے، اور اگر وہ عورت منکوحہ ہو تو اس کے شوہر سے بھی نسب ثابت ہو گا، اور جن زوجین کے نطفوں سے افزائش ہوئی ہے ان سے نسب ثابت نہ ہو گا بلکہ صرف حرمت مصاہرت ثابت ہو گی۔

۶- اگر شوہر کسی اجنبی مرد اور اجنبی عورت کے نطفوں کو بارآور کرا کے اپنی منکوحہ کے رحم میں منتقل کرائے اور اسی سے ولادت ہو تو ایسا کرنا اگرچہ حرام ہے لیکن بچے کا نسب زوجین سے ہی ثابت ہو گا، اور اجنبی مرد و عورت جن کا مادہ استعمال کیا گیا ہے ان سے صرف حرمت مصاہرت ثابت ہو گی۔

۷- اگر کوئی شخص اپنی دو بیویوں میں سے ایک بیوی کے بیضہ کو اپنے نطفہ کے ساتھ ملا کر خارج میں بارآور کرا کے دوسری بیوی کے رحم میں منتقل کرائے اور اسی سے بچے کی پیدائش ہو تو یہ عمل قطعاً ناجائز اور سراسر بے حیائی ہے اور اس صورت میں بچے کا نسب تو باپ سے ثابت ہو گا ہی لیکن حقیقی ماں وہی کہلائے گی جس کے بطن سے بچے کی پیدائش ہوئی اور جس بیوی کا بیضہ شوہر کے نطفہ کے ساتھ شامل کیا گیا ہے اس سے صرف حرمت مصاہرت کا حکم متعلق ہو گا[965]۔

----- حواشی---

965 - بموقعہ چودہواں فقہی اجتماع منعقدہ ۴ تا ۶ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۹ھ بمقام جامعہ علوم القرآن جمبوسر گجرات۔

مشینی ذبیحہ کا شرعی حکم[966]

اللہ تعالی نے انسان کے کھانے کے لئے اس دنیا میں دو طرح کی چیزیں پیدا کی ہیں (۱) نباتات، مثلاً : پھل، ترکاری، سبزیاں وغیرہ (۲) حیوانات، مثلاً: گائے، بیل، بھینس، بکری وغیرہ۔

مگر ان دونوں کے طریقۂ استعمال میں بنیادی فرق یہ رکھا گیا ہے کہ نباتات کی نوع کی تمام جائز ماکولات کو بغیر کسی شرط کے حلال قرار دیا گیا، نہ یہ شرط کہ بسم اللہ کہہ کر ان کو کاٹا گیا ہو، اور نہ یہ ضروری کہ کاٹنے والا مسلمان یا کسی آسمانی مذہب کا ماننے والا ہو، وغیرہ، لیکن حیوانات کے استعمال کے لئے ایک خاص طریقہ مقرر کیا گیا جس میں کچھ حدود و شرائط مقرر کئے گئے۔

(۱) اس لئے کہ حیوانات کا معاملہ عام نباتات کا سا نہیں ہے وہ بھی انسانوں کی طرح جاندار ہیں، اور ایک مخصوص حد تک ادراک و تمیز بھی رکھتے ہیں، اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ان کا استعمال بھی صحیح نہ ہو، لیکن اللہ تعالی نے اپنے فضل و کرم سے ان کے استعمال کی اجازت دی، لیکن ان کی حرمت و عزت کے پیش نظر مخصوص حدود و شرائط عائد کئے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ نباتات میں خون نہیں ہوتا، جب کہ حیوانات میں خون ہوتا ہے، اور خون حرام قرار دیا گیا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ان کے استعمال کرنے سے پہلے دم سیال کا مکمل طور پر اخراج کر لیا جائے، اور اسی بنا پر آسان سے آسان طریقۂ ذبح کی ہدایت کی گئی، جس میں خون نکلنے میں بھی آسانی ہو، اور جانور کو حد سے زیادہ اذیتوں کا سامنا بھی نہ کرنا پڑے۔

----- حواشی---

[966]- تحریر بمقام دارالعلوم حیدرآباد، بتاریخ ۱۵/ اگست ۱۹۹۵ء

ذبح شرعی

ذبح کے لئے قرآن وحدیث میں جو اصطلاح استعمال کی گئی ہے، وہ ''ذکاۃ'' کی ہے، ذکاۃ'' کے لغوی معنی تیزی اور جلدی کے بھی ہیں، اور طہارت وپاکی کے بھی اور ذبح شرعی میں چونکہ ان دونوں لغوی معانی کا لحاظ رکھا گیا ہے، کہ ذبح کرنے سے بہت تیزی کے ساتھ خون نکل جاتا ہے، اور وہ جانور بھی پاک ہو جاتا ہے، اس لئے اس عمل کو 'ذکاۃ'' سے تعبیر کیا گیا[967]

شریعت میں ذبح اصطلاحی کے دو طریقے بتائے گئے ہیں: (۱) ذبح اختیاری (۲) ذبح غیر اختیاری

ذبح اختیاری

ذبح اختیاری کا طریقہ یہ ہے کہ کسی مقدور جانور کی گردن پر (یعنی سر اور سینہ کے درمیانی حصہ) پر کوئی مسلمان یا کتابی اللہ کا نام لے کر تیز چھری چلائے، یہاں تک کہ اس کا حلقوم (غذا کی نالی)، مرئی (سانس کی نالی) اور ودجین (دونوں شہ رگ جن میں خون کی گردش ہوتی ہے) سب کے سب یا ان میں اکثر کٹ جائیں اور اگر اونٹ ذبح کر رہا ہو تو اس کے لب میں نیزہ مار کر اس کے حلق، مرئی اور ودجین کو کاٹ دیا جائے، تاکہ دم مسفوح نکل جائے[968]۔

شرائط

ذبح اختیاری کے لئے کئی شرائط ہیں: (۱) آلۂ ذبح کاٹنے والی دھار دار چیز ہو (۲) ذابح باشعور مسلمان یا کتابی ہو (۳) مذبوح جانور سے استفادہ شرعاً جائز ہو، یعنی اس جانور کا گوشت کھانا جائز ہو، یا کم از کم اس کی کھال اور بال وغیرہ سے استفادہ کیا جاسکتا ہو، خنزیر کا ذبیحہ درست نہیں، اس لئے کہ اس کے کسی جزو کا استعمال کرنا مسلمان کے لئے درست نہیں (۴) ذبح اللہ کا نام لے کر کیا گیا ہو، اور غیر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو (۵)

----- حواشی -----

[967]- البحر الرائق، ۸/ ۱۶۷، ہدایہ ۴/ ۴۳۴

[968]- شامی ۵/ ۲۰۷، بزازیہ ۶/ ۳۰۵

بسم اللہ پڑھنے اور عمل ذبح کے درمیان فاصلہ زیادہ نہ ہو (٦) بسم اللہ مذبوح معین پر بہ نیت ذبح پڑھا گیا ہو (٧) ذبح سے پہلے جانور میں کم از کم حیات مستقرہ موجود ہو (٨) عمل ذبح سے ساری مذکورہ رگیں کٹ گئی ہوں (٩) عمل ذبح کی تکمیل سے پہلے جانور کی روح پرواز نہ کر گئی ہو (١٠) جانور پر ذبح کرنے والے کو قدرت حاصل ہو[969]

ذبح غیر اختیاری

ذبح غیر اختیاری یہ ہے کہ کسی ایسے جانور پر جو ذابح کی گرفت سے باہر ہو، سدھائے شکاری جانور (مثلاً کتا، باز وغیرہ) یا تیر کے ذریعہ اللہ کا نام لے کر شکار کرنا، اور اس کو زخمی کر دینا جس سے خون بہنے لگا ہو ،خواہ بدن کے کسی بھی حصے پر زخم لگا ہو، اور اس کی یافت سے پہلے وہ مر گیا ہو، لیکن اگر زخمی ہونے کے بعد تڑپتا رہا اور شکار کرنے والے نے اس کو مرنے سے پہلے پالیا، تو پھر ذبح اختیاری کرنا ضروری ہو گا[970]۔

شرائط

ذبح غیر اختیاری کے لئے بھی کچھ شرائط ہیں، کچھ شرائط تو مشترک ہیں اور کچھ جداگانہ:

(١) ذابح باشعور مسلمان یا کتابی ہو۔

(٢) شکاری کتا، چیتا، باز یا تیر چھوڑنے کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

(٣) بسم اللہ پڑھنے اور شکاری کتا یا تیر چھوڑنے کے درمیان وقفہ زیادہ نہ ہو۔

(٤) جس جانور کے ذریعہ شکار کیا گیا ہو، وہ درندہ ہونا چاہئے خواہ وہ چرند ہو یا پرند، اور شکار کے لئے شرعی اصول کے مطابق اس کو پوری ٹریننگ دی گئی ہو۔

(٥) جانور شرعاً حلال ہو۔

----- حواشی --

969- عالمگیری، ٥ / ٢٨٥

970- بدائع الصنائع ٥ / ٤٢، فتاویٰ قاضی خان ٦ / ٣٠٦

(۶) وہ جانور انسان کی گرفت سے باہر ہو، خواہ وہ جنگلی اور وحشی جانور ہو یا پالتو جانور ہو مگر کسی بنا پر بدک کر یا کسی کنواں وغیرہ میں گر کر ذابح کے دائرہ اختیار سے باہر چلا گیا ہو۔

(۷) وہ جانور کسی نہ کسی حصۂ جسم پر زخم آنے اور خون نکلنے کی وجہ سے مرا ہو، چوٹ لگنے یا کسی اور سبب سے نہ مرا ہو۔

(۸) جانور شکار کرنے والے کی یافت سے پہلے ہی مر چکا ہو، ورنہ دوبارہ ذبح اختیاری کرنا لازم ہوگا

(۹) شکاری جانور شکار دیکھ کر چھوڑا گیا ہو، گرچہ متعین نہ ہو، لیکن بغیر دیکھے کسی بھی شکار پر شکاری جانور بھیجنا درست نہیں (تقریباً تمام کتب فقہ میں یہ تفصیلات موجود ہیں)

ذبح اختیاری اور غیر اختیاری کے درمیان فرق

ذبح اختیاری اور غیر اختیاری کے درمیان کئی لحاظ سے فرق ہے:

(۱) ذبح اختیاری پالتو یا زیر قدرت جانوروں میں ہوتا ہے، جب کہ ذبح غیر اختیاری وحشی، جنگلی یا قدرت سے باہر کسی بھی جانور میں اختیار کیا جاتا ہے، اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ جب تک ذبح اختیاری ممکن ہو، غیر اختیاری طریقہ استعمال کرنا جائز نہیں ہے [971]

(۲) ذبح اختیاری میں سینہ اور سر کے درمیان گردن پر چھری چلانا یا اونٹ ہو تو سینے پر نیزہ مارنا ضروری ہے، جب کہ ذبح غیر اختیاری میں بدن کے کسی بھی حصّے پر زخم کر دینا کافی ہے [972]

(۳) ذبح اختیاری میں مذبوح معین پر بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے، آلۂ ذبح پر نہیں، جب کہ ذبح غیر اختیاری میں مذبوح معین پر بسم اللہ پڑھنا ضروری نہیں، بلکہ آلۂ ذبح پر ضروری ہے، اس بنا پر دونوں کے مسائل میں بھی فرق ہو گیا ہے، اگر کسی نے ذبح اختیاری میں ایک معین مذبوح پر بسم اللہ پڑھا اور پھر اس کے سامنے سے اس جانور کو ہٹا کر دوسرا جانور لٹا دیا گیا، اور اس نے سابق بسم اللہ ہی سے ذبح کر دیا تو ذبیحہ حلال نہ

----- حواشی ---

[971]- ہدایہ، ۴/ ۴۳۴

[972]- ہدایہ ۴/ ۴۳۷، والبحر الرائق ۸/ ۱۶۷

ہو گا، اس کے بر خلاف اس نے مذبوح بدلنے کے بجائے چھری تبدیل کر دی اور دوسری چھری سے جانور کو ذبح کیا، تو جانور حلال رہے گا،۔۔۔اور ذبح غیر اختیاری میں کسی نے جانور دیکھ کر تیر چلایا، مگر تیر اس کو لگنے کے بجائے کسی دوسرے حلال جانور کو لگ گیا تو ذبیحہ حلال رہے گا، لیکن اگر اس نے تیر بدل دیا اور جس تیر پر بسم اللہ پڑھا تھا، اس کے بجائے کسی دوسرے تیر سے شکار کیا تو شکار حلال نہ ہو گا[973]

(۴) اس سے ایک فرق اور بھی پیدا ہوتا ہے کہ ذبح اختیاری میں عمل ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے اور عمل ذبح اور بسم اللہ کے درمیان طویل وقفہ درست نہیں، لیکن ذبح اختیاری میں عمل ذبح کے آغاز پر بسم اللہ ضروری نہیں، بلکہ اس سے قبل شکاری کتا یا باز یا تیر چھوڑنے کے وقت ہی بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے، چاہے شکاری کتا کو شکار تک پہنچنے میں کچھ دیر ہی ہو جائے، اور جس وقت وہ شکاری جانور شکار کو چیر پھاڑ رہا ہو، اس وقت بسم اللہ پڑھنا ضروری نہیں، اس لئے کہ ذبح اختیاری میں عمل ذبح پر قدرت ہوتی ہے ، اور ذبح غیر اختیاری میں عمل ذبح پر نہیں، بلکہ شکاری جانور یا تیر چھوڑنے پر ہوتی ہے، اس لئے دونوں میں قدرت کے لحاظ سے تسمیہ واجب ہے[974]

ذبح اختیاری کے مواقع میں ذبح غیر اختیاری

فقہی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر ذبح اختیاری کے مواقع حاصل ہوں، تو ذبح غیر اختیاری سے ذبیحہ حلال نہ ہو گا۔ اس لئے کہ ذبح غیر اختیاری خود اپنی حقیقت ہی کے لحاظ سے غیر اختیاری حالات کے لئے مشروع کیا گیا ہے[975]

حدیث کی کتابوں میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے جس کے راوی حضرت رافع ابن خدیجؓ ہیں، فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک سفر میں حضرت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، کہ قافلہ کا ایک اونٹ بدک گیا

----- حواشی ---

[973]- تحفۃ الفقہاء ۳/ ۹۲-۹۳

[974]- تحفۃ الفقہاء ۳/ ۹۲، وہدایہ ۴/ ۴۳۶

[975]- ہدایہ ۴/ ۴۳۲، والبحر الرائق ۸/ ۱۶۸

، اور کسی کے پاس کوئی گھوڑا بھی نہیں تھا، جس کی مدد سے ہم اونٹ پر قابو پاسکتے، ایک آدمی نے اس پر تیر سے حملہ کرکے روک لیا (یعنی غیر اختیاری طریقۂ ذبح اختیار کیا) تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ پالتو اور گھریلو جانور بھی کبھی بدک کر نامانوس ہو جاتے ہیں، جیسے کہ جنگلی جانور ہوں، اگر کوئی جانور اس طرح کرے تو تم بھی وہی طریقہ اختیار کرو (یعنی جو حضرت رافع ابن خدیجؓ کی روایت میں اس شخص نے اختیار کیا تھا)[976]

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ذبح غیر اختیاری، اضطراری حالات ہی کے لئے ہیں، نہ کہ اختیاری مواقع کے لئے۔

محور ثانی

اسلامی شریعت میں جس طرح طریقۂ ذبح اہمیت کا حامل ہے، اسی طرح یہاں اس کی بھی بڑی اہمیت ہے کہ ذابح اس معیار پر پورا اترتا ہو جو کہ شریعت مطہرہ نے مقرر کئے ہیں، شریعت نے ذابح کے لئے بھی کچھ شرائط مقرر کئے ہیں:

ذابح کے لئے ضروری شرائط

(۱) سب سے بنیادی شرط یہ ہے کہ ذابح مسلمان یا کتابی ہو، عامل شریعت اور دیندار ہونا ضروری نہیں، شیعہ کا ذبیحہ بھی حلال ہے، اس لئے کہ وہ بھی خدا، رسول اور کتاب الہی کو مانتے ہیں[977]

(۲) ذابح کا عاقل ہونا بھی ضروری ہے، جو کم از کم اتنی سمجھ تو ضرور رکھتا ہو کہ طریقۂ ذبح اور تسمیہ کو سمجھ سکے، خواہ وہ نابالغ یا بیوقوف عورت ہی کیوں نہ ہو[978]

(۳) ذابح وظیفۂ ذبح ادا کرنے پر قدرت رکھتا ہو، تاکہ عمل ذبح کی تکمیل کر سکے[979]

----- حواشی -----

[976]- بخاری و مسلم، جمع الفوائد ۱ / ۲۰۶، وفقہ السنۃ ۳ / ۳۰۴

[977]- شامی ۵ / ۱۸۹، وامداد الفتاوی ۳ / ۶۰۸

[978]- ہدایہ ۴ / ۴۳۴

[979]- تحفۃ الفقہاء ۳ / ۱۰۰، عالمگیری ۵ / ۲۸۵

(۴) اور اگر کسی شکار کو ذبح کر رہا ہو تو ضروری ہے کہ وہ محرم نہ ہو، اور غیر محرم ہونے کی صورت میں حدود حرم میں نہ ہو[980]

(۵) ذابح انسان ہو یا کم از کم بصورت انسان ہو، جنات یا شیطان کا ذبیحہ درست نہیں، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کے ذبائح سے منع فرمایا ہے، البتہ اگر کوئی جن انسانی شکل میں آکر کسی جانور کو ذبح کر دے، تو اس پر انسانی ذبیحہ کا حکم لگایا جائے گا، اور وہ ذبیحہ حلال ہو گا[981]

(۶) ذابح نے بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا ہو، یا عمداً بسم اللہ پڑھنا نہ چھوڑا ہو[982]

کتابی کا ذبیحہ

تمام غیر مسلموں میں یہود و نصاریٰ ہی ایسے غیر مسلم ہیں، جن کو دو چیزوں میں امتیاز دیا گیا ہے:

(۱) ایک ان کی عورتوں کے ساتھ مسلمانوں کو شادی کرنے کی اجازت دی گئی۔

(۲) دوسرے ان کے ذبیحہ کو مسلمانوں کے لئے حلال قرار دیا گیا، قرآن میں صاف طور پر ارشاد فرمایا گیا:

الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَ الْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْالآية[983]

ترجمہ: آج تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کر دی گئیں، اور اہل کتاب کا ذبیحہ بھی تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے، (اسی طرح) تمہارے لئے اہل ایمان اور اہل کتاب کی پاکدامن عورتیں بھی حل کر دی گئی ہیں۔

----- حواشی ---

980- تحفۃ الفقہاء، ۳/۱۰۰، ہدایہ ۴/۴۳۵

981- شامی ۵/۲۹۸، عالمگیری ۵/۲۸۵، فتح القدیر ۸/۴۰۹

982- ہدایہ ۴/۴۳۵

983- المائدۃ: ۵

طعام کے لغوی معنی اگرچہ مطلق کھانے کی چیز کے آتے ہیں، مگر یہاں تمام علماء تفسیر کے نزدیک مطلق کھانے کی چیز مراد نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں پھر یہود و نصاریٰ ہی کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ تمام کفار اس میں شریک ہیں۔ اس لئے اس سے مراد حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ اور دیگر صحابہ کی تفاسیر کے مطابق یہود و نصاری ہیں[984]

ان کے اس امتیاز کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اگرچہ وہ کافر اور شدید ترین کافر ہیں، مگر وہ اصحاب مذہب ہیں، اور ان کے یہاں طریقۂ ذبح تقریباً وہی ہے، جو مسلمانوں کے یہاں ہے، وہ بھی بغیر اللہ کا نام لئے ہوئے جانور ذبح کرنا درست نہیں سمجھتے، توارت وانجیل میں اگرچہ آج بہت حد تک تحریفات ہو چکی ہیں، مگر اس گئی گذری حالت میں بھی ذبیحہ کے متعلق جو احکام اس میں رہ گئے ہیں، وہ اسلامی تصور سے بہت قریب ہیں، بائبل کے عہد نامہ قدیم میں (جو موجودہ زمانہ کے یہود و نصاری دونوں کے نزدیک مسلم ہیں) ذبیحہ کے متعلق یہ احکام ملتے ہیں:

☆"جو جانور خود بخود مر گیا ہو، اور جس کو درندوں نے پھاڑا ہو، ان کی چربی اور کام میں لاؤ تو لاؤ پر تم اسے کسی حال میں نہ کھانا (احبار ۷:۲۴)

☆پر گوشت کو تو اپنے سب پھاٹکوں کے اندر اپنے دل کی رغبت اور خداوند اپنے خدا کی دی ہوئی برکت کے موافق ذبح کرکے کھا سکے گا،۔۔۔۔ لیکن تم خون کو بالکل نہ کھانا (استثنا ۱۲۔۱۵)

☆تم بتوں کی قربانیوں کے گوشت اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرام کاری سے پرہیز کرو (عہد نامہ جدید کتاب اعمال ۱۵:۲۹)[985]

ان اقتباسات سے صریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہود و نصاری بھی ذبیحہ کے بارے میں یہ تصور رکھتے ہیں کہ خدا کے نام پر ہی ذبح کیا جانا چاہیے، غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا صحیح نہیں، اسی بنا پر اسلام نے ان کے ذبیحہ کو جائز قرار دیا، مگر وہاں بھی یہ شرط ملحوظ ہے کہ صرف وہ ذبیحہ مسلمانوں کے لئے حلال ہے، جو

----- حواشی ---

[984]۔ تفسیر قرطبی ۲/ ۷۷

[985]۔ منقول از جواہر الفقہ ۲/ ۴۰۲

انہوں نے خدا کا نام لے کر ذبح کیا ہو، یا یہ کہ ہمارے سامنے ذبح ہی نہ ہوا ہو، تو ہم ان کے مذہب کے لحاظ سے یہی حسن ظن رکھیں گے کہ انہوں نے خدا کا نام لے کر ذبح کیا ہو گا، اس لئے وہ ذبیحہ حلال ہو گا، لیکن اگر انہوں نے ہمارے سامنے ذبح نہیں کیا اور جان بوجھ کر یاد دلانے کے باوجود خدا کا نام نہیں لیا، یا حضرت مسیحؑ یا حضرت عزیر کے نام لئے تو وہ ذبیحہ مسلمانوں کے لئے حلال نہ ہو گا[986]

کتابی سے مراد

کتابی سے مراد علماء تفسیر و فقہ نے یہ بیان کی ہے کہ ایسا شخص جو خدا کا قائل ہو، کسی نبی اور کسی کتاب الہی پر ایمان رکھتا ہو[987]

اس میں نسل و قوم کی کوئی تخصیص نہیں ہے، بنی اسرائیل سے ہونا کوئی ضروری نہیں، کسی بھی نسل و قوم اور کسی مذہب کا آدمی اگر یہودیت و نصرانیت اختیار کرلے تو اس پر کتابی کے احکام جاری ہوں گے ،جمہور علماء کا مسلک یہی ہے[988]

اسی طرح اس کی بھی قید نہیں ہے کہ وہ خدا کی وحدانیت کے قائل ہوں اور تثلیث کے قائل نہ ہوں، اس لئے کہ عہد نبوت میں جو یہود و نصاری تھے، خود ان کے بارے میں بھی قرآن کا بیان یہ ہے کہ وہ حضرت عزیرؑ اور حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، وہ تثلیث الٰہ کے قائل تھے، وہ خدا کی کتاب میں تحریف کرتے تھے اور کفر و شرک کے وہ تمام لوازمات ان میں موجود تھے، جو کسی خالص مشرک قوم میں ہوتے ہیں، اسی لئے قرآن نے ان کو کھلا کافر قرار دیا۔

لقد کفر الذین قالو ان اللہ ھو المسیح ابن مریم الآیۃ[989]

بے شک وہ لوگ کافر ہیں، جو اس بات کے قائل ہیں کہ خدا تو مسیح ابن مریم ہے۔

----- حواشی ---

[986]-عالمگیری ۵/۲۸۵، الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲/۲۳

[987]-زبدۃ الاحکام ۲۴۸، شامی ۵/۲۹۸ و جلالین ۹۵

[988]-ہدایہ ۴/۴۳۴، و احکام القرآن للجصاص ۲/۳۲۲

[989]-المائدۃ:۱۷

لیکن ان سب کے باجود قرآن کریم نے ان کے ذبیحے کو حلال قرار دیا، یہی حکم ہر دور میں رہے گا ،اس میں حربی اور غیر حربی کی بھی حنفیہ کے نزدیک کوئی قید نہیں ہے[990]

آج کے اہل کتاب

آج کے دور کے اہل کتاب یعنی یہود و نصاری بھی عہد نبوت کے اہل کتاب کی طرح اگر بنیادی طور پر مذہب، خدا، کتاب الہی اور پیغمبر پر ایمان رکھتے ہوں، تو ان کا ذبیحہ بھی بلاشبہ حلال ہے، اگرچیکہ بلاضرورت مکروہ ہے[991]

لیکن ہمارے دور کے اکثر نام نہاد یہود و نصاری، صرف قومی اعتبار سے عیسائی کہلاتے ہیں، ورنہ سرے سے خدا کے وجود ہی کے منکر ہیں، رسالت، و آخرت، کتاب الہی بھی ان کے نزدیک کوئی چیز نہیں ہے ،اس بنا پر ایسے لوگوں کو اہل کتاب کا مصداق بنانا مشکل ہے، اسی بنا پر اکابر دیوبند نے اس دور کے اہل کتاب کو دہریہ اور ملحد قرار دیا ہے، اور ان کے ذبیحے کو حلال نہیں کہا ہے[992]

ان حضرات کا مستدل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا وہ فتوی ہے ، جو انہوں نے بنو تغلب کے عیسائیوں کے بارے میں دیا تھا کہ ان کا ذبیحہ حلال نہیں، اس لئے کہ وہ اگرچیکہ نام کے لحاظ سے نصاریٰ ہیں، مگر انہوں نے دین نصاری سے سوائے شراب نوشی کے اور کوئی چیز نہیں سیکھی، ان کے وہ معتقدات بھی نہیں ہیں، جو عام نصاری کے ہیں، اس لئے وہ اہل کتاب کے زمرے ہی میں نہیں آتے[993]

البتہ اگر آج بھی مذبح خانوں میں ایسے مذہب پرست یہود و نصاری کو مقرر کیا جائے، اور ان کے ذمہ فرائض ذبح مقرر کئے جائیں تو ان کا ذبیحہ حلال ہو گا، مگر مسلمانوں کے لئے پھر بھی ان کے ذبیحے کو بلا ضرورت استعمال کرنا مکروہ ہو گا۔

----- حواشی --

[990]- عالمگیری ۵/۲۸۵

[991]- شامی ۵/۲۰۹

[992]- ، دیکھیے جواہر الفقہ، ۲/۳۹۴، فتاوی رحیمیہ ۶/۱۷۴، معارف القرآن ۳/۴۹، فوائد عثمانی سورہ مائدہ، امداد الفتاوی ۲/۶۷۴

[993]- احکام القرآن للجصاص ۲/۳۲۲

محور ثالث

ذبیحہ کے شرائط میں تسمیہ ایک ایسی شرط ہے، جس کو قرآن کریم نے سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہے، اور اس کے مثبت اور منفی تمام پہلوؤں کو اس طور پر روشن کر دیا ہے کہ اس میں کوئی خفا باقی نہیں ہے، ایک طرف قرآن یہ حکم دیتا ہے کہ:

فکلوا مما ذکر اسم اللہ ان کنتم بآیاتہ مؤمنین[994]

پس اس جانور سے کھاؤ، جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، اگر تم اللہ کی آیات پر ایمان رکھتے ہو۔

دوسری طرف اس کا منفی رخ بھی واضح کرتا ہے:

و لاتاکلوا ممالم یذکر اسم اللہ علیہ و انہ لفسق و ان الشیاطین لیوحون الی اولیاءھم لیجادلوکم وان اطعتموھم وانکم لمشرکون[995]

اور ان جانوروں سے نہ کھاؤ، جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، اور یہ کھانا گناہ ہے، اور شیاطین اپنے دوستوں کے دل میں ڈالتے ہیں، تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کی بات مان لی تو تم بھی مشرک ہو جاؤ گے۔

اس طرح قرآن نے پوری وضاحت کے ساتھ ذبیحہ کے لئے بسم اللہ کو لازم قرار دیا، اور کہنا چاہیے کہ مسلمان یا کتابی ہونے کی جو شرط قرآن نے لگائی ہے، وہ بھی در اصل تسمیہ کی شرط کی تکمیل ہی کے لئے، اس لئے کہ جو مسلمان ہو گا، یا کسی آسمانی مذہب پر یقین رکھتا ہو گا، وہ اپنے ذبیحہ پر اللہ کا نام ہی لے گا، اس لحاظ سے تسمیہ کی شرط ذبیحہ کی تمام شرائط میں مرکزی اور بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔

تسمیہ جمہور امت کے نزدیک

اسی بنا پر حضرت امام شافعیؒ کا استثناء کر کے پوری امت اس پر متفق ہے کہ اگر کسی نے جان بوجھ کر

----- حواشی---

[994]-انعام-۱۱۹

[995]-انعام-۱۲۲

ذبیحہ پر بسم اللہ نہیں پڑھا، تو ذبیحہ حلال نہ ہو گا، البتہ بھول کر کسی نے بسم اللہ نہ پڑھا ہو تو اس میں علماء بلکہ خود صحابہ کے درمیان اختلاف ہوا ہے، حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کے نزدیک اس صورت میں بھی ذبیحہ حرام ہو جائے گا، اور ئمہ مجتہدین میں حضرت امام مالکؒ کا مسلک بھی یہی ہے، لیکن حضرت علیؓ اور حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کا مسلک یہ ہے کہ اس صورت میں ذبیحہ حلال رہے گا، اس لئے کہ بھول چوک امت محمدیہ کے حق میں مرتفع ہو چکی ہے، اگر بھول چوک کو درگزر نہ کیا جائے تو امت بڑی مشقت میں مبتلا ہو جائے گی، اس لئے نسیان کی صورت میں خود انسان کا مذہب وعقیدہ ہی تسمیہ کے قائم مقام ہو جائے گا، اور یہی وہ موقعہ ہے جس کے لئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (اگر زیادہ شبہ ہو) تو ایسے ذبیحہ پر خود بسم اللہ پڑھ کر کھایا کرو[996]

یہی مسلک حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ اور اکثر علماء کرام کا ہے، غرض بھول کر بسم اللہ کے بارے میں تو علماء کے درمیان اختلاف رہا ہے، لیکن جان بوجھ کر چھوڑ دینے کی صورت میں امام شافعی سے پہلے کوئی اختلاف نہ تھا، تمام حضرات کا اس پر اجماع تھا کہ ایسا ذبیحہ حرام ہے[997]

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک بھی متروک التسمیہ عامداً کی وہ صورت حرام ہے، جس میں ذابح نے بسم اللہ بالقصد محض لاپرواہی کی بنا پر اسے کوئی اہمیت نہ دیتے ہوئے چھوڑ دیا ہو[998]

امام شافعیؒ کا اختلاف صرف اس صورت میں ہے، جب کہ بلا قصد استخفاف ذابح نے اتفاقیہ تسمیہ چھوڑ دیا ہو، تو اس صورت میں جمہور امت کے نزدیک ذبیحہ حلال نہ ہو گا، اور امام شافعی کے نزدیک حلال ہو گا ،جمہور کے سامنے قرآنی آیات کے علاوہ حضرت عدی ابن حاتمؓ کی وہ روایت ہے، جو بخاری و مسلم میں آئی ہے

حضرت عدیؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! بعض اوقات میں اپنے کتے کو شکار پر چھوڑتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا کتا بھی شریک ہو گیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ

----- حواشی --

996- بخاری شریف، فقہ السنۃ ۳/ ۳۰۲

997- ہدایہ ۴/ ۴۳۵

998- کتاب الام ۲/ ۲۳۱

ایسی صورت میں شکار نہ کھاؤ، کیوں کہ تم نے اللہ کا نام اپنے شکاری کتے پر لیا تھا، دوسرے کتے پر نہیں لیا تھا[999]

اس روایت میں حضور ﷺ نے بغیر کسی استخفاف و تہاون کی تخصیص کے مطلقاً بالقصد ترک تسمیہ پر حرمت کا فیصلہ فرمایا ہے، اس بنا پر بالقصد تسمیہ چھوڑنے کی ہر صورت میں ذبیحہ حرام ہو گا، اور یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ خود فقہ شافعی کے بعض اکابر علماء نے امام شافعی کے مسلک سے اختلاف کیا ہے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جو فقہ شافعی کے بڑے محقق عالم ہیں، انہوں نے حضرت عدی ابن حاتمؓ کی مذکورہ روایت ہی کا حوالہ دے کر جمہور کی تائید میں تسمیہ کو شرط قرار دیا ہے[1000]

اسی طرح علامہ ابن کثیرؒ نے ایک شافعی المذہب عالم ابو الفتوح محمد علی طائی کی کتاب الاربعین سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے شافعی المذہب ہونے کے باوجود متروک التسمیہ عامداً کو حلال نہیں قرار دیا[1001]

امام شافعیؒ کے اختلاف کی حیثیت

بلکہ ابن جریرؒ نے تو جمہور کے قول کے بالمقابل امام شافعیؒ کے قول کو کالعدم قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ اس طرح کے اختلاف سے اجماع پر کوئی فرق نہیں پڑتا[1002]

اور اگر حضرت امام ابو یوسفؒ جیسے دانائے رازہ کا یہ بیان درست ہے اور بلا شبہ درست ہے کہ متروک التسمیہ عامداً کی حرمت پر سلف کا اجماع ہو چکا ہے، اور اس میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہے، تو یقیناً امام شافعی کا یہ اختلاف اجماع کے مخالف قرار پاتا ہے، کیوں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ امام ابو یوسفؒ کے بعد کا ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے عہد میں ان کے علم کے مطابق اس مسئلہ میں امت کا کوئی اختلاف نہیں تھا، جب کہ امام ابو یوسفؒ نے عرب و عجم کا سفر کیا تھا، مدینہ میں امام مالکؒ اور دیگر علماء وفقہاء عرب سے ملاقاتیں کی تھیں، لیکن امام ابو یوسفؒ کے علم میں اس مسئلہ پر کوئی اختلاف سامنے نہیں آیا، اس سے ثابت

----- حواشی -----

[999] -ہدایہ ۴/۴۳۵

[1000] -احیاء العلوم مصری، ۲/۱۰۳، جواہر الفقہ ۲/۳۹۰

[1001] -ابن کثیر ۲/۱۶۹، جواہر الفقہ ۲/۳۹۰

[1002] -ابن کثیر ۲/۱۷۰

ہوتا ہے کہ امام شافعیؒ سے قبل تک اس مسئلہ پر اجماع تھا، سب سے پہلے اس مسئلہ میں اختلاف کرنے والے امام شافعیؒ تھے۔۔۔اور قاعدہ کے مطابق اجماع منعقد ہو جانے کے بعد کسی مجتہد (وہ بھی جب کہ اس کا زمانہ اجماع کے بعد کا ہو) کے اختلاف کی کوئی اہمیت نہیں ہے، اس اصول پر مسالک اربعہ بلکہ پوری امت کے علماء کا اتفاق ہے، اور ہر مسلک کے علماء نے اس طرح کے مخالف اجماع اختلاف کو بے محل اور کالعدم قرار دیا ہے [1003]

اس وقت یہ سوال بھی ختم ہو جاتا ہے کہ کیا ضرورتاً امام شافعی کی رائے پر عمل کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ اولاً کسی دوسرے مذہب کی طرف عدول کرنے کی جو شرائط ہیں وہ مفقود ہیں، ثانیاً اگر ایسی واقعی ضرورت بھی ہوتی تو امام شافعیؒ کا قول مخالف اجماع ثابت ہو جانے کے بعد ناقابل تقلید رہ جاتا، اس لئے اجماع کے خلاف کسی مجتہد کے قول کو اختیار کرنا درست نہیں۔

تسمیہ کی شرائط

تسمیہ کے لئے فقہاء نے کچھ شرطیں مقرر کی ہیں، جن کی رعایت ضروری ہے:

(۱) تسمیہ ذابح کی جانب سے ہونا ضروری ہے، کسی غیر متعلق شخص یا صرف عمل ذبح میں شریک شخص کا تسمیہ کافی نہیں، بلکہ ضروری ہے کہ ذابح اور معین ذابح دونوں بسم اللہ پڑھیں، معین ذابح سے مراد وہ شخص ہے جو عمل ذبح میں شریک ہو، عمل ذبح سے الگ ہو کر محض جانور کو کنٹرول کرنے والا معین ذابح نہیں ہے، اور نہ اس پر تسمیہ واجب ہے [1004]

(۲) ذابح نے ذبح کرنے کی نیت سے بسم اللہ پڑھا ہو، کسی دوسرے کام کے آغاز کے لئے نہ پڑھا ہو، ورنہ ذبیحہ حلال نہ ہوگا [1005]

----- حواشی --

[1003] ۔ تفصیل کے لئے دیکھیے: المستصفیٰ ۱/ ۱۸۵، ۱۹۲، ۱۹۹، فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ۲/ ۲۲۲، المسودۃ ۳۳۳، نووی شرح مسلم ۲/ ۱۴۵، الاحکام لابن العربی ۱/ ۳۰۹

[1004] ۔ رد المحتار ۶/ ۳۳۴، و فتاوی مولانا عبد الحئی ج ۳ ص ۲۲۶

[1005] ۔ فتاوی عالمگیری ۵/ ۲۸۶

(۳) اللہ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کا نام شامل نہ کیا ہو، بلکہ خالص اللہ کے نام پر ذبح کیا ہو، اگر کسی نے غیر اللہ کا نام شامل کر دیا تو چاہے وہ نبی یا ولی ہی کا نام کیوں نہ ہو، ذبیحہ حرام ہو جائے گا[1006]

(۴) تسمیہ خالص ذکر کے طور پر پڑھا گیا ہو، دعائیہ یا سوالیہ مضمون اس میں شامل نہ ہو[1007]

(۵) تسمیہ ذبح اختیاری میں مذبوح معین پر عمل ذبح کے وقت اور غیر اختیاری میں شکاری کتا، باز، یا تیر وغیرہ چھوڑنے کے وقت پڑھنا ضروری ہے، تسمیہ اور عمل ذبح یا تیر پھینکنے کے درمیان وقفہ زیادہ نہ ہو[1008]

تسمیہ عمل ذبح پر یا مذبوح پر

یہاں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ تسمیہ عمل ذبح پر واجب ہے یا مذبوح پر؟، تو حقیقت یہ ہے کہ اس کا جواب نہ صرف یہ ہے کہ عمل ذبح پر واجب ہے اور نہ یہ کہ مذبوح پر واجب ہے، بلکہ فقہی تصریحات و نظائر پر نگاہ ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں، اور اس سوال کا جامع اور صحیح جواب یہ بن سکتا ہے کہ تسمیہ میں مذبوح اور عمل دونوں کا اتحاد ایک ساتھ ضروری ہے، اگر دونوں میں سے کسی ایک میں تعدد یا تبدل ہو جائے تو ایک تسمیہ کافی نہ ہو گا، مثلاً کسی نے ایک بکری کو لٹایا، اور اس پر بسم اللہ پڑھا، لیکن پھر اس کو ہٹا کر کسی دوسری بکری کو ذبح کر دیا تو ذبیحہ حلال نہ ہو گا، اس لئے کہ جس جانور کو اس نے تسمیہ میں متعین کیا تھا وہ جانور بدل گیا[1009]

اسی طرح اگر عمل میں تعدد ہو جائے تو بھی ایک تسمیہ کافی نہ ہو گا، مثلاً دو بکریوں کو ایک ہی مجلس میں آگے پیچھے ایک ہی تسمیہ سے ذبح کرے تو صحیح نہ ہو گا، اس لئے کہ اگرچہ مجلس بظاہر ایک ہے، چھری بھی مسلسل چل رہی، اس کے درمیان وقفہ بھی نہیں ہے، لیکن دو بکریوں کا ذبح درحقیقت دو عمل ہے، اس لئے

----- حواشی --

1006 - تحفۃ الفقہاء ۳/ ۹۲

1007 - ہدایہ ۴/ ۴۳۶

1008 - تحفۃ الفقہاء ۳/ ۹۳

1009 - ہدایہ ۴/ ۴۳۶

دونوں عمل کے لئے الگ الگ تسمیہ ضروری ہے[1010]

البتہ اگر دو بکریوں کو اوپر نیچے لٹا کر ایک ہی عمل میں ایک ساتھ ذبح کیا گیا ہو تو ایک تسمیہ کافی ہو گا، اس لئے کہ مذبوح اگرچہ بظاہر یہاں دو بکریاں ہیں، مگر عمل ذبح میں دونوں مذبوح واحد کے درجے میں ہیں کہ ان پر ایک ساتھ چھری چل رہی ہے اور ایک ساتھ دونوں کی گردنیں کٹ رہی ہیں، تو جس طرح اوپر کے مسئلے میں بظاہر وحدت مجلس کے باوجود حقیقت کے لحاظ سے اس کو دو مجلسیں قرار دی گئیں، اسی طرح یہاں بھی بظاہر دو بکریاں ہونے کے باجود ان کو مذبوح واحد کے درجہ میں رکھ کر فقہاء نے ایک ہی تسمیہ کو کافی قرار دیا ہے[1011]

ان جزئیات کے پیش نظر ہم عمل ذبح کو مذبوح سے جدا نہیں کر سکتے، بلکہ فقہاء کی تصریحات سے تو پتہ چلتا ہے کہ اصل تسمیہ مذبوح پر واجب ہے اور عمل ذبح اس کے لئے وقت کی حیثیت رکھتا ہے، فقہاء کی عبارات پر اگر غور کریں تو یہ بالکل واضح طور پر سمجھ میں آتا ہے۔

البحر الرائق کی عبارت ہے:

ثم التسمیۃ فالذکاۃ الاختیاریۃ یشترط ان تکون عندالذبح قاصدا التسمیہ علی الذبیحۃ[1012]

تسمیہ ذبح اختیاری میں ذبح کے وقت ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنے کی نیت سے واجب ہے۔

اس طرح کی عبارت ہدایہ رابع ص ۴۳۴ پر بھی موجود ہے۔

عالمگیری میں تو ایک صریح عبارت موجود ہے:

ومنہاان یریدبہاالتسمیۃ علی الذبیحۃ و اما وقت التسمیۃ فوقتہا علی الذکاۃ الاختیاریۃ وقت الذبح[1013]

----- حواشی -----

[1010]۔ شامی ۶/۳۰۳

[1011]۔ شامی ۶/۳۰۳

[1012]۔ البحر الرائق ۸/۱۶۹

[1013]۔ عالمگیری ۵/۲۸۶

اس عبارت میں صاف طور پر عمل ذبح کو تسمیہ کا وقت اور ذبیحہ کو تسمیہ کا محل قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ تسمیہ میں نہ وقت میں تبدیلی ہونی چاہئے اور نہ محل میں، اگر دونوں میں سے کوئی بھی بدل گیا تو ایک تسمیہ کافی نہ ہو گا۔

یہ بات دستی ذبیحہ میں بھی پائی جاتی ہے اور مشینی ذبیحہ میں بھی، مشینی ذبح میں مشین چلانے کے بعد اگر مذبوح مسلسل بدل رہا ہو تو ہر مذبوح کے لئے تسمیہ واجب ہے، اور مشین کا عمل ذبح اگر چہ مسلسل ہے، لیکن حقیقت میں اس کا عمل متعدد ہے، اور ہر ذبح کے لئے مشین کی چھری مستقل اٹھ رہی ہے، اور ذبیحہ کی گردن پر پڑ رہی ہے، اس لئے ہر ذبیحہ کے لئے تسمیہ واجب ہے۔

محور رابع

عہد جدید میں مشینی ذبیحہ

ذبائح کی کثرت کی بنا پر آج کل ہاتھ سے ذبح کرنے کے بجائے مشین سے ذبح کرنے کا رواج بڑھتا جا رہا، اور وقت اور محنت کی بچت کے نقطۂ نظر سے یہ رجحان کافی مقبول ہو رہا ہے، مشینی ذبیحہ میں بعض چیزوں کا تعلق آداب ذبح سے ہے، جو عمل کے قبیل سے ہیں اور بعض کا تعلق حدود و شرائط سے ہے، جن کا براہ راست رشتہ ذبح اور مذبوح سے ہے، ان دونوں کے لحاظ سے الگ الگ احکام جاری ہوں گے، اگر شرائط ذبح میں سے کوئی شرط مفقود ہو رہی ہے تو ذبیحہ حلال نہ ہو گا، لیکن اگر شرائط کی تکمیل تو ہو رہی ہو، مگر آداب ذبح پر ذابح کا عمل پوری طرح نہ اتر رہا ہو، تو ایسی صورت میں ذبیحہ تو حلال ہو جائے گا مگر یہ عمل مکروہ اور ناپسندیدہ قرار پائے گا۔

درجۂ شرائط کی مشکلات

مشینی ذبیحہ میں دو مسئلے بنیادی ہیں، اگر ان دونوں پر کنٹرول ممکن ہو، تو مشینی ذبیحہ کی حلت میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔

(۱) سب سے پہلا مسئلہ تسمیہ کا ہے کہ مشینی ذبیحہ میں بسم اللہ کس پر واجب ہے؟ اور کس کے

پڑھنے سے ذبیحہ حلال ہو گا؟

(۲) دوسرا مسئلہ 'انہار دم'' یعنی خون اچھی طرح بہانے کا ہے، کہ گردن کی چار رگوں میں سے کم از کم تین رگیں مکمل طور پر کس طرح کٹ سکتی ہیں؟ اور کیا مشینی ذبیحہ میں اس کا امکان ہے؟

تسمیہ کا مسئلہ

تسمیہ کا مسئلہ حل ہونا فقہی لحاظ سے کوئی مشکل نہیں ہے، اور اس پر بڑی آسانی کے ساتھ قابو پایا جا سکتا ہے۔ اتنی بات تو طے ہے کہ تسمیہ ذابح اور معین ذابح دونوں پر واجب ہے، لیکن مشینی ذبیحہ میں کس کو ذابح قرار دیا جائے؟ تو اس کا جواب یوں دیا جا سکتا ہے، کہ مشینی ذبیحہ میں علت فاعلی کی حیثیت بلاشبہ مشین کو حاصل ہے، اور حقیقت کے لحاظ سے مشین ہی عمل ذبح کر رہی ہے، بٹن چلانے والا، یا مشین کی چھری کے سامنے جانور کو پہونچانے والا سبب ہے، لیکن سبب محض نہیں بلکہ سبب فی معنی العلۃ۔

فقہاء کے یہاں سبب کی کئی قسمیں ہیں:

(۱) سبب محض

اس سے مراد وہ سبب ہے جو محض علت کو حکم تک پہنچاتا ہے، عمل و تاثیر میں اس کی کوئی شرکت نہیں ہوتی، مثلاً چور کو یہ بتا دینا کہ فلاں کے گھر میں مال ہے، سبب محض کی طرف حکم کی نسبت نہیں کی جاتی، اسی بنا پر اگر فلاں کے گھر سے چوری ہو جائے تو رہنمائی کرنے والا اس کا ذمہ دار نہیں ہو گا، بشرطیکہ اس نے چوری کے عمل میں شرکت نہ کی ہو۔

(۲) سبب فی معنی العلۃ

یہ وہ سبب ہے جو محض حکم تک علت کو پہونچاتا نہیں ہے بلکہ خود عمل و تاثیر میں بھی بڑا دخل رکھتا ہے، اس طور پر کہ خود علت کا وجود اسی سبب کے ذریعہ ہوتا ہے، اس طرح یہ سبب علۃ العلۃ کا درجہ حاصل کر لیتا ہے، مثلاً کسی نزاعی مسئلے میں حق کا لزوم تو اصلاً قضاء قاضی سے ہوتا ہے لیکن خود قضاء قاضی گواہوں کی گواہی پر مبنی ہوتی ہے، سبب کی یہ وہ قسم ہے، جس میں حکم کی نسبت علت کے بجائے سبب کی طرف ہوتی ہے

، اس لئے اگر کسی معاملے میں قاضی کے فیصلہ کی غلطی ثابت ہو جائے تو اس کا ذمہ دار قاضی نہیں بلکہ گواہ ہوں گے۔

(۳) سبب قائم مقام علت

یہ وہ سبب ہے جس میں علت اس قدر مخفی یا نا قابل تکلیف ہوتی ہے کہ اس کی جانب حکم کی نسبت نہیں کی جا سکتی، ایسے موقع پر سبب ہی کو علت کا قائم مقام قرار دے کر مدار حکم سبب کو بنا دیتے ہیں، اس کی مثال نیند ہے، کہ نیند ناقص وضو ہے، مگر وضو ٹوٹنے کی اصل علت نیند نہیں بلکہ خروج ریح ہے، نیند اس کے لئے سبب ہے، لیکن خروج ریح ایک اثر مخفی ہے، جس پر حکم کا مدار نہیں رکھا جا سکتا، اس لئے حکم کی نسبت مکلف کی نیند کی طرف کی جاتی ہے، اور وضو نیند سے ٹوٹ جاتا ہے، خروج ریح ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔

(۴) سبب مجازی:

یہ حقیقت میں سبب نہیں ہوتا، اس لئے کہ سبب مفضی الی الحکم ہوتا ہے، اور یہ مفضی الی الحکم نہیں ہوتا، البتہ حکم تک پہونچنے کا منفی طور پر اتفاقی حیلہ بن جاتا ہے، اس بنا پر مجازاً اس کو سبب کہہ دیا جاتا ہے ، مثلاً کفارۂ یمین کے لئے حنث کو سبب کہا جاتا ہے، جب کہ حقیقت میں وہ مفضی الی الحنث نہیں ہے، لیکن فی الجملہ وہ حنث کا ذریعہ بن جاتا ہے، اس لئے مجازاً اس کو سبب کہہ دیا گیا[1014]

سبب کی ان قسموں کی روشنی میں مشینی ذبیحہ کو دیکھا جائے تو بٹن دبانے والا یا جانور کو چھری کے سامنے پہونچانے والا علت حقیقیہ بالیقین نہیں ہے، بلکہ سبب ہے، لیکن اس کو سبب محض بھی ہم نہیں قرار دے سکتے، اس لئے کہ ایسا نہیں ہے کہ بٹن دبانے والے اور جانور پہونچانے والے کا عمل ذبح میں کوئی دخل نہ ہو، بلکہ بٹن دبانے والا در اصل مشین کی حرکت کو وجود میں لانے والا ہے، اس طرح وہ علت العلۃ کے درجے میں ہے، اور جب کسی مسئلے میں علت اور علۃ العلۃ دونوں جمع ہو جائیں تو حکم کی نسبت علت کی جانب ہوتی ہے، وہ بھی اس وقت جب کہ خود علت غیر جاندار ہونے کی وجہ سے احکام ذبیحہ کا مکلف نہیں بن سکتی، اس لئے

----- حواشی -----

[1014] ۔اصول الشاشی ۹۶،۹۷، نور الانوار ۲۷۴، ۲۷۵، حسامی ۱۲۵

احکام ذبیحہ کی نسبت بٹن دبانے والے کی طرف ہوگی اور مشین اس کے ایک آلہ کی حیثیت رکھے گی، اس طور پر ذابح ہونے کی حیثیت سے مذبوح اول کے لئے تسمیہ بٹن دبانے والے پر واجب ہونا چاہیے، اسی طرح اس پر بھی جو جانور کو چھری تک پہونچارہا، مگر ذابح کی حیثیت سے نہیں بلکہ معین ذابح کی حیثیت سے۔

لیکن اس کے بعد کے مرحلے میں جب کہ بٹن دبانے والا بٹن دبا کر فارغ ہو چکا ہے اور پہلے ذبیحہ کے بعد جو ذبائح چھری کے سامنے آرہے ہیں، اور مشین ان کو ذبح کرتی جارہی ہے، ان میں بٹن دبانے والے کا کوئی عمل دخل نہیں ہے، ابتداًاس میں وہ ضرور موئثر تھا، لیکن بقاءًاس کا بالکلیہ عمل دخل فوت ہو چکا ہے، اب مشین کا عمل اگرچہ مسلسل ہے، لیکن متحد نہیں، بلکہ ہر مذبوح کے لئے متعدد ہے، اس لئے کسی ایسے شخص کی طرف مکمل ذبح کی نسبت کی جانی چاہیے جس کا کسی نہ کسی درجہ میں عمل ذبح میں دخل ہو، اس وقت وہ شخص جو جانور چھری کے سامنے پہونچارہا ہے، وہ سبب کی تیسری قسم یعنی سبب قائم مقام علت کی حیثیت سے ابھرتا ہے، اور ایک ایسی صورت مسئلہ سامنے آتی ہے، جس میں سبب اور علت دونوں کا اجتماع ہو گیا ہے، مگر حکم کی نسبت بے جان اور غیر مکلف ہونے کی بنا پر علت کی طرف نہیں کی جاسکتی، اس لئے حکم کی نسبت جانور کو پہونچانے والے کی طرف بحیثیت سبب قائم مقام علت کے کی جائے گی، اور اسی پر تسمیہ واجب ہوگا، اور ہر مذبوح کے لئے جداگانہ تسمیہ کہنا ہوگا۔

بلکہ اگر اس طرح دیکھا جائے کہ مشین کا عمل ذبح اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا، جب تک کہ کوئی شخص اس کی چھری کے سامنے جانور کو نہ پہنچائے، اس طرح مشین کا علت ہونا جانور پہونچانے والے کے اشتراک وتعاون کا محتاج ہے، اس لحاظ سے یہ سبب کی تیسری قسم کے بجائے سبب کی دوسری قسم کے ذیل میں آجاتا ہے، اور سبب فی معنی العلۃ قرار پاکر بحیثیت ذابح یاکم ازکم معین ذابح اس پر تسمیہ واجب ہو جاتا ہے، ۔۔۔اور یہ اسی طرح ہو جیسا کہ کوئی شخص یہ چھری کسی خاص جگہ نصب کردے، اور چھری کو ہاتھ میں لے کر چلانے کے بجائے خود جانور ہی کو اٹھا کر اس کی گردن چھری کے دھار پر چلائے، اور جانور کی ساری رگیں کاٹ ڈالے، تو اس شکل میں جس طرح حقیقی ذابح چھری کے سامنے جانور کو لے جاکر اس کی گردن کاٹنے والا قرار پاتا ہے، اسی طرح اس شکل میں بھی جب کہ مشینی چھری مسلسل چل رہی ہو، اور وہاں جانور کو ایک

آدمی اس طور پر پہونچادے کہ اس کی ساری مشروط رگیں کٹ جائیں تو اس میں بھی ذابح کا حکم اسی پر جاری ہونا چاہیے۔

اور اس طرح کی مثالیں ہم قدیم فقہاء کے یہاں بھی پاتے ہیں کہ وہ حضرات احکام ذبیحہ کی نسبت کے باب میں اصل موجد عمل کا اعتبار کرتے ہیں، درمیانی آلہ جس سے ذابح نے کام لیا، اس کا عتبار نہیں کرتے، اور نہ اس کی طرف حکم ذبح کی نسبت کرتے ہیں۔ امام شافعیؒ کی کتاب الام میں اس سلسلے میں کتنی قیمتی عبارت موجود ہے:

ولا باس ان یصید المسلم بکلب المجوسی ولایجوز اکل ماصاد المجوسی بکلب مسلم لان الحکم حکم المرسل و انماالکلب اداة[1015]

اسی طرح کی عبارت فقہ السنۃ ۳/ ۳۴میں بھی موجود ہے۔

اس جزیئے میں مجوسی کے کتا سے مسلمان کو شکار کرنے کی اجازت دی گئی ہے، مگر مسلمان کے شکاری کتا سے مجوسی کو شکار کی اجازت نہیں دی گئی، اور وجہ یہ بتائی گئی کہ کتا تو درمیان میں ایک آلہ ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں، اصل اعتبار اس شخص کا ہے، جو اس عمل ذبح کا بانی بن رہا ہے۔

یہاں اس سے بحث نہیں کہ ذبح اختیاری ہے یا غیر اختیاری، مجھے اس سے صرف اس قدر ثابت کرنا ہے کہ ذبح کے باب میں درمیانی آلہ اگر بے جان یا غیر مکلف ہو، تو حکم ذبح کی نسبت اس کی طرف نہیں کی جاتی، بلکہ اس کے سبب کی طرف کی جاتی ہے، جس نے اس آلہ سے عمل ذبح کرایا ہو۔

پس مشینی ذبیحہ میں مشین محض درمیانی آلہ ہے، اس کو استعمال کرنا، بٹن دبانے والے یا جانور کو چھری تک پہونچانے والے کا کام ہے، اس لئے ذابح مشین نہیں بلکہ بٹن دبانے والا یا جانور کو پہونچانے والا قرار پائے گا، اس لحاظ سے پہلے ذبیحہ پر جو بٹن دبانے والے پر بحیثیت اصل ذابح اور جانور کو چھری تک پہونچانے والے پر بحیثیت معین ذابح تسمیہ پڑھنا واجب ہو گا، لیکن بعد کے ذبائح میں چونکہ بٹن دبانے والے کا عمل دخل ذبح سے منقطع ہو جاتا ہے، اس لئے صرف اس شخص پر تسمیہ واجب ہو گا، جو جانور پر کنٹرول کر

----- حواشی -----

[1015]- کتاب الام ۱/ ۲۸۲

رہا ہو۔

ہمارے بزرگوں میں حضرت الاستاذ مولانا مفتی نظام الدین صاحب مفتی دار العلوم دیوبند نے بھی نظام الفتاوی میں بٹن دبانے والے اور جانور کو کنٹرول کرنے والے پر ہی حکم کا سارا مدار رکھ کر مشینی ذبیحہ کو جائز قرار دیا ہے[1016]

اس میں محض اس شخص کا تسمیہ کافی نہیں جو مشین کے سامنے کھڑا ہو کر گذرتے ہوئے جانور پر بسم اللہ پڑھ رہا ہو، اور نہ اس کا تسمیہ معتبر ہے، جو خواہ مخواہ مشین کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے ہوئے ہو، اس لئے کہ ان دونوں کا عمل ذبح میں کوئی دخل نہیں ہے، اور ذبح میں ذابح کے تسمیہ کا اعتبار ہوتا ہے، کسی غیر متعلق کے تسمیہ کا نہیں۔

انہار دم کا مسئلہ

(۲) دوسرا اہم ترین مسئلہ مشینی ذبیحہ میں جانور کو ساری یا اکثر رگیں کاٹ کر خون اچھی طرح بہانے کا ہے، مگر کویت کی فتوی کمیٹی کی رپورٹ سے سخت مایوسی ہوتی ہے، اس لئے کہ اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ مشین کی چھری ضروری نہیں کہ گردن ہی کو کاٹے، وہ کسی بھی حصۂ جسم کو کاٹ ڈالتی ہے، کبھی گردن سے ہٹ کر سر ہی کے دو ٹکڑے کر دیتی ہے، جانور شدت تکلیف سے مر جاتا ہے، اگر غالب صورت حال مشینی ذبیحہ میں یہی ہو، تو مشینی ذبیحہ کا جواز کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا، اس لئے کہ کسی بھی حصۂ جسم کو زخمی کر دینے سے ذبح کا جواز صرف ذبح غیر اختیاری میں ہوتا ہے، ذبح اختیاری میں تمام علماء گردن پر چھری چلانے اور اس کی رگیں کاٹنے کو لازم قرار دیتے ہیں، اور مشین بہر حال ذبح اختیاری کے ضمن میں آتا ہے، اس لئے کہ مشین پر اس کے چلانے والے کو مکمل اختیار رہتا ہے، جب چاہے چلائے، اور جب چاہے بند کر دے اور خود مذبوح بھی مقدور ہے، جو ذبح اختیاری میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے، اس لئے مشین کو نہ تیر کمان پر قیاس کرنا درست ہے، اور نہ اس کو ذبح غیر اختیاری قرار دیا جا سکتا ہے، ذبح اختیاری کے قاعدے کے

----- حواشی---

[1016]۔ منتخبات نظام الفتاوی ۲۴۰

مطابق اگر جانور کی ساری یا اکثر رگیں کٹ جاتی ہوں، اور کبھی اتفاقیہ طور پر ہی ایسا ہوتا ہے کہ بجائے گردن کے چھری جسم کے کسی دوسرے حصے پر چل جاتی ہو، تو ایسی صورت میں غالب حال کا لحاظ کرتے ہوئے مشینی ذبح کی اجازت دی جاسکتی ہے، لیکن اگر عموماً چھری بجائے گردن کے کسی دوسرے حصے کو کاٹ دیتی ہو، اور مرنے سے پہلے جانور کی رگیں نہ کٹ پاتی ہوں اور نہ اس کا خون پوری طرح خارج ہو پاتا ہو تو مشینی ذبیحہ کو جائز نہیں قرار دیا جاسکتا۔

آداب ذبح کی خلاف ورزی

مشینی ذبیحہ میں بعض چیزوں کا تعلق آداب ذبح سے ہے، یعنی جس کی رعایت نہ کرنے سے ذبیحہ حرام تو نہ ہوگا، لیکن عمل مکروہ ہو جائے گا، مگر یہ کراہت گوشت میں پیدا نہ ہوگی۔

(۱) مثلاً ذبح کا مقصد گردن میں جانور کی مجتمع تمام رگیں کاٹنا ہے، خواہ ان کو اوپر کے حصے سے کاٹا جائے یا درمیانی یا نیچے کے حصے سے، یا چیر کر کاٹا جائے، جیسا کہ مشینی ذبیحہ میں ایسا بھی کبھی ہوتا ہے، اگر خون کا بالکلیہ اخراج ہو جاتا ہو تو ذبیحہ حلال ہوگا، البتہ اگر جانور کو اس میں تکلیف زیادہ ہوتی ہو، تو بلا وجہ ایسا کرنا مکروہ ہوگا[1017]

(۲) اسی طرح اگر ایسا ہو جائے کہ گردن کی رگیں کاٹنے میں گردن ہی کٹ جائے تو بھی ذبیحہ کی حلت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا، البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے، اس لئے کہ اس میں جانور کو بلاوجہ تکلیف زیادہ ہوتی ہے[1018]

(۳) مشینی ذبیحہ میں جانور کو قابو میں رکھنے کے لئے ایسا بھی کرنا پڑتا ہے کہ الیکٹرک شاک کے ذریعہ جانور کو نیم بیہوش کر دیا جاتا ہے، ایسا کرنے سے اگر جانور واقعی نیم بے ہوش ہی ہوتا ہو، چھری تک پہونچنے سے پہلے مر تا نہ ہو تو ذبیحہ کی حلت میں تو کوئی فرق نہ آئے گا، البتہ اگر جانور کو قابو میں رکھنے کی اس

----- حواشی --

[1017]- عالمگیری ۵/ ۲۸۸

[1018]- ہدایہ ج ۴ ص ۴۳۸

کے علاوہ بھی کوئی آسان صورت موجود ہو تو ایسا کرنا مکروہ ہوگا، لیکن اس کے علاوہ کوئی شکل موجود نہ ہو تو مجبوری ہے، پھر مضائقہ معلوم نہیں ہوتا۔

اصل میں ذبح کے باب میں ذبح سے پہلے جانور کو کسی بھی ذہنی یا جسمانی اذیت دینے سے منع کیا گیا ہے، یہاں تک کہ حضور ﷺ نے جانور کے سامنے چھری تیز کرنے سے بھی روکا ہے، اور حکم دیا ہے کہ چھری جانور کی نگاہ سے چھپا کر رکھی جائے۔

عن ابن عمرؓ امر النبی ﷺ یحد الشفار ان تواری من البہائم قال اذا ذبح احدکم فلیجھز [1019]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چھریوں کو تیز کرنے کا حکم فرمایا ہے، اور فرمایا کہ چھریاں جانوروں کی آنکھ سے چھپا کر رکھی جائیں، نیز فرمایا: اگر ذبح کرو تو مکمل طور پر ذبح کرو، ادھورا نہ چھوڑو۔

اس لئے اسلامی ذبیحہ میں حضور ﷺ کی ان تعلیمات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

(۴) مشینوں کے استعمال میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہاتھ میں چھری لے کر ذبح کرنے کے بعد جانور کو مشین کے سپرد کیا جاتا ہے، تاکہ ذبیحہ بقیہ مراحل سے گذر سکے،۔۔۔۔ ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ٹھنڈا ہونے سے پہلے جانور کو مشین کے حوالہ نہ کیا جائے، اس لئے کہ اس میں جانور کو خواہ مخواہ اذیت ہوگی، فقہاء نے بلا وجہ ایسا کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے [1020]

والله اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم

----- حواشی---

[1019]۔ جمع الفوائد ۱/۲۰۶

[1020]۔ بحر الرائق ۸/۱۷۰، عالمگیری ۵/۲۸۷

تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

☆اگر جانور بجلی کے ذریعہ چلنے والی زنجیر یا پٹہ سے لٹک کر بے ہوشی کے مرحلہ سے گزرنے کے بعد ذابح کے سامنے پہونچتا ہے، اور ذابح بسم اللہ کہہ کر اس کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر دیتا ہے، اور جانور کے ذبح کے وقت اس کے زندہ ہونے کا یقین ہے، تو یہ صورت بالاتفاق جائز ہے، اس لئے کہ اس میں صرف جانور کا نقل وحمل مشین کے ذریعہ ہو رہا ہے، باقی فعل ذبح ہاتھ سے انجام دیا جاتا ہے۔

☆ مشینی ذبیحہ کی ایسی صورت جس میں جانور کے نقل وحمل اور ذبح دونوں کام مشین سے انجام پائیں، اس طرح کہ بٹن دبانے کے ساتھ مشین حرکت میں آجائے، اور اس مشین پر باری باری جانور آتا جائے، اس صورت کی بابت تین رائیں ہیں:

الف: پہلا جانور حلال ہوگا اس کے بعد جو جانور ذبح ہوتے جائیں وہ جائز نہیں ہیں، یہ اکثر شرکاء سیمینار کی رائے ہے۔

ب: پہلا جانور بھی حلال نہ ہوگا، یہ بعض حضرات کی رائے۔

ج: پہلا جانور بھی حلال ہوگا اور بعد میں جو جانور اس فعل ذبح کے منقطع ہونے سے پہلے پہلے ذبح ہو جائیں وہ بھی حلال ہیں۔ یہ بھی چند حضرات کی رائے ہے۔

☆ جن حضرات کے نزدیک مشین کے ذریعہ ذبح کی صورت میں پہلا جانور حلال ہو جاتا ہے، ان کے نزدیک اگر ایسی مشین ایجاد ہو جائے جس سے بڑی تعداد میں چھریاں متعلق ہوں، اور بٹن دباتے ہی بیک وقت چل کر ایک ایک جانور کو ایک ساتھ ذبح کر دیتی ہوں تو یہ تمام جانور حلال ہو جاتے ہیں۔

واضح رہے کہ مشینی ذبیحہ کے بارے میں یہ احکام مشین کی مخصوص ہیئت اور وضع

کو سامنے رکھ کر طے کئے گئے ہیں، ہر طرح اور ہر وضع کی مشین پر اس کا اطلاق نہیں ہو گا، بلکہ مشین کی مخصوص ہیئت اور طریقۂ کار کی روشنی میں اس کا حکم مقرر کیا جا سکتا ہے[1021]۔

----- حواشی---

[1021]- جدید مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، حصہ اول ص ۱۵۵، ۱۵۶

جنیٹک سائنس سے مربوط شرعی مسائل[1022]

انسانی علم جس تیزی سے ترقی کر رہا ہے، اسی تیزی سے دقیق علمی حقائق سامنے آرہے ہیں، عجائبات قدرت کا ظہور ہو رہا ہے، علم و تحقیق کے نئے نئے شعبے جنم لے رہے ہیں، اور انسان کی فکری توانائیاں، تحقیق و جستجو کے مختلف محاذوں پر مصروف کار ہیں، شاید آج سے قبل انسانی عقل کبھی اتنی حیران نہیں ہوئی، اور نہ ان بلند اور نازک حقائق تک پہونچ سکی۔

ان جدید علمی تحقیقات وانکشافات کی بدولت جہاں ایک طرف انسان ایک نئے دور میں داخل ہو گیا ہے، زندگی کی بہت سی مشکلات حل ہو گئی ہیں، کئی لاعلاج بیماریوں کا علاج دریافت ہوا ہے، اور زمینی فاصلے سمٹ گئے ہیں، وہی ایک مومن کے لئے شریعت اسلامیہ کی رو سے بہت سی پیچیدگیاں بھی پیدا ہو گئی ہیں، اور متعدد ایسے نئے مسائل کھڑے ہو گئے ہیں، جن کا پچھلے ادوار میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

انسان عالم اصغر ہے

جنیٹک سائنس بھی اس دور کے انتہائی جدید اور اہم ترین مسائل میں سے ایک ہے، جنیٹک سائنس دراصل انسانی جسم کے خلیاتی نظام سے بحث کرتی ہے، اور قدرت نے ہر انسان کو جن خصوصیات و تشخصات کا حامل بنایا ہے، ان کا انتہائی باریکی سے مطالعہ کرتی ہے، کچھ دنوں قبل تک یہ بات صرف مذہبی حلقوں میں مانی جاتی تھی، کہ یہ دنیا عالم اکبر ہے، اور ہر انسان اپنی جگہ پر مستقل عالم اصغر ہے، اور ایک مکمل عالمی نظام جو ہمیں اس وسیع کائنات میں نظر آتا ہے، وہ اجمالی طور پر ہر شخص میں موجود ہے، اس طرح ہر انسان جس طرح ظاہری رنگ و روپ اور خط و خال میں انسانی برادری میں اپنی الگ پہچان رکھتا ہے، اسی طرح معنوی طور پر بھی ہر شخص جداگانہ وجود اور تشخص کا حامل ہے، خالق فطرت نے تخلیق انسانی کا ایسا بے مثال

----- حواشی

[1022] ۔ تحریر بمقام جامعہ ربانی منورواشریف سمستی پور بہار، بتاریخ ۲۶/ جون ۲۰۰۵ء

اور شاہکار نظام بنایا ہے، جس میں ہر شخص اپنے خاندان اور دوسرے انسانوں سے انتہائی مضبوطی کے ساتھ جڑا ہوا بھی ہے، جن سے وراثت کا سلسلہ قائم ہے، اور مختلف بھی، جسکی بنا پر ہر شخص جداگانہ میدان عمل رکھتا ہے، اور ہر شخص خود اپنے کئے کا ذمہ دار ہے، رنگوں اور آوازوں کا فرق، جسمانی ساخت میں تفاوت اور صلاحیتوں کا اختلاف اس کی بین دلیل ہے، مگر اب اس حقیت کو جدید خلیاتی سائنس نے بھی ثابت کر دیا ہے۔

سب سے پہلے اس خلیات کی دریافت لیسٹر یونیور سیٹی (برطانیہ) کے پروفیسر ڈاکٹر الیک جیفریر نے ۱۹۸۴ء میں کی[1023]۔

پھر بعد کے محققین نے اس پر مزید تحقیقات کیں، جن کا سلسلہ آج تک جاری ہے، اور ان کے نتیجے میں بہت سے پوشیدہ حقائق سامنے آگئے ہیں، اور انسانی علم ایک نئے انقلابی دور میں داخل ہو گیا ہے۔

موضوع کا تعارف

اس موضوع سے متعلق احکام شرعیہ پر گفتگو کرنے سے قبل موضوع کا مختصر تعارف پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

پروفیسر سید مسعود احمد (شعبۂ بایو کیمسٹری مسلم یونیور سیٹی علی گڑھ) لکھتے ہیں:

"علم التوارث (GETICS) سے دل چسپی رکھنے والے سائنس دانوں نے بنیادی طور پر پہلے اس سوال کو حل کرنے کی سعی کی، کہ انسان کے جملہ اوصاف جن کو (TRAI TS) کہا جاتا ہے، کے ظہور میں اس کے ماں اور باپ کا کتنا حصہ ہے، یا یوں کہیں کہ کون کون سے اور کتنے اوصاف (TRAITS) کسی فرد خاص میں والدہ سے اور کون سے اور کتنے اوصاف والد سے اس میں منتقل ہوئے ہیں، مثلاً کسی بچہ کا رنگ گورا، آنکھیں نیلی، قد لمبا، مزاج ظریفانہ وشاعرانہ، حافظہ قوی، طبیعت میں حاضر جوابی وغیرہ جیسے اوصاف و خصائل پائے گئے، تو اسباب کی دنیا میں کیونکر ممکن ہوا؟ اس کا سیدھا سادھا جواب علم التوارث کی روشنی میں

----- حواشی ---

[1023] البصمة الوراثية ڈاکٹر وھبہ زحیلی ص/ ۱۶

یہ ہے کہ تمام خصوصیات اس بچہ کے والد اور والدہ کے خاندان کے مختلف افراد میں پائی جاتی تھیں، اور اس کے ماں باپ در حقیقت ان تمام خصوصیات کے امین تھے، چاہے بظاہر ان کا اظہار نہ ہوتا ہو، لہٰذا ماں باپ نے اپنے خصائل کی وراثت اپنے بچوں کو منتقل کی، ان تمام موروثی خصوصیات کی منتقلی میں ماں اور باپ کا حصہ برابر ہوتا ہے، اگرچہ کسی فرد میں کسی خاص صفت کے تعلق سے والدین میں سے کسی ایک کا پلڑا بھاری ہو سکتا ہے۔ لہٰذا علم التوارث کا یہ اصول قرین قیاس ہے کہ ہر شخص میں پچاس فیصد ددھیالی اور پچاس فیصد ننیہالی اوصاف وخصائل ہوتے ہیں، چنانچہ اگر ددھیال اور ننیہالی ایک ہی پر دادا کا خاندان ہو تو نہ صرف اوصاف وخصائل کے تنوع کے امکانات کم ہونگے، بلکہ کچھ ایسے عیوب ونقائص بھی اولاد میں ظاہر ہونگے، جو بچہ کے اجداد میں کبھی ظاہر نہیں ہوئے، کیونکہ معاملہ صرف انتقال وراثت ہی کا نہیں بلکہ اظہار وراثت کا بھی ہے، یہ سمجھنے کے لئے کہ آخر والدین کے مخفی وظاہری خصائل اولاد میں کیسے منتقل ہوتے ہیں، ہمیں شکم مادر میں بچہ کے ابتدائی تخلیقی مراحل سے کچھ مدد مل سکتی ہے، جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی کئی بار کیا گیا ہے، مثلاً ارشاد ربانی ہے:

"انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج"[1024]

ترجمہ: ہم نے انسان کو ایک مرکب نطفہ سے پیدا کیا ہے،

اور پھر مختلف مراحل کا قرآن کریم میں تذکرہ کیا گیا ہے[1025]۔

چنانچہ سائنس اور قرآن کی رو سے انسان کی بالکل ابتدائی حالت اس مرکب نطفہ (ZYGOTE) کی ہوتی ہے جو ماں کے بیضۂ انثیٰ (EGG) اور باپ کے جرثومہ ذکر (SPERM) کے اتصال سے وجود پذیر ہوتا ہے، لہٰذا یہ بات قرین قیاس ہیکہ ماں نے اپنی خصوصیات انڈے کے ذریعہ اور باپ نے اپنی خصوصیات جرثومۂ ذکر کے ذریعہ اپنی اولاد میں منتقل کیں، سائنسی ترقی کے اس دور میں اس مادہ کا پتا لگایا گیا ہے، جو ان تمام خصوصیات کا حامل ہوتا ہے، اور سالماتی اسکیل (MOLECU

----- حواشی -----

[1024] ۔ الدھر الآیۃ: ۲

[1025] ۔ مثلاً: الحج الآیۃ: ۵ المؤمنون: ۱۴

LARLEVEL پر ان موروثی خصائل کو اپنے میں سموئے رکھتا ہے، کیمیاوی طور پر وہ مادہ (DNA) ڈی، این، اے، کہلاتا ہے، جسکا پورا نام (DEOXY ,RIBO, NUCLEIC,ACID) ہے، علم التوارث کی زبان میں موروثی خصائل کی منتقلی دراصل ان (DNA,MDLECULES) سالمات کی منتقلی کا نتیجہ ہے، جو ماں کے بیضہ میں اور باپ کی منی میں موجود تھے، اور استقرار حمل کے وقت بیضۂ مادر میں جرثومۂ پدر کے ذریعہ ایک خلیاتی مرکب نطفہ (ZYGOTE) میں منتقل ہوئے، یہ سالمات خاصے بڑے یعنی سینٹی میٹر سے میٹر کی لمبائی کے حامل, مگر بہت ہی باریک اور نہاہت نازک دھاگوں کی شکل میں ہوتے ہیں، اللہ تعالی کے حکیمانہ نظام کے تحت ایک خلیہ سے دوسرے خلیہ میں منتقلی سے قبل یہ خاص قسم کے بنڈل اور گچھے کی شکل اختیار کرلیتے ہیں، تاکہ ٹوٹنے کا امکان نہ رہے، جس کی مثال سینکوں کی جھاڑو سے بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے، ہاں اس بنڈل کی شکل جھاڑو جیسی نہ ہو کر پودے کاٹنے والی قینچی جیسی ہوتی ہے، ڈی، این، اے، کا سالم ایک بنڈل بناتا ہے، جس کو رنگ کر خوردبین سے دیکھا جا سکتا ہے، یہ رنگین خوردبینی مجسمے کروموزوم (CHROMO SOMES) کہلاتے ہیں، خوردبینی مشاہدے سے معلوم ہوا کہ بیضۂ انثیٰ یعنی نطفۂ مادری میں ۲۳ / کروموزوم اور جرثومۂ ذکر یعنی نطفۂ پیدری میں بھی ۲۳ / کروموزوم ہوتے ہیں، جبکہ ایک خلیاتی مرکب نطفہ (ZYGOTE) کی تعداد دگنی یعنی چھیالیس ہوتی ہے، یہ چھیالیس کروموزوم انسانی زندگی کے ابتدائی مرحلے سے آخر تک ننانوے فیصد خلیات کے نیوکلیس کی (NUCLES) صورت میں پائے جاتے ہیں، ایک فیصد یا اس سے بھی کم خلیات جو مردوزن کے نطفہ کی شکل اختیار کرتے ہیں، ان میں کروموزوم کی تعداد دیگر خلیات سے نصف یعنی ۲۳ / ہوتی ہے۔

خوردبینی مشاہدہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جانوروں کے خلیات میں ان کروموزوم کی تعداد علٰحدہ اور انسان سے مختلف ہوتی ہے، جبکہ انسان میں کروموزوم کے ۲۳ / جوڑے یعنی چھیالیس کروموزوم فی خلیہ ہوتے ہیں، دلچسپ بات یہ ہیکہ مردوزن کے نطفوں کا وصل درحقیقت ۲۳ / کروموزوم سیٹ کا اتصال ہوتا ہے، اور ہر کروموزوم اپنا جوڑا حاصل کر کے ۲۳ / جوڑے یعنی چھیالیس کروموزوم کا ایک سیٹ بناکر ایک نئے انسان کی تخلیق کا بنیادی مواد فراہم کرتے ہیں، اور یہ ابتدائی جرثومۂ حیات (ZYGOTE) اپنی

صلاحیت (GENETIC ,POTENTIALITY) کے لحاظ سے یعنی بالقوۃ مکمل انسان ہوتا ہے، بالفعل انسان کی تخلیق اور اس کے ارتقائی منازل کے لئے اللہ تعالی کا ایک کلمۂ کن ایک خلیہ سے دوسرے خلیہ اور ان میں لگاتار افزونی کا سبب بن جاتا ہے، اور اس طرح بچہ کی پیدائش کے وقت کم وبیش ایک کھرب خلیات پر مشتمل انسانی وجود کے ہر خلیہ میں وہی بنیادی ۲۳/ جوڑوں یعنی چھیالیس کروموزوم کی ہو بہو کاپی (TRUE CARBON COPY) ہوتی ہے، جو دو نطفوں کے وصل کے وقت وجود میں آئی تھی، پیدائش کے بعد سن بلوغ تک پہونچتے پہونچتے انسانی جسم وخلیات کی تعداد سینکڑوں کھربوں تک پہونچ جاتی ہے، اور تب بھی کئی کروموزوم میں نمایاں تبدیلی نظر نہیں آتی، اور وہی چھیالیس کروموزوم خلیہ میں موجود رہتے ہیں، حالانکہ ہر عضو کا خلیہ اپنی ساخت اور فعل کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔

خورد بینی مشاہدہ سے مزید یہ انکشاف ہوا ہے کہ مرد وعورت کے نطفوں میں ۲۲/ کروموزوم مرکب نطفہ میں جاکر ایک دوسرے سے مل کر جوڑے جوڑے کہلائے جانے کے اہل ہوتے ہیں، جبکہ ایک جوڑا انسانی جنس متعین کرتا ہے، مطلب یہ ہے کہ انسانی خلیہ کے چھیالیس کروموزوم میں ۲۲/ جوڑے جنس کے علاوہ دوسرے اوصاف کی منتقلی میں استعمال ہوتے ہیں، اور ایک جوڑا انسانی جنس سے متعلق ساخت و افعال میں ناگزیر ہے، آسانی کے لئے کہا جاسکتا ہے کہ مرد کے نطفہ کا کروزوم نمبر ۱ ایک، عورت کے بیضہ کا کروزوم نمبر ۱ ایک سے مشابہ ہوتا ہے، اور یہ کروموزوم کا پہلا جوڑا ہوا، اسی طرح بائیس جوڑے باہم مشابہ کروموزوم کے ہوتے ہیں، اور اگر ۲۳واں جوڑا دو ایکس (xx) کروموزوم پر مشتمل ہو تو بچہ مؤنث جنس کا ہو گا، یعنی لڑکی ہوگی، اور اگر ۲۳/ واں جوڑا ایک ایکس اور ایک وائی (XY) کروموزوم پر مشتمل ہو تو بچہ لڑکا ہو گا۔

مزید برآں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ مرد کے نطفوں میں پچاس فیصد جرثوموں (SPERMS) میں ۲۳/ واں کروموزوم ایکس (x) ہوتا ہے، اور پچاس فیصد جرثوموں میں ۲۳/ کروموزوم وائی (Y) ہوتا ہے، جبکہ عوروں کے بیضوں میں ۲۳واں کروموزوم صرف ایکس (x) ہوتا ہے، اس طرح مرد کے ہر خلیہ میں ۲۲/ جوڑے غیر جنسی کروموزوم اور ایک (X) اور (Y) کروموزوم ہوتے

ہیں، جبکہ عورت کے ہر خلیہ میں ۲۲ / جوڑے غیر جنسی کروموزوم اور دو ایکس (xX) کروموزوم ہوتے ہیں، انہیں کروموزوم کو دیکھ کر بآسانی پتہ لگایا جاسکتا ہے کہ جنس (FOETUS) مؤنث ہے یا مذکر، یہاں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ استقرار حمل سے چند ہفتوں بعد ہی خوردبینی طریقہ سے جنس کا پتہ لگ سکتا ہے جبکہ الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے جنین کے جنس کی تعیین کے لئے چار مہینہ کا حمل ضروری ہے۔

اب تک کی بحث سے کئی باتیں اجاگر ہو کر سامنے آئیں:

اولاً: کروموزوم کی حیثیت و ظیفۂ زندگی کی جملہ خصوصیات و صلاحیت کے بیان کی (MICRO,CHIP) ہے، یعنی یہ ایک ایسے کتاب کے مانند ہے، جس میں متعلقہ جاندار کی جملہ خصوصیات و اوصاف کا بیان درج ہوتا ہے، اس کتاب کے اوراق ہسٹون پروٹین , HISTONE) (PROTEINES کے جملہ ڈی، این، اے کے چار حرفی زبان میں لکھے ہوئے ہیں، انسانی جسم کا یہ خلیہ ۶ / ارب حروف پر مشتمل اپنا پورا بیان ہر وقت اپنے پاس رکھتا ہے، سوائے چند مستثنیات کے جس میں خون کے لال ذرات نیوکلیس نہیں رکھتے ہیں، اور بیضۂ جرثومۂ ذکر ۶ / ارب کا پچاس پچاس فیصد بیان رکھتے ہیں۔

ثانیا: کروموزومز کے خوردبینی مشاہدہ سے رحم مادر میں پرورش پانے والا انسان بحیثیت، علقہ " یا مضغہ " بلکہ اس سے بھی پہلے بحیثیت ایک خلیاتی مرکب نطفہ (ZYGOTE) اپنی نوع اور جنس کے لحاظ سے متعین ہو چکا ہوتا ہے، یہ علاحدہ مسئلہ ہے کہ اس وقت (SAMPLE) لینے سے بچہ کو نقصان پہونچ سکتا ہے، لہٰذا جانچ کے لئے کم از کم چھ ہفتے کے جنین (FOETUS) کا ہونا مناسب رہتا ہے۔

ثالثا: خوردبینی مشاہدہ (KARYO. TYPING) سے یہ بھی پتہ چل سکتا ہے کہ شکم مادر میں پرورش پانے والے بچہ یعنی جنین کے کروموزومز کی تعداد یا ساخت میں کوئی تغیر یا نقص تو نہیں ہے، یاد رہے کہ اس طرح کے نقائص و تغیر والے کروموزومز کے حامل بچے جسمانی، دماغی، یا جنسی طور پر صحتمند نہیں رہتے، اور عمر کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ نا قابل علاج امراض کے شکار ہو جاتے ہیں، یہ بیماریاں موروثی یا پیدائشی بلکہ جینیٹک بیماریاں (GENETIC DISENES) کہلاتی ہیں، ان بیماریوں کے امکانات کسی خاص شادی شدہ جوڑے کی آئندہ نسل میں کتنے ہونگے اور ان کو نفسیاتی طور پر (HANDLE) کرنے کے

لئے (GENETIC COUNSELING) جینیٹک کاؤنسلنگ کا شعبہ وجود میں آیا ہے، اور کروموزومز کی خوردبینی اور بایو کیمیکل جانچ کو جینیٹک ٹیسٹ (GENETIC TEST) کہتے ہیں، اس جانچ کے ذریعہ یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ شکم مادر میں پرورش پانے والا جنین (FOETUS) مؤنث ہے یا مذکر، مزید برآں اس جنین میں کروموزومز کے کیا نقائص ہیں، اس کے بعد یورپ اور امریکہ میں جینیٹک کاؤنسلر (GENETIC COUNSELIOR) یہ بتاتا ہے کہ جنین میں یہ نقائص انسانی زندگی کے کس مرحلے میں کس قسم کی بیماریوں کا پیش خیمہ بن سکتے ہیں، اور اس کے لئے کوئی طریقۂ علاج ہے یا نہیں، اور وہ علاج کتنا مؤثر ہے؟ وغیرہ، اس ٹیسٹ کی خوبی یہ ہے کہ استقرار حمل کے چند ہفتوں بعد ہی یہ ٹیسٹ ہو جاتا ہے، اور اسقاط جنین سے ماں کو کم تکلیف ہوتی ہے، بہ نسبت بعد کے اسقاط (ABORTION) کے، جو طبی، اخلاقی (ETHICAL POINT OF VIEW) دونوں لحاظ سے قبیح تر مانا جاتا ہے۔

جین کا مفہوم

اس موقع پر جین (GENE) کی تشریح بھی دلچسپی کا باعث ہوگی، یہ حقیقت تو مندرجہ بالا سطروں سے واضح ہو ہی گئی ہے کہ کروموزومز ہزاروں خصوصیات حیات کے مادی جواہر ہیں، اور ان میں سے ہر ایک حیاتی صفت کی ایک مادی اکائی ہونی ہی چاہیئے، جو کسی صفت خاص کا مادی مظہر ہوگی، ان صفات (TRAITS) کی مادی اکائیاں ہی جین (GENE) کہلاتیں ہیں، تشریح مزید کے طور پر عرض ہے کہ جین (GENE) موروثی اکائی سے عبارت ہے، مثلاً ایک شخص سورج مکھی (ALBINO) ہے، یعنی بالکل سفید، بھویں تک سفید، سیاہی کا نام ونشان تک نہیں، دراصل اس شخص میں سیاہ رنگ (MELANIN) کو بنانے کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے، سائنس کی زبان میں اسکے پاس (MELANIN) بنانے کا فعال جنین نہیں ہے، رنگوں کے جین ہم کو وراثت میں ملتے ہیں، اس لئے عموماً ہمارا رنگ اپنے والدین سے ملتا جلتا ہوتا ہے، ہاں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کسی سورج مکھی شخص کے اسلاف میں کوئی بھی ایسا شخص نہ گذرا ہو اور نہ اس کے والدین نے سورج مکھی جین اسکو منتقل کیا، ہو، تب یہ کہا جا سکتا ہے کہ میلانن کا جین اس فرد واحد کی جنینی نشو ونما

کے دوران پائیدار نقص (MUTATION) کا شکار ہو گیا ہو گا، عموما یہ جلدی نقص بیضۂ مادر، یا جرثومۂ پدر کے بننے کے وقت پیدا ہوتا ہے، جو والدین کے میلانن جین کے پائیدار نقص (MUTATION) کی منتقلی کا نتیجہ ہوتا ہے، اسی طرح ہری یا نیلی آنکھ کی صفت یا ہرے، لال رنگ، کی نابینائی وغیرہ مختلف قسم کے رنگوں کے جین کے افعال اور عدم افعال کے مظاہر ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر جاندار کی جملہ صفات، جن سے وہ جسمانی، نفسیاتی، دماغی، اور جذباتی طور پر پہچانا جاتا ہے، اس کے ہزاروں جینز کے افعال کی مظاہر ہیں، عموماً ایک صفت کئی کئی جین کے افعال کا نتیجہ ہوتی ہے، کالی آنکھ در حقیقت تمام رنگوں کے جین کے افعال کے نتیجہ میں وجود میں آتی ہے، اور ہر رنگ کے نتیجے میں کئی کئی جین کے افعال کی ضرورت ہوتی ہے۔

یاد رہے کہ جین کروموزوم ہی کا ایک حقیر حصہ ہے، بالفاظ دیگر کروموزوم ہزاروں چیز (GENES) کی اقامت گاہیں ہیں، لہذا یہ سمجھنا بالکل آسان ہے کہ ہر جین کیمیائی طور پر ڈی، این، اے، ہی ہوتا ہے، اور اس کا کام خلیات میں مخصوص قسم کی پروٹین یا انزائیم (ENZYME) بنانا ہوتا ہے، جو کسی خاص کیمیاوی تعامل سے مدد فراہم کر کے مطلوبہ شئ کو بنانے کے لئے ناگزیر ہے، یہ جین کروموزوم میں ایک خاص ترتیب سے یکے بعد دیگرے لمبے دھاگے میں مختلف دھاریوں کی طرح پھیلے ہوئے ہوتے ہیں، اور ہر جین کی کروموزوم میں ایک خاص جگہ متعین رہتی ہے، چونکہ ہر شخص اپنی جداگانہ صفات کا حامل ہوتا ہے، اس لئے اس کے جین بھی مختلف ہوتے ہیں، اور چونکہ جین کا مجموعہ کروموزوم اور کیمیاوی مادہ ڈی، این، اے، ہے، اس لئے یہ سمجھنا بھی بالکل مشکل نہیں ہے کہ ہر شخص کا ڈی، این، اے مختلف ہوتا ہے، اور اس کا یہ اختلاف اس میں پائے جانے والے چار اجزاء یعنی ایڈینین (ADENINE)، گوانین (GUANINE)، سائیٹوسین (CYTOCINE)، اور تھائمین (THYMINE) کی ترتیب سے پہچانا جاسکتا ہے، مثلاً کسی فرد واحد میں کسی خاص کرومزوم کے کسی خاص جین کے کسی حصہ میں ان اجزاء کی ترتیب مندرجہ ذیل ہے:

(ATCGGACCAT).. اور دوسرے فرد میں اسی مقام پر یہ ترتیب ایسے ہے، جیسے نیچے والی لائن میں دکھایا گیا ہے۔ATCGGACCAT) تو اس ادنیٰ سی گڑبڑی کو مشین پہچان لیتی ہے، اور کمپیوٹر بتا

دیتا ہے کہ دونوں ڈی، این، اے مختلف ہیں، لہٰذا یہ مختلف افراد ہوسکتے ہیں، اس ادنیٰ سے فرق کو پہچاننے کا فن ترقی کرکے ڈی، این، اے، فنگر پرنٹنگ، اور ڈی، این، اے ٹیسٹ کی سائنسی بنیاد بنا، یہ ٹیسٹ ایک ایک بال یا ایک حقیر قطرۂ خون سے بلکہ اس سے بھی کم (FORENSIC SAMPLE) سے کیا جاسکتا ہے، اور گذشتہ تمام جانچوں سے دسیوں گنا بہتر ہے۔

چنانچہ ڈی، این، اے کو مختلف طریقوں سے پہچاننے کی تکنیک ایجاد ہوچکی ہے، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر انسان کا بلکہ ہر جاندار کا مکمل ڈی، این، اے جسے (GENOME) کہتے ہیں، یکتا ہوتا ہے، انسان کے مکمل ڈی، این، اے کے تجزیہ کے لئے ۱۹۹۰ء سے منظم ومربوط پیمانہ پر تحقیقاتی یافت کا آغاز ہوا، اور ستمبر ۲۰۰۳ء میں (HUMAN GENOME) تقریباً پچانوے فیصد حصہ کا ڈرافٹ سائنسی دنیا کو معلوم ہوچکا ہے، آج ۲۰۰۵ء کی ابتدا میں انسانی خصوصیات کے مکمل بیان پر مبنی کل تین ارب کیمیاوی حروف یعنی (A.T.C.& G) کی صحیح ترتیب جو موروثی اکائیوں یعنی جینز کا مکمل سالماتی عکس (COMPLETE MOLECULAR BLUE PRINT) ہے، سائنسی دنیا کو معلوم ہوچکی ہے، اور ایک نئی سائنس وجود میں آچکی ہے، جس کو جینومکس کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، یہ نئی سائنس جینیٹک انجینیرنگ بایو ٹیکنالوجی اور کمپیوٹر سائنس کی مرہون منت ہے۔

یورپ اور امریکہ میں جنیٹک ٹیسٹ اور جنیٹک کاؤنسلنگ کی روشنی میں خاندانی منصوبہ بندی (REAL FAMILY (PLANNIG) اب عام سی ہوگئی ہے، اور اس میں اسقاط کا مسئلہ بھی زیر بحث نہیں آتا، زوجین جو فیصلہ بھی کرتے ہیں، علم کی روشنی میں کرتے ہیں، اور منفی ومثبت سبھی پہلوؤں کو وزن دیتے ہوئے استقرار حمل چاہتے ہیں یا نہیں، اسی کے مطابق تدبیریں کرتے ہیں، ناقص جنین کو بدل کر فعال جنین کی پیوندکاری جنین تھراپی (GENE THARAPY) کہلاتی ہے، جلد ہی اس طریقۂ علاج میں کامیابی کے امکانات مزید روشن ہوتے نظر آتے ہیں۔

اسٹیم خلیے

اسٹیم خلیے (STEM CELLS) کی تفصیلات سے بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد مشاہد عالم رضوی سینیر لکچرار ڈیپارٹمنٹ آف بایو سائنسز جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی رقم طراز ہیں:

"ہمارے جسم میں خلیوں کا مقام ایسا ہی ہے کہ جیسے کسی بڑی عمارت میں اینٹ کا، خلیوں میں زندگی کی علامت ہوتی ہے، لہٰذا اس کا موازنہ کسی اور چیز کے ساتھ بہت درستگی سے نہیں کیا جا سکتا، پیدائش سے قبل نر اور مادہ اکائیاں (زواج) آپس میں ملکر ایک خلیہ جسے زائیگوٹ (ZYGOTE)، کہتے ہیں، بناتے ہیں، یہی زائیگوٹ تقسیم ہو کر دو، پھر چار، پھر آٹھ خلیے اور بتدریج ایک مکمل انسان کو جنم دیتے ہیں، یہ عمل بہت مشکل، مگر بہت تیز اور بڑی ضابطگی سے رواں دواں ہوتا ہے، ایک خلیہ والے زائیگوٹ سے جب خلیوں کی ایک گنبد بنتی ہے، تو اس حالت تک کے خلیوں میں جسم کے کسی بھی عضو کو تشکیل دینے کی صلاحیت ہوتی ہے، ٹھیک اسی طرح جیسے زائیگوٹ میں مکمل انسان کو مکمل تشکیل دینے کی صلاحیت ہوتی ہے، ایسے تمام خلیوں کو جو تفریق (DIFFER ENTTION) کے راستوں کو اپنا کر کسی مخصوص شکل کی جانب اپنی سمت کو طے کر سکتی ہے، ہم اسٹیم خلیے کہتے ہیں، جیسے ماں کے رحم میں پلنے والے بچے کے مختلف اعضاء کی تشکیل ایک بار تفریق ہو جانے پر وہ خلیے اس عضو کے علاوہ دوسرے اعضاء نہیں بنا سکتی ہیں، جیسے پھیپھڑے بنانے والا خلیہ گردہ یا دماغ نہیں بنا سکتا، اسی طرح جگر سے متعلق خلیہ ہڈی نہیں بنا سکتا، اس کو ہم اس طرح بھی سمجھ سکتے ہیں، جیسے کوئی ٹرین کسی ریلوے کے جنکشن پر پہونچ کر کئی ممکن راستوں پر جا سکتی ہے، مگر جب وہ ایک راستہ اختیار کر لیتی ہے، تو دوبارہ وہ اپنی پٹری نہیں بدل سکتی۔

اسٹیم خلیوں کے ذرائع

کم از کم تین مختلف ذرائع سے ہم اسٹیم خلیوں کو حاصل کر سکتے ہیں، ان میں سب سے اہم ذریعہ ہے براہ راست ایک سے دو ہفتہ پرانے جنین (EMBRYO) سے جب بلاسٹوسسٹ (BLASTOCYST) کا وجود ظہور میں آتا ہے، دوسرا ذریعہ پیدائش کے فوراً بعد پلاسٹا یا بچے کی ناف

کاٹنے کے بعد حاصل ہونے والا خون ہے، تیسرا ذریعہ ہماری ہڈیوں کے گودے (BONE MARSLW)ان کے علاوہ بالوں کی جڑیں (HAIR FOLLICLE) جلد کے نیچے کا حصہ چربی بردار خلیوں (FAT SELLS) سے بھی کچھ مقدار میں ایسے خلیے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

ہمارے خون کے سرخ وسفید ذرات کے علاوہ دیگر لحمی خلوی عناصر ہمہ وقت ہڈیوں میں پائے جانے والے اسٹیم خلیوں کی تفریق اور تقسیم کے باعث ہی وجود میں آتے ہیں، ان خلیوں کو پلوری پوٹنٹ (PLURI POTENT) یا ملٹی پوٹنٹ (MULTI POTENT) خلیوں کے درجہ میں رکھا جاتا ہے، صرف جنینی اسٹیم خلیے (EMBRYONIC STEM CELLS) ایک الگ درجہ کے ہوتے ہیں، اور ہم انہیں (TOTI POTENT) کہتے ہیں، اس طرح کے ٹوٹی پوٹنٹ خلیے ایک مکمل جاندار (عضویہ) کی تشکیل کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں، جبکہ بالغوں سے حاصل شدہ خلیوں میں یا ناف کے خون (CORD BLOOD) سے حاصل شدہ خلیوں میں ایسا نہیں ہوتا ہے، زبان کے خلیے چند اقسام میں ہی تفریق کرسکتے ہیں، کچھ مخصوص حالات میں یہ خلیے چند عضویایافت (TISSUE) کی تشکیل کرسکتے ہیں، اس وجہ سے ہی ان کو پلوری پوٹنٹ یا ملٹی پوٹنٹ کہتے ہیں۔

اسٹیم خلیوں کی معالجاتی اہمیت

گذشتہ چند سالوں کے درمیان طبی علوم میں اس قدر اضافہ ہوا ہے کہ ہم اب سیکڑوں قسم کی بیماریوں کا علاج کرنے کے لئے اسٹیم خلیوں (STEM CELLS) کا استعمال کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، ان بیماریوں میں ذہنی امراض، دل کے ریشی بافت یا پیس میکر (PACE MAKER) یا جلد وہڈیوں کے امراض سے لیکر جگر اور آنتوں تک کی مختلف قسم کی بیماریاں داخل ہیں، ان میں عموماً ہمارے جان لیوا امراض شامل ہیں۔

عموماً ہمارے جسم میں کسی نہ کسی گڑبڑی کے سبب ہمارے چند اعضاء قطعی طور پر بے کار ہو جاتے ہیں، اور ہم کو اپنی زندگی برقرار رکھنے کے لئے ان اعضاء کو دوسرے صحتمند اعضاء سے بدلنا پڑتا ہے، بدقسمتی

سے اعضاء کی منتقلی کافی قربت والے رشتہ داروں سے نہیں ہونے کی وجہ سے دوسرے غیر قربت داروں سے کی جاتی ہے، جو غلط ہی نہیں غیر صحت بخش بھی ہے، اسٹیم خلیوں کی آمد سے اب ان اعضاء کی پیوند کاری (ORGAN TRANSPLANTATION) آسان ہی نہیں کافی صحت بخش ہوگی، کیونکہ بدلے گئے اعضاء اب اسی شخص کے اپنے ہی جسم کے خلیوں سے بنائے جاسکتے ہیں، یہاں پر یہ بتانا بھی بہت اہم ہے کہ پیوند کاری میں باہری عضو کی عدم قبولیت (GRAFT REJECTION) کا خطرہ ہی اس کے تکنیک کو کامیابی سے ہم کنار ہونے میں رکاوٹ بنتا رہا ہے، کیونکہ ہمارے اجسام میں ہمیشہ اپنے (SELF) اور غیر (NON SELF) کو پہچاننے کی صلاحیت ہوتی ہے، اور ہمارا نظام مامونیت (IMMUNE SYSTEM) ہمیشہ باہر سے آئی ہوئی کسی بھی چیز کو اپنے اندر برداشت نہیں کرتا، اسکے خلاف سخت مدافعت کرتا ہے، اور ہمیں عموماً بیماری کی جراثیم سے محفوظ رکھتا ہے۔

اسٹیم خلیے جو جنین یا (EMBRYO) سے دستیاب ہوتے ہیں، ان میں مامونیت کی بنیاد پر گرافٹ ریجکشن (GRAFT RETECTION) کے آثار نہیں کے برابر ہوتے ہیں، اور ڈیفرینٹیشن یا تفریق کا دائرہ سب سے زیادہ ہوتا ہے، جبکہ خود کے اسٹیم سیلز میں بھی تفریق کا دائرہ اتنا وسیع نہیں ہوتا، ہاں وہاں پر (GREFT REJECTION) کے آثار بھی نہیں ہوتے ہیں۔

اب عموماً دونوں طرح کے خلیوں کا استعمال اسٹیم خلیوں کے ذریعہ علاج (STEM CELL THARAPY) میں ہو رہا ہے، چند اہم سائنس دانوں کا خیال یہ ہے کہ مستقبل میں (EMBRYONIC STEM CELL) یا جنین اسٹیم خلیوں کا حصول زیادہ آسان کر دیا جائے، تاکہ ہر فرد کے لئے اس کے خود کے جسم کو اپنا سمجھنے والے خلیے فراہم کئے جائیں، ایسا کرنے کے لئے دو راستوں کو اختیار کیا جاسکتا ہے، پہلی صورت میں پیدائش کے بعد ہی ہر بچہ کا (CORD BLOD) یا ناف کا خون محفوظ کر کے اس سے اسٹیم خلیوں کی ایک لائن یا نسل بنا کر محفوظ کر لی جائیں، جو اس بچہ کے مستقبل میں ہونے والی بیماریوں کا خیال رکھے، اور ضرورت پڑنے پر ہم اس کا استعمال کر سکیں، اس سے زیادہ ایک اور طریقہ ان دنوں سائنسی بحث کا موضوع بنا ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ کیوں نہ ہم ہر فرد کا ایک معالجاتی کلون بنالیں، اور بجائے

اس کے کہ وہ ماں کے رحم میں باضابطہ پلے، اور پھر پیدا ہو، اسکو صرف دو ہفتہ کی مدت میں ہی روک لیا جائے (عموماً رحم کے اندر منتقل ہونے سے قبل ہی) اور اس سے (STEEM CELLS) نکال لیا جائے، اور ان خلیوں کو محفوظ کر لیا جائے، اس طرح ہم اسی فرد خاص کے (DNA) یا جین (GENE) سے آراستہ خلیوں کو مستقبل کی بیماری میں علاج کا ذریعہ بنا سکتے ہیں، جیسے کہ اگر اس کی جلد جل گئی تو ان خلیوں کو کچھ اہم اجزاء دے کر جلد بنانے والی شکل میں تبدیل کیا جا سکتا ہے، یا اگر کوئی ہڈی بری طرح ٹوٹ گئی تو ان خلیوں کو ہڈی بنا نے والے خلیوں کی شکل میں تفریق (DIFFERENTAOTNOON) کروایا جا سکتا ہے، اسی طرح گردہ، تلی، آنت جیسے اعضاء میں بھی یہ خلیے بآسانی تفریق کر سکتے ہیں۔

اسٹیم خلیے پر ریسرچ اور بین الاقوامی نظریہ

جیسا کہ اس سے قبل ذکر آچکا ہے کہ اسٹیم خلیہ مختلف طریقوں سے حاصل کئے جا سکتے ہیں، مگر ایسے اسٹیم خلیے جو جنین یا (EMBRYO) سے حاصل کئے جاتے ہیں، وہ بڑی بحث کے حامل ہیں، سائنس دانوں کے علاوہ دیگر لوگوں جیسے مذہبی علماء، سماجی کارکن، اور حقوق زندگانی پر مبنی افراد کی جماعتوں میں اس بات پر اختلاف رائے ہے کہ آیا (EBRYONIC STEM CELL) پر ریسرچ کا جواز کس حد تک ہو نا چاہیئے؟ کچھ لوگ اس کو معالجات کی حد تک جائز اور روا مانتے ہیں، جبکہ دوسرے افراد سرے سے ہی اس طرح کے ریسرچ کو خارج کرتے ہیں، دونوں کی اپنی اپنی دلیلیں ہیں۔

دنیا کے چند ممالک ہی اس طرح کی ریسرچ سے وابستہ ہیں، جن میں امریکہ، برطانیہ، جنوبی کوریا کے علاوہ آسٹریلیا، اور اسرائیل کے نام قابل ذکر ہیں، یورپ میں برطانیہ کے علاوہ سویڈین، سوئیزرلینڈ میں یہ ریسرچ روا ہے، فن لینڈ، نیدرلینڈ، گرین لینڈ، اور انگلینڈ کے علاوہ دو ایسے ممالک ہیں جہاں انسانی) EMBRYO) کی تخلیق کو صرف اسٹیم خلیوں کے حصول کے لئے روا رکھا گیا ہے، کیلی فورنیا میں دنیا کا سب سے مہنگا ادارہ (CALIFORNIA INSTITUTE OF REGENRATIVE (MEDICINE قائم کیا گیا ہے، جو تین بلین ڈالر (فی الحال) اس طرح کے ریسرچ پر خرچ کرنے کے

لئے مختص کرچکا ہے۔

امریکہ کے دو صدارتی امیدوار پچھلے سال اس بات میں اختلاف رکھتے تھے کہ (EMBRYONIC STEM CELL) پر ریسرچ ہوگی یا نہیں؟ جارج بش اس کے مخالف رہے ہیں اور چند شرائط کے ساتھ وہاں کی حکومت نے اس کا جواز رکھا ہے۔

یوکے (برطانیہ) نے انسانی (EMBRYO) کی تخلیق کو ریسرچ کے لئے جائز قرار دیتے ہوئے چند قوانین بنائے ہیں کہ ایسے ریسرچ کا دائرہ کیا ہوسکتا ہے، وہ یہ ہیں:

(۱) انسانوں میں FERTILITY (بچے پیدا کرنے کی صلاحیت) یا اس سے جڑے علوم میں اضافہ۔

(۲) پیدائشی بیماریوں کے علوم میں اضافہ۔

(۳) قدرتی اسقاط حمل کی وجوہات کو سمجھنا۔

(۴) آبادی کی روک تھام میں اضافہ کی تکنیک میں جدت اور بہتری۔

(۵) جنین (EMBRYO) کو ماں کے بطن میں ڈالنے سے قبل جین (GENE) یا کروموزوم کی سطح پر نقص معلوم کرنے کے طریقہ میں بہتری کرنا۔

(۶) EMBRYO کے ڈیولپمینٹ سے جڑی ہوئی جانکاری میں اضافہ کرنا ہے۔

(۷) خطرناک اور جان لیوا بیماریوں کے بارے میں علوم میں اضافہ۔

(۸) اور اس طرح کی جانکاری کی بنیاد پر ان کے علاج کو ڈھونڈنا۔

ماہرین کی تحریرات سے اس قدر طویل اقتباسات اس لئے پیش کئے گئے تاکہ زیر بحث موضوع کا ضروری تعارف سامنے آجائے اور صورت مسئلہ واضح ہوجائے۔

اسلام نئی تحقیقات کی حوصلہ افزائی کرتا ہے

یہاں سب سے پہلے بنیادی طور پر یہ بات ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ اسلام اس قسم کی تحقیقات اور

دریافتوں پر پابندی عائد نہیں کرتا، بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، اور ان سے استفادہ کی دعوت دیتا ہے، قرآن وحدیث کی متعدد نصوص میں اس جانب رہنمائی کی گئی ہے، مثلاً:

واللہ اخرجکم من بطون امہاتکم ، لا تعلمون شیئا ، وجعل لکم السمع والأبصار والافئدۃ لعلکم تشکرون[1026]"

ترجمہ: اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے پیدا کیا، تم کچھ نہیں جانتے تھے، اور تمہارے لئے کان، آنکھ، اور دل بنائے، تاکہ تم شکر ادا کرو۔

☆"سنریھم آیاتنا فی الآفاق و فی انفسھم حتیٰ یتبین لھم انہ الحق"[1027]

ترجمہ: بہت جلد ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں اور خود ان کے اندر دکھلائیں گے، تا کہ ان پر حقانیت واضح ہو جائے۔

☆والراسخون فی العلم یقولون آمنا بہ کل من عند ربنا وما یذکر الا اولوا الباب"[1028]

ترجمہ: پختہ اور گہرے علم والے لوگ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ اور ان میں سے ہر چیز ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے، اور نصیحت وعبرت تو صرف عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں۔

☆"ولیعلم الذین اوتوا العلم انہ الحق من ربک"[1029]

ترجمہ: تاکہ اہل علم جان لیں کہ یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے۔

----- حواشی ---

[1026]۔ النحل: الآیۃ ۷۸

[1027]۔ فصلت: ۵۳

[1028]۔ آل عمران: الآیۃ ۷

[1029]۔ الحج: الآیۃ ۵۴

☆"انما یخشیٰ اللہ من عبادہ العلماء"[1030]

ترجمہ: اللہ کا خوف انہی بندوں کو ہوتا ہے، جن کو زیادہ سے زیادہ علم و معرفت حاصل ہو۔

☆"قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون انما يتذكر اولوا الباب"[1031]

ترجمہ: آپ فرمادیں کہ کیا اہل علم اور بے علم برابر ہوسکتے ہیں، عبرت، وموعظت تو صرف اہل عقل وشعور کے لئے ہے۔

☆"یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات"[1032]

ترجمہ: اللہ تعالی اہل ایمان اور اصحاب علم کے درجات بلند فرماتے ہیں۔

اس مضمون کی آیات قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں، جن میں انسانوں کو علم و تحقیق کی طرف آگے بڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے، آفاق وانفس کے مطالعہ کی دعوت دی گئی ہے، اوران پوشیدہ علمی حقائق کو مثبت مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی تلقین کی گئی ہے، احادیث میں بھی یہ مضمون مختلف پیرایۂ بیان میں آیا ہے، بطور نمونہ چند حدیثیں پیش ہیں:

"عن ابی الدرداء قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم من سلک طریقا یلتمس بہ علما سهل اللہ لہ طریقا الی الجنۃ، وان الملائکۃ لتضع اجنحتها لطالب العلم رضی بما یصنع وان العالم لیستغفر لہ من فی السمٰوات و من فی الارض حتی الحیتان فی الماء وفضل العالم علی العابد کفضل القمر علی سائر الکواکب وان العلماء ورثۃ الانبیاء "رواہ ابو داؤد و

----- حواشی --

1030 ۔ الفاطر: الآیۃ ۲۸

1031 ۔ الزمر: الآیۃ ۹

1032 ۔ المجادلۃ: الآیۃ ۱۱

الترمذی وابن ماجہ وابن حبان فی صحیحہ والبیہقی [1033]"

ترجمہ: حضرت ابو الدرداءؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص علم کی طلب و جستجو کی راہ پر چلے گا اللہ اسکے لئے جنت کا راستہ آسان فرمادے گا، اور بلاشبہ فرشتے اپنے پر ہر طالب علم کے لئے بچھادیتے ہیں، اس طرح عالم کے لئے آسمان وزمین کی تمام چیزیں یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں بھی دعائے مغفرت کرتی ہیں، عالم کی فضیلت عابد کے مقابلہ میں اسی طرح ہے، جس طرح چاند کو تمام ستاروں پر فضیلت حاصل ہے، اور بالیقین علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

☆ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم [1034]"

ترجمہ: علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

☆ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

"لا حسدالافی اثنین، رجل أ تاہ اللہ مالا فسلطہ علی هلکتہ فی الحق ، ورجل أتاہ اللہ الحکمۃ فھو یقضی بھاویعلمھا [1035]"

ترجمہ: صرف دو شخص قابل رشک ہیں: (۱) ایک وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا اور پھر اسکو راہ حق میں خرچ کرنے کی توفیق دی، (۲) دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے حکمت سے نوازا پھر وہ اس علم سے تعلیم اور قضاء کا کام انجام دے۔

خلقت انسانی کے مراحل قرآن کی روشنی میں

اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آج سائنس جن حقائق کے انکشاف کا دعوی کر رہی ہے،

----- حواشی -----

1033 ۔ الفتح الکبیر ج ۳ ص / ۱۹۹، الترغیب والترھیب ج ۱ ص / ۹۴

1034 ۔ سنن ابن ماجہ ج ۱ ص / ۸۱، الفتح الکبیر ج ۲ ص ۱۳، الترغیب والترھیب ج ۱ ص / ۹۶

1035 ۔ صحیح بخاری ج ۱ ص / ۳۹، صحیح مسلم ج ۶ ص / ۹۷، الفتح الکبیر ج ۳ ص / ۳۴۳

قرآن کریم میں ان کیلئے بہت قبل سے اشارات موجود ہیں، ضرورت ہے کہ ان اشارات کو سمجھا جائے، اور ان پر عمل کیا جائے، خلقت انسانی کے جن اہم ترین نکات کی طرف سائنس نے توجہ کی ہے، اور انسان کے داخلی مطالعہ کی جانب جو پیش رفت کی ہے، قرآن اس پر انسانی دنیا کو پہلے ہی متنبہ کر چکا ہے، قرآن کریم میں متعدد آیات موجود ہیں، جن میں انسان کے تخلیقی مراحل و مدارج اور ان کی نزاکتوں کے تعلق سے واضح ہدایات موجود ہیں مثلاً:

☆"الذی احسن کل شئ خلقہ وبدأخلق الانسان من طین[1036]"

ترجمہ: اللہ ہی نے ہر چیز کو بہتر سے بہتر طور پر پیدا کیا، اور انسان کی خلقت کا آغاز گارے مٹی سے کیا۔

☆"یٰأیہاالناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منہازوجہا و بث منہما رجالاً کثیراً ونساءً واتقوا اللہ الذی تساء لون بہ والأرحا م ان اللہ کان علیکم رقیبا"[1037]

ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس ایک جان سے اس کا جوڑا بنایا، اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیئے، اور ڈرو اللہ سے جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، اور قرابتوں کا لحاظ کرو، بے شک اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔

☆"خلق الانسان من نطفۃ[1038]"

ترجمہ: انسان کی پیدائش ایک نطفہ سے ہوئی۔

☆"ومن آیاتہ ان خلقکم من تراب ثم اذاانتم بشر تنتشرون[1039]"

----- حواشی -----

[1036] ۔ السجدہ:۷

[1037] ۔ النساء:۱

[1038] ۔ النحل:۴

[1039] ۔ الروم:۲۵

ترجمہ: اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ تم کو اس نے مٹی سے پیدا کیا، پھر تم انسانی صورت میں روئے زمین پر پھیل گئے.

☆"وھو الذی خلق من الماء بشرا[1040]"

ترجمہ: اور اللہ ہی نے پانی سے انسان کو پیدا کیا۔

☆"ھو الذی خلقکم من طین[1041]"

ترجمہ: اللہ ہی نے تم کو گاڑے سے پیدا کیا۔

☆"واللہ خلقکم من تراب ثم من نطفۃ ثم جعلکم ازواجا[1042]"

ترجمہ: اور اللہ ہی نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر تمکو جوڑا جوڑا بنایا۔

☆"ھل أتیٰ علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئاً مذکوراً، اناخلقناالانسان من نطفۃ امشاج نبتلیہ فجعلنا ہ سمیعا بصیراً [1043]"

ترجمہ: انسان پر ایک ایسا لمحہ بھی آیا ہے کہ جب اس کا چرچا نہیں تھا، بے شک ہم نے انسان کو ایک مرکب نطفہ سے پیدا کیا، اس کو پلٹتے رہے پھر اس کو ایک سننے اور دیکھنے والی مخلوق بنادیا۔

☆"خلق من ماء دافق یخرج من بین الصلب والترائب[1044]"

ترجمہ: انسان کی پیدائش ایک کودتے ہوئے پانی سے ہوئی، جو چھاتی اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے۔

----- حواشی ---

1040 ۔ الفرقان:۵۴

1041 ۔ الانعام:۲

1042 ۔ الفاطر:۱۱

1043 ۔ الدھر:۲،۱

1044 ۔ الطارق:۶،۷

☆یخلقکم فی بطون امھاتکم خلقا من بعد خلق فی ظلمات ثلاث[1045]"

ترجمہ: تمہاری خلقت کا عمل تمہاری ماؤں کے پیٹ میں مرحلہ در مرحلہ تین اندھیریوں کے بیچ پورا ہوتا ہے۔

☆ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ ایک عورت نے سرکار دوعالم ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ حق بات سے نہیں شرماتا، کیا عورت کو احتلام ہو جائے تو اس پر غسل واجب ہوگا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! اگر پانی دکھائی دے، حضرت ام سلمہؓ اس پر ہنس پڑی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھر بچہ کس بنیاد پر ماں کے مشابہ ہوتا ہے؟[1046]۔

ڈی این اے ٹسٹ - مسائل واحکام

ان تمہیدی مباحث کے بعد اب ہم ان فقہی مسائل کی جانب توجہ کرتے ہیں، جو جینیٹک سائنس کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں، ڈی، این، اے ٹیسٹ اس دور کا سب سے زیادہ معتبر اور آسان ذریعۂ شناخت ہے، اس کے ذریعہ مطلوبہ انسان تک بڑی آسانی سے رسائی ہو جاتی ہے، سائنس کا دعوی ہے کہ ہر آدمی کا ڈی این اے الگ ہوتا ہے، اور کبھی دو آدمیوں کا ڈی، این، اے ایک نہیں ہو سکتا، البتہ امکانی حد تک یہ بات کہی گئی ہے کہ چونسٹھ ملیار انسانوں میں ایک ڈی، این، اے دوسرے کی طرح ہو سکتا ہے، مگر روئے زمین کی کل آبادی چھ ملین سے زیادہ نہیں ہے، اس لئے فی الوقت کسی بھی دو شخصوں کے ڈی، این، اے میں یکسانیت کا امکان نہیں ہے[1047]"

----- حواشی---

[1045] ۔ الزمر: ٦

[1046] ۔ بخاری شریف: ج ١ص / ٨٠، ٤٦٠ و مسلم شریف ج ١ص / ٧٢ او نسائی: ج ١ص / ٤٢

[1047] ۔ البصمۃ الوراثیۃ ومجالات الاستفادۃ منھا، وھبہ زحیلی: ص / ١٦

ڈی این اے ٹسٹ سے ثبوت نسب

ا:-ڈی این اے کی بنیاد دراصل علم التوارث اور خاندانی مشابہتوں پر ہے، اور ہر بچہ اپنے باپ اور ماں سے جو کروموزوم حاصل کرتا ہے، وہ تاحیات اسکے اندر موجود ہوتے ہیں، اس لئے ڈی، این، اے ٹیسٹ کو اب ثبوت نسب کے لئے استعمال کیا جارہا ہے، کبھی متنازع مسائل میں والدین کی تعیین کے لئے بھی ڈی، این، اے ٹیسٹ کرایا جاتا ہے۔

علماء ہند کے یہاں اس سلسلے میں کوئی خاص بحث نہیں آئی ہے، لیکن عرب اور یورپ وامریکہ کے علماء نے اس موضوع پر اچھا خاصا کام کیا ہے، کچھ علماء ثبوت نسب کے معاملے میں ڈی، این، اے ٹیسٹ کو مؤثر اور حجت شرعی تسلیم نہیں کرتے، ان کے نزدیک نسب کا معاملہ بہت نازک ہے، اسی لئے قطعی اور روایتی ثبوتوں کے علاوہ کسی اور ذریعہ کو معیار قرار دینے کو احتیاط کے خلاف کہتے ہیں۔

مگر زیادہ تر علماء محققین نے ثبوت نسب کے باب میں اس کو معتبر ذریعہ کے طور پر قبول کیا ہے، البتہ بعض علماء نے اس کو علی الاطلاق معتبر مانا ہے، جبکہ بہت سے علماء نے اس میں کچھ قیود وشرائط کا اضافہ کیا ہے، جو بالعموم کتب فقہیہ میں "قیافہ "اور قرعہ "کے ذیل میں ذکر کئے گئے ہیں۔

اس سلسلے میں کسی صحیح نتیجہ تک پہونچنے کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ اسلام کے نزدیک ثبوت نسب کے معیار، اس کے اسباب ووسائل اور اس باب میں قرائن کی اہمیت وحقیقت پر ایک اجمالی نظر ڈالی جائے:

اسلام میں نسب کی اہمیت

نسب، اصطلاح میں دو شخصوں کے درمیان قرابت کے اس رشتے کو کہتے ہیں، جو ولادت کی بنا پر قائم ہو، خواہ وہ مرد ہو، یا عورت، نسب کا عام مفہوم یہی ہے، البتہ نسب کا اطلاق بالعموم باپ کے رشتہ پر ہوتا ہے، ماں کے رشتہ پر نہیں، اس لئے کہ شرعی اور عرفی طور پر بچہ باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے، ماں کی طرف نہیں، اس سے لعان اور زنا دو حالتوں کا استثنا ہے۔

شریعت نے نسب کی بڑی رعایت کی ہے، اور اسکی حفاظت کے لئے ہر ممکن اہتمام کیا ہے، اور فقہی اصطلاح میں نسب کو شریعت کے پانچ (یا چھ علی اختلاف الاقوال) بنیادی مقاصد میں شمار کیا گیا ہے، جن کے لئے زندگی کے تمام وسائل صرف کئے جاتے ہیں، اور جن کی بقاء وحفاظت کے لئے بڑی سی بڑی قربانی کی گنجائش ہے، خود قرآن نے رشتوں کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے:

☆واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض فی کتاب الله [1048]"

ترجمہ: اور خدائی قانون کے مطابق رشتہ دار باہم ایک دوسرے کے زیادہ مستحق ہیں۔

☆یا ایها الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة و خلق منها زوجهاو بث منهما رجالاً کثیراً و نساءاً و اتقوا الله الذی تساءلون به والارحام ان الله کا ن علیکم رقیباً[1049]"

ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا، اور پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورت زمین پر پھیلا دیئے، اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، اور رشتوں کے بارے میں بھی اللہ سے ڈرو، یقیناً اللہ تمہارا نگہبان ہے، (جو تمہاری ایک ایک حرکت کو دیکھ رہا ہے۔

☆الله جعل لکم من انفسکم ازوا جاوجعل لکم من ازواجکم بنین وحفدة و رزقکم من الطیبات أفبالباطل یؤمنون و بنعمت الله هم یکفرون[1050]"

----- حواشی---

[1048] ۔ انفال: الآیۃ ۷۵

[1049] ۔ النساء الایۃ ا

[1050] ۔ النحل: ۷۲

ترجمہ: اور اللہ نے تمہارے لئے تمہیں میں سے جوڑے بنائے، اور تمہارے لئے تمہارے جوڑوں سے بیٹے اور پوتے پیدا کئے اور تم کو پاک روزی عنایت کی، کیا پھر بھی یہ باطل پر ہی ایمان لائیں گے، اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کریں گے۔

رشتوں کے اس احترام کی بنا پر شریعت نے قطعی اسکی اجازت نہیں دی کہ کوئی ایسا بچہ سوسائٹی میں موجود ہو جو غیر ثابت النسب ہو، یا کہ کوئی شخص ثابت النسب ہونے کے باوجود اپنے کو اپنے باپ سے منسوب نہ کرے، یا دوسرے کی اولاد کو اپنی اولاد قرار دے، رشتوں کی تبدیلی یا تبادلہ کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے، رشتے تمام اللہ کے پیدا کردہ ہیں، اور اللہ کی خلقت میں تبدیلی ممکن نہیں، قرآن کریم میں متبنیٰ کو حقیقی اولاد کا درجہ دینے پر نکیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

☆وماجعل ادعیاءکم ابناءکم ذلکم قولکم بأفواھکم واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل ادعوھم لآبائھم ھو اقسط عند اللہ فان لم تعلموا آبائھم فاخوانکم فی الدین وموالیکم[1051]"

ترجمہ: تمہارے منہ بولے بیٹوں کو اللہ نے تمہارے لئے اولاد قرار نہیں دیا، یہ صرف تمہارے منہ کی باتیں ہیں، اور اللہ حق ارشاد فرماتا ہے اور وہی صحیح راستے کی ہدایت دیتا ہے، تم ان بچوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو، یہی اللہ کے نزدیک درست بات ہے اور اگر تم کو ان کے باپ کا علم نہ ہو تو وہ پھر تمہارے دینی بھائی اور غلام ہیں۔

حضرت رسول کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ:

"ایما رجل جحد ولدہ وھوینظر الیہ احتجب اللہ عنہ یوم القیامۃ

----- حواشی ---

[1051] ۔ الاحزاب:۵،۴

وفضحه على رؤس الاولين و الآخرين[1052]"

ترجمہ: جو شخص اپنی اولاد کا جان بوجھ کر انکار کرے اللہ قیامت کے دن اس سے اپنا منہ موڑ لے گا اور بر سر عام اس کو رسوا کرے گا جبکہ اولین و آخرین کا سب سے بڑا مجمع ہو گا۔

ثبوت نسب کی معتبر بنیاد

شریعت اسلامی میں ثبوت نسب کے لئے فی زمانہ صرف ایک ذریعہ ہے، یعنی عقد نکاح، قدیم زمانہ میں جب غلامی کا رواج تھا، استیلاد بھی ایک اہم ذریعہ نسب تھا، یعنی کوئی شخص کسی باندی کو خرید کر اس سے جنسی تعلق قائم کرتا تھا، اور وہ اس سے اولاد پیدا ہوتی تھی، لیکن اب ساری دنیا سے وہ مروجہ غلامی ناپید ہو چکی ہے، اس لئے اب ثبوت نسب کے لئے نکاح کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعہ شرعی باقی نہیں رہ گیا ہے۔

نکاح اگر صحیح طور پر ہو یعنی اس کے تمام حدود وارکان کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہو تو عقد نکاح سے چھ (٦) ماہ کی مدت کے بعد پیدا ہونے والا بچہ بالاجماع ثابت النسب ہو گا، اور عورت کا شوہر ہی اسکے بچہ کا باپ قرار پائے گا، اور اسکی بنیاد وہ مشہور روایت ہے جو حدیث کی کتابوں میں آئی ہے۔

"الولد للفراش و للعاهر الحجر[1053]"

ترجمہ: بچہ فراش کا ہو گا اور زانی کے حصے میں پتھر (یا محرومی) ہے۔

اس حدیث کے مضمون سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نسل کے معاملہ میں اصل چیز فراش صحیح ہے۔

فراش صحیح کے بعد ناجائز بچہ بھی صاحب فراش کا جائز بچہ متصور ہو گا، اور فراش کے ہوتے ہوئے

----- حواشی---

[1052] ـسنن أبي داود ج 2 ص 246 حديث نمبر :2265 المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي . بيروت عدد الأجزاء : 4 مصدر الكتاب : وزارة الأوقاف المصرية وأشاروا إلى جمعية المكنز الإسلامي [ملاحظات بخصوص الكتاب]1- موافق للمطبوع

[1053] ـ بخاری مع فتح الباری کتاب البیوع: ج۴ ص/۴۱۱ صحیح مسلم کتاب الرضاع: ج۲ ص/۱۰۸۱

نہ جنسی تعلق کی بات زیر بحث آئے گی، اور نہ بچہ کی شکل وشباہت دیکھی جائے گی، بچہ ہر حال میں صاحب فراش کا ہو گا، یعنی قرائن اگر صاف طور پر بھی بتاتے ہوں کہ بچہ ناجائز طور پر پیدا ہوا ہے، جب بھی فراش صحیح کے مقابلے میں ان قرائن کا کوئی اعتبار نہ ہو گا۔

اسی پس منظر میں رسول اکرم ﷺ سے منقول یہ روایات ہیں جو حدیث کی معتبر کتابوں میں آئی ہیں:

(۱) بخاری و مسلم دونوں کتابوں میں ایک روایت آئی ہے کہ ایک شخص رسول اکرم ﷺ کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری بیوی کو ایک کالا کلوٹا بچہ پیدا ہوا ہے، (یعنی خود اس کا رنگ صاف تھا، اسکو یہ کالا بیٹا کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟، شبہ ہے کہ اس کی بیوی نے کسی ناجائز تعلق کی بنا پر یہ بچہ جنم دیا ہے)، نبی کریم ﷺ نے اس کے سوال کا مطلب سمجھتے ہوئے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے عرض کیا ہاں! حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان کا رنگ کیسا ہے؟ اس نے کہا سرخ، آپ نے پوچھا کہ کیا کوئی اونٹ خاکستری رنگ کا بھی ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں! آپؐ فرمایا یہ رنگ کہاں سے آیا، اس نے کہا شاید اوپر کی کسی رگ سے یہ رنگ کشید ہوا ہو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہی امکان تمہارے بیٹے میں بھی ہو سکتا ہے[1054]۔

(۲) اسی طرح ایک روایت حضرت عائشہؓ صدیقہؓ نقل فرماتی ہیں کہ سعد بن ابی وقاصؓ اور عبد اللہ ابن زمعہؓ ایک لڑکے کے سلسلے میں مقدمہ لیکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، سعدؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ لڑکا میرے بھائی عتبہ کا لڑکا ہے، میرے بھائی نے مجھے یہ بتا دیا تھا کہ یہ میرا لڑکا ہے، آپ ﷺ اس بچہ کی شکل ملاحظہ فرمالیں، ان کے بالمقابل عبد بن زمعہ کا دعوی تھا کہ یہ میرا بھائی ہے، اس لئے کہ اسکی ماں میرے بھائی کی فراش تھی، حضور اکرم ﷺ نے غور فرمایا تو بچہ واقعۃً عتبہ کے مشابہ تھا، لیکن آپ ﷺ نے عبد بن زمعہ کے حق میں فیصلہ کیا اور فرمایا کہ بچہ فراش کا ہو گا، اور زانی کو صرف پتھر

----- حواشی ---

1054 ۔ صحیح البخاری مع فتح الباری: ج۹ص / ۴۴۲و مسلم: ج۲ص / ۱۱۲۷، ۱۱۲۸

ملے گا[1055]۔

ان دونوں واقعات میں حضور اکرم ﷺ نے فراش کے مقابلے میں ظاہری رنگ و روپ کا اعتبار نہیں فرمایا اور بچہ کی نسبت فراش کی طرف فرمائی۔

شریعت اسلامیہ کا یہی وہ مزاج ہے جس کی بنا پر حضرت امام ابو حنیفہؒ نے یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ اگر نکاح صحیح کے بعد میاں بیوی کے درمیان جنسی تعلق معلوم نہ ہو بلکہ بظاہر حال ممکن بھی نہ ہو تو بھی چھ ماہ کے بعد پیدا ہونے والا بچہ اس کے شوہر سے ہی ثابت النسب قرار پائے گا۔

دوسرے فقہاء کو اس سے اختلاف ہے، مگر امام ابو حنیفہؒ کی رائے شریعت کے مزاج سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔

اگر عقد نکاح فاسد طور پر انجام پذیر ہو یعنی اس کی ضروری شرائط کی تکمیل نہ کی گئی ہو، اس صورت میں بھی بچہ ثابت النسب ہو گا، بشرطیکہ فساد نکاح علماء کے درمیان مختلف فیہ ہو، یا نکاح باطل طور پر انجام دیا گیا ہو، مگر شوہر کو اس کی حرمت کا علم نہ ہو، اور اگر فساد نکاح متفق علیہ ہو اور حد زنا سے فروتر ہو تو بھی بچہ ثابت النسب ہو گا[1056]۔

اس تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ نسب کے باب میں اسلامی قانون کس قدر حساس اور محتاط ہے

ثبوت فراش کے ذرائع

ثبوت نسب کا حقیقی ذریعہ تو صرف فراش ہے جو نکاح سے حاصل ہو، مگر فراش کے ثبوت اور علم کے لئے فقہ اسلامی میں چند ذرائع اور قرائن کا اعتبار کیا گیا ہے:

(۱) اعلان عام: فراش کا عام طور پر لوگوں کو علم ہو، اور بچہ کی ولادت بھی معروف ہو تو بچہ ثابت النسب ہو گا، خواہ شوہر اس کا اقرار کرے یا خاموش رہے، البتہ اگر انکار کرے تو لعان واجب ہو گا، اور لعان

----- حواشی -----

[1055] ۔ صحیح البخاری مع فتح الباری: ج۱۲ص / ۵۲

[1056] ۔ مواهب الجلیل: ص / ۲۴۹. وحاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر: ج۳ص / ۴۱۲

کی کاروائی کے بعد بچہ ماں کی طرف منسوب ہو گا (کما ہو معروف فی کتب الفقہ)

(۲) اقرار:- عام لوگوں کو نکاح کا علم نہ ہو لیکن باپ خود اقرار کرے کہ یہ میرا بیٹا یا بیٹی ہے، تو اقرار سے بھی نسب ثابت ہو گا اس کے لئے درج ذیل شرائط کی تکمیل ضروری ہے:

(الف) بچہ مجہول النسب ہو، یعنی اس کے باپ کا کسی کو علم نہ ہو، مثلا لاوارث بچہ۔

(ب) اس کا اقرار عقل و عرف کے معیار پر صحیح اترتا ہو، یعنی دونوں کی عمروں کے درمیان اتنا تفاوت ہو کہ والد و اولاد کا رشتہ قائم ہو سکتا ہو۔

(ج) لڑکا اس اقرار کا منکر نہ ہو، بشرطیکہ لڑکے میں اقرار کی اہلیت پیدا ہو گئی ہو۔

(د) اس بچہ کے کئی دعوے دار نہ ہوں، کئی دعوے داروں کی صورت میں کسی کا دعوی معتبر نہ ہو گا، البتہ اگر کسی کے پاس اپنے دعویٰ کی صداقت کے لئے کوئی وجہ ترجیح ہو تو قابل قبول ہو گا[1057]۔

(۳) شہادت:- نسب کا ثبوت دو مردوں کی شہادت سے بھی ہوتا ہے، اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ، اسی طرح بعض فقہاء کے نزدیک ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے بھی ثبوت نسب ہوتا ہے، البتہ ثبوت ولادت کے لئے ایک عورت کی شہادت بھی کافی ہے، یہی زیادہ تر فقہاء کی رائے ہے[1058]۔

(۴) قیافہ:- قیافہ کا لغوی معنی آثار کی تلاش ہے، تاکہ مشابہت اور رنگ وروپ کے ذریعہ کسی کے باپ یا بیٹے کا سراغ لگایا جاسکے[1059]۔

اور فقہی اصطلاح میں قائف ایسے شخص کو کہتے ہیں جو اپنی فراست اور بچہ کے اعضاء کے جائزہ سے اس کے نسب کا پتہ چلائے[1060]۔

----- حواشی ---

[1057] ۔ حاشیۃ ابن عابدین: ج ۴ ص / ۴۶۵، مواھب الجلیل: ج ۵ ص / ۲۲۵، حاشیۃ الدسوقی: ج ۳ ص / ۴۱۶، المھذب: ج ۲ ص / ۲۵۲، نھایۃ المحتاج: ج ۵ ص / ۱۰۹، ۱۰۶، المغنی لابن قدامہ: ج ۵ ص / ۱۹۹

[1058] ۔ فتح القدیر: ج ۶ ص / ۷، المبسوط: ج ۱۶ ص / ۱۱۵، ۱۴۳، حاشیۃ الدسوقی: ج ۴ ص / ۱۸۷، وتبصرۃ الحکام: ج ۱ ص / ۲۶۵

[1059] ۔ لسان العرب اور القاموس المحیط مادہ قوف

[1060] ۔ التعریفات للجرجانی: ص / ۱۷۱

ثبوت نسب کے باب میں قیافہ کا اعتبار ہے یا نہیں، یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے، فقہاء احناف اس کا اعتبار نہیں کرتے[1061] جبکہ شافعیہ اور حنابلہ اور مالکیہ (فی الجملہ) اس کا اعتبار کرتے ہیں[1062]۔

جمہور فقہاء نے اپنے موقف کی بنیاد بعض روایات پر رکھی ہے:

(۱) حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو بہت خوش تھے، خوشی سے آپ کا چہرۂ انور دمک رہا تھا، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ مجزز (ایک قیافہ شناس) نے ابھی زید بن حارثہؓ اور اسامہ بن زیدؓ کو کہا ہے کہ یہ قدم ایک دوسرے سے ہیں، حضور ﷺ کو یہ خوشی اس لئے ہوئی تھی کہ عہد جاہلیت میں کچھ لوگ حضرت اسامہؓ کے نسب کے بارے میں نکتہ چینی کر تے تھے، اس لئے کہ ان کا رنگ انتہائی سیاہ تھا، جبکہ حضرت زیدؓ روئی کی طرح صاف تھے[1063]۔

اس روایت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک قیافہ شناس کے قول کو حجت کے طور پر قبول فرمایا، حالانکہ اس مسرت کی توجیہ یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ اہل جاہلیت چونکہ قیافہ کو مانتے تھے، اس لئے ایک قیافہ شناس کا قول خود انکے خلاف ہو گیا تھا، اور یہ خوشی ایک فطری بات تھی، گو ضروری نہیں ہے کہ اس کو شرعی حجت کے طور پر مانا گیا ہو۔۔اور غالبا اسی احتمال کی بنا پر حنفیہ نے اس روایت کو قیافہ کی حجت کے طور پر قبول نہیں کیا۔

(۲) ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ عہد جاہلیت کے ان بچوں کے بارے میں قیا فہ شناس کو بلاتے تھے، جن کے کئی دعویدار عہد اسلامی میں سامنے آتے تھے، اور یہ ساری کاروائی صحابہ کے سامنے ہوتی تھی، اور کسی صحابی سے انکے خلاف نکیر منقول نہیں ہے[1064]۔

----- حواشی---

1061 ۔المبسوط: ج۱۹ص /۱۰

1062 ۔ بدایۃ المجتہد: ج۲ ص /۲۲۸، مواھب الجلیل: ج۵ ص /۲۴۷ مغنی المحتاج: ج۴ ص /۴۸۹، المغنی لابن قدامۃ: ج۷ ص /۴۸۲، ومنتھی الارادات: ج۲ ص /۲۲۴

1063 ۔ صحیح البخاری مع فتح الباری: ج۱۲ص /۵۶، مسلم ج۲ ص ۱۰۸۲، ابوداؤد: ۲ص /۷۰۰

1064 ۔۔نیل الاوطار: ج۷ ص /۸۱، ۸۲: ج۴ ص /۱۲۷۷، وموطا امام مالک: ج۲ ص /۲۱۵

حنفیہ قیافہ کو کہانت کی طرح مذموم و حرام نہیں جانتے اور نہ اس کے ذریعۂ ثبوت شباہت کا انکار کرتے ہیں۔

البتہ ان کا خیال ہے کہ شریعت میں نسب کا معیار صرف فراش ہے، اور قیافہ سے فراش کا ثبوت نہیں ہوتا، زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ فلاں شخص کے نطفہ سے یہ پیدا ہوا ہے، مگر نطفہ جائز طور پر استعمال ہوا ہے یا ناجائز طور پر اس کا ثبوت نہیں ملتا، نیز شوہر کی جانب سے نسب کے انکار کی صورت میں شریعت نے لعان کا حکم دیا ہے "قیافہ" کا کچھ بھی اعتبار نہیں کیا ہے[1065]۔

بہر حال قطع نظر اس سے کہ حنفیہ کا موقف زیادہ مضبوط ہے یا جمہور فقہاء کا، اس بحث سے فی الجملہ اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ فقہاء اسلام کی ایک معتد بہ تعداد ثبوت نسب کے بارے میں قیافہ کو مؤثر تسلیم کر تی ہے، البتہ ان حضرات نے اس کے لئے کچھ شرائط و حدود مقرر کئے ہیں:

(۱) بصیرت و تجربہ: شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بغیر تجربہ و بصیرت کے قیافہ شناس کا قول معتبر نہیں ہے، پھر تجربہ و بصیرت کے لئے ان کے یہاں ایک معیار ہے، جن کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے[1066]۔

(۲) عدالت: فقہاء شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک عدالت بھی شرط ہے، اس لئے کہ اس پر حکم شرعی کی بنیاد ہے، فقہاء مالکیہ کے یہاں اس سلسلے میں دونوں طرح کی روایات ہیں[1067]۔

(۳) تعدد: جمہور کے نزدیک زیادہ مضبوط قول یہ ہے کہ ثبوت نسب کے بارے میں قیافہ شناس کیلئے عدد کی شرط نہیں ہے، جبکہ بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ عدد شرط ہے، دراصل اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ قیافہ شناس کے قول کو شہادت کے خانہ میں رکھا جائے یا روایت کے خانہ میں، جو لوگ اس کو شہادت کے

----- حواشی --

1065 ۔ المبسوط: ج۱۷ ص/ ۷۰

1066 ۔ حاشیۃ الجمل: ج۵ ص/ ۴۳۵ و المغنی: ج۵ ص/ ۷۷۰

1067 ۔۔ المغنی: ج۵ ص/ ۷۶۹ ، و منتہی الارادات: ج۲ ص/ ۴۸۹، و حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج: ج۵ ص/ ۴۳۵، و تبصرۃ الحکام: ج۲ ص/ ۱۰۸

خانہ میں رکھتے ہیں، وہ عدد ضروری قرار دیتے ہیں، اور جو روایت کے خانہ میں رکھتے ہیں، ان کے نزدیک عدد کی کوئی قید نہیں ہے[1068]۔

(۴) اسلام: شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک قیافہ شناس کا مسلمان ہونا شرط ہے[1069]۔

(۵) ذکورۃ و حریت: شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک راجح قول کے مطابق ذکورۃ و حریت شرط ہے، جبکہ ایک مرجوح قول ان کے یہاں یہ بھی ملتا ہے کہ یہ دونوں چیزیں شرط نہیں ہیں[1070]۔

(٦) موقع تہمت سے پاک ہونا: شافعیہ نے اس کی بھی صراحت کی ہے کہ قیافہ شناس کا قول اسی مقام پر معتبر ہو گا جو موقعۂ تہمت سے پاک ہو، مثلاً قیافہ کے ذریعہ جس کے نسب کی نفی کی جارہی ہے، اس سے کسی قسم کی دشمنی نہ ہو، یا جس کے لئے نسب ثابت کیا جارہا ہو اس سے اصل یا فرع کا رشتہ نہ ہو[1071]۔

(۷) کوئی مانع شرعی موجود نہ ہو، مثلاً اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے بچے کے نسب کا انکار کرے تو اس کی گنجائش نہیں ہو گی، اور اس پر لعان واجب ہو گا[1072]۔

(۸) قیافہ کا اعتبار صرف ایسے بچے میں ہو گا جس کے بارے میں دو شخصوں کے درمیان اختلاف ہو، اور کوئی ایسی دلیل موجود نہ جو رافع اختلاف ہو، مثلاً وطی بالشبہ کی بنا پر حمل ہو جائے، اور اس سے پیدا ہونے والے بچے میں اختلاف ہو، اگر کسی مجہول النسب بچے کا صرف ایک مدعی ہو تو قیافہ کی ضرورت نہیں[1073]

(۹) شافعیہ نے قضائے قاضی کی بھی شرط لگائی ہے، قضائے قاضی یا اسکے دیئے ہوئے اختیار کے

----- حواشی ---

[1068] ۔المغنی: ج۵ ص/ ۷۷، شرح منتہی الارادات: ج۲ ص/ ۴۸۸، تبصرۃ الحکام: ج۲ ص/ ۱۰۸

1069 ۔مغنی المحتاج: ج۴ ص/ ۸۸، نہایۃ المحتاج ج۸ ص ۳۷۵، منتہی الارادات ج۲ ص ۴۸۹

[1070] ۔منتہی الادارات: ج۲ ص/ ۴۸۹ والمبدع: ج۵ ص/ ۳۱۰، ومغنی المحتاج: ج۴ ص/ ۸۸

[1071] ۔نہایۃ المحتاج: ج۸ ص/ ۳۷۵

[1072] ۔زاد المعاد: ج۵ ص/ ۴۲۲

[1073] ۔المغنی: ج۵ ص/ ٦۷٦

بغیر قیافہ کے ذریعہ کہی ہوئی بات نافذ نہیں ہوگی[1074]۔

(۱۰) مالکیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ زیر بحث بچہ زندہ ہو، مردہ بچے کے لئے قیافہ کا اعتبار نہیں[1075] شافعیہ کے یہاں یہ شرط نہیں ہے، ان کے نزدیک مردہ بچے کے لئے بھی قیافہ کا اعتبار ہے، بشرطیکہ لاش میں تغیر نہ آیا ہو، یا وہ دفن نہ کردی گئی ہو[1076]۔

(۱۱) جس شخص کی طرف بچے کو منسوب کرنا ہو اس کا زندہ ہونا بھی اکثر مالکیہ کے نزدیک شرط ہے، مردہ شخص کی طرف کسی بچے کو قیافہ کی بنیاد پر منسوب کرنا درست نہیں[1077]۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے[1078]۔

اختلاف کی صورت

اگر قیافہ شناس ایک سے زائد ہوں، اور ان کی رپورٹ میں اختلاف واقع ہو جائے، اس صورت میں اگر ان کے درمیان جمع و تطبیق ممکن ہو تو کوئی بات نہیں، ورنہ تعداد یا قوت شباہت، یا اور کسی بنیاد پر جو زیادہ قابل ترجیح ہو گا اسکو ترجیح حاصل ہوگی، اگر ترجیح ممکن نہ ہو تو مالکیہ اور شوافع کے نزدیک معاملہ خود اس بچے پر محول کر دیا جائے گا، جس کے نسب کا مسئلہ زیر بحث ہے، اگر وہ بالغ ہو تو اسی وقت اور نابالغ ہو تو بعد بلوغ جسکی طرف اس کا رجحان ہو گا اسکی طرف منسوب کر دیا جائے گا[1079]۔

قرعہ

بعض فقہاء کے نزدیک قرعہ سے بھی ثبوت نسب ہوتا ہے، حضرت امام شافعیؒ کا ایک قول، امام احمدؒ

----- حواشی ---

[1074] ۔ حاشیۃ الجمل: ج۵ ص/ ۴۳۶

[1075] ۔ مواہب الجلیل: ج۵ ص/ ۲۴۸

[1076] ۔ مغنی المحتاج: ج۴ ص/ ۴۸۹

[1077] ۔ التاج والاکلیل للمواق بھامش مواہب الجلیل: ج۵ ص/ ۲۴۸

[1078] ۔ مغنی المحتاج: ج۴ ص/ ۴۸۹ منتہی الارادات: ج۲ ص/ ۴۸۷

[1079] ۔ بدایۃ المجتہد ج۲ ص/ ۲۲۸، مغنی المحتاج: ج۵ ص/ ۷۷۰

کی ایک روایت، بعض مالکیہ، ظاہریہ اور اسحاق بن راہویہ کی رائے یہی ہے، مگر یہ اس صورت میں ہے کہ جب ثبوت نسب کے لئے پیش کئے جانے والے دو بینہ کے درمیان تعارض واقع ہو جائے تو قرعہ کے ذریعہ کسی ایک کو ترجیح دی جاسکتی ہے[1080]۔

اس رائے کی بنیاد ایک روایت پر ہے جو حضرت علیؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کے حوالے سے ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ میں آئی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک نزاعی معاملہ پیش ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے دونوں فریق کے درمیان قرعہ اندازی کی اور اللہ سے دعا فرمائی کہ اے اللہ ان دونوں کے درمیان فیصلہ فرمادیجئے، پھر جس کے لئے قرعہ نکلا اس کے حق میں فیصلہ فرمادیا[1081]۔

مگر اس روایت کو خصوصیات نبویؐ پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اس واقعہ کا تعلق حضور ﷺ کی دعا سے ہے، جو عام حالات میں ممکن نہیں، نیز اس واقعہ کا تعلق کسی متنازع سامان سے یا اور اسی قسم کے معاملے سے ہے، ثبوت نسب کا معاملہ اس سے بہت زیادہ مختلف اور احتیاط کا متقاضی ہے، اسی لئے عام فقہاء نے قرعہ کو ثبوت نسب کے لئے حجت تسلیم نہیں کیا ہے[1082]۔

زیر بحث مسئلہ میں صحیح نتیجہ تک پہونچنے کے لئے فقہاء کی یہ صراحت بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ حدود کے نفاذ کے لئے قرائن اور شباہتیں کافی نہیں ہیں، خواہ وہ کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہوں بلکہ اس کے لئے اقرار اور شہادت ضروری ہے، اس کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت سے ہوتی ہے، جو بخاری اور مسلم میں آئی ہے:

----- حواشی -----

[1080] ۔ شرح الجلال المحلی علی المنہاج: ج۳ ص/ ۱۳۰، کتاب الام: ج۶ ص/ ۲۴۶، المہذب: ج۱ ص/ ۴۴۳، المغنی لابن قدامہ: ج۶ ص/ ۳۴۷، بدایۃ المجتہد: ج۲ ص/ ۳۶۰

[1081] ۔ الطرق الحکمیہ لابن قیم: ص/ ۴۷۰

[1082] ۔ المنثور فی القواعد للزرکشی ج۳ ص/ ۶۴، قواعد ابن رجب ص/ ۳۴۸، جواہر الاکلیل: ج۲ ص/ ۲۲۰، الزرقانی ج۷ ص/ ۱۲۰، الدر المختار مع رد المحتار ج۴ ص/ ۲۷۲، شرح الجلال المحلی: ج۳ ص ۱۳۰، المغنی: ج۵ ص/ ۷۶۶ بحوالہ الموسوعۃ الفقہیۃ الکویت: ج۳۳ ص/ ۱۴۸

حضرت عویمرؓ کے لعان کے قصہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دعا فرمائی "اللھم بین " اے اللہ حقیقت حال واضح فرمادے، اس کے بعد عورت کو ولادت ہوئی، تو بچہ بالکل اس شخص کا ہم شکل تھا، جسکی نسبت سے عورت پر الزام لگایا گیا تھا، پھر حضور ﷺ نے دونوں کے درمیان لعان کی کاروائی فرمائی۔

حضرت ابن عباسؓ اپنی مجلس میں یہ روایت بیان کررہے تھے، دوران گفتگو ایک شخص نے کہا کہ حضرت اسی عورت کے تعلق سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں کسی کو بغیر بینہ رجم کرتا تو اس عورت کو ضرور کرتا، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ نہیں، وہ عورت دوسری تھی جو اسلام میں بدزبانی کرتی تھی [1083]۔

ثبوت نسب میں ڈی این اے ٹسٹ کی شرعی حیثیت

مذکورہ تفصیلات سے ثابت ہوتا ہے کہ شریعت اسلامیہ نسب کے معاملہ میں کس قدر محتاط اور حساس ہے، اور ہر ممکن کوشش کرتی ہے کہ نسب کسی طرح ضائع نہ ہو، اور سوسائٹی میں کوئی ایسا بچہ نہ رہے جس کا نسب قانونی طور پر ثابت نہ ہو، اس لئے اس نے ظاہر فراش، شہادت، اقرار، اور بعض فقہاء کے نزدیک قیافہ اور قرعہ کو بھی ثبوت نسب کے وسائل کے طور پر قبول کیا ہے، اور ثبوت ولادت کے لئے محض ایک عورت کی شہادت، ممکنہ دعوی اور ظاہر فراش کو کافی قرار دیا، گویا شریعت کا مزاج یہ ہے کہ ثبوت نسب کے بارے میں ایسے کسی ثبوت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے جس میں کچھ بھی واقعیت ہو، اس پس منظر میں ڈی، این، اے کو دیکھا جائے تو یہ کافی حدتک قابل قبول ثبوت ہے، اس سے ایسے مواقع پر استفادہ کی گنجائش ہونی چاہیئے، جہاں ثبوت نسب میں کسی بھی قسم کا شک وشبہ پایا جائے۔

(ا) البتہ یقینی مواقع پر اس کے استعمال کی گنجائش نہ ہوگی، مثلاً فراش کے بالمقابل کسی قسم کے ٹیسٹ کا اعتبار نہ ہوگا، اگر کوئی اس ٹیسٹ کی بنا پر نسب کا انکار کرے تو اس پر از روئے قانون شرع لعان واجب ہوگا۔

----- حواشی---

[1083] ۔ صحیح البخاری مع الفتح: ج۹ ص/ ۴۵۴ تا ۴۵۶ حدیث ۵۳

(۲) اسی طرح بینہ (اقرار یا شہادت) کے مقابلہ میں بھی اس کی کوئی اہمیت نہیں ہو گی، اور اس ٹیسٹ کی بنا پر یہ اقرار یا شہادت سے ثابت ہونے والے نسب کو باطل یا مشکوک نہیں کیا جا سکے گا۔

البتہ جن مواقع پر ظاہر فراش، یا بینہ موجود نہ ہو اور کسی بچے کے سلسلے میں کئی شخص دعویدار ہوں ، اور بچہ مجہول النسب ہو یا لاوارث طور پر ملا ہو، یا ہاسپیٹل میں خلط ملط ہو گیا ہو، یا وطی بالشبہ یا نکاح فاسد کے بعد حمل ہو، اور شبہ ہو کہ یہ شوہر کا لڑکا ہے یا وطی کرنے والے شخص کا، یا شک ہو گیا کہ نکاح کے بعد مدت حمل (چھ ماہ) سے کم میں تو بچہ پیدا نہیں ہوا، یا جنگی حالت میں بچے خلط ملط ہو جائیں، وغیرہ، تو ان مواقع پر ڈی، این، اے ٹیسٹ کو بنیاد بنانا درست ہو گا، اس لئے کہ سائنسدانوں کے دعویٰ اور تجربہ کے مطابق ڈی، این، اے ٹیسٹ قیافہ سے بدرجہا بہتر ذریعۂ شناخت ہے، اس میں غلطی کے امکانات بہت کم ہے، اور یہ ساری کارروائی یقینی طور پر ہوتی ہے، اور کمپیوٹر پر ریکارڈ ہوتی رہتی ہے، اس لئے اس میں دھوکہ اور غلطی کا امکان نہیں کے برابر ہے۔

البتہ اس میں ان شرائط کا لحاظ ہونا چاہیئے جس کا تذکرہ فقہاء نے قیافہ کے تحت کیا ہے، یعنی بصیرت و تجربہ، اور تعدد، عدالت وغیرہ، البتہ غیر مسلم ممالک میں عدالت اور اسلام کی شرطوں کا لحاظ کرنا بہت مشکل ہے، اس لئے میرے خیال میں غیر مسلم ملکوں میں ان دونوں شرطوں کو نظر انداز کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہو گا، اور اسکی کئی وجوہ ہیں:

(۱) ایک تو اس بنا پر کہ غیر مسلم ملکوں میں ان شرطوں کی رعایت بہت مشکل ہے۔

(۲) دوسری عدالت اور اسلام کی شرط متفق علیہ نہیں ہے جمہور فقہاء ان کا اعتبار کرتے ہیں، لیکن بعض فقہاء اس کا اعتبار نہیں کرتے، اس لئے بحالت مجبوری بعض فقہاء کا قول اختیار کرنا زیادہ آسان ہے [1084]

(۳) اس ٹیسٹ کا تعلق کسی مخصوص شخص کی رویت، مشاہدہ یا تجربہ سے نہیں ہے، کہ اس کے لئے یہ شرطیں مطلوب ہوں، یہ تمام تر کارروائی مشین سے ہوتی ہے، اس لئے کسی بھی معتبر اور باخبر شخص کی

----- حواشی---

[1084] ۔ الموسوعۃ الفقہیۃ الکویت: ج ۳۴ ص /۹۸، و تبصرۃ الحکام: ج ۲ ص /۱۰۸

رپورٹ پر اعتماد کرنا درست ہو گا۔

بلکہ میرے خیال میں بعض فقہاء نے جو تعدد کی قید لگائی ہے، اسکی بھی ضرورت نہیں، اس لئے کہ جمہور کے نزدیک تعدد شرط نہیں ہے [1085]۔

نیز مشینی ٹیسٹ میں بالعموم ایسی غلطی کا امکان نہیں ہوتا، کہ دوبارہ مشینی ٹیسٹ کرانے کی نوبت آئے، جب تک کہ مشین خراب نہ ہو اسکی رپورٹ عموما درست ہی ہوتی ہے، محققین کے قول کے مطابق ڈی، این، اے، ٹیسٹ کی رپورٹ ننانوے فیصد سے بھی زیادہ درست ہوتی ہے [1086]۔

کویت میں جینیٹک سائنس اور ڈی، این، اے کے موضوع پر ایک کانفرنس بتاریخ ۲۳-۲۵ جمادی الآخرۃ ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۳-۱۵ / اکتوبر ۱۹۹۸ء کو منعقد ہوئی تھی، اس کانفرنس نے اپنی قراردادوں میں اس کی سفارش کی ہے کہ ڈی، این، اے، اور جینیٹک تحقیقات سے ثبوت نسب کے معاملہ میں استفادہ کرنے میں شرعی طور پر کچھ حرج نہیں ہے، اس لئے کہ یہ آج قطعی قرائن کا درجہ حاصل کر چکے ہیں، اور قرائن قطعیہ کا اعتبار فقہاء متقدمین کے یہاں معروف ہے [1087]۔

البتہ یہاں فقہاء حنفیہ کے اس نکتہ کو نظر انداز کرنا درست نہ ہو گا کہ قیافہ یا ڈی، این، اے تحقیقات سے زیادہ سے زیادہ نطفہ کا ثبوت ملتا ہے، فراش کا نہیں، جبکہ ثبوت نسب کے لئے فراش ضروری ہے ، اس لئے ایسے تمام مواقع پر جہاں فراش موجود ہو، البتہ اس کے اندر خلط یا اشتباہ پیدا ہو گیا ہو کہ کس فراش سے کون سا بچہ پیدا ہوا ہے؟ یا فراش اپنی میعاد و معیار پر پورا اتر رہا ہے یا نہیں؟ وہاں ڈی، این، اے سے استفادہ جائز ہو گا۔

----- حواشی ---

[1085] ۔ تبصرۃ الحکام: ج ۲ ص / ۱۰۸

[1086] ۔ التحقیق الجنائی العلمی والعملی محمد شعیر ص / ۲۱۱، البصمۃ الوراثیۃ ومجالات الاستفادۃ عنھا، وھبہ زحیلی: ص / ۲۰

[1087] ۔ مجلۃ المجمع الفقہ الاسلامی، السنۃ الرابعۃ عشرۃ، العدد السادس عشر: ص / ۵۴

ثبوت جرم کے لئے ڈی، این، اے ٹسٹ کی شرعی حیثیت

آجکل مجرمین کی تحقیق و شناخت کے لئے بھی ڈی این اے ٹسٹ کا استعمال ہو رہا ہے، مثلاً جائے واردات پر مجرم کی کوئی چیز مل جائے، جیسے بال، ناخن، منی وغیرہ تو اسکے تجزیہ و تحقیق سے مجرم کی شناخت کی جاتی ہے، اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے ہمیں بنیادی طور پر چند چیزوں کو پیش نظر رکھنا ہو گا:

(ا) اسلام کے نزدیک جرائم کے ثبوت کے لئے بینہ ضروری ہے، پھر جرم کی شدت کے اعتبار سے بینہ کے درجات میں تفاوت ہوتا ہے، مثلاً زنا کے ثبوت کے لئے چار عادل گواہ ضروری ہیں، اور قتل اور دیگر معاملات کے لئے دو عادل گواہ کافی ہیں، کبھی ایک مرد اور دو عورت کی گواہی کافی ہوتی ہے، کبھی نکول اور یمین بینہ بن جاتا ہے، کبھی اقرار دلیل جرم بنتا ہے، کبھی پچاس (۵۰) قسم بینہ بن تے ہیں، جیسے قسامہ کے مسئلے میں، اور بعض حالات میں قرائن کے ذریعہ بھی حاکم حقیقت حال تک پہونچتا ہے، وغیرہ۔

دراصل بینہ ایسے ثبوت کا نام ہے جس سے پوری طرح حق یا جرم واضح ہو جائے، اور دعوی کی صورت میں صحت دعوی ظاہر ہو جائے، درج ذیل حدیث پاک کو اسی پس منظر میں دیکھنا چاہیئے:

"البینۃعلی المد عی والیمین علی من أنکر "الحدیث[1088]"

ترجمہ: مدعی پر بینہ ہے اور منکر پر یمین۔

علامہ ابن قیمؒ نے ایسے دلائل، قرائن، اور ثبوتوں پر مستقل ایک کتاب "الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ" کے نام سے لکھی ہے، جو شریعت میں معتبر اور قابل قبول ہیں، ابن قیمؒ کی بحث قرائن و شواہد کے موضوع پر کافی بصیرت افروز، اور محققانہ ہے، ان کی بحث سے ایک مختصر اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے:

علامہ موصوف نے بعض دوستوں کے حوالہ سے ایک بہت ہی اہم سوال اٹھایا ہے کہ اگر حاکم کے پاس بعض ایسے مقدمات آئیں جن میں ظاہری بینہ یا اقرار موجود نہ ہو، لیکن وہ فراست اور قرائن کے ذریعہ حقیقت واقعہ تک پہونچ جائے تو کیا کرنا چاہیئے؟

----- حواشی--

[1088] ۔ترمذی ج۳ص/۴۷۹

ابن قیم کا خیال ہے کہ ایسے معاملات میں صرف ظاہری بینات و اقرار پر اصرار کرنا بہت سے حقوق و واجبات کے ضیاع کا موجب ہو گا، اور اس سے ظلم و فساد کا دروازہ کھل سکتا ہے، ابن قیم نے قرآن و حدیث کی متعدد نصوص کے حوالے دیئے ہیں، جن میں شواہد و قرائن پر فیصلہ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

☆ مثلاً آیت کریمہ ہے:

"ان کان قمیصہ قد من قبل فصدقت و ھو من الکاذبین[1089]"

ترجمہ: اگر ان کی قمیص آگے سے پھٹی ہے تو عورت سچی ہے، اور وہ جھوٹے ہیں۔

☆ حضرت داؤدؑ کے پاس ایک عورت کا مقدمہ پیش ہوا جس پر دو عورتوں کا دعویٰ تھا کہ یہ میرا بیٹا ہے، جس میں ایک عورت بڑی تھی، اور ایک چھوٹی، حضرت داؤدؑ نے بڑی کے حق میں فیصلہ کر دیا، حضرت سلیمانؑ نے کہا چھری لاؤ چیر کر تم دونوں کے درمیان تقسیم کر دوں، بڑی عورت پر اس کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا، مگر چھوٹی کہنے لگی، ایسا نہ کریں، اللہ آپ پر رحم فرمائے، بچے کو بڑی ہی کے پاس رہنے دیں، میں اپنے حق سے دستبردار ہوتی ہوں، اس قرینہ سے حضرت سلیمانؑ نے اندازہ کر لیا کہ بچہ دراصل چھوٹی کا ہے، چنانچہ پھر فیصلہ چھوٹی کے لئے کیا گیا۔

☆ قسامہ کے مسئلے میں بھی محض "لوث" ہی کی بنیاد پر پچاس (۵۰) آدمیوں سے قسم لی جاتی ہے، "لوث" اسی قرینہ اور شبہ کا نام ہے، جس کی بنا پر کچھ لوگ شبہ کے دائرے میں آجاتے ہیں۔

☆ حضرت عمر اپنے دور میں بے شوہر اور بے آقا والی عورت کو رجم فرماتے تھے، جس کو حمل ظاہر ہوتا، حمل تو محض ظاہری قرینہ ہی ہے، اس پر بینہ کا اطلاق تو ہو نہیں سکتا۔

☆ حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کسی شرابی پر منہ کی بدبو یا شراب کی قے کے بنا پر بھی حد جاری فرماتے تھے۔

☆ اسی طرح ائمہ و خلفاء کسی ایسے متہم شخص کو چوری کے الزام میں ماخوذ کرتے تھے جس کے گھر

----- حواشی -----

1089 ۔ یوسف: ۲۶

میں چوری کا سامان ملتا تھا، اس پر چوری کی سزا نافذ کرتے تھے، خلفاء اور امراء کا یہ معمول ہمیشہ سے رہا ہے۔

☆یمین کے نکول کی بنا پر جو فیصلہ ہوتا ہے وہ بھی ظاہر ہے کہ ایک قرینہ ہی ہے، اس بات کا کہ یہ شخص اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

☆غزوۂ بدر میں عفراء کے دونوں بیٹوں نے ابو جہل کے قتل کا دعویٰ پیش کیا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں نے اپنی تلوار پونچھ دی ہیں، ؟ ان دونوں نے کہا نہیں، آپؐ نے دونوں کی تلواریں ملاحظہ فرمائیں، اور فرمایا کہ تم دونوں برابر کے شریک ہو[1090]۔

☆ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت آئی ہے، فرماتے ہیں: میں نے خیبر کے سفر کا ارادہ کیا، اور خدمت نبویؐ میں حاضر ہوا، میں نے اپنا ارادہ عرض کیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میرے وکیل کے پاس پہونچو تو اس سے پندرہ وسق وصول کرو! جب وہ تم سے کوئی نشانی طلب کرے تو اپنا ہاتھ اسکی ہنسلی کی ہڈی پر رکھدینا، تو اس علامت سے وہ پہچان کر مال حوالے کر دے گا۔

اس طرح بہت سی مثالوں سے علامہ ابن قیمؒ نے یہ ثابت کیا ہے کہ بعض مواقع پر قرائن و شواہد اور فراست و بصیرت کا اعتبار کرنا ضروری ہو جاتا ہے، ورنہ بہت سے حقوق کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ ابن قیم نے آخر میں اس قاعدۂ کلیہ کی طرف توجہ دلائی ہے کہ رسولوں اور پیغمبروں کی بعثت اور ادیان و شرائع کے نزول کا مقصد قیام عدل ہے، جب عدل کے نشانات ظاہر ہو جائیں خواہ وہ کسی بھی طور پر ہوں، امت پر نفاذ عدل کی ذمہ داری آجاتی ہے، اس کے لئے کوئی محدود اور مخصوص معیار نہیں ہے، جرائم کے تنوع کے لحاظ سے ان کی تحقیقات میں بھی تنوع ہو سکتا ہے[1091]۔

(۳) حدود کے بارے میں شریعت کا اصول یہ ہے کہ حدود شبہات کی بنا پر ساقط ہو جاتے ہیں[1092]

اسی طرح ایک حدیث میں ہے۔

----- حواشی---

[1090] ۔بخاری مع الفتح: ج ٦ ص / ٢٤٦، ٢٤٧، مسلم: ج ٢ ص / ١٣٧٣

[1091] ۔الطرق الحکمیۃ: ص ٢ تا ١٧

[1092] ۔رواہ ابن عدی فی الکامل عن ابن عباس الجامع الصغیر للسیوطی: ج ١ ص / ١٤

"ادرؤالحد ود عن المسلمين مااستطعتم فان وجد تم للمسلم مخرجا فخلواسبيلہ فان الامام يخطى فى العفوخيرمن ان يخطى فى العقوبۃ رواہ ابن ابى شيبۃ والترمذى و الحا كم و البيهقى عن عائشۃؓ وهو صحيح[1093]"

ترجمہ: مسلمانوں سے حدود کو حتی الامکان دفع کرو، اگر مسلمانوں کے لئے کوئی گنجائش نکلتی ہو تو ضرور نکالو، اس لئے کہ امام کا غلطی سے معاف کر دینا بہتر ہے، اس بات سے کہ غلطی سے سزا دے دے۔

مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ ڈی این اے ٹسٹ موجودہ زمانہ کا معتبر ذریعۂ تحقیق ہے، اور فقہی لحاظ سے اگر اسکو بینہ (اقرار وشہادت) کے درجہ میں نہیں رکھا جاسکتا تو کم از کم قرائن قطعیہ اور شواہد میں ضرور شامل کیا جاسکتا ہے، بلکہ دیکھا جائے تو اس کا درجہ قرائن وشواہد سے بدرجہا بلند ہے، اس لئے کہ قرائن کی بنیاد ظن و تخمین پر ہے، جبکہ ڈی این اے کی بنیاد علم و تحقیق پر ہے، غلطی کے امکانات یہاں ایک فیصد سے بھی کم ہیں، جبکہ ظن و تخمین میں غلطی کے امکانات زیادہ ہیں۔

اس تناظر میں ڈی این اے ٹسٹ کو جرائم کی تحقیق و تفتیش کے دوران ایک خاص اہمیت ملنی چاہیئے، اور ایسے تمام مقدمات جن میں حدود وقصاص کی نوبت نہ آئے اسکو بنیاد بنایا جاسکتا ہے، اور دیگر دلائل اور ثبوتوں کے ساتھ اس کا بھی لحاظ کیا جاسکتا ہے۔

البتہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ صرف ڈی این اے ٹیسٹ کی بنیاد پر کسی کے خلاف یقینی طور پر فرد جرم عائد نہیں کی جاسکتی، کیونکہ ڈی این اے ٹیسٹ صرف اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ متہم شخص مقام واردات پر موجود تھا، شریک جرم ہونے پر کوئی ثبوت فراہم نہیں کرتا، اور ظاہر ہے کہ کسی شخص کی مقام واردات پر موجودگی اس کے مجرم ہونے کے لئے کافی نہیں ہے۔

ایسے معاملات میں بہتر یہ ہے کہ رپورٹ کی روشنی میں متہم شخص سے اقرار کرانے کی کوشش کی

----- حواشی---------------------------------------

[1093] ۔ الجامع الصغیر للسیوطی: ج ۱ ص / ۱۴

جائے، اور تجربہ یہ ہے کہ رپورٹ آنے کے بعد انسان احساس شکست کی بنا پر تھوڑا دباؤ ڈالنے یا حکمت عملی اختیار کرنے پر بآسانی اقرار کر سکتا ہے، اور پھر سزا کی تمام تر کاروائی اس اقرار کی بنیاد پر کی جائے، یہ طریقہ زیادہ محفوظ، محتاط اور شرعی اصولوں سے ہم آہنگ ہو گا۔

قاتل کی شناخت

اس اصول پر قاتل کی شناخت کی جاسکتی ہے، مگر جب تک اقرار یا شہادت میسر نہ آجائے حدود و قصاص کا نفاذ نہیں کیا جائے گا، البتہ تعزیرات یا دیت کے تحت قاضی کوئی فیصلہ کر سکتا ہے۔

زانی کی شناخت

(الف) جہاں تک زانی کی شناخت کا معاملہ ہے، تو عورت کے جسم سے مادہ منویہ لیکر جو ڈی این اے ٹیسٹ کیا جاتا ہے، اس سے مجرم کی شناخت ننانوے فیصد ہو جاتی ہے، اور یہ ٹسٹ مقام واردات پر صرف مجرم کی موجودگی کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ جرم میں شرکت کو بھی ظاہر کرتا ہے اور صرف اس ٹسٹ کی بنیاد پر بھی مجرم کی شناخت ہو جاتی ہے، مگر مشکل یہ ہے کہ زنا کا معاملہ تعزیرات اسلامی میں سب سے زیادہ اہم ہے، اور اس کے لئے ثبوتوں کا معیار سب سے زیادہ سخت رکھا گیا ہے۔

علاوہ وطی کے تیقن کے باوجود یہ شبہ سے خالی نہیں ہے، اس لئے کہ اس ٹسٹ سے صرف وطی کا ثبوت ملتا ہے، مگر یہ وطی بالرضا ہے، وطی بالجبر ہے یا وطی بالشبہ ہے، اور جب تک ان صورتوں میں مطلوبہ زنا کی تعیین نہ ہو حد زنا جاری نہیں کی جاسکتی۔

مسئلۂ زنا کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ کسی اور کیس میں مدعی ملزم کے خلاف جرم ثابت نہ کر سکے تو مدعی کو کوئی سزا نہیں دی جاتی، صرف دعویٰ خارج کر دیا جاتا ہے، جب کہ زنا کے مقدمہ میں الزام ثابت نہ ہونے کی صورت میں مدعی پر حد قذف جاری کی جاتی ہے۔

اس لئے اس رپورٹ کے بعد بھی اقرار یا شہادت کی ضرورت ہو گی، اس کے بغیر حد زنا جاری نہیں کی جاسکتی، البتہ حد زنا سے فروتر کچھ دوسری تعزیرات کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

(ب) اسی طرح اجتماعی آبروریزی میں بھی تنہا اس ٹیسٹ پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ محققین سائنس کے بقول اجتماعی آبروریزی کے کیس میں ڈی این اے ٹیسٹ بذات خود کمزور مانا جاتا ہے، کیونکہ اس ٹیسٹ میں ملے جلے سگنل کسی تیسرے شخص کی غلط نشاندہی بھی کر سکتے ہیں۔

اسی طرح جس جرم میں کئی اشخاص ملوث ہوں، اور الزام کی بنا پر بعض ملزمین کا ڈی این اے ٹیسٹ کرایا گیا، لیکن اگر بعض ملزمین ٹیسٹ کرانے کو تیار نہ ہوں تو قاضی انہیں ڈی این اے ٹیسٹ کرانے پر مجبور کر سکتا ہے، اس لئے کہ قانونی مراحل کی تکمیل کے لئے یہ ٹیسٹ ضروری ہے۔۔۔ البتہ اس کے لئے ان شرائط و قیود کی رعایت ضروری ہو گی جن کا ذکر اس سے قبل ثبوت نسب کے ذیل میں کیا گیا ہے، تاکہ رپورٹ زیادہ سے زیادہ قابل اطمینان ہو سکے۔ هٰذا ما عندی و الله اعلم بحقیقة الحال۔

نکاح سے قبل زوجین کا طبی معائنہ

(۱) آج بہت سے ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ملکوں میں نکاح سے قبل زوجین کے جنیٹک ٹیسٹ کا رواج ہو رہا ہے، اور اس کا مقصد خوشگوار ازدواجی زندگی کے لئے پیش بندی کرنا ہے، اس ٹیسٹ کے ذریعہ بہت سی موروثی بیماریوں کا پتہ چلتا ہے، جو کسی دوسرے ذریعہ سے ممکن نہیں، سائنس دانوں کے دعویٰ کے مطابق ۱۹۹۸ء تک تقریباً آٹھ ہزار (۸۰۰۰) موروثی بیماریوں کا اس کے ذریعہ پتہ چلا ہے؟ اور یہ بیماریاں بہت سی اس قسم کی ہیں جو عام زندگی میں اس وقت تک محسوس نہیں ہوتیں جب تک کہ خاندان کے کسی فرد میں ظاہر نہ ہو جائیں، اور تحقیق سے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ بہت سی بیماریاں نسلوں تک ظاہر نہیں ہوتیں، یا خاندان کے ہر فرد میں ظاہر نہیں ہوتیں، لیکن جس جین کے باعث وہ بیماریاں جنم لیتی ہیں، اگر اسی خاندان میں اس جنین کے حامل شخص کی شادی کر دی جائے تو دونوں کے جین کے اتصال سے ان کی ذریت میں خطرناک امراض پیدا ہو سکتے ہیں، لیکن اگر اس شخص کی شادی دوسرے خاندان میں کی جائے جس میں وہ جین نہیں ہے تو دونوں کی پوری نسل عام حالات میں ان بیماریوں سے محفوظ رہ سکتی ہے۔

طبی معائنہ کے مقاصد

انہی وجوہات کے پیش نظر بہت سے ملکوں کے محکمۂ صحت نے بھی اس جانب خصوصی توجہ کی ہے ،اور شادی سے قبل صحت کا سرٹیفکٹ حاصل کرنے کی زوجین کو ہدایت دی ہے، اس ٹیسٹ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ شادی بار آور ہوگی یا نہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ زوجین میں تولیدی جراثیم ہونے کے باوجود کسی جین کے نہ ہونے یا کسی جین کے اتصال کی بنا پر عورت بانجھ پن کی شکار ہوجاتی ہے، اسی طرح بہت سے متعدی اور جنسی امراض کا بھی پتہ چلتا ہے، اور یہ بھی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ اگلی نسل میں جو بچے پیدا ہونگے وہ پیدائشی نقائص کے حامل ہونگے یا نہیں؟

اسلامی نقطۂ نظر

اگر اس قسم کی تحقیقات بآسانی ہوسکتی ہوں اور ازدواجی زندگی کے لئے ان کی بنا پر تحفظات حاصل ہوتے ہوں تو شرعی نقطۂ نظر سے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بشرطیکہ فریقین اس کے لئے رضامند ہوں ،اور اتنے محتاط طور پر کیا جائے کہ کسی فریق کی سبکی نہ ہو، شریعت اسلامیہ نکاح سے قبل ممکنہ تحقیق و تفتیش سے نہیں روکتی بلکہ حتی الامکان اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔

ایک موقع پر کسی صحابی نے کسی انصاری لڑکی سے اپنی شادی کے بارے میں حضور اکرم ﷺ سے مشورہ چاہا، تو حضور اکرم ﷺ نے ان سے انصاری لڑکیوں کی ایک خاص چیز کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"فانظر الیھا فا ن فی اعین الانصار شیئا [1094]"

ترجمہ: انصاری عورتوں کی آنکھ میں ایک خاص بات ہوتی ہے، (جو ضروری نہیں کہ ہر ایک کو پسند آئے) اس لئے ایک نظر لڑکی کو دیکھ لو۔

☆ ایک روایت جو اپنے الفاظ کے لحاظ سے ضعیف ہے، مگر اس کے معنی صحیح ہیں، اور مجموعی

----- حواشی ---

[1094] ۔ مشکوۃ شریف کتاب النکاح: ص/۲۶۸

طور پر وہ درجۂ حسن کی ہے، س اس میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"تخیر و النطفکم"[1095]۔

ترجمہ: اپنے نطفوں کے لئے انتخاب کرو۔

☆اسی طرح رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان عالی کو بھی اسی پس منظر میں دیکھا جانا چاہیئے، جس میں رسول اکرم ﷺ نے ایسے مواقع سے بچنے کے لئے ہدایت فرمائی ہے، جن میں اولاد کمزور پیدا ہو، آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

"لا تنکحوا القرابۃ القریبۃ فان الولد یخلق ضاویا[1096]"

ترجمہ: قریب ترین رشتہ داروں میں نکاح نہ کرو، اس لئے کہ اس سے اولاد کمزور پیدا ہوتی ہے۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں، جو حکماء کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے:

"اغتربوا لا تضووا(أَيْ :انْكِحُوا فِي الْغَرَائِبِ)؛فَإِنَّ الْقَرَائِبَ يَضْوِينَ الأَوْلادَ [1097]"

ترجمہ: اجنبیوں میں نکاح کرو! اپنی اولاد کو کمزور نہ بناؤ۔

یہی مشورہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے بھی بنی سائب کو دیا تھا، جب انکی نسلوں کو کمزور دیکھا:

----- حواشی --

[1095] ۔ سنن ابن ماجه ج ١ ص 633 حديث نمبر :1968 المؤلف : محمد بن يزيد أبو عبدالله القزويني الناشر : دار الفكر – بيروت تحقيق : محمد فؤاد عبد الباقي عدد الأجزاء : 2

[1096] ۔ النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر للأمام مجد الدین بن الأثیر مادۃ: ج۳ ص/ ۱۰۶، ہامش الاخیار: ج۲ ص/ ۴۲، المغنی عن حمل الاسفار لزین الدین ابی الفضل عبد الرحیم الحسین العراقی بہامش الاحیاء: ج۲ ص/ ۴۲

[1097] ۔ الفائق فی غریب الحدیث للعلامۃ جار اللہ الزمخشری مادہ ضوی: ج۲ ص/ ۳۵۰، النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر، مادہ ضوی: ج۲ ص/۱۰۶☆ المجالسة وجواهر العلم ج 8 ص 46 حديث نمبر :1/3354 المؤلف : أبو بكر أحمد بن مروان بن محمد الدينوري القاضي المالكي [ت : 333ھ]المحقق : أبو عبيدة مشهور بن حسن آل سلمان الناشر : جمعية التربية الإسلامية (البحرين – أم الحصم) ، دار ابن حزم (بيروت – لبنان)تاريخ النشر : 1419ھ عدد الأجزاء : 10

يَا بَنِي السَّائِبِ ! إِنَّكُمْ قَدْ أَضْوَيْتُمْ ؛ فَانْكِحُوا فِي النزائع[1098]

جینٹک سائنس نے بھی آج اس تصور کو برحق ثابت کیا ہے، اور جو بات ازراہ ارشاد وہدایت کہی گئی تھی، اس کی واقعیت سامنے آگئی ہے، ان روایات سے اشارہ ملتا ہے کہ نکاح سے قبل تحقیق حال کر لینے میں شرعاً کچھ حرج نہیں ہے، اگر اس میں زوجین کو تھوڑی سی مضرت محسوس ہوتی ہو تو اس کو آئندہ نسل کے اجتماعی تحفظ کے لئے گوارہ کرنا چاہیئے، الا یہ کہ اسکے اخراجات ناقابل تحمل ہوں۔

قواعد فقہیہ سے رہنمائی

متعدد فقہی ضابطوں سے اسکی تائید ہوتی ہے۔

(۱)"يتحمل الضرر الخاص لأجل دفع ضرر العام [1099]"

ترجمہ: ضرر عام کو دور کرنے کے لئے ضرر خاص کو گوارہ کیا جائے گا۔

(۲)"لوکا ن احدهمااعظم ضررا من الآ خر فان الاشد یزال الاخف[1100]"

ترجمہ: اگر دو چیزوں میں سے ایک ضرر دوسرے سے بڑا ہو تو چھوٹا ضرر گوارہ کر کے بھاری ضرر کو دور کیا جائے گا۔

(۳)"اذاتعارض مفسدتان روعی اعظمهاضررابارتکاب اخفهما[1101]

ترجمہ: جب دو مفسدے ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں تو ہلکے مفسدے کو قبول کر کے

----- حواشی---

[1098] - المجالسة وجواهر العلم ج 8 ص 46 حديث نمبر :3354 /2 المؤلف : أبو بكر أحمد بن مروان بن محمد الدينوري القاضي المالكي [ت : 333هـ]المحقق : أبو عبيدة مشهور بن حسن آل سلمان الناشر : جمعية التربية الإسلامية (البحرين – أم الحصم) ، دار ابن حزم (بيروت – لبنان)تاريخ النشر : 1419هـ عدد الأجزاء : 10

[1099] ـ الاشباہ والنظائر: ج ا ص /۲۸۰

[1100] ـ الاشباہ: ج ا ص /۲۸۳

[1101] ـ الاشباہ: ج ا ص /۲۸۶

بڑے کے ضرر سے محفوظ رہنے کی کوشش کی جائے گی۔

طبی تحقیقات کا حکم

پھر جینیٹک تحقیقات سے اگر ثابت ہو جائے کہ یہ رشتۂ نکاح طبی طور پر مناسب نہیں ہیں، اور اس کے نقصانات زوجین یا ان کی اولاد کو پہونچیں گے تو ایسی صورت میں اس رشتۂ نکاح سے گریز کرنا ضروری ہے، بشرطیکہ رپورٹ قابل اعتماد ذرائع سے آئی ہو، اور اس میں ان شرائط و قیود کو ملحوظ رکھا گیا ہو جن کا ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا ہے کہ قرآن و حدیث میں مواقع خطر و ضرر سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے:

"ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ "[1102]

ترجمہ: اور اپنے ہاتھ ہلاکت میں مت ڈالو۔

اسی طرح آپ ﷺ نے جذام کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

"اذا وقع الجذام بارض فلاتخرجوا منھا وان سمعتم بہ فی ارض فلا تدخلوھا"[1103]

ترجمہ: اگر کسی مقام پر جذام پھیل جائے تو وہاں سے نہ نکلو، اور اگر کسی مقام کے با رے میں جذام کی خبر سنو تو وہاں مت داخل ہو۔

غرض جینیٹک ٹیسٹ سے استفادہ کی گنجائش ہے بشرطیکہ:

☆ ہر قسم کی علمی وفنی احتیاط ملحوظ رکھی گئی ہو۔

☆ مقصود جلب مصلحت اور دفع مضرت ہو، محض کسی ذوق و شوق کی تسکین نہ ہو۔

☆ انہی تحقیقات پر پورا تکیہ نہ کر لیا جائے، بلکہ اصل اعتماد اور توکل اللہ پر ہونا چاہیئے، اور ہر معاملہ اسی کے حوالہ کر دینا چاہیئے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، وہی بیمار کرتا ہے، اور وہی شفاء

----- حواشی ---

[1102] ۔البقرہ:۱۹۵

[1103] ۔الدکتور زحیلی کا مقالہ: ص/ ۸۰۷

دیتا ہے، یہ احساس ایک مؤمن کو اندرونی اطمینان وسکون فراہم کرتا ہے، اس لئے کہ انسانی ہزار تدبیروں میں بھی ہر طرح کی احتیاط کے باوجود غلطی کا امکان موجود ہے۔

☆اسی طرح اسباب کو مؤثر بالذات نہ مان لیا جائے اور نہ بیماریوں کے متعدی ہونے کا عقیدہ بنایا جائے، اسلام میں اسکی کوئی گنجائش نہیں، کوئی چیز اپنے آپ کبھی نقصان نہیں پہونچا سکتی ہے، جب تک کہ اللہ کی مرضی نہ ہو، اور یہ اعتقاد تو ہر مؤمن کو ہونا چاہیئے، جس کا ذکر ایک حدیث میں آیا ہے کہ "اگر روئے زمین کے تمام لوگ مل کر بھی تم کو کوئی نفع پہونچانا چاہیں تو نہیں پہونچا سکتے، مگر اتنا ہی جتنا اللہ نے لکھدیا ہے، اور اگر تمام لوگ مل کر تم کو نقصان پہونچانا چاہیں تو نہیں پہونچا سکتے، مگر اسی قدر جس قدر کہ اللہ نے تمہارے لئے مقدر کر دیا ہے"

مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں نکاح سے قبل جینیٹک ٹیسٹ اس مقصد سے کرانا کہ دوسرا فریق کسی موروثی بیماری میں مبتلا ہے یا قوت تولید سے محروم ہے، درست ہے اور اس رپورٹ پر عمل کرنا ضروری ہے، بشرطیکہ دونوں فریق اس کے لئے رضامند ہوں اور رپورٹ کے حصول میں تمام مطلوبہ شرائط وقیود کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہو۔

حالت حمل میں جنیٹک تحقیقات کا حکم

(۲) اگر یہ تحقیقات نکاح کے بعد حالت حمل میں کرائی جائیں اور ثابت ہو جائے کہ رحم مادر میں پرورش پانے والا بچہ ناقص العقل اور ناقص الاعضاء ہوگا (واضح رہے کہ جنیٹک ٹیسٹ میں یہ تحقیق تین ماہ سے پہلے بھی ہو سکتی ہے) ایسی صورت میں اسقاط حمل کے تعلق سے فقہاء کے یہاں اختلاف ہے:

مالکیہ کے نزدیک استقرار حمل کے بعد اسقاط حمل کی قطعی گنجائش نہیں ہے، شافعیہ اور حنابلہ نے عذر کی بنا پر چالیس (۴۰) یوم سے قبل اسقاط کی اجازت دی ہے، البتہ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ یہ مدت بذات خود مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود نفخ روح اور تصویر اعضاء ہے اور یہ مقصد اس مدت سے قبل پورا

ہو جائے تو بھی حکم میں کوئی فرق نہ آئے گا[1104]۔

چار ماہ کے بعد تمام فقہاء کے نزدیک اسقاط حمل حرام ہے، الا یہ کہ ایسی شدید ضرورت پیش آجائے جس میں ماں کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو جائے[1105]۔

رابطۂ عالم اسلامی کے مجمع الفقہ الاسلامی نے اپنے بارہویں سیمینار (منعقدہ ۱۵-۲۲ رجب ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۰ تا ۱۷ فروری ۱۹۹۰ء بمقام مکہ مکرمہ) میں یہ تجویز منظور کی ہے کہ ایک سو بیس (۱۲۰) دن سے قبل اگر جنیٹک تحقیق سے ثابت ہو جائے جو ماہر اور قابل اعتماد ڈاکٹروں کی جانب سے کی گئی ہو کہ بچہ نا قابل علاج بیماریوں کا حامل ہے، یا ناقص الخلقت ہے، اور اگر حمل کو چھوڑ دیا جائے اور اپنے وقت پر بچہ پیدا ہو تو بچہ کی پوری زندگی سخت مصائب و آلام میں گھری رہے گی، تو اس صورت میں اسقاط حمل کی گنجائش ہے[1106]۔

فقہاء احناف نے جن اعذار کی بنا پر اسقاط حمل کی اجازت دی ہے ان میں ایک اہم عذر ولد سوء کا اندیشہ بھی ہے۔

البتہ بچہ میں جان پڑنے کے بعد (جس کی زیادہ سے زیادہ مدت فقہاء حنفیہ کے نزدیک ایک سو بیس دن ہے) اسقاط حمل کی بالکل گنجائش نہیں ہے، اگرچہ کہ معلوم ہو کہ بچہ ناقص الاعضاء یا شدید قسم کی جسمانی بیماریوں کا حامل ہے، اور اس کی زندگی کو شدید خطرات لاحق ہیں، اسلئے کہ متوقع خطرات کی بنا پر زندہ جان کو ہلاک کرنا درست نہیں[1107]۔

رحم مادر میں رہتے ہوئے بچے کی خلقی کمزوریوں کا علاج ممکن ہو، تو چار ماہ کے بعد بھی جینٹک

----- حواشی -----

[1104] ۔ ردالمحتار: ج ۲ ص / ۴۱۲

[1105] ۔ حاشیۃ الدسوقی: ج ۴ ص / ۲۶۸، بدایۃ المجتہد: ج ۲ ص / ۳۴۸، نہایۃ المحتاج: ج ۷ ص / ۳۶۰، ۳۶۴، حاشیۃ ابن عابدین: ج ۵ ص / ۴۱۰، ۴۱۳، فتح القدیر: ۴ ص / ۱۵۳، المغنی لابن قدامہ کتاب الدیات: ج ۸ ص / ۲۴۰

[1106] ۔ فتوی المجمع الفقہی لرابطۃ العالم الاسلامی الملحق رقم ۱ من کتاب الجنین المشوہ: الاسباب والعلامات والاحکام۔ دار القلم و دار المنارۃ جدہ للدکتور محمد علی البار ۱۹۹۱ء

[1107] ۔ ردالمحتار: ج ۵ ص / ۳۰۵: ج ۲ ص / ۴۱۲، البحر الرائق: ج ۸ ص / ۳۴۴، عالمگیری: ج ۶ ص / ۳۵، ج ۵ ص / ۳۵۶، بزازیہ: ج ۶ ص / ۳۸۵، فتاوی خانیہ: ج ۳ ص / ۴۱۰

ٹیسٹ کرانے کی اجازت ہو گی۔

طبی معائنہ کی بنیاد پر سلسلۂ تولید روکنے کا حکم

(۳) سائنس دانوں کی رائے کے مطابق جینیٹک ٹیسٹ کے ذریعہ یہ بات معلوم کی جاسکتی ہے کہ اس شخص کی اگلی نسل میں پیدائشی نقائص کے کیا امکانات ہیں؟ کیا اس مقصد کے لئے ٹیسٹ کرانے اور سلسلۂ تولید کو روک دینے کی گنجائش ہو گی؟

اس سلسلے میں بعض فقہاء نے یہ بحث اٹھائی ہے کہ سلسلۂ تولید روکنے کا حق کس کو ہے، شوہر کو، یا عورت کو، یا حکومت کے محکمۂ صحت کو؟ دراصل فقہی کتابوں میں یہ بحث عزل کی بحث کے ذیل میں آئی ہے، اور اس سلسلے میں فقہاء کے درمیان تھوڑا اختلاف پایا جاتا ہے:

حنفیہ کے نزدیک یہ والدین کا حق ہے۔

شافعیہ حنابلہ اور جمہور علماء اس کو جماعت اور والدین کا مشترک حق مانتے ہیں، مگر والدین کا حق زیادہ قوی ہے، اصحاب الحدیث کے ایک طبقہ کی رائے میں جماعت کا حق والدین کے حق سے مقدم ہے۔

وزارت اوقاف کویت کے "لجنۃ الفتوی" نے یہ فتوی صادر کیا ہے کہ اگر گورنمنٹ کسی شخص کے بارے میں جینیٹک رپورٹ کی بنا پر سلسلۂ تولید پر پابندی عائد کرے تو فقہی قواعد: رعایۃ المصالح اور درء المفاسد" کی روشنی میں متعلقہ شخص پر اسکی تعمیل لازم ہو گی[1108]۔

میرے خیال میں اگر کسی جگہ گورنمنٹ کی طرف سے یہ پابندی نہ ہو تو بھی ضبط تولید کے سلسلے میں فقہاء نے جو بحث کی ہے اس کی روشنی میں اس شخص کو سلسلۂ تولید سے رک جانا جائز ہے، اس لئے کہ اسی میں اس کی نسل اور پوری جماعت کی فلاح مضمر ہے، فقہاء نے عزل کرنے کی اسوقت اجازت دی ہے جبکہ فساد زمان کی بنا پر بری نسل پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، خواہ بیوی اسکے لئے راضی ہو یا نہ ہو،[1109]۔

----- حواشی --

[1108] ۔ مجموعۃ الفتاویٰ الشرعیۃ: ج ۲ ص / ۳۰۶، ۳۰۸ کویت

[1109] ۔ ردالمحتار: ج ۲ ص / ۴۱۲ عالمگیری؛ ج ۵ ص / ۳۵۶، خانیہ؛ ج ۳ ص / ۴۱۰

مگر اس کو لازم نہیں قرار دیا جاسکتا، اور نہ متعلقہ شخص کو اس کے لئے مجبور کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ یہ چیز مستقبل کے لحاظ سے گویا درجۂ عدم میں ہے، نیز ممکن ہے کہ اللہ اپنی قدرت خاصہ سے اس کو اس نقص سے نجات عطا فرمادے، وماذلک علی اللہ بعزیز۔

طبی معائنہ کی بنیاد پر فسخ نکاح

(۴) سائنس دانوں کا خیال ہے کہ جنیٹک ٹسٹ سے کسی شخص کے دماغی توزن یا عدم توازن کا پتہ بھی چلایا جاسکتا ہے، اوران کا یہ خیال بڑی حد تک درست بھی ہے، لیکن میرے نزدیک احتیاط اس میں ہے کہ محض اس رپورٹ کی بنیاد پر جب تک کہ فی الواقع جنون کا ظہور نہ ہو کسی کے جنون کا فیصلہ نہ کیا جائے، اور نہ کسی قائم نکاح کو اس کی بنا پر فسخ کیا جائے۔

جینی اسٹیم سیل کے ذریعہ علاج و معالجہ کا شرعی حکم

جینیٹک تحقیقات کے نتیجے میں سائنس دانوں نے ایسے اسٹیم خلیات کو دریافت کرنے کا دعوی کیا ہے جن کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ وہ مکمل انسان بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اپنے محدود دائرے میں آکسیجن بھی حاصل کرتا ہے، ان کے ذریعہ انسان کا کوئی بھی مکمل عضو بنایا جاسکتا ہے، اور پھر اسکو اسی شخص یا کسی دوسرے مستحق شخص کے لئے بطور علاج استعمال کیا جاسکتا ہے، اس اسٹیم سیلز میں ترمیم واصلاح کا عمل بھی کیا جاسکتا ہے، جس کے نتیجہ میں انسان کے جسم میں بڑی تبدیلیاں رونما ہوسکتی ہے، اور اس قسم کی تبدیلیاں کبھی دفع ضرر اور علاج کی غرض سے کی جاتی ہیں، اور کبھی تزئین و تحسین کے مقصد سے، مثلاً کسی کے رنگ میں یا قد کے طول و عرض میں تبدیلی کے لئے بھی جین میں ردو بدل کیا جاسکتا ہے، پھر علاج کی غرض سے جن اسٹیم خلیوں کو استعمال کیا جاتا ہے ان کے اندر مطلوبہ صلاحیت پیدا کرنے کے لئے کبھی ان کو کسی مشین میں رکھا جاتا ہے، اس سلسلے میں شرعی نقطۂ نظر جاننے کے لئے بنیادی طور پر ہمیں دو اصولی باتوں کو پیش نظر رکھنا ہوگا:

علاج کے بارے میں شرعی ہدایات

(۱) شریعت اسلامیہ میں جان کی حفاظت فرض ہے، اور ان بنیادی پانچ ضروریات میں سے ایک ہے جن کی حفاظت ہر حال میں واجب ہے، اس لئے اگر علاج نہ ہونے کی صورت میں جان کی ہلاکت کا اندیشہ ہو، یا طبی طور پر اس مرض کے وبائی صورت اختیار کر لینے کا خطرہ ہو اور کئی جانیں اسکی وجہ سے خطرہ میں پڑ سکتی ہوں تو ہر ممکن علاج فرض ہے، شافعیہ اور بعض حنابلہ نے علاج کو بلا قید واجب کہا ہے، اور بعض حنابلہ نے نفع کے غلبۂ گمان کی قید لگائی ہے[1110]۔

حنفیہ کے نزدیک اگر علاج سے دفع مرض کا یقین ہو، اور اس کا انتظام بھی ممکن ہو تو علاج فرض ہے، اور علاج کو ترک کرنا حرام، ممکنہ علاج ترک کرنا ہرگز توکل نہیں قرار پائے گا، جس طرح کہ بھوک اور پیاس کے وقت کھانا اور پینا فرض ہے کھانا پینا ترک کرنا حرام ہے، یہی حکم یقینی شفا کی صورت میں علاج کا بھی ہے، البتہ اگر شفا کا یقین نہ ہو، بلکہ صرف گمان ہو تو علاج مستحب ہے، اور اگر گمان غالب بھی نہ ہو تو علاج صرف مباح ہے، جمہور فقہاء کی بھی رائے یہی ہے[1111]۔

اس سلسلے میں سب سے اہم بنیاد شریعت کا یہ جامع اصول ہے جس سے تمام فقہاء اور علماء نے اتفاق کیا ہے، اور رسول اللہ ﷺ سے منصوص بھی ہے:

"لا ضرر ولا ضرار[1112]"

"اسلام میں نہ خود ضرر اٹھانے کی اجازت ہے اور نہ دوسرے کو ضرر پہونچانے کی"

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے دوا اور علاج کی تاکید فرمائی ہے، اور اس کے لئے واضح ہدایات بھی ارشاد فرمائی ہیں:

----- حواشی--

[1110] ۔ فتاوی ابن تیمیہ: ج ۲۴ ص / ۲۶۹، ج ۲۱ ص / ۵۶۴ مطبوعہ الریاض، احیاء علوم الدین: ج ۴ ص / ۲۷۹ مطبوعہ عیسی البابی الحلبی، الآداب الشرعیۃ لابن مفلح: ج ۲ ص / ۳۶۱

[1111] ۔ الفواکہ للدوانی: ج ۲ ص / ۴۴۲، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ج ۱۰ ص / ۱۹۹، فتاوی ھندیہ: ج ۵ ص / ۳۵۵

[1112] ۔ موطا امام مالک کتاب الاقضیۃ: ص / ۴۶۴، مسند احمد: ج ۱ ص / ۳۱۳، ج ۵ ص / ۳۲۷، ابن ماجہ: ج ۲ ص / ۷۸۴

"تداووا فان اللہ لم یضع داء الا وضع لہ دواءغیرداء واحد الهرم[1113]"

ترجمہ: علاج کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بیماری نہیں رکھی جس کے لئے دوا نہ بنائی ہو، سوائے ایک بیماری کے اور وہ ہے بڑھاپا۔

حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ان اللہ انزل الداء والدواء وجعل لکل داء دواء فتداووا ولاتتداووابحرام [1114]"

ترجمہ: بلاشبہ اللہ نے بیماری اور علاج دونوں کو ہم رشتہ بنایا ہے، اور ہر بیماری کی دوا رکھی ہے س، پس علاج کرو مگر حرام ذریعہ سے نہیں۔

خود حضور اکرم ﷺ نے اپنے علاج کے طور پر دوا استعمال فرمائی، آپ نے پچھنہ لگوایا وغیرہ، اگر یہ توکل کے خلاف ہوتا تو آپ ﷺ سے بڑھ کر توکل علی اللہ کس کو ہو سکتا ہے؟[1115]

چنانچہ صحابہ کرام بھی علاج معالجہ کو بطور ایک سبب اختیار فرماتے تھے، اور مقام وباء سے اجتناب و گریز کیا کرتے تھے، جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے طاعون کے موقعہ پر عمل فرمایا، اور اس سلسلے میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ایک حدیث رسولؐ بھی سنائی[1116]۔

غرض علاج ایک سبب ہے، جو اللہ کی مرضی سے انسان کے لئے باعث شفا بنتا ہے، البتہ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اگر انسان ایسی حالت میں پہونچ جائے جب اسے شفاء کی قطعی امید نہ ہو، اور بیماری مہلک ہو، اور روز بروز ترقی پذیر ہو، تو ایسی صورت میں ترک علاج کی گنجائش ہے[1117]۔

----- حواشی --

1113 ۔ ابوداؤد مع عون المعبود: ج ۱۰ ص ۳۳۴، ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۶ ص ۱۹۰ حسن صحیح

1114 ۔ ابوداؤد مع عون المعبود: ج ۱۰ ص / ۳۵۱

1115 ۔ ابوداؤد مع عون المعبود: ج ۱۰ ص / ۳۳۹، ۳۴۱، ۳۴۹، وفتح الباری: ج ۱۰ ص / ۱۴۷، ۱۵۰

1116 ۔ بخاری مع فتح الباری: ج ۱۰ ص / ۱۷۹، مسلم شریف: ج ۴ ص / ۱۷۴۰ حدیث نمبر ۲۲۱۹

1117 ۔ احیاء علوم الدین: ج ۴ ص / ۲۷۹

غیر فطری طریقۂ علاج کی اجازت نہیں

(۲) دوسری اہم ترین بات جس کو یہاں پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ اسلام نے علاج کی اجازت دی ہے، اور حالات کے لحاظ سے اس کے لئے مدارج بھی مقرر کئے ہیں، مگر ایسے کسی طریقۂ علاج کی قطعی اجازت نہیں دی ہے جو خلاف فطرت ہو، جس سے خلقی تبدیلی واقع ہو، مثلاً جنس تبدیل ہو جائے، یا مقررہ طول و عرض متاثر ہو، شکل و صورت اور رنگ و روپ بدل جائے، اور کوئی ایسی تبدیلی جو اس شخص کی جسمانی وضع کے خلاف ہو، البتہ ایسی تبدیلی کی گنجائش ہے جو اسکی بقائے صحت کے لئے ضروری ہو، جس سے اسکی جان کی سلامتی یا عضو کی سلامتی وابستہ ہو، یا کسی عضو کو اپنی اصل حالت پر لانے کے لئے تبدیلی کی جائے، کسی زخم یا عیب کی اصلاح مقصود ہو، وغیرہ، ایسی چند ضروری صورتوں کا استثناء کر کے ایسی تمام صورتیں ناجائز ہیں، جن میں اللہ کی خلقت کی تبدیلی لازم آئے، یا یہ کہ محض تزئین و تحسین کے لئے کسی عضو میں تبدیلی کی جائے۔

جدید و قدیم تمام علماء و فقہاء غیر فطری تبدیلیوں کے عدم جواز پر متفق ہیں، قرآن و حدیث کی متعدد نصوص میں اسکی ممانعت آئی ہے:

ارشاد ربانی ہے:

"فلیغیرن خلق اللہ ومن یتخذ الشیطان ولیا من دون اللہ فقد خسر خسرا نا مبینا[1118]"

ترجمہ: پس یہ بدلیں اللہ کی بنائی ہوئی صورتیں، اور جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنائے گا، وہ کھلے نقصان میں پڑ جائے گا۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

"فاقم وجھک للدین حنیفا فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم و لٰکن اکثر الناس لا

----- حواشی -----

[1118] ۔ النساء:۱۱۹

یعلمون[1119]"

ترجمہ: دین کی طرف پوری یکسوئی کے ساتھ متوجہ ہو جاؤ اللہ کی فطرت کے مطابق جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، یہ سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

آیت کریمہ میں تغیر خلق اللہ کا کیا مفہوم ہے؟ اس میں مفسرین کے دو قول ہیں:

(۱) ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ کے دین میں تبدیلی ہے، یعنی اللہ نے ہر بچہ کو دین فطرت پر پیدا کیا ہے، اسکو تبدیل کرنے کی مذمت یہاں کی گئی ہے، اور حرام کو حلال کرنا، اور حلال کو حرام کرنا بھی مراد ہو سکتا ہے۔ حضرت سعید بن المسیبؒ، سعید بن جبیرؒ، حسنؒ، ضحاکؒ، مجاہدؒ، سدیؒ، نخعیؒ، اور قتادہؒ کی رائے یہی ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ کی بنائی ہوئی ظاہری شکل وصورت کو بدلنا مراد ہے، مثلاً کسی کا ہاتھ، پاؤں، کاٹنا، خصی کرنا، خنثیٰ بنانا، بال میں بال جوڑنا وغیرہ[1120]۔

ابن عطیہ کا خیال یہ ہے کہ راجح بات یہ معلوم پڑتی ہے کہ پہلی آیت میں تبدیل دین یا تبدیل شریعت مراد ہے، اور دوسری آیت میں تغیر شکل وہیئت مراد ہے[1121]۔

☆ امام بخاریؒ نے ایک باب قائم کیا ہے "باب المتفلجات للحسن" اس کے تحت حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت نقل کی ہے کہ:

"لعن اللہ الواشمات المستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات خلق اللہ مالی لا العن من لعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ھو فی کتاب اللہ و ماآتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا[1122]"

----- حواشی ---

[1119] ۔ الروم: ۳۰

[1120] ۔ تفسیر کبیر للرازی: ج ۱۱ ص / ۴۸، ۵۰ مطبوعہ دار الاحیاء التراث العربی بیروت

[1121] ۔ المحرر الوجیز لابن عطیہ مطبوعہ قطر: ج ۴ ص / ۲۳۲

[1122] ۔ صحیح البخاری مع فتح الباری ج ۱۲ ص ۴۹۴، ۴۹۵

ترجمہ: اللہ کی لعنت ہو بدن میں سوئی گوندھنے اور گوندھوانے والیوں پر اور چہرہ اور ابرو وغیرہ کے بال کٹوانے والیوں پر، اور خوبصورتی کی غرض سے دانتوں کے بیچ کھودوانے والیوں پر، یہ سب اللہ کی خلقت کو بدلنے والیاں ہیں، میں ان عورتوں پر لعنت کیوں نہ بھیجوں، جن پر اللہ کے رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے لعنت فرمائی ہے۔ اور یہ بات قرآن میں موجود ہے "ما اتاکم الآیۃ" یعنی جو چیز اللہ کے رسولؐ تم کو دیں وہ لے لو، اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ یہ ممانعت ایسی تبدیلی پر ہے جو بغرض حسن و نمائش کی جائے، لیکن اگر علاج کے لئے اس کی ضرورت ہو تو جائز ہے، یا عورت کے چہرہ پر کوئی ایسی غیر موزوں چیز نکل آئے جو تکلیف دہ ہو اور عام طور پر عورتوں کو نہیں نکلتی ہو تو اس کو صاف کرنا بھی تغیر خلق اللہ میں داخل نہ ہو گا، مثلاً عورت کے داڑھی یا مونچھ کے مقام پر بال نکل آئے وغیرہ[1123]۔

علامہ نووی نے بھی شرح مسلم میں یہی بات لکھی ہے[1124]

علاج کے لئے مریض یا اسکے اولیاء کی اجازت ضروری ہے

(۳) اس طرح جینیٹک علاج میں بھی اس بات کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے جس پر تقریباً تمام ہی فقہاء کا اتفاق ہے کہ عام حالات میں کوئی بھی عمل مریض کی اجازت کے بغیر نہ ہو اور اگر وہ اس لائق نہ ہو تو اس کے اولیاء سے ضرور اس عمل کی اجازت حاصل کی جائے، ورنہ ڈاکٹر گنہگار ہو گا، خواہ وہ کتنا ہی مخلص اور ماہر فن کیوں نہ ہو، اور اگر اس علاج سے مریض کو کوئی نقصان پہونچے تو اس کا ضمان بھی اس پر ہو گا، مذاہب اربعہ کے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے[1125]۔

----- حواشی---

1123 ۔۔ فتح الباری شرح البخاری: ج۱۲ص / ۴۹۵، ۴۹۴

1124 ۔ صحیح مسلم شرح النووی: ج۱۴ص / ۱۰۶

1125 ۔ روضۃ الطالبین: ج۹ص / ۱۸۰، الفتاوی الھندیہ: ج۴ص / ۴۹۹، جواہر الاکلیل: ج۲ص / ۲۹۶، الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی: ج۴ص / ۳۵۵، الانصاف ج۶ص / ۷۵، منار السبیل: ج۱ص / ۴۲۲

البتہ ابن حزم ظاہری کو اس سے اختلاف ہے، ان کے نزدیک اگر ڈاکٹر ماہر ہو تو ضمان نہ ہو گا[1126] مگر جمہور کی رائے کرامت انسانی اور مقاصد شریعت سے زیادہ ہم آہنگ ہے، اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے، جو بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے:

"لددناه فی مرضه فجعل یشیر الینا ان لا تلدونی فقلنا کراهیة المریض للدواء فلما افاق قال الم انهكم ان لا تلدونی؟ قلناکراهیة المریض للدواء،فقال:لا یبقی فی البیت احدالالدو اناانظر الا العباس ؓ فانه لم یشهدکم [1127]"

ترجمہ: ہم نے رسول اللہ ﷺ کو مرض کی حالت میں دوا پلائی تو آپؐ نے ہمیں اشارہ سے منع فرمایا مگر ہم نے اس کو اس ناپسندیدگی پر محمول کیا جو عام طور پر بیماروں کو دواء سے ہوتی ہے مگر جب آپؐ کو افاقہ ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ میرے منع کرنے کے باوجود تم لوگوں نے مجھے دوا کیوں پلائی؟ ہم نے عرض کیا کہ اسکو ہم نے اس ناگواری پر محمول کیا، جو عام طور پر بیمار کو دواء پلانے سے ہو جاتی ہے، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ گھر میں کوئی ایسا نہ بچے جسے دوا نہ پلائی جائے، چنانچہ حضرت عباسؓ کو چھوڑ کر سب کو دوا پلائی گئی، حضرت عباسؓ اس واقعہ کے وقت موجود نہ تھے۔

روایت بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ مریض کی اجازت کا بہر حال لحاظ ضروری ہے، اس سے صرف بعض حالات کا استثناء کیا جا سکتا ہے، مثلاً:

(۱) ایسی صورت جس میں مرض سے دوسروں کو نقصان پہونچنے کا شدید اندیشہ ہو، مثلاً متعدی امراض، ایسی صورت میں مریض کی رائے سے اتفاق کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ حکومت کے محکمۂ صحت کے مشورہ سے مریض پر علاج کا عمل کیا جا سکتا ہے۔

(۲) ایسے ہنگامی نوعیت کے کیس جن میں مریض سے اجازت لینے کا کوئی موقع نہ ہو، اور اس کی

----- حواشی -----

1126 ۔ المحلی: ص / ۴۴۴

1127 ۔ صحیح البخاری مع فتح الباری کتاب الطب: ج ۱۰ ص / ۱۶۶

جان بچانے کے لئے فوری کاروائی ضروری ہو، تو بھی بلا اجازت مریض علاج کرنا درست ہوگا وغیرہ۔

مجمع الفقہ الاسلامی جدہ نے بھی اپنے چوتھے سیمینار مین چند صورتوں کا استثناء کر کے مریض کی اجازت کو ضروری قرار دیا ہے[1128]۔

اور شریعت اسلامی کے اس ضابطے کو اس دور کی میڈیکل دنیا نے بھی قبول کر لیا ہے۔

مقاصد، وسائل اور نتائج کا اعتبار

(۴) اسی طرح اس کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ شریعت نے کن مقاصد کا اعتبار کیا ہے، اور ان کے لئے وسائل کا کیا معیار مقرر کیا ہے، اور شریعت ان سے حاصل ہونے والے نتائج کو کس نگاہ سے دیکھتی ہے؟

شریعت کے تمام احکام میں مصالح کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے، خواہ ان مصالح کا تعلق ضرورت سے ہو یا حاجت سے، یا تحسین سے، اسی طرح شریعت میں مصالح و مفاسد کے موازنہ پر بھی کافی زور دیا گیا ہے، اور اس سلسلے میں فقہاء کے یہاں متعدد قواعد معروف ہیں، مثلاً:

☆ دفع مفسدہ جلب مصلحت سے مقدم ہے۔

☆ بڑے ضرر کو دور کرنے کے لئے چھوٹے ضرر کو گوارہ کیا جاسکتا ہے۔

☆ ضرر کو دور کیا جائے گا۔

☆ ضرر کو اسی درجہ کے ضرر کے ذریعہ دور نہیں کیا جائے گا۔

☆ ضرورت کی بنا پر بعض ممنوعات کی گنجائش ہو جاتی ہے۔

☆ ضرورت کا اعتبار صرف بقدر ضرورت ہی کیا جائے گا۔

☆ ضرر عام کو دفع کرنے کے لئے ضرر خاص کو گوارا کیا جاسکتا ہے۔

☆ ضرر اشد کو ضرر اخف کے ذریعہ دور کیا جائے گا۔

----- حواشی---

[1128] ۔ قرار مجمع الفقہ الاسلامی: ج۴ ص/ ۸۸

☆ضرر کا دفعیہ ممکن حد تک کیا جائے گا۔

☆کبھی حاجت ضرورت کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔

☆اضطرار سے کسی کا حق باطل نہیں ہو سکتا۔

☆جہاں مشقت ہوگی وہاں آسانی بھی ہوگی۔

☆جہاں مشکل پیش آتی ہے وہاں معاملہ میں گنجائش پیدا ہوتی ہے۔

☆نہ کسی کو ضرر پہونچانا درست ہے، اور نہ خود ضرر اٹھانا، وغیرہ۔

☆جب دو مفسدے میں ٹکراؤ ہو جائے تو بڑے مفسدے کی رعایت کی جائے گی۔

☆ہمیشہ ہلکے شر کو گوارہ کیا جائے گا۔ (مجلۃ الاحکام العدلیۃ، قواعد الفقہ وغیرہ)

وسائل کے بارے میں شریعت کا موقف یہ ہے کہ جائز وسائل ہی سے جائز مقصد کی تحصیل ہو سکتی ہے، ناجائز وسیلہ ناجائز ہے، خواہ اسکے مقاصد کتنے ہی اچھے ہوں، ناجائز تک پہونچانے والا ذریعہ بھی ناجائز ہے، جس کو فقہاء سد الذرائع کہتے ہیں، البتہ علاج کی ضرورت یا شدید مشقت سے بچنے کے لئے ناجائز وسیلہ کی گنجائش ہے[1129]

علامہ ابن قیم نے سد ذرائع کو ربع دین قرار دیا ہے[1130]

اسی طرح شریعت اسلامیہ نتائج پر خاص دھیان دیتی ہے، کسی بھی کام کی اجازت بہتر نتائج ہی کے لئے ممکن ہے[1131]۔

حیوانات میں افزائش نسل کا شرعی معیار

(۵) جنیٹک تحقیقات کا ایک بڑا میدان عمل انسانوں اور حیوانوں میں جنسی تصرفات اور افزائش

----- حواشی -----

[1129] ۔ الموافقات للشاطبی: ج۴ ص/ ۵۵۶

[1130] ۔ اعلام الموقعین: ج۳ ص/ ۱۳۴، ۱۵۹ مطبوعہ النھضۃ الجدیدۃ القاھرہ

[1131] ۔ الموافقات: ج۴ ص/ ۵۵۲، ۵۵۳

نسل کی جدو جہد ہے، اس لئے اس سلسلے میں شریعت کا عمومی نقطۂ نظر مستحضر رہنا ضروری ہے:

(۱) کوئی ایسا عمل جس میں انسان کی قوت تولید ختم ہو جائے جائز نہیں ہے، صریح طور پر یہ تغیر خلق اللہ ہے، جو حرام ہے، حضور اکرم ﷺ نے انسانوں کو خصی کرنے سے منع فرمایا ہے، اور تکثیر نسل کے لئے نکاح کی تاکید فرمائی ہے، اسی طرح تمام علماء نے متفقہ طور پر بلا قید و شرط اسکو حرام قرار دیا ہے[1132]

(۲) جانوروں کے اعضاء میں بھی بلا ضرورت قطع و برید حرام ہے، اور تغییر خلق اللہ کا مصداق ہے[1133]۔

البتہ جانوروں کو خصی کرنے کے سلسلے میں فقہاء کے یہاں دو قول پائے جاتے ہیں:

(الف) منفعت مقصود ہو تو رخصت ہے، مثلا جانور کو موٹا بنانا ہو، یا اس کے گوشت کی لذت بڑھانی ہو، وغیرہ۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ، عروہ بن زبیرؒ، امام مالکؒ وغیرہ کی رائے فی الجملہ طور پر یہی ہے[1134]۔

(ب) دوسرا قول یہ ہے کہ مکروہ ہے، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، ابن المنذرؒ، اور امام اوزاعیؒ کی رائے یہی ہے۔

(۳) جانوروں میں نسلی عملی کے ذیل میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ دو مختلف الجنس جانوروں کے جنسی اتصال سے کوئی نئی مخلوق حاصل کی جائے، مثلا گھوڑا اور گدھی کے ملاپ سے ایک تیسرے جانور کی پیدائش ہو تو اس تعلق سے بھی فقہاء کے یہاں دو قسم کی رائے پائی جاتی ہے:

(الف) کوئی مضائقہ نہیں، اور دلیل یہ ہے کہ خود رسول اکرم ﷺ نے خچر پر سواری فرمائی اگر یہ ناجائز یا مکروہ ہوتا تو آپؐ سواری نہ فرماتے۔

(ب) دوسری رائے کراہت کی ہے، اور اسکی دلیل ابو داؤد میں ایک روایت ہے جو حضرت علیؓ

----- حواشی---

1132۔ تفسیر قرطبی: ج۵ ص/ ۳۹۱

1133۔ الجامع للاحکام القرآن للقرطبی: ج۵ ص/ ۳۸۹

1134۔ تفسیر قرطبی: ج۶ ص/ ۳۹۰

سے منقول ہے، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو ایک خچر ہدیہ میں پیش کیا، تو آپ ﷺ نے سواری فرمائی، حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ ہم لوگ بھی گھوڑے اور گدھی کا اتصال کرائیں تو ایسی نسل حاصل کر سکتے ہیں، حضور اکرم ﷺ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ: **إِنَّمَا يَفْعَلُ ذَلِكَ الَّذِينَ لاَ يَعْلَمُونَ** ایسا وہ لوگ کرتے ہیں جو جانتے نہیں ہیں[1135]۔

علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ ارشاد نبوی ؐ کا مقصد یہ ہے کہ گھوڑے جن بلند مقاصد کے لئے استعمال ہوتے ہیں، ان میں خچر استعمال نہیں ہوسکتے، اور اس طرح کے عمل سے گھوڑے کی نسل گھٹ جائے گی، اور خچر کی نسل بڑھ جائے گی، اس لئے آپ ﷺ نے اسکو پسند نہیں فرمایا[1136]۔

فقہاء نے اس مسئلہ کا بھرپور تجزیہ کیا ہے، اور مختلف الجنس جانوروں کے اتصال کی نو(۹) صورتیں بیان کی ہیں، اور ہر ایک کے لحاظ سے جداگانہ احکام بیان کئے ہیں:

(۱) دو پاک جانوروں کے اتصال سے کوئی جانور پیدا ہو، مثلاً اونٹ اور گائے کے اتصال سے، اس جانور کو کھانا جائز ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ اختلاف مقدار زکوٰۃ میں ہے، کہ اس میں اونٹ کی زکوٰۃ جاری ہوگی یا گائے کی؟، تو فقہاء کے ضابطے کے مطابق اس قسم کے جانوروں میں نر اور مادہ میں سے جس کی زکوۃ کم ہو وہ جاری ہوگی، مثلاً مذکورہ صورت میں گائے کی زکوۃ اونٹ کے مقابلہ میں ہلکی ہے[1137]۔

(۲) دو ناپاک اور غیر ماکول اللحم جانوروں کے اتصال سے کوئی جانور پیدا ہو، مثلاً کتا اور خنزیر کے اتصال سے تو وہ جانور ناپاک ہے، اور اس کا کھانا درست نہیں[1138]۔

(۳) ایک ناپاک، غیر ماکول، مغلظ جانور اور دوسرے پاک جانور سے بچہ پیدا ہو، مثلاً کتا اور بکری

----- حواشی ---

[1135] -سنن أبي داود ج 2 ص 331 حديث نمبر :2567 المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي . بيروت عدد الأجزاء : 4

[1136] ۔النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر بحوالہ الوراثۃ والھندسۃ للدکتور عبد اللہ ص/ ۷۵۴

[1137] ۔حاشیۃ الشرقاوی علی التحریر ج ا ص/ ۱۱۷، نہایۃ المحتاج ج ا ص/ ۲۲۰

[1138] ۔حاشیۃ الشرقاوی علی التحریر ج ا ص/ ۱۱۷، نہایۃ المحتاج ج ا ص/ ۲۲۰

سے بچہ پیدا ہوا ہو، اس کا کھانا بھی جائز نہیں[1139]۔

(۴) آدمی اور کتا یا خنزیر کے اتصال سے بچہ پیدا ہو، اس صورت میں اگر پیدا ہونے والے بچے کی صورت آدمی جیسی ہے، تو وہ بالاتفاق ناپاک ہے۔ اور اگر اوپر کا نصف حصہ آدمی کا ہو، اور نیچے جانور کا تو علامہ رملی اور ان کے والد کے خیال میں اس کو آدمی تصور کیا جائے گا، اور اس کو پاک مانا جائے گا، اور دیگر تمام احکام کا وہ انسانوں کی طرح مکلف ہو گا، اور دوسرے فقہاء کے نزدیک وہ ناپاک قرار پائے گا، اور اباحت، نماز، دخول مسجد وغیرہ احکام کا وہ مکلف نہیں ہو گا[1140]۔

شیخ زکریا انصاریؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ وہ انسانی صورت میں ہے، اس لئے آیت کریمہ "ولقد کرمنا بنی آدم" کی روشنی میں اس کو پاک ماننا زیادہ راجح ہے، اور وہ مسجدوں میں جا سکتا ہے، امامت کر سکتا ہے، البتہ ولایت نکاح اور ولایت قضا اسے حاصل نہ ہو گی، اس کا ذبیحہ حلال نہ ہو گا، اور نہ اس کے اور آدمی کے درمیان وراثت جاری ہو گی، قول معتمد یہی ہے، البتہ اگر آدمی کی صورت نہ ہو بلکہ کتے کی صورت ہو تو وہ ناپاک ہے، اگرچہ کہ عقل و نطق موجود ہو، قول معتمد یہی ہے[1141]۔

(۵) دو آدمیوں کے اتصال سے کتا پیدا ہو، تو وہ پاک قرار دیا جائے گا، اور تغیر صورت یہاں موثر نہیں ہو گا، جس طرح کہ اس شخص کے بارے میں حکم ہے، جسکی صورت مسخ ہو گئی ہو[1142]۔

(٦) دو بکریوں کے اتصال سے آدمی پیدا ہو، شیخ شبر املسی نے اپنے حاشیہ میں لکھا ہے کہ قرائن اور دلائل سے زیادہ قریب بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایسے شخص کی امامت اور دوسری عبادات کو صحیح قرار دیا جائے، جمع کی تعداد میں اس کا شمار معتبر ہو، اس لئے کہ اس شمار کا تعلق عقل سے ہے، وہ اسکے اندر موجود ہے، اسی طرح اس کا ذبح کیا جانا جائز ہو، اس لئے کہ اصل کے اعتبار سے وہ ماکول اللحم جانور ہے، اور بعض

----- حواشی ---

[1139] ۔حاشیۃ الشرقاوی علی التحریر ج ۱ص /۱۱۷، نہایۃ المحتاج ج ۱ص /۲۲۰

[1140] ۔نھایۃ المحتاج لشمس الدین الرملی؛ ج ۱ص /۲۲۴

[1141] ۔حاشیۃ الشرقاوی علی التحریر: ج ۱ص /۱۱۷

[1142] ۔حاشیۃ الجمل علی المنہج: ج ۱ص /۱۷۲

فقہاء نے اس کی امامت جمعہ کو معتبر نہیں مانا ہے[1143]۔

(۷) آدمی اور جانور کے اتصال سے آدمی پیدا ہو، ابن حجرؒ نے اس کو جانور اور مالک کی ملک قرار دیا ہے، شبر املسیؒ نے لکھا ہے کہ اس کا کھانا جائز نہیں[1144]۔

(۸) سمندری جانور سے آدمی پیدا ہو، اس کا حکم وہی ہے جو دو بکریوں سے پیدا ہونے والے آدمی کا ہے۔

(۹) مچھلی اور آدمی سے آدمی پیدا ہو، یہ آدمی کے حکم میں ہو گا، اور اس کا کھانا جائز نہ ہو گا، اور دلائل کا تقاضا ہے کہ اس کو مکلف قرار دیا جائے[1145]۔

دراصل فقہاء نے دو جنسوں سے پیدا ہونے والے بچوں کے بارے میں ایک جامع ضابطہ بیان کیا ہے اور اسی کے لحاظ سے مختلف قسموں پر مختلف احکام مرتب ہوتے ہیں، وہ ضابطہ یہ ہے کہ فرع نسب میں باپ کے تابع ہو گا، اور غلامی اور آزادی میں ماں کے، اور دین، بدل کے وجوب، اور جزیہ کی تعیین میں ماں باپ میں جو بہتر ہو گا اسکے تابع ہو گا، اور وجوب زکوۃ میں اس کے تابع ہو گا جس کی زکوٰۃ کم واجب ہو، اور نجاست، تحریم ذبیحہ، اور تحریم مناکحہ میں ارذل کے تابع ہو گا[1146]۔

جنیٹک علاج کے کچھ ضابطے

مذکورہ بالا مباحث سے جنیٹک علاج کے کچھ حدود و ضوابط سامنے آتے ہیں، جن کا لحاظ رکھنا بہر حال ضروری ہے، وہ ضوابط مندرجہ ذیل ہیں:

----- حواشی ---

[1143] ۔حاشیۃ الشبر املسی علی المنہاج: ج ا ص / ۲۲۱

[1144] ۔حاشیۃ الشبر املسی علی المنہاج: ج ا ص / ۲۲۱

[1145] ۔حاشیۃ الجمل علی شرح المنھاج: ج ا ص / ۱۷۲

[1146] ۔نہایۃ المحتاج الی شرح المنھاج للرملی: ج ا ص / ۲۲، حاشیۃ القلیوبی علی منہاج الطالبین: ج ا ص ۶۹، شرح الشیخ زکریا الانصاری علی البھجۃ الوردیۃ: ج ا ص / ۴۰، حاشیۃ الجمل علی المنھج: ج ا ص / ۱۷۱، حاشیۃ الشرقاوی علی التحریر: ج ا ص / ۱۱۷ بحوالہ الوراثۃ و الھندسۃ الوراثیۃ رویۃ اسلامیۃ للدکتور عبد اللہ محمد عبد اللہ ص / ۷۵۷

(۱) تحقیقات اور معالجہ میں ہر طرح کی علمی اور فنی احتیاط ملحوظ رکھی گئی ہو، اور کسی قسم کی کوتاہی اور لاپرواہی نہ برتی گئی ہو۔

(۲) جلب مصلحت اور دفع مضرت پیش نظر ہو، تسکین شوق مقصود نہ ہو۔

(۳) مطلوبہ فوائد کے حاصل ہونے کا غلبۂ گمان ہو، محض موہوم مصالح کے لئے جینیٹک علاج کی اجازت نہیں ہے۔

(۴) علاج کے نتائج قابل اطمینان ہوں، اس سے کسی بڑے ضرر کا اندیشہ نہ ہو، اور اس کے برے اثرات، بدن، عقل، نسل، یا نسب پر نہ پڑتے ہوں۔

(۵) علاج کا عمل نیک مقاصد کے لئے کیا جائے، بلاوجہ یا محض قوت علم کے اظہار کے لئے کسی انسان کو جینیٹک عمل کا نشانہ بنانا درست نہیں۔

(۶) اس سے تغییر خلق اللہ نہ لازم آتی ہو۔

(۷) علاج میں جائز مواد اور وسائل کا استعمال کیا گیا ہو، ناجائز مواد یا ذرائع کا استعمال درست نہیں، البتہ حالت ضرورت میں بقدر ضرورت کا استثناء ہے۔

(۸) حد اعتدال کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہو، مالی اخراجات، اسراف و تبذیر کے حدود میں نہ داخل ہوں۔

(۹) علاج کے عمل سے سوسائٹی یا جماعت کو ضرر نہ پہونچے، یا اس سے جانوروں کو اذیت نہ ہوتی ہو۔

(۱۰) انسان پر کوئی بھی جینیٹک عمل جاری کرنا اسوقت تک جائز نہیں جب تک کہ جانور پر اس کی کامیابی کا بڑی حد تک تجربہ نہ کر لیا گیا ہو۔

(۱۱) اس عمل سے جڑے ہوئے لوگ تجربہ کار، ماہر، مخلص، اور اس فن کے اسپیشلسٹ ہوں۔

(۱۲) اور تمام تر کاروائی کسی حکومت، یا معتبر ادارہ کی نگرانی میں انجام دی جائے، جینیٹک عمل کے جواز کے لئے مذکورہ بالا حدود کی رعایت لازم ہے۔

مجمع الفقہ الاسلامی رابطہ عالم اسلامی نے بھی اپنے پندرہویں سیمینار (منعقدہ ۱۱/ رجب ۱۴۱۹ھ مطابق ۳۱/ اکتوبر ۱۹۹۸ء بمقام مکۃ المکرمۃ) میں تقریباً انہی شرائط وضوابط کے ساتھ جینیٹک عمل سے استفادہ کے جواز کی قرارداد منظور کی ہے[1147]۔

جنیٹک عمل سے وابستہ چند مسائل

ان ضوابط کی روشنی میں اس ضمن میں پیدا ہونے والے سوالات کے جوابات ذیل میں پیش ہیں:

(۱) جینی اسٹیم سیل کے بارے میں سائنس دانوں کا خیال ہے کہ وہ مکمل انسان بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اپنے محدود دائرے میں آکسیجن بھی حاصل کرتا ہے، مگر شرعی اور اصطلاحی طور پر اسے ذی روح اور زندہ وجود کے حکم میں نہیں رکھا جاسکتا، اور اس کے ضائع کرنے پر کوئی شرعی ضمان واجب نہ ہو گا، یہ الگ بات ہے کہ بلاضرورت اس کا ضائع کرنا درست نہیں ہے، اور اس پر گناہ ہو گا۔

حضرت امام مالکؒ کے علاوہ جمہور فقہاء کا نقطۂ نظر یہی ہے، یہی وجہ ہے کہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک چالیس (۴۰) یوم سے قبل اور حنفیہ کے نزدیک ایک سو بیس (۱۲۰) دن قبل عذر کی بناپر اسقاط حمل کی اجازت ہے، مسئلہ کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے، اور اس مدت میں کسی کا حمل ضائع کر دینے پر غرہ یا تاوان واجب نہ ہو گا، اگر اس کو اصطلاحی طور پر زندہ وجود مان لیا گیا ہوتا، تو اس کے قتل وضیاع کی اجازت نہ دی جاتی

دراصل زندگی تو ہر شئی میں فی الجملہ موجود ہے، مگر اصطلاح میں جس زندگی کے قتل وضیاع پر حکم شرعی مرتب ہوتا ہے، اس کا مخصوص معیار ہے، اس لئے ہر وہ چیز جس میں سائنس فی الجملہ زندگی کے آثار کا پتہ چلائے، اس پر اصطلاحی زندگی کے احکام مرتب نہ ہونگے۔

خود حضرت امام مالکؒ جو استقرار کے بعد اسقاط حمل کو ناجائز کہتے ہیں، ان کے نزدیک بھی اس قسم کے حمل کے ضیاع پر ضمان واجب نہیں ہوتا، ان کی ساری گفتگو گناہ کی حد تک ہے۔

(۲) رحم مادر میں پرورش پانے والے یا اسقاط شدہ جنین سے اسٹیم سیلز لیکر خود اسی انسان کے لئے

----- حواشی

[1147] ۔ العلاج الجینی، لعلی محی الدین القرۃ داغی ص / ۱۹۸،۱۹۹

محفوظ کیا جا سکتا ہے، یا پھر اسکی اجازت سے (اہلیت اجازت کی صورت میں) کسی دوسرے شخص کو بھی بوقت ضرورت دیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ اس دوسرے شخص کا جسم اس عضو کو قبول کر سکے، اور اس کے لئے باعث نقصان نہ ہو، نیز اس شخص کی اپنی ضرورت سے زائد ہو، اور اسکے بدلے کوئی قیمت وصول نہ کی گئی ہو، اور ان حدود میں رہ کر کی گئی ہو جن کا ذکر "ضوابط" کے ذیل میں اوپر کیا گیا ہے۔

(۳) انسان کا اسٹیم سیل کسی حیوان کے جسم میں ڈال کر مطلوبہ عضو تیار کرنا درست ہے، بشرطیکہ حیوان حلال ہو، اور ماہر ڈاکٹروں نے اسکی ضرورت تجویز کی ہو۔

(۴) اسٹیم سیل کے حاصل کرنے کا ایک اہم ذریعہ نافہ انون نال بھی ہے، اگر اس نال کے خون سے سیلس لئے جائیں، اور ان کو مستقبل کے لئے محفوظ کر دیا جائے، تو کسی نازک موقع پر وہ اس کے کام آسکتا ہے، عام طور پر جب یہ نال کاٹی جاتی ہے، تو اس میں موجود خون کو نومولود کے جسم میں پہونچا دیا جاتا ہے، اور نال باندھ دی جاتی ہے، اگر سیلس حاصل کرنا ہو تو نال کے حصے میں جو خون ہے اسے باہر نکال لیا جائے گا، اس خون کے لینے کی وجہ سے کسی مرض یا خطرہ کا امکان ایک فیصد سے بھی کم ہے، یہ صورت درست معلوم پڑتی ہے، بشرطیکہ یہ تمام تر کاروائی بچہ کے فائدہ کے لئے کی جائے۔

(۵) جینی اسٹیم سیل یوں تو بالغوں سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے، لیکن اسکی نشو و نما میں دشواریاں ہیں، اس پس منظر میں ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ حمل کے استقرار اور اس کی ابتدائی نشو و نما کے جدید طریقہ کو اختیار کرنے کی صورت میں اگر میاں بیوی کی اجازت سے سیلس حاصل کر لیے جائیں، اور ان کو انسانی عضو تیار کرنے میں استعمال کیا جائے، تو ایسا کرنا بظاہر جائز معلوم ہوتا ہے، بشرطیکہ یہ اطمینان کر لیا گیا ہو کہ سیلس میاں بیوی ہی کے حمل سے لیا گیا ہے، کسی اجنبی نطفہ سے نہیں، اگر اس اطمینان کی کوئی صورت نہ ہو تو یہ طریقۂ کار اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ اس سے نسل اور نسب کے نظام کے متأثر ہونے کا اندیشہ ہے۔ هٰذا ما عندی واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

جنیٹک ٹسٹ

۱-اگر جنیٹک ٹسٹ کے ذریعہ ثابت ہو جائے کہ رحم مادر میں پرورش پانے والا بچہ ایسا ناقص العقل اور ناقص الاعضاء ہے جو ناقابل علاج ہے، اور پیدائش کے بعد اس کی زندگی ایک بوجھ اور اس کے اور گھر والوں کے لئے تکلیف دہ رہے گی تو ایسی صورت میں حمل پر ایک سو بیس دن گذرنے سے پہلے پہلے والدین کے لئے اس کا اسقاط جائز ہے۔

۲-اگر جنیٹک ٹسٹ کے ذریعہ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کسی شخص کی اگلی نسل میں پیدائشی نقائص کے امکانات ہیں تو اس اندیشہ کے پیش نظر سلسلۂ تولید کو روکنا قطعاً ناجائز ہے۔

۳-اگر جنیٹک ٹسٹ کے ذریعہ کسی شخص کے بارے میں یہ اندیشہ ہو کہ وہ آئندہ جنون یا کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو سکتا ہے جو شرعاً فسخ نکاح کا سبب ہے تو فسخ نکاح کے لئے محض یہ ٹسٹ کافی نہیں ہو گا۔

۴-علاج کی غرض سے امراض کی شناخت اور تحقیق کے لئے جنیٹک ٹسٹ کرانا اور اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

ڈی این اے ٹسٹ

۱-جس بچے کا نسب شرعی اصول کے مطابق ثابت ہو اس کے بارے میں ڈی این اے ٹسٹ کے ذریعہ اشتباہ پیدا کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

۲- اگر کسی بچے کے بارے میں چند دعوے دار ہوں اور کسی کے پاس واضح شرعی ثبوت نہ ہو تو ایسے بچے کا نسب ڈی این اے ٹسٹ کے ذریعہ متعین کیا جاسکتا ہے۔

۳- جو جرائم موجب حد و قصاص ہیں ان کے ثبوت کے لئے منصوص طریقوں کے بجائے ڈی این اے ٹسٹ کا اعتبار نہیں ہو گا۔

۴- حدود و قصاص کے علاوہ دوسرے جرائم کی تفتیش میں ڈی این اے ٹسٹ سے مدد لی جاسکتی ہے، اور قاضی ضرورت محسوس کرے تو اس پر مجبور بھی کر سکتا ہے[1148]۔

----- حواشی---

1148 - جدید مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے حصہ اول ص ۲۲۷، ۲۲۸

جدید ذرائع ابلاغ

جدید ذرائع ابلاغ کا شرعی حکم[1149]

ریڈیو، ٹیلی ویژن، موبائل، انٹرنیٹ یا اس قسم کے دیگر جدید آلات آج کے سائنسی دور کے اعلیٰ ترقی یافتہ ذرائع ابلاغ ہیں، ان کا استعمال آج چاہے منکرات وخرافات اور لہو ولعب کی اشاعت کے لئے بکثرت ہو رہا ہو لیکن ان کے ایجاد کے پس منظر میں صرف ابلاغ وترسیل کا محرک کارفرما تھا، یہ بگڑے ہوئے سماج کی دین ہے، یا ان ذرائع کو استعمال کرنے والے ہاتھوں کا قصور، کہ آج ان کا استعمال اچھی تعمیری باتوں کی ترسیل سے زیادہ، غلط تخریبی باتوں کی اشاعت میں ہو رہا ہے، اور یہ انہی کا کیا؟ دنیا کی کسی بھی اچھی چیز کا غلط استعمال ہو سکتا ہے، سیمنٹ، اینٹ اور پتھر تعمیری مواد (مٹیریل) ہیں ان سے مسجدوں کی بھی تعمیر کی جاسکتی ہے اور مندر یا کلیسا کی بھی، آگ ایک عظیم نعمت خداوندی ہے ان سے کھانا بھی پکایا جا سکتا ہے، اور کسی غریب کی جھونپڑی بھی خاکستر کی جاسکتی ہے، مگر کسی چیز کا غلط استعمال اس کو غلط نہیں بناتا، اصل چیز اس کا صحیح استعمال ہے۔

آلات لہو ولعب کا حکم

کتب فقہیہ میں بعض ان آلات کا ذکر آیا ہے جن کا استعمال لہو ولعب کے لئے ہوتا تھا، اور کثرت استعمال کی وجہ سے ان کو آلات لہو ولعب کہا جاتا تھا، ان کے بارے میں فقہاء کی رائے یہی ہے کہ جواز وعدم جواز کا مدار قصد اور استعمال پر ہے، یعنی حدود میں رہتے ہوئے صحیح نیت کے ساتھ استعمال کیا جائے تو مضائقہ نہیں، ورنہ جائز نہیں۔

----- حواشی -----

1149 - تحریر بمقام جامعہ ربانی منورواشریف، بتاریخ ۳۰/ ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ

علامہ شامی مختلف آلات لہو پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"هذا يفيد ان آلة اللهوليست محرمة لعينها بل لقصد اللهو منها---الا ترىٰ ان ضرب تلک الآلة لعينها حل تارة وحرم اخرىٰ باختلاف النية ، والامور بمقاصدها"1150

ترجمہ: اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ آلۂ لہو بذات خود حرام نہیں ہے بلکہ ارادۂ لہو کی بنا پر اس میں حرمت آتی ہے،--- کیا تم دیکھتے نہیں کہ بعینہ اسی آلہ کا استعمال نیتوں کے فرق کے ساتھ کبھی حلال ہوتا ہے اور کبھی حرام، کیونکہ امور میں اعتبار مقاصد کا ہے۔

کتب فقہ میں اس کی کئی مثالیں آئی ہیں، مثلاً:

☆ ڈنکا بجانا (ضربۃ النوبۃ) اظہار تفاخر کی نیت سے حرام ہے، اور لوگوں کو بیدار کرنے کی غرض سے جائز ہے، مثلاً کوئی تین اوقات میں ڈنکا اس لئے بجائے کہ تین نفخات کی تذکیر ہو یعنی عصر کے بعد نفخۂ فزع کی، عشاء کے بعد نفخۂ موت کی اور نصف شب کے بعد نفخۂ بعث کی یاد دہانی ہو۔

☆ اسی طرح ڈھول آلۂ لہو ہے، لیکن رمضان میں سحری کے لئے جگانے کی غرض سے اس کی گنجائش ہے۔

☆ شادی بیاہ کے موقعہ پر بغرض اعلان واشتہار دف کا استعمال مباح ہے، بشرطیکہ دف میں گھونگھرو، گھنٹی، یا سر کی آواز نہ پیدا ہوتی ہو، اور ڈھول بجانے کے طور پر اس کا استعمال نہ ہو۔

☆ حمام کا بگل بھی اسی بنیاد پر جائز ہے۔

☆ صوفیاء کے سماع کو بھی اسی طور پر لیا گیا ہے، اور اسی وجہ سے ان پر تنقید واعتراض سے روکا گیا ہے:

"ومن ذالک(ای من الملاهی)ضرب النوبة للتفاخر فلو للتنبيه فلا بأس به كما اذاضرب في ثلاث اوقات لتذكيرثلاث

----- حواشی -----

1150 - شامی کتاب الحظر والاباحۃ قبیل فصل اللبس ج۹ ص۴۲۶، مطبوعہ دار الکتاب دیوبند

نفخات الصور لمناسبۃ بینھما فبعد العصر للاشارۃ الیٰ نفخۃ الفزع وبعدالعشاء الی نفخۃ الموت وبعد نصف اللیل الی نفخۃ البعث وتمامہ فیما علقتہ علی الملتقی --- وفیہ دلیل لسادتنا الصوفیۃ الذین یقصدون بسماعھاامورا ً ھم اعلم بھم فلا یبادر المعترض بالانکارکی یحرم برکتھم فانھم السادۃ الاخیار ---- وینبغی ان یکون بوق الحمام یجوز کضرب النوبۃ وعن الحسن لاباالدف فی العرس لیشتھر وفی السراجیۃ ھذا اذا لم یکن لہ جلا جل و لم یضرب علی ھیئۃ التضرب --- اقول وینبغی ان یکون طبل للسحر فی رمضان لایقاظ النائمین للسحور کبوق الحمام تاملہ[1151]

اس تناظر میں دیکھا جائے تو یہ آلات لہو جو زیادہ تر لہو ولعب اور تفریحی اغراض کے لئے بنائے جاتے ہیں، جب ان میں اتنی گنجائش ہے، تو وہ جدید سائنسی آلات جن کی ایجاد کے پیچھے لہو ولعب سے زیادہ ابلاغ وترسیل اور اعلان وتشہیر کے مقاصد کار فرما ہیں ان میں بدرجہ اولی یہ گنجائش ہو گی کہ حدود میں رہتے ہو ئے صحیح مقصد کے لئے اور صحیح طور پر ان کا استعمال ہو اور ان کے استعمال سے کوئی محظور شرعی نہ لازم آتا ہو، اس سلسلے میں آخری نتیجے تک پہونچنے کے لئے چند بنیادی اصولوں کو اپنے پیش نظر رکھنا ضروری ہے:

اعتبار مقاصد کا ہے

☆ معاملات وامور میں اعتبار مقاصد کا ہے، ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"انما الاعمال بالنیات" ترجمہ: اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔

نیز مشہور فقہی ضابطہ ہے:

"الامور بمقاصدھا"[1152]

----- حواشی

[1151] - شامی کتاب الحظر والاباحۃ بحوالہ امداد الفتاویٰ ج/۴ص/۲۵۱

[1152] - الاشباہ والنظائر، ج/۱ص/۵۳، مطبوعہ دار العلوم دیوبند

نفع ونقصان کاموزنہ

☆کسی چیز کے خیر وشر کے فیصلے کے لئے نفع ونقصان کاموازنہ کرنا ضروری ہے، نفع ونقصان میں جس کی شرح غالب یا تاثیر قوی ہو اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا، محض کسی چیز میں منافع وفوائد دیکھ کر یک طرفہ اس کے خیر ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا، ورنہ دنیا کی شاید ہی کوئی چیز ایسی ہو جس میں کچھ نہ کچھ فائدہ موجود نہ ہو۔۔۔ قرآن نے خمر ومیسر کے ذیل میں اس اصول کی طرف اشارہ کیاہے:

"یسئلونک عن الخمر والمیسر فیھما اثم کبیر ومنافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما"[1153]

ترجمہ:لوگ آپ سے شراب اور جوا کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ کہیئے کہ ان میں بڑا گناہ ہے، اور لوگوں کے لئے منافع بھی ہیں، مگر ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑھ کر ہے۔

دینی مصالح کے لئے معصیت کی اجازت نہیں

کسی دینی یا دنیوی مصالح کے لئے ارتکاب معصیت کی اجازت نہیں ہے، اللہ اور رسول کی اطاعت تمام مصالح پر مقدم ہے، تمام مصالح اس پر مقدم کر دیئے جائیں گے، مثلاً کوئی شخص سینما یا سود کے ذریعہ اس لئے رقم حاصل کرے تاکہ اس سے دینی مدارس چلائے یا اس نیت سے رقص وسرور کی محفل گرم کرے کہ لوگ جمع ہو جائیں، تو ان کو وعظ کیا جائے یہ ہرگز جائز نہیں، ایسا کرنا سخت گناہ اور خطرناک گمراہی ہے[1154]

البتہ کسی دینی مصلحت کے لئے ترک مباحات ومستحبات کی اجازت دی جاسکتی ہے، ترک فرائض و واجبات یا ارتکاب محرمات کی نہیں، مثلاً تراویح میں لوگوں کے تکان وملال کی رعایت میں درود میں اختصار

----- حواشی---

[1153] -بقرہ،۲۱۹

[1154] -احسن الفتاویٰ ج۶ ص۳۷

اور دعاؤں کے ترک کی اجازت دی گئی ہے، علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

"ویزیدالامام التشھد الاان یمل القوم فیاتی بالصلوات و یکتفی باللھم صل علی محمدلانہ الفرض عندالشافعیؒ ویترک الدعوات[1155]

دینی مصلحت کی بنیاد پر کعبہ کی تعمیر ترک کر دی گئی

اور غالباً اسی ذیل میں عہد نبوی ﷺ کا یہ واقعہ بھی داخل ہے کہ حضور ﷺ خانہ کعبہ کو بنائے ابراہیمی پر تعمیر کرنا چاہتے تھے، اور حطیم کو کعبہ میں داخل کرنے اور باب کعبہ کو نیچے کر کے دو دروازے بنوانے کے خواہشمند تھے، جو ایک پسندیدہ امر تھا، لیکن ایک بڑی دینی مصلحت یعنی فتنہ کے خوف کی بنا پر آپ نے یہ کام چھوڑ دیا، امام بخاری نے اس روایت پر یہ باب قائم فرمایا:

"باب من ترک بعض الاختیارمخافۃ ان یقصر فھم بعض الناس فیقعوا فی اشد منہ[1156]

یعنی بعض افضل و مختار کام اس اندیشہ سے چھوڑ دینا کہ لوگ کم فہمی کی وجہ سے کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس واقعہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ:

وان الامام یسوس رعیتہ بما فیہ اصلاحہ ولو کان مفضولاً مالم یکن محرماً"[1157]

یعنی امام اپنی رعایا کی اصلاح کے لئے بعض ایسی پالیسیاں اختیار کر سکتا ہے، جو فی الواقع زیادہ فضیلت کی حامل نہ ہوں، بشرطیکہ اس سے کسی حرام کا ارتکاب لازم نہ آتا ہو۔

اگر کعبہ کو بنائے ابراہیمی پر تعمیر کرنا فرض یا واجب ہوتا تو حضور ﷺ ہرگز کسی کی پرواہ نہیں

----- حواشی---

[1155] ۔ردالمحتارج/اص/۶۶۳

[1156] ۔بخاری مع فتح الباری ج/اص/۱۹۹

[1157] ۔فتح الباری ج/اص/۱۹۹

فرماتے، اس لئے کہ آپ کو تو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ:

"وتخشى الناس والله احق ان تخشاه"[1158]

ترجمہ: آپ لوگوں سے خوف کرتے ہیں حالانکہ اللہ کا خوف کرنا زیادہ مقدم ہے۔

مگر بوجہ مصلحت ترک مستحب یا ترک مباح میں یہ شرط ملحوظ ہے کہ اس سے قانون شرع میں تحریف یا مداخلت فی الدین نہ ہوتی ہو، مثلاً امر مستحب یا مباح کو اعتقاداً یا عملاً حرام سمجھا جانے لگے یا یہ کہ اس کی ممانعت کا قانون بنا دیا جائے۔ اسی بنا پر فقہاء نے بوجہ مصلحت نکاح ثانی یا نکاح نابالغ پر پابندی کا قانون بنانے کو ناجائز کہا ہے، حالانکہ نکاح ثانی یا صغر سنی میں نکاح کرنا نہ فرض ہے نہ لہو ولعب، صرف مباح ہے، لیکن نکاح چونکہ ایک امر شرعی ہے اس لئے اس پر پابندی لگانا مداخلت فی الدین ہے، کیونکہ ایک مباح شرعی کے ساتھ عملاً حرام جیسا معاملہ کرنا جائز نہیں[1159]

ریڈیو کا استعمال شرعی اصول پر ممکن ہے

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں عہد حاضر کے ذرائع ابلاغ کا جائزہ لیا جائے تو ریڈیو کی نشریات میں محتاط رویہ اختیار کرنے کی گنجائش نکلتی ہے، اس کو ناجائز موسیقی کی آواز اور دیگر مخرب اخلاق باتوں سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے، اور حدود کی رعایت کرتے ہوئے اس کو اشاعت اسلام اور تبلیغ دین کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اس بنا پر اگر مسلمان اپنا ریڈیو اسٹیشن قائم کریں، جس کا مقصد حق کی اشاعت، فرق باطلہ کی تردید اور اسلام کے خلاف ہونے والے مساعی کا مقابلہ ہو اور حدود شرع میں رہتے ہوئے اس کا استعمال کریں، تو یہ نہ کہ صرف جائز ہے بلکہ ایک امر مستحسن ہو گا۔

فقیہ العصر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ نے اپنے ایک فتویٰ میں اس پر اصولی

----- حواشی --

1158 - الاحزاب، ۳۷

1159 - احسن الفتاویٰ ج/ ۶ ص/ ۳۸

روشنی ڈالی ہے، چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

" اس حقیر کے نزدیک ریڈیو کی حقیقت ذریعۂ ابلاغ اور ایک آلہ کی ہے جس کے ذریعہ ہم اپنی بات دور دور تک پہونچاسکتے ہیں، اور ریڈیو کا آج جو بے جا استعمال ہو رہاہے یہ ایک ذریعۂ ابلاغ کا غلط استعمال ہے جہاں تک نفس ریڈیو کے ذریعہ اپنی بات دور تک پہونچانے کا سوال ہے اس میں کوئی عیب نہیں، اس لئے فقہاء کی زبان میں کہا جاسکتا ہے کہ ریڈیو "مالا تقوم المعصیۃ بعینہ "کی قبیل سے ہے، یعنی اصل شئے میں کوئی معصیت نہیں ہے، معصیت باہر سے آتی ہے، اور وہ اشیاء جن کی ذات میں کوئی معصیت نہ ہو بلکہ معصیت خارج سے آتی ہو ان کا استعمال اس خارجی معصیت کا ارتکاب کئے بغیر جائز ہے، علاوہ شریعت کا اصول" سد ذریعہ " بھی ہے، اور فتح ذریعہ " بھی ہے، ادراگر ریڈیو استعمال مقاصد خیر کے لئے کرنا مقصود ہے، تو جائز ہو گا، اور اگر اس کا استعمال معصیت کے لئے ہو تو اگرچہ نفس ریڈیو میں کوئی عیب نہیں، لیکن معصیت کا دروازہ روکنے کے لئے اس کا استعمال ممنوع ہو گا۔

دوسری طرف یہ واقعہ ہے کہ الکٹرانک میڈیا انسانی ذہن وفکر کی تبدیلی میں غیر معمولی طور پر مؤثر ہے، کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس طاقتور اور مؤثر ذریعہ کو اشاعت حق کے لئے استعمال نہ کریں۔

یہ کہنا کہ اس کی ضرورت نہیں، صحیح نہیں ہے، مسلمانوں کو مسائل واحکام سے واقف کرانے کے لئے، غیر مسلموں تک سیرت نبوی ﷺ اور صحابہ کرام اور دیگر علماء وصالحین کے واقعات مؤثر طور پر پیش کرنے اور جو ہماری مجلسوں میں نہیں آسکتے ان کے گھر میں حق کی آواز پہونچانے کی ضرورت ہے۔۔۔

حاصل بحث یہ ہے کہ اس حقیر کے نزدیک:

۱- ریڈیو کے ذریعہ دینی پروگرام شائع کرنا جائز ہے۔

۲-مسلمانوں کے مفاد اور اسلام کی اشاعت کی خاطر مسلمانوں کو ان مخصوص مقاصد کے لئے اپنا ذاتی ریڈیو اسٹیشن قائم کرنا (جو اشاعت فحشاء و منکرات سے پاک ہو) جائز ہے۔

۳-ریڈیو پر تلاوت و تفسیر، احادیث وغیرہ کی اشاعت کا عمل شرعاً جائز ہے[1160]

ریڈیو کا منفی رخ

البتہ سرکاری ریڈیو یا وہ ریڈیو جس سے دینی اور غیر دینی ہر طرح کے پروگرام نشر ہوتے ہوں، اس سے تلاوت قرآن، درس حدیث یا کوئی بھی دینی پروگرام نشر کرنے میں ایک قباحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ خلاف ادب ہے، اس لئے کہ مسلسل غیر دینی اور فحش پروگراموں کے درمیان کوئی دینی پروگرام ایسا لگتا ہے جیسے کہ کسی ناچ گانے کی محفل میں کوئی وعظ کہنا شروع کردے، یا سینما ہال میں تلاوت قرآن کرنے لگے، یہ بے ادبی معلوم پڑتی ہے۔۔۔۔ نیز اس طرح کے پروگرام عموماً تاثیر سے بھی خالی ہوتے ہیں، اس لئے جن سامعین کا دل و دماغ گندی اور ناپاک چیزوں سے مسلسل بھرا جا رہا ہو، وہ درمیان میں کسی پاکیزہ پروگرام سے یکلخت پاک نہیں ہوسکتے، اور نہ وہ دنیوی آزادانہ لذتوں کے مقابلے میں محتاط اسلامی زندگی کی کلفتوں کو گوارا کرسکتے ہیں۔

ایک روایت سے استدلال

اس سلسلے میں حضرت ربیع بنت معوذؓ کی ایک حدیث سے رہنمائی ملتی ہے جو بخاری میں آئی ہے:

"عن ربیع بنت معوذ بن عفراء قال جاء النبی ﷺ فدخل حین بنی علیّ فجلس علیٰ فراشی کمجلسک منی وجعلت جویریات لنا یضربن بالدف ویندبن من قتلیٰ من آبائی یوم بدرو قالت احداھن وفینا نبی یعلم مافی غد فقال دعی ھذہ وقولی بالذی کنت تقولین"[1161]

----- حواشی -----

1160 -سہ ماہی بحث و نظر پٹنہ شمارہ ۲۸، ج/۷ ص/۱۰۴ تا ۱۰۶

1161 -رواہ البخاری، مشکوٰۃ علی المرقاۃ باب اعلان النکاح ج/۶ ص/۲۱۰

ترجمہ: حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراءؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ میرے پاس اس وقت تشریف لائے جب مجھے عروس کے طور پر تیار کیا گیا، تو میرے بستر پر اسی طرح بیٹھے جیسے کہ میری اور تمہاری مجلس ہے، اور بچیاں دف بجانے لگیں اور جنگ بدر میں مقتول ہمارے بزرگوں کا مرثیہ پڑھنے لگیں، کہ ان میں سے ایک لڑکی نے گاتے ہوئے کہا کہ ہمارے اندر ایک ایسے نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑو اور وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھی۔

حضور اکرم ﷺ نے اس لڑکی کو کیوں منع فرمایا؟ محدثین نے اجمالی طور پر اس کے دو اسباب بیان کئے ہیں، ملا علی قاری الحنفیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"وانمامنع القائلۃ لقولھا و فینا نبی الخ لکراھۃ نسبۃ علم الغیب الیہ لانہ لا یعلم الغیب الا اللہ وانما یعلم الرسول من الغیب مااخبرہ او لکراھۃ ان یذکرفی اثناء ضرب الدف واثناء مرثیۃ القتلی لعلو منصبہ من ذالک [1162]

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے اس لئے منع فرمایا کہ آپ کو اپنی طرف علم غیب کی نسبت پسند نہ تھی، کیونکہ غیب کا علم خدا کے پاس ہے، اور رسول صرف اتنا ہی غیب جانتے ہیں جتنا اللہ نے بتادیا ہے۔۔۔۔ یا یہ بات تھی کہ دف کی تھاپ اور مقتولین کے مرثیہ کے دوران آپ نے اپنا ذکر پسند نہیں فرمایا اس لئے کہ آپ کا منصب اس سے بلند ہے"

یہی توجیہ شارح مشکوۃ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کے یہاں بھی آئی ہے، اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں:

"وگفتہ اند کہ منع آنحضرت ﷺ ازیں قول بجہت لعب کہ دروے اسناد علم غیب است بآنحضرت، پس آنحضرت ﷺ رانا خوش آمد، وبعضے گویند بجہت آنست کہ

----- حواشی-----

[1162] ۔مرقاۃ علی المشکوۃ ج/۶ص/۲۱۰

ذکر شریف وے در اثنائے لہو مناسب نہ باشد"[1163]

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

"میں کہتا ہوں گو اس حدیث کی توجیہ میں دونوں احتمال ہیں اور غور کرنے سے توجیہ ثانی راجح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اگر احتمال اول اس کی بنا ہوتی تو ممانعت شدید زجر کے صیغہ سے ہوتی لیکن اس ترجیح سے قطع نظر کر کے بھی علماء امت کا دونوں کا تجویز کرنا واضح دلیل ہے دونوں بناؤں کے فی نفسہ صحیح ہونے کی، گو یہاں متحقق ایک ہی ہو

1164

ان تفصیلات کی روشنی میں مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ریڈیو کے غیر دینی یا فحش نشریات کے دوران کسی بھی دینی پروگرام نشر کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔

کراہت بمقابلۂ ضرورت

لیکن قباحت زیادہ سے زیادہ کراہت کے درجہ کی چیز ہے اور اسی لئے حضور ﷺ نے زجر شدید نہیں فرمایا، ورنہ اگر یہ بالکلیہ ناجائز ہوتا تو حضور ﷺ سختی کے ساتھ اس سے منع فرما دیتے۔

اس لئے اگر ایسی واقعی دینی ضرورت متقاضی ہو کہ ریڈیو کے سوا کوئی دوسرا متبادل عالمی ذریعۂ ابلاغ میسر نہ ہو اور نہ کوئی ایسا ریڈیو اسٹیشن ہو جہاں صرف دینی اور تعمیری پروگراموں کی اشاعت کا اہتمام ہو تو مجبوری کی حالت میں اس کراہت کو گوارا کیا جا سکتا ہے، اور ریڈیو کو اسلامی پیغامات کی ترسیل کا ذریعہ بنایا جا سکتا ہے،۔۔۔ اس لئے کہ کراہت کے مقابلے میں ضرورت کو اولیت حاصل ہونی چاہیئے آج ضرورت اس معنی میں دوچند ہے کہ ایک طرف باطل قوتیں اپنے افکار وخیالات کی اشاعت پر زور صرف کر رہی ہیں تو دوسری طرف اسلام کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے، اس کے احکام و نظریات کی غلط تصویریں پیش کی

----- حواشی -----

[1163] -جواہر الفقہ ج/۴ص/۸۳ منقول از اشعۃ اللمعات

[1164] -جواہر الفقہ ج/۴ص/۸۳، منقول از امداد المفتین

جارہی ہے ، اور اسلام کی طرف سے ذہنی وفکری ارتداد کی کوششیں جاری ہیں ، اگر آج ان کا مقابلہ نہ کیا جائے اور محض کراہت، خلاف ادب اور خلاف تقویٰ کو بنیاد بنا کر ریڈیو جیسے عالمی ذریعۂ ابلاغ کا استعمال ترک کر دیا جائے تو ایک عجیب ارتدادی وباء پھیل جائے گی، غیر اسلامی میڈیا اپنا کوئی مدمقابل میدان میں نہ پا کر اور آزاد ہو جائے گا، اس لئے آج ضرورت ہے کہ کراہت کو گوارہ کر کے اسلامی حقائق کو مسخ کرنے کی کوششوں کا مقابلہ کیا جائے، اس موقعہ پر نفع ونقصان کے موازنہ کے اصول کو پیش نظر رکھنا ہو گا، اور ایک عظیم دینی مصلحت کے لئے کراہت یا ترک اولیٰ کی اجازت دینی ہو گی۔

اور اگر اتنے وسائل ہوں کہ مسلمان خود اپنا ریڈیو اسٹیشن قائم کر لیں اور شرعی حدود میں رہتے ہوئے اس کو چلائیں اور اسی پلیٹ فارم سے دنیا کی تمام غیر اسلامی تحریکات کا مقابلہ کریں تب تو یہ سب سے اچھی بات ہو گی۔

ٹی وی کی بنیاد تصویر پر

البتہ ٹی وی کا مسئلہ نسبتاً پیچیدہ ہے، اس کی اساس ہی ایک بڑی معصیت پر ہے جس پر احادیث میں سخت وعید آئی ہے، وہ ہے تصویر سازی۔۔۔ٹی وی مناظر واشخاص کی تصویری نمائندگی کرتی ہے، اور تصویر کے بغیر ٹی وی کا تصور ہی ناممکن ہے۔

اور تصویر پر احادیث میں سخت وعیدیں وارد ہوئیں ہیں، اس کو رحمت الٰہی سے دوری کا سبب بتایا گیاہے، اس کو صفت تخلیق میں اللہ تعالیٰ کا مقابلہ قرار دیا گیاہے، تصویر بنانے والے کو بدترین عذاب کا مستحق کہا گیاہے، اور اس پر حضور اکرم ﷺ نے لعنت فرمائی ہے، اس سلسلے میں کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں ، علماء نے مستقل اس پر رسالے تحریر کئے ہیں، بطور نمونہ چند احادیث پیش ہیں:

(۱) ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ان اشد الناس عذابا یوم القیامۃ المصورون "[1165]

----- حواشی---

[1165] ۔بخاری مع فتح الباری کتاب اللباس ج/۱۰ص/۳۱۴

ترجمہ: قیامت کے دن سب سے بدترین عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔

(۲) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ان الذين يصنعون هذه الصور يعذبون يوم القيامة يقال لهم احيوا ما خلقتم"[1166]

ترجمہ: جو لوگ یہ تصاویر بناتے ہیں قیامت کے روز ان کو عذاب دیا جائے گا، اور کہا جائے گا کہ جو صورت تم نے بنائی ہے اس میں جان بھی ڈالو۔

(۳) حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تصویر کے بارے میں فرمایا:

"ومن اظلم ممن ذهب يخلق كخلقى فيخلقوا حبة وليخلقوا ذرة"[1167]

ترجمہ: اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو میری طرح یعنی اللہ کی طرح تخلیق کرنے لگے (وہ کسی جاندار کی تخلیق تو کیا کر سکتا) ایک دانہ ایک ذرہ تو بنا کر دکھائے۔

(۴) مسند احمد میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من عاد الىٰ صنعة شيئ من هذا فقد كفر بماانزل علىٰ محمد ﷺ قال الحافظ المنذرى اسناده جيد"[1168]

ترجمہ: جس شخص نے ان چیزوں (تصاویر) سے کوئی چیز پھر بنائی (گویا) اس نے اس دین کا انکار کر دیا جو محمد ﷺ پر نازل ہوئی۔

تصویر کی حرمت پر جمہور کا اجماع

جمہور امت کا اجماع اور ائمہ اربعہ کا مذہب بھی یہ ہے کہ کسی ذی روح کی تصویر بنانا حرام ہے

صاحب عمدۃ القاری لکھتے ہیں کہ:

----- حواشی ---

[1166] ۔بخاری مع الفتح ج/۱۰ ص/۳۱۶

[1167] ۔بخاری مع الفتح ج/۱۰ص/۳۱۶

[1168] ۔بلوغ القصد والمرام ص/۲۲

"وفی التوضیح قال اصحابنا وغیرھم تصویر صورۃ الحیوان حرام اشدالتحریم و ھو من الکبائر سواء صنعہ لما یمتھن اولغیرہ فحرام بکل حال لان فیہ مضاھات بخلق اللہ وسواء کان فی ثوب او بساط او دیناراو دراھم او فلس اواناءاوحائط وامامالیس فیہ صورۃ حیوان کالبحر ونحوہ فلیس بحرام وسواءکان فی ھذا کلہ مالہ ظل ومالا ظل لہ وبمعناہ قال جماعۃ العلماءمالک وسفیان وابوحنیفۃ وغیرھم"[1169]

ترجمہ: توضیح میں ہے کہ ہمارے فقہاء وغیرہ نے فرمایا کہ کسی ذی روح کی تصویر سازی سخت حرام اور گناہ کبیرہ ہے، خواہ تصویر قابل احترام چیز کی ہو یا نہ ہو، وہ ہر حال میں حرام ہیں، اس لئے کہ اس میں تخلیق الٰہی سے مشابہت پائی جاتی ہے، چاہے وہ تصویر کپڑے پر ہو یا فرش پر، دینار و درہم اور سکوں میں ہو یا برتنوں میں، اور سایہ دار ہو یا غیر سایہ دار ، البتہ غیر ذی روح مثلاً سمندر و غیرہ کی تصویر حرام نہیں ہے، علماء کی جماعت یعنی امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ اور امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کا یہی مسلک ہے۔

تصویر کے قائل بعض علماء ہند کا رجوع

بعض ہندستانی علماء کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ تصویر کے باب میں توسیع کے قائل تھے، بالخصوص فوٹو گرافی کے تعلق سے ان کے یہاں بڑی وسعت تھی، ان کے نزدیک حرمت تصویر کی علت شائبہ شرک سے حفاظت تھی، اس لئے جن صورتوں میں شرک یا شائبۂ شرک کا اندیشہ نہ ہو ان صورتوں میں تصویر کی گنجائش ہے، ان کے پاس ان کے خیال کے مطابق اس سلسلے کی مستدلات بھی موجود تھیں،۔۔۔ لیکن تحقیق سے یہ بات معلوم ہے کہ ان بزرگوں نے اپنے موقف سے رجوع کر کے جمہور امت کا موقف اختیار کر لیا تھا، اس سلسلے میں بالعموم دو مشاہیر کا نام لیا جاتا ہے، حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ اور حضرت مولانا ابو الکلام آزادؒ دلائل کے ساتھ جواز کے قائل تھے، مگر دونوں ہی نے بعد میں اپنے موقف سے رجوع

----- حواشی --

[1169] - عمدۃ القاری ج/ ۲۲ ص/ ۷۰، ادارہ الطباعۃ المنیریہ مصر

کر لیا، اور اس کا اعلان بھی کر دیا، علامہ سید سلیمان نے محرم ۱۳۶۲ھ مطابق جنوری ۱۹۴۳ء کے معارف اعظم گڈھ میں اپنا رجوع ان الفاظ میں شائع فرمایا۔

"مسئلہ تصویر کے متعلق میں نے ۱۹۱۹ء میں ایک مضمون لکھا تھا جس میں ذی روح کے فوٹو لینے یعنی عکسی تصویر کشی اور خصوصاً نصف حصۂ جسم کے فوٹو کا جواز ظاہر کیا تھا اس سلسلے میں بعد کو ہندوستان اور مصر کے بعض علماء نے بھی مضامین لکھے، جن میں بعض میرے موافق ہیں اور بعض میرے مخالف، لیکن بہر حال اس بحث کے سارے پہلو سامنے آ گئے ہیں، اس لئے سب کو سامنے رکھ کر اب اس سے اتفاق ہے کہ صحیح یہی ہے کہ امر اول دستی تصویر کی طرح ناجائز ہے، اور امر ثانی کا کھینچنا ناجائز اور کھینچوانا باضطرار جائز اور دھڑ کا بغیر سر اور چہرہ کے دونوں جائز ہیں، پوری تفصیل آئندہ لکھی جائے گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔[1170]

حضرت مولانا ابو الکلام آزادؒ مدت دراز تک اپنا مشہور اخبار الہلال باتصویر شائع کرتے ہوئے بعد میں جب آپ رانچی جیل میں تھے، آپ کے بعض متعلقین نے آپ کی سوانح وحالات کا مجموعہ "تذکرہ" کے نام سے شائع کرنے کا ارادہ کیا تو جدید مصنفین کی رسم کے مطابق انہوں نے رانچی جیل میں آپ کو خط بھیجا کہ ہمیں اپنا فوٹو عنایت فرمادیں جس کو اس کتاب میں شائع کیا جائے اس پر مولانا ابو الکلام آزادؒ نے جو جواب تحریر فرمایا وہ خود اسی تذکرہ میں ان الفاظ کے ساتھ شائع ہو چکا ہے:

"تصویر کھینچوانا، رکھنا، شائع کرنا سب ناجائز ہے، یہ میری سخت غلطی تھی کہ تصویر کھینچوائی اور ہلال کو باتصویر نکالا، اب میں اس غلطی سے تائب ہو چکا ہوں، پچھلی لغزشوں کو چھپانا چاہیئے نہ کہ از سر نو ان کی تشہیر کرنی چاہیئے۔[1171]

یہ تفصیل اس لئے ذکر کر دی گئی تا کہ تصویر کی حرمت کا مسئلہ صاف ہو جائے کہ فوٹو گرافی کے

----- حواشی---------------------------------------

[1170] ۔تذکرۂ سلیمان ۱۴۶، بحوالہ جواہر الفقہ ج/۳ص/۱۷۰تا۱۷۱

[1171] ۔جواہر الفقہ ج/۳ص/۱۷۱

معاملہ میں کم از کم بر صغیر کی حد تک علماء حق کا بنیادی اختلاف نہیں ہے۔

ٹی وی میں تصویری استعمال کا جائزہ

تصویر کی حرمت کا مسئلہ ضروری حد تک صاف ہو جانے کے بعد آیئے دیکھیں کہ ٹی وی میں تصویر کا استعمال کن مراحل میں ہوتا ہے، کم از کم تین مراحل ضرور ہیں جن میں تصویر کا استعمال ہوتا ہے۔

(۱) بنیادی مرحلہ تصویر سازی کا ہے، سب سے پہلے اشخاص واشیاء کی تصاویر تیار کی جاتی ہیں جس میں ذی روح اور بے روح دونوں طرح کی تصاویر شامل ہوتی ہیں۔

(۲) دوسرا مرحلہ تصویر رکھنے کا ہے کہ تصویر تیار ہونے کے بعد ٹی وی اسٹیشن میں محفوظ رکھی جاتی ہے، پھر ٹی وی جاری رہنے کی صورت میں تصاویر ٹی وی سیٹ میں مسلسل موجود اور متحرک رہتی ہیں۔

(۳) تیسرا مرحلہ تصویر نمائی اور اس سے لطف اندوز ہونے کا ہے۔

پہلا مرحلہ خاص ٹی وی بنانے والوں سے متعلق ہے، جبکہ دوسرے اور تیسرے مرحلے کا تعلق پروگرام بنانے والے اور دیکھنے والے دونوں سے ہے۔

تصویر سازی

فقہاء نے مذکورہ تینوں مرحلوں کو معصیت میں شمار کیا ہے، جہاں تک ذی روح کی تصویر سازی کا معاملہ ہے وہ کسی کے لئے کسی صورت میں کسی کے نزدیک جائز نہیں، چھوٹی بڑی واضح اور غیر واضح ذلیل اور عزیز کسی بھی قسم کی تصویر سازی بلا تخصیص حرام ہے، اس میں کسی عالم وفقیہ کا اختلاف نہیں ہے۔ علامہ نوویؒ رقمطراز ہیں:

"قال اصحابنا وغیرھم من العلماء تصویر صورة الحیوان حرام شدیداشد التحریم وھو من الکبائر لانہ توعد علیہ بھذاالوعیدالشدید المذکورفی الاحادیث وسواء صنعہ بما یمتھن اوبغیرہ فصنعتہ حرام بکل حال لان فیہ مضاھات بخلق اللہ تعالی وسواء ماکان فی ثوب و بساط او درھم او دینار اوفلس او اناء او حائط او غیرھا اما تصویرصورة الشجرورحال الابل وغیرذلک مما لیس فیہ صورة حیوان

فلیس بحرام ھذا حکم نفس التصویر"1172

ترجمہ: ہمارے علماء اور دیگر فقہاء نے فرمایا ہے کہ جاندار کی تصویر سازی سخت حرام ہے، اور وہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے، اس لئے اس پر احادیث میں شدید وعید وارد ہوئی ہے، خواہ ایسی چیز کی تصویر بنائے جو عادۃً ذلیل اور پامال رکھی جاتی ہو یا کسی اور چیز کی، ہر حال میں اس کا بنانا حرام ہے، اس لئے کہ اس میں حق تعالی کی صفت خلق کی نقل اتارنا ہے، اور چاہے تصویر کپڑے میں ہو یا فرش میں یا درہم و دینار یا پیسہ میں ہو یا برتن اور دیوار وغیرہ میں، لیکن درختوں، اونٹ کے کجاوے وغیرہ بے روح چیزوں کی تصویر بنانا حرام نہیں ہے، یہ تصویر بنانے کا حکم ہے۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

"فان ظاھرہ ان مالا یؤثر کراھۃ فی الصلوٰۃ لایکرہ ابقاءہ، وفیہ ھذا کلہ فی افتناء الصورۃ واما فعل التصویر فھو غیر جائز مطلقاً"1173

ترجمہ: ظاہر یہ ہے کہ جو تصویر کراہت نماز میں مؤثر نہیں اس کو باقی رکھنے میں کراہت نہیں ہے یہ سب اس وقت ہے جبکہ تصویر نظر نہ آتی ہو، رہا عمل تصویر تو وہ کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔

غیر ذی روح میں بھی ان چیزوں کی تصویر سازی جن کی پرستش کی جاتی ہو حرام قرار دی گئی ہے۔

ملا علی قاریؒ الحنفی رقمطراز ہیں:

"واما ماعبد من دون اللہ ولو کان من الجمادات کالشمس والقمر فینبغی ان یحرم تصویرہ"1174

ترجمہ: غیر اللہ میں جن چیزوں کی پرستش کی جاتی ہو چاہے وہ جمادات ہی ہو مثلاً شمس

----- حواشی

1172 ۔نووی مع مسلم ج/۲ ص/۱۹۹

1173 ۔رد المحتار ج/۱ ص/۶۷۷ تا ۶۷۹

1174 ۔مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج/۴ ص/۴۸۶

وقمر تو اس کی تصویر سازی بھی ناجائز ہونی چاہیئے۔

البتہ ذی روح کی سر کٹی ہوئی تصاویر میں فقہاء نے مضائقہ نہیں سمجھا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک سر کٹی ہوئی تصویر تصویر ہی نہیں ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے:

" الصورة الرأس فاذا قطع الرأس فلاصورة "[1175]

ترجمہ: صورت تو سر ہے سر کٹ جانے کے بعد صورت نہیں رہتی۔

امام طحاویؒ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں:

" الصورة الراس فكل شئى ليس لہ رأس فليس بصورة"[1176]

ترجمہ: صورت تو راس ہے پس ہر وہ چیز جس کا سر نہ ہوں وہ صورت نہیں ہے۔

احمد بن حجاج بیان کرتے ہیں:

" قلت لابى عبد الله اليس الصورة ذا يداو رجل فقال عكرمة كل شئى لہ رأس فهو صورة"[1177]

ترجمہ: میں نے ابو عبد اللہ سے پوچھا کہ کیا ہاتھ پاؤں والی چیز تصویر نہیں ہے تو عکرمہ نے کہا کہ ہر وہ چیز جس کا سر ہو وہ تصویر ہے۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

"فلا بأس بالصلوٰة فيها لانها بالقطع خرجت من ان تكون تماثيل والتحقت بالنقوش والدليل عليها ماروى من نحووجہ الطيرالذى كان فى ترسہ عليہ السلام"[1178]

----- حواشی ---

[1175] - سنن البيهقي الكبرى ج 7 ص 270 حديث نمبر :14357 المؤلف : أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر البيهقي الناشر : مكتبة دار الباز - مكة المكرمة ، 1414 – 1994 تحقيق : محمد عبد القادر عطا

[1176] -شرح معانی الآثار للطحاوی ج /۲ص /۳۶۶

[1177] -اتحاف السعادۃ ج /۷ ص /۳۶۶

[1178] -بدائع، مکروہات الصلوٰۃ ج /۱ص /۱۶۶

خلاصہ بحث یہ ہے کہ سر والی ذی روح چیز کی تصویر بنانا بالاتفاق حرام ہے اور منصوص وعیدوں کا پہلا مصداق یہی ہے۔

تصویر رکھنا

(۲) دوسرا مسئلہ تصویریں اپنے پاس رکھنے کا ہے، خواہ ٹی وی سیٹ کے اندر متحرک صورت میں ہو یا الماری یا دیواروں کی زینت بن کر ہو، فقہاء نے اس سلسلے میں کچھ تفصیل کی ہے:

چھوٹی تصویریں

جو تصویریں اس قدر چھوٹی ہوں کہ اگر وہ زمین پر رکھی ہوں اور کوئی متوسط بینائی والا شخص کھڑا ہو کر دیکھے تو تصویر کے اعضاء جداگانہ واضح طور پر دکھائی نہ دیں، ایسی تصویر کا گھر میں رکھنا جائز ہے، چھوٹی تصویر کی تحدید میں کئی اقوال ہیں لیکن مذکورہ تعریف سب سے جامع ہے اور اس کے لحاظ سے تعیین و تحدید بھی زیادہ آسان ہے، خزانہ میں اس کی تحدید چڑیا سے کی گئی ہے، کہ چڑیا سے چھوٹی مکروہ نہیں ہے، اور اس سے بڑی مکروہ ہے، لیکن علامہ شامی نے پہلی کو زیادہ مضبوط قرار دیا ہے۔

علامہ حصکفیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"اوكانت صغيرة لا تتبين تفاصيل اعضائها للناظر قائماً وهى على الارض ذكره الحلبى وقال الشامى هذا اضبط لما فى القهستانى ----- لٰكن فى الخزانة ان كانت الصورة مقدار طير يكره وان كان اصغر فلا يكره"[1179]

بعض روایات سے بعض صحابہ کے بٹنوں اور بعض کی انگوٹھی پر تصویر کا ثبوت ملتا ہے مثلاً:

☆حضرت عروہؓ کے بٹن میں آدمیوں کے چہرہ کی تصویریں تھیں[1180]

☆حضرت ابوہریرہؓ کی انگوٹھی میں جو نگینہ تھا اس میں دو مکھیوں کی تصویریں بنی تھیں۔

----- حواشی -----

[1179] - رد المحتار مکروہات الصلوٰۃ ج/ ۶۰۷

[1180] - طبقات ابن سعد جزء تابعین ص/ ۱۳۶

☆حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک انگوٹھی دستیاب ہوئی تھی جس کے متعلق یہ معلوم ہوا تھا کہ یہ حضرت دانیالؑ نبی کی انگوٹھی ہے، اور اس کے نگینہ میں ایک مرقع تھا کہ دو شیر دائیں بائیں کھڑے تھے، اور بیچ میں ایک لڑکا تھا، حضرت عمرؓ نے یہ انگوٹھی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو عنایت فرمائی[1181]

غیر محترم تصویریں

عادتاً پامال اور ذلیل وحقیر سمجھی جانے والی تصاویر رکھنا جائز ہے، اگرچہ بنانا اس کا بھی جائز نہیں ہے۔

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

"ثم التمثال اذا كان علىٰ وسادة لا بأس باستعمالها وان كان يكره اتخاذها "[1182]

ترجمہ: تصویر اگر تکیہ پر ہو تو استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں، اگرچہ بنانا مکروہ ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

"وان كان الصورة على البسط والوسائد الصغار وهى تداس بالارجل لا تكره لما فيه من اهانتها "[1183]

مسند احمد میں حضرت لیثؒ سے نقل کیا گیا ہے، فرماتے ہیں:

" دخلت على سالم بن عبد الله وهو متكئ علىٰ وسادة فيها تماثيل طير ووحش فقلت اليس يكره هذا قال لاانما يكره مانصب نصباً"[1184]

ترجمہ: میں حضرت سالم بن عبد اللہؒ کے گھر گیا تو وہ ایک تکیہ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، جس میں پرندوں اور وحشی جانوروں کی تصویریں تھیں، میں نے عرض کیا کہ

----- حواشی -----

[1181] -جواہر الفقہ ج/۳ص/۱۹۸

[1182] -خلاصۃ الفتاویٰ ج/۱ص/۱۹۸

[1183] -بدائع الصنائع ج/۱ص/۱۱۶، مکروہات الصلوٰۃ

[1184] -مسند احمد مع الفتح الربانی ج/۱۷ص/۲۷۷

کیا ان کا استعمال ناپسندیدہ نہیں ہے؟ انہوں نے فرمایا نہیں بلکہ ناجائز وہ تصویریں ہیں جو کھڑی ہوں۔

اس طرح کی چند استثنائی صورتوں میں تصویر رکھنے کی اجازت ہے ان کے علاوہ صورتوں میں تصویر رکھنا درست نہیں ہے۔

نمازی کے پیچھے یا اس کے زیر قدم اگر تصویر ہو تو نماز مکروہ نہیں ہوتی لیکن گھر میں اس تصویر کو رکھنے کے عمل کو فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے، اس لئے کہ ملائکہ ایسے مکان میں داخل نہیں ہوتے، درر الحکام میں ہے "

لَوْ كَانَتْ الصُّورَةُ خَلْفَهُ أَوْ تَحْتَ رِجْلَيْهِ لَا تُكْرَهُ الصَّلَاةُ وَلَكِنْ يُكْرَهُ كَرَاهَةَ جَعْلِ الصُّورَةِ فِي الْبَيْتِ لِلْحَدِيثِ { إنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ أَوْصُورَةٌ}ا ھ كَمَافِي الْفَتْحِ(قَوْلُهُ لِحَدِيثِ جَبْرَائِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ "1185

بلکہ فقہاء نے کسی ایسے مکان میں بلا ضرورت داخل ہونے کو بھی مکروہ کہا ہے، جہاں تصاویر موجود ہوں۔

"يكره الدخول الى بيت فيه صور على سقفه او حيط على الستور والازر والوسائد العظام"1186

تصویریں دیکھنا

(۳) تیسرا مرحلہ ہے تصاویر کو دیکھنے اور لطف اندوز ہونے کا۔

فقہاء نے اصولی طور پر اس کی وضاحت کی ہے کہ تصویر سازی حرام ہے، اس لئے حرام کو دیکھنا اور کسی مصرف میں استعمال کرنا بھی حرام ہے، اس لئے کہ جب تک دیکھنا اور استعمال کرنا موقوف نہ ہو گا اس

----- حواشی --

1185 - درر الحکام شرح غرر الأحکام ج ا ص ۴۸۴ المؤلف: محمد بن فراموز الشہیر بمنلا خسرو (المتوفی: 885ھ)

1186 -بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج 1 ص 354 تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي 587ھ دار الكتب العلمية – بيروت – لبنان الطبعة الثانية 1406ھ – 1986م محمد عارف بالله القاسمي

عمل کی حوصلہ شکنی نہیں ہو گی،۔۔۔۔۔۔۔۔مثال کے طور پر شراب حرام ہے، تو اس سے کسی قسم کا انتفاع یا برائے تفریح و تلذذ اس کو دیکھنا بھی حرام ہے۔

در مختار میں ہے:

" وحرم الانتفاع بها (ای بالخیر) ولو لسقی دواب او لطين اونظر للتلهی "[1187]

ترجمہ: شراب سے انتفاع حرام ہے، چاہے جانوروں کو آسودہ کرنے یا کیچڑ یا بطور تفریح دیکھنے کے لئے ہی ہو۔

بلوغ القصد والمرام میں مالکیہ کے حوالہ سے ہے کہ:

"یحرم تصویر حیوان عاقل اوغیرہ یحرم النظرالیہ اذاالنظرالی المحرم لحرام"[1188]

کسی عاقل یا غیر عاقل جاندار کی تصویر حرام ہے، اس کو دیکھنا بھی حرام ہے اس لئے کہ حرام کو دیکھنا بالیقین حرام ہے۔

اس جائزے سے اندازہ ہوتا ہے کہ فقہ اسلامی کی رو سے ٹی وی دیکھنے یا ٹی وی اسٹیشن کے قیام میں شرعی طور بہت مشکلات ہیں، اس لئے کہ ٹی وی فحشاء و منکرات کی اشاعت سے خواہ کتنی ہی پاک ہو اس میں کوئی غیر شرعی عمل نہ ہو، اور سارا اختیار محتاط اور متدین طبقہ کے ہاتھوں میں ہو، لیکن تصویر سازی، تصویر نمائی، اور تصویر بینی کے مراحل سے گذرے بغیر چارہ نہیں، البتہ فقہاء نے مواقع ضرورت کا اس سے استثناء کیا ہے۔

----- حواشی---

[1187] -الدر المختار شرح تنوير الأبصار في فقه مذهب الإمام أبي حنيفة ج 7 ص 4 المؤلف : محمد ، علاء الدين بن علي الحصكفي (المتوفى : 1088هـ) مصدر الكتاب : موقع يعسوب [ترقيم الكتاب موافق للمطبوع]محمد عارف بالله القاسمي

[1188] -جواہر الفقہ ج۳ص/۲۳۹

"والمستثنیٰ منها مواضع الضرورة"[1189]

شرح السیر الکبیر میں ہے:

" وان تحققت الحاجۃالیٰ استعمال السلاح الذی فیہ تمثال فلاباس باستعمالہ لان موضع الضرورۃمستثناۃ من الحرمۃ کمافی تناول المیتۃ"[1190]

ترجمہ: اگر ایسا ہتھیار استعمال کرنے کی ضرورت پڑ جائے جس میں تصویر ہو تو مضائقہ نہیں اس لئے کہ مواقع ضرورت حرمت سے مستثنیٰ ہیں جیسا کہ میتہ کے استعمال کا حکم ہے۔

موجودہ دور میں ٹی وی اور انٹرنیٹ سب سے مضبوط، مؤثر اور تیز رفتار عالمی ذرائع ابلاغ ہیں، جن کو اپنائے بغیر کوئی پیغام عالمی سطح پر بآسانی نہیں پھیلایا جاسکتا اگر ان کو ایک ذریعۂ ابلاغ کی حیثیت سے اختیار کیا جائے تو اسلام اور تعلیمات اسلام کی عمومی اشاعت کے کام پر کافی اثر پڑے گا۔

علاوہ ازیں ٹی وی اورانٹرنیٹ کے راستے سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو بدگمانیاں اور افواہیں پھیلائی جارہی ہیں، اور شکوک وشبہات پیدا کئے جارہے ہیں، ان کا دفاع ٹی وی اور انٹرنیٹ کو اختیار کئے بغیر ناممکن ہے، اس طرح گویا یہ اس دور کا لازمی میڈیائی ہتھیار ہے، اور اسلام اور ملت اسلامیہ کی حفاظت کے لئے اس ہتھیار کو استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے بہت سالوں قبل یہ فتویٰ دیا تھا جو ان کے مجموعۂ فتاویٰ "احسن الفتاویٰ' میں شامل ہے کہ:

"اگر کسی وقت ملک میں اسلامی حکومت قائم ہو، اور وہ ٹی وی کی باگ ڈور اپنے ہاتھ

----- حواشی---

[1189] -الاختیارات العلمیۃ لابن تیمیہ ج/۲۵

[1190] -شرح السير الكبيرص 1463 المؤلف: محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (ت ٤٨٣هـ) الناشر: الشركة الشرقية للإعلانات الطبعة: بدون طبعة تاريخ النشر: ١٩٧١م عدد الصفحات: ٢٢٩٥

میں لیکر اسے موجودہ منکرات سے پاک کردے، ٹی وی میں عورتوں کا گذر نہ ہو کسی جاندار کی تصویر بھی پیش نہ کی جائے، اس کا پورا عملہ صالح مردوں پر مشتمل ہو، جو اسے عوامی خواہشات کے تابع رکھنے کے بجائے مفید مقاصد میں استعمال کرے، استعمال کی مخصوص حدود و شرائط وقت کے محقق سے طے کرالے تو دریں حالت ٹی وی واقعی آلۂ خیر بن جائے گا، اور علماء کو اس پر کوئی اعتراض نہ رہے گا"[1191]

میری رائے بھی آج سے چند سال قبل تک یہی تھی لیکن اب نئے تجربات اور دنیا کے بدلتے حالات کے تناظر میں ٹی وی اور انٹرنیٹ کی ضرورت واہمیت کا احساس ہوتا ہے اور اس معاملہ میں کچھ گنجائش معلوم ہوتی ہے، بشرطیکہ اس میں تمام شرعی حدود و قیود کی رعایت کی جائے، واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم۔

تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

☆ابلاغ وترسیل کے جدید ذرائع میں ریڈیو کا استعمال دینی مقاصد کے لئے کوئی قباحت نہیں رکھتا، خواہ یہ استعمال اس کے پروگرام سے استفادہ کی صورت میں ہو، یا پروگرام میں عملاً شرکت کرکے ہو، یا یہ کہ خود اپنا ریڈیو اسٹیشن قائم کرکے۔

☆بنیادی طور پر انٹرنیٹ آج کے زمانے کا سب سے اہم ذریعۂ ابلاغ ہے، اس کی حیثیت اپنی بات دوسروں تک پہونچانے کے لئے ایک ذریعہ اوروسیلہ کی ہے، اور ذرائع کا حکم شرعی متعین کرتے وقت یہ دیکھنا ہوگا کہ ان ذرائع کا استعمال کن مقاصد کے لئے ہو رہا ہے، ذرائع ووسائل کا استعمال جائز مقاصد کے لئے شرعاً جائز اور ناجائز مقاصد کے لئے ناجائز ہے، پھر ان کا شرعی حکم اس طرح متعین ہوگا کہ ان مقاصد کا حصول فرض وواجب ہے یا مستحب ہے یا مباح ہے، اوران وسائل کا استعمال

----- حواشی---

1191 - احسن الفتاویٰ ج/۸ رسالہ ٹی وی کا زہر ص/۱۸

مکمل طور پر ان مقاصد کے حصول کے لئے جس حد تک ضروری ہو اسی کے بقدر ان وسائل کا استعمال فرض یا مستحب یا جائز ہو گا۔

☆ان اصولوں کی روشنی میں شرکاء سیمینار کی رائے ہے کہ انٹرنیٹ کا استعمال ایک شرعی، دینی، دعوتی، اجتماعی فلاح کے ذریعہ اور وسیلہ کی حیثیت سے جائز اور بعض دفعہ ضروری ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ عرض اور پیشکش کے طریقے میں منکرات اور محرمات شرعیہ سے بچا جائے۔

☆ٹیلی ویزن ایک ایک ایسا ذریعۂ ابلاغ ہے جس کے ذریعہ نہ صرف آواز بلکہ بولنے والوں کی صورتیں بھی سامعین وناظرین کے سامنے پیش ہو جاتی ہیں، کبھی نقل نشر مباشر (براہ راست) کے ذریعہ چلتی پھرتی صورتیں منتقل کی جاتی ہیں، اور کبھی کسی مجلس، کسی عمل، کسی کھیل یا کسی تقریب کو ویڈیو کیسٹ میں محفوظ کر لیا جاتا ہے، اور بعد میں اس کو نشر کیا جاتا ہے۔

ٹیلی ویزن کے مسئلہ میں ایک دشواری تو یہ ہے کہ اس میں جو صورتیں ناظرین تک منتقل ہوتی ہیں، آیا وہ اس تصویر کشی کا محل اور مورد ہیں، جن کے ممنوع ہونے کی صراحت حدیث نبوی میں آئی ہے یا نہیں؟ عام طور پر علماء ہند اس طرح کے عکس ریز کیمروں سے لی گئی تصویر کو بھی اس تصویر کشی کا حصہ مانتے ہیں، ممالک عربیہ کے بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ فوٹو گرافی ممنوع تصویر سازی کا محل نہیں ٹیلی ویزن کے ساتھ دوسری دشواری اس کے استعمال کی ہے، تفریحات، تجارتی اشتہارات کے ذریعہ عورتوں کی عریاں تصویروں کی اشاعت، بے حیائی، وفحاشی کو عام کرنا، ایسی فحش فلموں کا نشر کیا جانا، جس کو باپ بیٹا، ماں بیٹی ایک ساتھ نہیں دیکھ سکتے، پھر بچوں کو اس طرح اپنے سحر میں گرفتار کر لینا کہ ان کی تعلیمی دلچسپی ختم ہو جائے، یہ وہ برائیاں ہیں جن کی وجہ سے ٹیلی ویزن موجودہ سماج کے لئے ایک بڑا ناسور بن گیا ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ ٹیلی ویزن کے ذریعہ کچھ مفید کام لئے جاسکتے ہیں، اور لئے جاتے ہیں، لیکن معاشرہ کو پہونچنے والا ضرر اس سے حاصل ہونے والے نفع سے کہیں زائد ہے، "واثمهما اكبر من نفعهما"

ان حالات میں شرکاء سیمینار ٹیلی ویزن کے استعمال (اور اس کے ذریعہ ان منکرات وفواحش کی اشاعت) کو ناجائز (اور معاشرے کے لئے تباہی کا ذریعہ) قرار دیتے ہوئے اس سے اجتناب کی تلقین کرتے ہیں۔

☆ایک اہم سوال ان چینلس کے حکم شرعی کا ہے جو خالص دینی ودعوتی مقاصد کے لئے قائم کئے گئے ہیں اور قائم کئے جارہے ہیں، اور ہر طرح کی فحاشی، عریانی سے پاک اور خالی ہیں، کیا ایسے چینلس کا قائم کرنا اور ان سے استفادہ کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

تمام شرکاء سیمینار اس کو جائز قرار دیتے ہیں، جب کہ بعض حضرات ان حالات میں بھی اجازت نہیں دیتے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ اگر براہ راست نشر ہو تو جائز ہے اور اگر محفوظ کیا ہوا پروگرام ہو تو جائز نہیں ہوگا[1192]۔

تجاویز ادارۃ المباحث الفقہیۃ

۱- آج ٹیلی ویزن پر زیادہ تر فحاشی، عریانیت اور مخرب اخلاق پروگراموں کا غلبہ ہے، چوبیس گھنٹے کے مختلف چینلوں پر رقص وسرود اور حد درجہ شرمناک مناظر دکھائے جاتے ہیں، پھر ڈش انٹینا اور پرائیوٹ کیبل چینلوں نے تو تمام اخلاقی اور انسانی حدود کو پار کر دیا ہے، اور آج ٹی وی زدہ معاشرہ جن شرمناک حرکتوں میں ملوث ہے، وہ ناقابل بیان ہیں، اور جس گھر میں ٹیلی ویزن ہو وہاں کے لوگوں کو اس کے مخرب

----- حواشی --

1192 - جدید مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، حصہ اول ص ۲۰۲ تا ۲۰۴

اخلاق پروگراموں سے بچنا تقریباً محال ہے لہذا ٹیلی ویزن گھر میں رکھنا اوراس کے پروگراموں کو دیکھنا شرعاًناجائز ہے جس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

۲-اسلام میں بلاضرورت شرعی تصویر کھنچوانا ناجائز ہے، لیکن اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ٹیلی ویزن اور دیگر ذرائع ابلاغ پر اعدائے اسلام یا شر پسند فرقہ پرست طاقتوں کی طرف سے کوئی ایسی چیز سامنے آئے جس سے اسلامی عقائد اوراحکام واقدار پر زد پڑتی ہو اوراس کا مناسب جواب نہ دینے سے اسلام کی شبیہ بگڑنے یا مسلمانوں کے حقوق کے ناقابل تلافی نقصان کا اندیشہ ہو تو اس کے دفاع کے لئے ٹیلی ویزن کے کسی پروگرام پر آنے کی ضرورتاً گنجائش ہے۔

۳- اسلامی ٹی وی چینل قائم کرنے کو اگرچہ موجودہ دور کی ضرورت کہا جاتا ہے ،لیکن مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد یہ فقہی اجتماع اس نتیجہ پر پہونچا ہے کہ اولاً علاحدہ اسلامی ٹی وی چینل قائم کرنا عملاً مشکل ترین امر ہے، اوراگر ایسا چینل وجود میں آ بھی جائے، تو اس کے ذریعہ سے فوائد کے مقابلے میں نقصانات کہیں زیادہ ہیں، کیونکہ اس طرح کے چینلوں کو بہانہ بنا کر لوگ ٹیلی ویزن کے فحش پروگراموں تک بآسانی رسائی حاصل کرلیں گے، اور دیگر باطل فرقوں کے چینلوں سے اس کا امتیاز بھی دشوار ہوگا، نیز عام لوگوں کی دلچسپی کی چیز شامل کئے بغیر خالص اسلامی چینل کے ناظرین کی تعداد غیر معمولی حد تک کم ہوگی، اور متوقع فوائد حاصل نہ ہوسکیں گے، ان وجوہات سے اسلامی چینل قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۴-انٹرنیٹ اس دور میں ایسا معلوماتی ذریعہ ہے جس میں ہر طرح کے اچھے اور برے پروگرام پائے جاتے ہیں، گو کہ آج زیادہ تر اس ذریعہ کو ناجائز اور حرام چیزوں میں استعمال کیا جارہا ہے، لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس کو اگر شرعی حدود میں

رہ کر استعمال کیا جائے تو منکرات وفواحش سے بچتے ہوئے اس سے عظیم تعلیمی، تجارتی ،اورانتظامی وغیرہ فوائد حاصل کئے جاسکتے ہیں ،اس لئے یہ فقہی اجتماع انٹرنیٹ کے جائز حدود میں استعمال کو جائز قرار دیتا ہے، اوراس کے ناجائز استعمال کو ناجائز اور حرام قرار دیتا ہے۔[1193]

----- حواشی---

1193 - فقہی اجتماعات کے اہم فقہی فیصلے اور تجاویز ص ۷۲، ۷۳

انفارمیشن ٹیکنالوجی سے متعلق مسائل[1194]

عصر جدید میں ذرائع ابلاغ نے جو حیرت انگیز ترقی کی ہے اور ایسے جدید ترین آلات وجود میں آگئے ہیں ان کا پہلے زمانے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، ان آلات کے مثبت و منفی دونوں پہلو ہیں، ان کے فوائد بھی بہت ہیں اور نقصانات اس سے بھی زیادہ، مگر اب وہ زندگی کا ایسا لازمی جزو بن چکے ہیں کہ ان کو پوری طرح ترک کرنا بے حد دشوار ہے۔ یہ اس دور کے جدید ترین مسائل میں سے ہیں، ان کی کئی صورتیں واقعتاً توجہ طلب ہیں۔

محور اول

اسمارٹ فون رکھنے کا حکم

۱- مختلف سہولتوں کا حامل موبائل (جن کو اسمارٹ فون کہا جاتا ہے) جائز مقاصد کے لئے رکھنا اور استعمال کرنا درست ہے، اس لئے کہ فساد بذات خود ان آلات میں نہیں ہے، بلکہ ان کے استعمال کے مقاصد میں ہے، اس لئے حکم کی بنیاد آلات پر نہیں بلکہ ان کے استعمال پر ہوگی، اگر مقصد نیک ہو اور غلط چیزوں میں ابتلاء کا مظنہ نہ ہو تو ان کو رکھنے اور استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، آج کے دور میں جائز حدود میں رہتے ہوئے ان سے کافی استفادہ کیا جا سکتا ہے، مگر چونکہ ان میں اندیشۂ فساد بھی ہے اس لئے بہتر ہے کہ حتی الامکان سادہ موبائل استعمال کیا جائے، علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ كما يَصْلُحُ لِلَّهْوِ وَالْفَسَادِ يَصْلُحُ لِلِانْتِفَاعِ بِهِ من وَجْهٍ آخَرَ[1195]

----- حواشی---

[1194]- تحریر بمقام جامعہ ربانی منورواشریف، بتاریخ ۱۹/ محرم الحرام ۱۴۴۰ھ

[1195] -بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ٧ ص ١٦٨علاء الدين الكاساني سنة الولادة / سنة الوفاة 587 الناشر دار الكتاب العربي سنة النشر 1982 مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 7

علامہ شامیؒ اظہار خیال فرماتے ہیں:

أقول و هذا يفيدأن آلة اللهو ليست محرمة لعينها بل لقصد اللهو منهاإمامن سامعها أومن المشتغل بها وبه تشعرالإضافة ألاترى أن ضرب تلك الآلةبعينها حل تارة وحرم أخرى باختلاف النية بسماعها والأمور بمقاصدها[1196]

پچھلے زمانوں میں آلۂ لہو کی مثال "الجاریۃ المغنیۃ، الکبش النطوح، اور الحمامۃ الطیارۃ" وغیرہ سے دی جاتی تھی، اور اب ان کی جگہ پر یہ موبائل فون ان سب کی طرف سے کفایت کرتے ہیں۔

موبائل میں قرآن کریم رکھنا اور پڑھنا

سوال نمبر ۲:- ملٹی اپلیکیشن موبائل میں قرآن مجید رکھنے کی بھی گنجائش ہوتی ہے، اگر کوئی چاہے تو اسی موبائل میں فحش مناظر بھی دیکھ سکتا ہے، کیا ایسے موبائل میں تلاوت کے لئے قرآن مجید یا دوسری دینی کتابوں کو محفوظ کرنا یا آن لائن دیکھنا یا پڑھنا جائز ہوگا؟

جواب: موبائل کے اسکرین پر جو کچھ نظر آتا ہے اس میں قرار نہیں ہوتا، ایک چیز جب تک نظر آتی ہے اسی وقت تک وہاں موجود ہوتی ہے، پھر جب اس کی جگہ دوسری چیز نمودار ہوتی ہے تو پہلی چیز غائب ہو جاتی ہے اور اندر فائلوں کے حجاب میں چلی جاتی ہے، بیک وقت دونوں چیزیں اسکرین پر نہیں رہتیں، ایک ظاہر ہوتی ہے تو دوسری مستور۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی تختی پر آیت قرآنی مرقوم ہو، اور پھر اس کو مٹا دیا جائے تو وہ عام تختی کے حکم میں ہو جائے گی اور دیگر امور دنیا میں اس کا استعمال درست ہوگا، فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

----- حواشی---

[1196] -حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ٦ ص ٣٥٠ ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8

وَلَوْ مَحَا لَوْحًا كُتِبَ فِيهِ الْقُرْآنُ وَاسْتَعْمَلَهُ فِي أَمْرِ الدُّنْيَا يَجُوزُ [1197]۔

☆علاوہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ کوئی شخص قرآن کریم کی آیات کو کپڑے میں لپیٹ کر یا کاغذ میں لپٹی ہوئی تعویذ پہن کر بیت الخلا میں جائے تو مضائقہ نہیں، حالانکہ قرآنی آیات کے کھلے اوراق بیت الخلا میں لے کر جانا مکروہ تحریمی ہے۔

ولا بأس بأن يشد الجنب والحائض التعاويذ على العضدإذا كانت ملفوفةاه[1198]

قال فی نورالایضاح :ویکرہ الدخول للخلاء ومعہ شیئ مکتوب فیہ اسم الله او قرآن الخ قال الطحاوی علی حاشیتہ ثم محل الکراھۃان لم یکن مستوراًفان کا ن فی جیبہ فانہ حینئذلا باس بہ۔[1199]

☆نیز کتب فقہیہ میں ایک جزئیہ موجود ہے کہ جس گھر میں قرآن مجید پردے میں مستور ہو، اس گھر میں بیوی کے ساتھ بے پردہ ہونا اور ہمبستری کرنا جائز ہے:

يَجُوزُقَرَبَانُ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتٍ فِيهِ مُصْحَفٌ مَسْتُورٌ [1200]۔

اسی تصور کی بنا پر جس کمرہ میں قرآن کریم ہو اس کی چھت پر پیشاب کرنے کو فقہاء نے ممنوع قرار نہیں دیا:

فهوكمالوبال على سطح بيت فيه مصحف وذلك لايكره كمافي جامع

----- حواشی---

[1197] - الفتاوی الهندیہ، کتاب الکراھیۃ، الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلۃ والمصحف، بیروت ۳۹۸/۵:

[1198] - **حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ٦ ص ٣٦٤ ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8**

[1199] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح :۵۴

[1200] - الفتاوی الهندیہ، کتاب الکراھیۃ، الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلۃ و المصحف،بیروت ۳۹۸/۵:

البرهاني[1201]

☆اور اگر کئی ونڈوز والا موبائل ہو تو بھی ایک ونڈو اسکرین پر ایک ہی چیز کھل سکتی ہے، بیک وقت دو چیزیں جمع نہیں ہوتی ہیں، الگ الگ ونڈو یا ایپ میں الگ الگ چیزیں نظر آنا یا محفوظ رکھنا ایسا ہی ہے جیسے کہ انسان اپنے مکان میں ایک جگہ نماز اور تلاوت قرآن کے لئے مخصوص کرتا ہے اور دوسری جگہ بیت الخلاء کے لئے، ایک طاق قرآن کریم کے لئے بناتا ہے تو دوسری طاق دوسری چیزوں کے لئے، یا خود انسانی وجود میں قلب وذہن کے اندر قرآن کریم محفوظ ہے اور معدہ اور پیٹ میں غلاظتیں اور دوسری اشیاء موجود ہیں، اور ان سے قرآن کریم کی حرمت وعظمت پر فرق نہیں پڑتا، اسی طرح موبائل بظاہر ایک چھوٹی سی نظر آنے والی چیز ہے لیکن اس کا اندرونی نظام انسانی وجود کی طرح پیچ در پیچ ہے، اور وہ کسی وسیع ترین مکان سے بھی زیادہ وسیع ہے۔

☆اور ایک اہم ترین بات یہ ہے کہ جو مناظر اور نقوش موبائل اسکرین پر نظر آتے ہیں، وہ اپنی اصل حالت کے لحاظ سے نہ اچھے ہوتے ہیں اور نہ برے، ان کی ساری ہیئتیں اسکرین پر آنے کے بعد بنتی ہیں ،جب تک وہ میموری کے اندر رہتے ہیں وہ ہر نقش ونگار اور شکل وصورت سے عاری ہوتے ہیں، بالکل سادہ، مبہم اور ناقابل تمیز حالت میں ہوتے ہیں، موبائل کا اسکرین ایسا بنایا گیا ہے کہ وہی سادہ اور مبہم چیز جب اسکرین پر آتی ہے تو وہ مختلف شکلوں اور ہیئتوں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس طرح نہ موبائل کے اسکرین پر اچھی اور بری چیز کا اجتماع لازم آتا ہے، اور نہ موبائل کے اندرون میں۔۔۔ اس لئے موبائل کے اندر بھی قرآن اور دینی کتابیں رکھنا صحیح ہے اور موبائل اسکرین پر ان کا پڑھنا بھی درست ہے۔

جس موبائل میں قرآن کریم محفوظ ہو اس کو بے وضو چھونا

سوال نمبر ۳۳-: اگر موبائل میں قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تو کیا موبائل کا پورا سیٹ قرآن

----- حواشی--

[1201] - حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ١ ص ٦٥٧ ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8

مجید کے حکم میں ہو گا اور اس کو بلا وضو ہاتھ میں لینا جائز ہو گا؟

اس سلسلے میں موبائل کی مختلف نوعیتوں کو سامنے رکھتے ہوئے احکام کی وضاحت کیجئے۔

جواب:- اصولی بات یہ ہے کہ قرآن کی جو تعریف فقہاء اور اصولیین نے کی ہے اس کا ایک اہم جزو ہے "المکتوب فی المصاحف"[1202] یعنی ایسا مجموعہ جو صرف الفاظ قرآنی کے لئے مخصوص ہو، اس تعریف کے مطابق اگر کوئی مجموعہ الفاظ قرآنی کے لئے مخصوص نہ ہو بلکہ اس میں دوسری چیزیں بھی شامل ہوں، اور اسی میں قرآن بھی لکھ دیا جائے تو وہ مجموعہ مصحف قرآنی نہیں کہلائے گا، مثلاً کسی دیوار یا درخت کی شاخ یا درہم و دینار پر آیات کریمہ لکھ دی جائیں، تو یہ چیزیں مصحف قرآنی کے حکم میں داخل نہیں ہونگی، اور ان کو بلا وضو چھونا درست ہو گا، البتہ وہ نقوش جو قرآن کریم کے حروف پر دلالت کرتے ہیں ان کو بغیر وضو مس کرنا جائز نہ ہو گا، شامی میں اس کی صراحت موجود ہے:

قوله (ومسه) أي القرآن ولو في لوح أو درهم أو حائط لكن لا يمنع إلا من مس المكتوب بخلاف المصحف فلا يجوز مس الجلد وموضع البياض منه وقال بعضهم يجوز وهذاأقرب إلى القياس والمنع أقرب إلى التعظيم كما في البحرأي والصحيح المنع كما نذكره[1203]

اس تعریف کے مطابق موبائل جن چیزوں کا مجموعہ ہے قرآن کریم کا سافٹ ویر اس کا بہت ہی مختصر حصہ ہے، اس میں قرآنی سافٹ ویر ڈال دینے سے وہ الفاظ قرآنی کے لئے مخصوص نہیں ہو جاتا، اس

----- حواشی -----

[1202] - القرآن کلام اللہ تعالیٰ فی المصاحف مکتوب وفی القلوب محفوظ علیٰ الالسن مقروو علی النبی علیہ السلام منزل" (الفقہ الاکبر: ص ۲۹، ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرت العلوم، فاروق گنج گوجرانوالہ، پاکستان) اور فخر الاسلام علامہ بزدوی رحمۃ اللہ علیہ "اصول البزدوی" میں قرآن کی تعریف ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "القرآن المنزل علیٰ رسول اللہ المکتوب فی المصاحف المنقول عن النبی علیہ السلام نقلاً متواتراً بلا شبہۃ (اصول البزدوی: ص ۵، میر محمد کتب خانہ مرکز علم وادب آرام باغ کراچی)۔

[1203] - **حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ١ ص ٢٩٣ ابن عابدين. الناشر دار الفكر للطباعة والنشر. سنة النشر 1421هـ – 2000م. مكان النشر بيروت. عدد الأجزاء 8**

لئے اس پر مصحف قرآنی کا اطلاق نہیں ہو گا۔

☆ نیز اشیاء کے تعارف میں عرفی اطلاقات کا بھی بڑا دخل ہوتا ہے، عرف میں موبائل میں قرآن کریم ڈاؤن لوڈ کرنے کے بعد بھی اس کو موبائل ہی کہا جاتا ہے، قرآن نہیں کہا جاتا، اس لئے اس پر مصحف قرآنی کا حکم عائد نہیں ہو گا اور بلا وضو اس کو چھونے کی اجازت ہو گی، البتہ اگر اسکرین پر نقوش قرآنی نظر آرہے ہوں تو اسکرین کو بلا وضو چھونا درست نہ ہو گا:

"التعيين با العرف كالتعيين با لنص" اور "الثابت با العرف كا الثابت با النص"[1204]۔

موبائل پر دینی یا معلوماتی میسیج بھیجنا

سوال نمبر ۴-: پر بعض اوقات دینی یا معلوماتی اعتبار سے مفید پیغامات آتے ہیں اور یہ تحریر اور آواز کی شکل میں ہوتے ہیں، ان کو دوسروں کے پاس بھیجنا کیا درست ہو گا جبکہ بعض حضرات اپنے موبائل پر میسج بھیجنے کو پسند نہیں کرتے۔

جواب: جس شخص کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ دینی یا معلوماتی پیغام سے ناگواری محسوس نہیں کرے گا، اس کو تحریر یا آواز کی صورت میں کوئی دینی یا معلوماتی میسیج بھیجنا درست ہے، حدیث میں آتا ہے کہ اچھی بات دوسروں تک پہونچانا بھی صدقہ ہے:

عن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما: عن النبي صلى الله عليه و سلم قال (كل معروف صدقة)[1205]

لیکن جو شخص اس طرح کے پیغامات کو پسند نہ کرتا ہو اس کے پاس دینی یا معلوماتی پیغام ارسال کرنا

----- حواشی---

[1204] - قواعد الفقہ، دار الکتاب، دیوبند: قاعدہ نمبر ۸۸، اور ۱۰۱

[1205] - **الجامع الصحيح المختصرج ۵ ص ۲۲۴۱ حديث نمبر: ۵۶۷۵ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا۔**

درست نہیں، اس لئے کہ یہ دین یا علم کی توہین ہے، نیز دین یا علم کی ترسیل واشاعت عام حالات میں زیادہ سے زیادہ مستحسن ہے، جب کہ دوسروں کی ایذا رسانی گناہ ہے، حدیث پاک میں ہے:

عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه و سلم قال(المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده والمهاجر من هجر ما نهى الله عنه)[1206]

فقہاء نے لکھا ہے کہ مسجد میں اجتماعی طور پر ذکر بالجہر کرنا مستحب ہے، لیکن اگر یہ دوسرے لوگوں کے لئے باعث خلل ہو تو ممنوع ہے، شامی میں ہے:

أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُسَلَفًا وَخَلَفًاعَلَى اسْتِحْبَابِ ذِكْرِ الْجَمَاعَةِ فِي الْمَسَاجِدِ وَغَيْرِهَا إلَّا أَنْ يُشَوِّشَ جَهْرُهُمْ عَلَى نَائِمٍ أَوْ مُصَلٍّ أَوْ قَارِئٍ إلَخْ[1207]

موبائل پر غیر محرم کو میسج بھیجنا

سوال نمبر ۵-: کیا اس طرح کے پیغامات غیر محرم عورت یا غیر محرم مرد کو بھیجا جا سکتا ہے؛ جبکہ اس میں کوئی غیر اخلاقی بات شامل نہ ہو۔

جواب: بلاضرورت کسی غیر محرم مرد یا عورت کو کسی قسم کا پیغام بھیجنا یا اس سے ہم کلام ہونا درست نہیں، اس لئے کہ یہ باعث فتنہ ہے، شریعت نے صرف ضرورت کے وقت پردہ سے بقدر ضرورت بات کرنے کی اجازت دی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ [1208]۔

----- حواشی --

[1206] - **الجامع الصحيح المختصرج ١ ص ١٣ حدیث نمبر:١٠ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا۔**

[1207] - شامی،کتاب الصلاة،باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، مطلب فی رفع الصوت بالذکر ،بیروت:ص٢ /٤٣٣۔

[1208]- الاحزاب:٥٣

علامہ شامیؒ تحریر لکھتے ہیں:

وَيَجُوزُ الْكَلَامُ الْمُبَاحُ مَعَ امْرَأَةٍ أَجْنَبِيَّةٍ اهـ وَفِي الْمُجْتَبَى رَامِزًا،وَفِي الْحَدِيثِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِأَنْ يَتَكَلَّمَ مَعَ النِّسَاءِ بِمَا لَا يُحْتَاجُ إلَيْهِ،[1209]۔

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

فَإِذَا نُجِيزُ الْكَلَامَ مَعَ النِّسَاءِ لِلْأَجَانِبِ وَمُحَاوَرَتِهِنَّ عِنْدَ الْحَاجَةِ إلَى ذَلِكَ[1210]۔

شریعت نے ہر ایسے راستہ کو بند کردیا ہے جہاں سے زندگی میں فتنہ داخل ہوسکتا ہے، سلام اور چھینک کا جواب دینا شریعت میں مطلوب و محمود ہے لیکن غیر محرموں کے لئے ممنوع ہے، اس لئے کہ باعث فتنہ ہے، شامی میں ہے:

وَإِذَاسَلَّمَتْ الْمَرْأَةُالْأَجْنَبِيَّةُ عَلَى رَجُلٍ إنْ كَانَتْ عَجُوزًارَدَّ الرَّجُلُ -عَلَيْهَا السَّلَامُ -بِلِسَانِهِ بِصَوْتٍ تَسْمَعُ، وَإِنْ كَانَتْ شَابَّةً رَدَّ عَلَيْهَا فِي نَفْسِهِ ، وَ كَذَا الرَّجُلُ إذَا سَلَّمَ عَلَى امْرَأَةٍ أَجْنَبِيَّةٍ فَالْجَوَابُ فِيهِ عَلَى الْعَكْسِ اهـ.وَفِي الذَّخِيرَةِ: وَ إِذَا عَطَسَ فَشَمَّتَتْهُ الْمَرْأَةُ فَإِنْ عَجُوزًارَدَّ عَلَيْهَا وَإِلَّارَدَّ فِي نَفْسِهِ اهـ وَكَذَا لَوْ عَطَسَتْ هِيَ[1211]

موبائل پر تصویری پیغامات بھیجنا

سوال نمبر٦-: بعض پیغامات تصویروں کی شکل میں ہوتے ہیں، کیاان کو آگے بڑھانا جائز ہوگا یا یہ تصویرکشی کے حکم میں آجائے گا؟

جواب: موبائل پر جو پیغامات تصویروں کی شکل میں آتے ہیں، ان کو بلاضرورت آگے بڑھانا تصویر کشی کے عمل کو فروغ دینے کے مترادف ہے، شریعت جب کسی چیز پر پابندی عائد کرتی ہے تو اس کے

----- حواشی---

[1209] ۔ شامی،کتاب الحضروالاباحۃ، فصل فی الّنظر والمس بیروت:۵۳۰/۹

[1210] شامی، کتاب الصلاۃ،باب شروط الصلاۃ،مطلب فی ستر العورۃ بیروت:۷۹/۲

[1211] ۔ شامی ، کتاب الحضر والاباحہ ،فصل فی النظر والمس بیروت:۵۳۰/۹

لوازم واسباب پر بھی روک لگادیتی ہے، حدیث میں آتا ہے کہ:

إن أشد الناس عذابا عند الله يوم القيامة المصورون[1212]

تصویر کشی اگر معصیت ہے تو اس کی اشاعت گویا معصیت کی اشاعت ہے، قرآن نے معصیت کی اشاعت کرنے والوں کے لئے دردناک عذاب کی دھمکی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ[1213]

البتہ اس سے ضرورت کی صورتوں کا استثناء ہے۔

مساجد اور مدارس میں سی سی ٹی وی کیمرہ لگانا

سوال نمبر ۷:- CCTV کیمرہ ایک ایسا کیمرہ ہے جو اس کے دائرہ میں آنے والی تمام نقل و حرکت کو محفوظ کرلیتا ہے، اس سے چوری اور دوسرے مجرمانہ واقعات کو روکنے میں مدد ملتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو بے جا الزامات اور شبہات سے بچانا بھی آسان ہو جاتا ہے، اس مصلحت کے تحت مساجد اور مدارس وغیرہ میں ایسے کیمرے نصب کرنے کا کیا حکم ہو گا؟

جواب: شریعت میں اپنی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت مطلوب ہے، اوراس کے لئے ممکنہ تدابیر کا بھی حکم دیا گیاہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

خذوا حذركم[1214] یعنی اپنی حفاظت کی تدبیر کرو۔

☆اسی لئے دشمن کے حالات معلوم کرنے کے لئے جاسوسی کی اجازت دی گئی، جب کہ عام حالات میں تجسس ممنوع ہے، علامہ اندلسیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

----- حواشی---

[1212] - الجامع الصحيح المختصرج ۵ ص ۲۲۲۰ حديث نمبر: ۵۶۰۶ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق: د.مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د.مصطفى ديب البغا۔

[1213] - النور: ۱۹

[1214] نساء: ۷۱

وهي أهم ما يبدأبه قبل القتال، بث الجواسيس الثقاة في عسكر العدو وبلاده لتعرف أخبارهم مع الساعات وماعندهم من العدة والعدد،وماهم من المكائدوالحيل، وكم عدد رؤسائهم وشجعانهم وما منزلتهم عند صاحبهم[1215]

☆اس باب میں یہ مسئلہ بھی نظیر بن سکتا ہے کہ کتاپالنا عام حالات میں جائز نہیں ہے، لیکن حفاظت اور شکار کے لئے اس کی اجازت دی گئی ہے۔

وفِي فَتْحِ الْقَدِيرِ وَالِانْتِفَاعُ بِالْكَلْبِ لِلْحِرَاسَةِ وَالِاصْطِيَادِ جَائِزٌإجْمَاعًالَكِنْ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُتَّخَذَ فِي دَارِهِ إلَّاإنْ خَافَ اللُّصُوصَ أوعَدُوًّا[1216]

☆نیز مشہور فقہی ضابطہ ہے:

الضرورات تبیح المحظورات[1217]

آج کے دور میں سی سی کیمرہ نگرانی کا بہترین آلہ تصور کیا جاتا ہے، اس کے ذریعہ دشمنوں کی نقل وحرکت پر بھی بآسانی نگاہ رکھی جاسکتی ہے، اور اپنے آپ کو بے جا شبہات والزامات سے بھی بچایا جاسکتا ہے، اس لئے بضرورت اسلامی اداروں کو اس آلہ سے استفادہ کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، بالخصوص موجودہ دور میں مدارس ومساجد اور مسلم اداروں پر اغیار کی جو عاندانہ نظر ہے، ان کی بنا پر یہ مسئلہ اور بھی زیادہ حساس ہوگیا ہے۔

اسکیننگ مشینوں کا استعمال

سوال نمبر ۸-: موجودہ دور میں یہ بات ممکن ہوگئی ہے کہ اسکیننگ مشین کے سامنے سے کوئی

----- حواشی--

[1215] - بدائع السلك في طبائع الملك ج ١ ص ٢١المؤلف : أبوعبد الله محمد بن علي بن الأزرق الأندلسي (المتوفى : 896هـ) مصدر الكتاب : موقع الوراق -

[1216] - البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج ٦ ص ١٨٨زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت

[1217] -الاشباه والنظائر بیروت:۷۳

شخص گزرے تو اس کا پورا جسم مشین پر بیٹھے ہوئے شخص کو بے لباس نظر آئے گا، بعض مغربی ممالک میں ایئر پورٹوں پر اس طرح کی اسکیننگ مشین استعمال کی جارہی ہیں، یہ بات بعید نہیں ہے کہ آئندہ ہمارے ملک میں بھی اس طرح کی مشینیں استعمال کی جائیں اور ایئرپورٹ کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی حفاظتی اقدامات کے مقصد سے ان کا استعمال ہو، کیا تحفظ کے نقطہ نظر سے اس کا استعمال جائز ہوگا؟ اور کیا مسلمانوں کے لئے درست ہوگا کہ وہ سفر کرنے کی غرض سے ایسی مشینوں سے گزرنے کو قبول کریں۔

جواب: بلاضرورت شدیدہ ایسی مشینوں کا استعمال کرنا، یا ان کے سامنے سے گذرنا درست نہیں۔

احادیث میں اس طرح کی بے لباسی کی سخت ممانعت آئی ہے:

رَسُولَ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم– قَالَ « لاَ يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلاَ الْمَرْأَةُ إِلَى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ[1218]

فقہاء نے لکھا ہے، کہ کسی کی شرمگاہ چپکے ہوئے کپڑے کے اوپر سے بھی دیکھنا جائز نہیں ہے:

لَايَحِلُّ النَّظَرُإِلَى عَوْرَةِ غَيْرِهِ فَوْقَ ثَوْبٍ مُلْتَزِقٍ بِهَا يَصِفُ حَجْمَهَافَيُحْمَلُ مَا مَرَّ عَلَى مَاإِذَالَمْ يَصِفْ حَجْمَهَا فَلْيُتَأَمَّلْ[1219]

البتہ اگر حفاظتی نقطۂ نظر سے اس کی شدید ضرورت ہو اور اسکیننگ کے بغیر مطلوبہ تحفظ کے مقاصد پورے نہ ہو سکتے ہوں تو ایسی اسکیننگ مشینوں کے استعمال کی گنجائش ہوگی، جس طرح کہ شریعت نے علاج یا اور کسی مجبوری کے تحت مقام ستر کو بقدر ضرورت دیکھنے یا چھونے کی اجازت دی ہے:

قال محمد بن مُقَاتِلٍ لَا بَأْسَ أَنْ يَتَوَلَّى صَاحِبُ الْحَمَّامِ عَوْرَةَ إنْسَانٍ بيده عِنْدَالتَّنَوُّرِ إذَا كان يَغُضُّ بَصَرَهُ قال الْفَقِيهُ وَهَذِهِ في حَالِ الضَّرُورَةِ لَا في غَيْرِهَاوَ يَنْبَغِي لِكُلِّ إنْسَانٍ أَنْ يَتَوَلَّى عَوْرَتَهُ بِنَفْسِهِ عِنْدَ التَّنَوُّرِ وفي التَّتِمَّةِ الْبَيْتُ الصَّغِيرُ في الْحَمَّامِ يَدْخُلُهُ الرَّجُلُ يَحْلِقُ عَانَتَهُ هل يَحِلُّ له أَنْ

----- حواشی --

[1218] -الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ١ ص ١٨٣ حديث نمبر :**794** المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق : الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت الطبعة

[1219] شامی ، کتاب الحظر والاباحہ،فصل فی النظر والمس بیروت:۵۲٦/۹

يَكُونَ فيه عُرْيَانًاحتى يَعْصِرَ إزارة فقال فِي الْمُدَّةِ الْيَسِيرَةِ يَجُوزُ وقال أبو الْفَضْلِ لايأس بِهِ وقال غَيْرُهُ يَأْثَمُ بِهِ وَقَالُوا كَشْفُ الْعَوْرَةِ فِي بَيْتٍ بِغَيْرِ حَاجَةٍ فقَالُوا يُكْرَهُ اه[1220]

إذَا كَانَ الْمَرَضُ فِي سَائِرِ بَدَنِهَا غَيْرَ الْفَرْجِ يَجُوزُ النَّظَرُ إلَيْهِ عِنْدَالدَّوَاءِ،لِأَنَّهُ مَوْضِعُ ضَرُورَةٍ،وَإِنْ كَانَ فِي مَوْضِعِ الْفَرْجِ، فَيَنْبَغِي أَنْ يُعَلِّمَ امْرَأَةً تُدَاوِيهَا فَإِنْ لَمْ تُوجَدْوَخَافُوا عَلَيْهَاأَنْ تَهْلِكَ أَوْيُصِيبَهَاوَجَعٌ لَا تَحْتَمِلُهُ يَسْتُرُوا مِنْهَا كُلَّ شَيْءٍ إلَّا مَوْضِعَ الْعِلَّةِ ثُمَّ يُدَاوِيهَاالرَّجُلُ وَيَغُضُّ بَصَرَهُ مَااسْتَطَاعَ إلَّا عَنْ مَوْضِعِ الْجُرْحِ اهـ[1221]

محور دوم

انٹرنیٹ پر کسی کی محفوظ معلومات سے چھیڑ چھاڑ کرنا

سوال نمبر ا- اللہ نے انسان کی فطرت میں اپنی چیزوں کے اخفاء کا مزاج بھی رکھا ہے، ایسی چیزوں کو آج کل انٹرنیٹ پر محفوظ کیا جاتا ہے، اگر یہ معلومات مقفل رکھی جائیں تو دوسرا شخص ان تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا، لیکن کچھ آئی ٹی ماہرین کے اندر یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ ان کا قفل توڑ کر معلومات کی چوری کر لیتے ہیں، تو کیا یہ درست ہو گا؟ اور کیا اس سلسلے میں مختلف قسم کی معلومات کی چوری کے احکامات الگ الگ ہوں گے، یعنی ایسی معلومات جن سے اس شخص کی عزت وآبرو کو ٹھیس لگ سکتی ہو، یا معاشی پہلو سے نقصان پہنچ سکتا ہو، یا ایسی معلومات جن سے چوری کرنے والے کو تو فائدہ ہو، لیکن اصل شخص کو کوئی نقصان نہ ہو، جیسے علمی و مطالعاتی یادداشتیں وغیرہ؟

جواب: انٹرنیٹ پر جو خفیہ معلومات محفوظ کی جاتی ہیں، متعلقہ شخص کی اجازت کے بغیر ان تک

----- حواشی---

[1220] - **البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج ٨ ص ٢١٩ زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت**

[1221] شامی، کتاب الحظر والاباحہ، فصل فی النظر والمس بیروت:۵۳۳/۹

رسائی کی کوشش کرنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ لاک کرنا اس بات کی علامت ہے کہ وہ شخص ان کو مخفی رکھنا چاہتا ہے، پس اس کی اجازت کے بغیر ان کو جاننے کی کوشش کرنا جرم اور چوری ہے، اسلامی تعلیمات کے مطابق کسی کی چھوٹی سے چھوٹی چیز لینا بھی اسکی اجازت کے بغیر ممنوع ہے:

عن أبي حميدالساعدي ان النبي صلى الله عليه و سلم قال: لا يحل للرجل ان يأخذ عصاأخيه بغير طيب نفسه وذلك لشدة ما حرم رسول الله صلى الله عليه وسلم من مال المسلم على المسلم تعليق شعيب الأرنؤوط: إسناده صحيح[1222]

فقہاء لکھتے ہیں:

ولا يجوز التصرف في ملك الغير بغير إذنه[1223]

شامی میں ہے:

لَا يَجُوزُ التَّصَرُّفُ فِي مَالِ غَيْرِهِ بِلَا إذْنِهِ[1224]۔

☆اگر اس انکشاف راز سے اس شخص کی عزت وآبرو بھی متاثر ہوتی ہو یا اس کو جسمانی یا مالی ضرر پہونچتا ہو تب اس جرم کی شناعت اور بڑھ جاتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

كل المسلم على المسلم حرام عرضه وماله و دمه[1225]

☆اور اگر ان مخفی معلومات کے انکشاف سے متعلقہ شخص کو کوئی نقصان نہ پہونچے تب بھی ان معلومات پر اسی شخص کا حق زیادہ ہے، اور اس کی اجازت کے بغیر کسی کے لئے اس حق کو تلف کرنا جائز نہیں ہے، ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص کسی چیز کو دریافت کرنے میں سبقت کرے، اس پر اسی

----- حواشی -----

1222 - مسند الإمام أحمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۲۵ حدیث نمبر: ۲۳۶۵۴ المؤلف : أحمد بن حنبل أبو عبدالله الشيباني الناشر : مؤسسة قرطبة – القاهرة عدد الأجزاء : 6 الأحاديث مذيلة بأحكام شعيب الأرنؤوط عليها۔

1223 - بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۵ ص ۱۸۸ تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي 587ھ دار الكتب العلمية – بيروت – لبنان الطبعة الثانية 1406ھ – 1986م محمد عارف بالله القاسمي

1224 -الدر المختار مع الشامی، کتاب الغصب بیروت: ۲۹۱/۹

1225 - ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ما جاءفی شفقۃ المسلم علی المسلم: ۱۴/۲

شخص کا حق قائم ہو جاتا ہے:

اتیت النبی صلیٰ اللہ علیہ وسلم فبایعتہ فقال : من سبق الیٰ ماء لم یسبقہ الیہ مسلم فھو لہ[1226]۔

اسی حدیث سے علماء نے حق اسبقیت، حق تصنیف اور حق ایجاد وغیرہ حقوق اخذ کئے ہیں۔

کسی کی خفیہ معلومات دوسروں تک پہونچانا

سوال نمبر ۲-: اگر کسی شخص نے دوسرے کی معلومات چوری کر ہی لی تو اس شخص کی اجازت کے بغیر اس کو آگے بڑھانا درست ہو گا؟

جواب: ظاہر ہے کہ جب ان معلومات کی چوری کرنا جائز نہیں، تو ان کو دوسروں تک پہونچانا اور بھی زیادہ ناجائز ہے۔

انٹرنیٹ کے ذریعہ میاں بیوی کا ایک دوسرے کی جاسوسی کرنا

سوال نمبر ۳-: شوہر و بیوی بھی انٹرنیٹ کے ذریعہ ایک دوسرے کی جاسوسی کر سکتے ہیں، ان دونوں کا چونکہ ایک دوسرے سے قریب ترین تعلق ہے اور ان کے باہمی مفادات بھی ایک دوسرے سے مربوط ہیں، تو کیا ان کے لئے ایک دوسرے کی معلومات کو اطلاع کے بغیر حاصل کرنا درست ہو گا۔

جواب: میاں بیوی کے درمیان لطیف اور قریب ترین تعلقات اور ایک دوسرے سے وابستہ حقوق کے باوجود دونوں کی شخصیت ایک دوسرے سے مختلف بھی ہے، دونوں کا مستقل وجود ہے، کئی چیزیں دونوں کے درمیان مشترک ہیں، تو کئی چیزیں علٰحدہ بھی ہیں، دونوں کی صحت اور جسم کے تقاضے الگ الگ ہیں، دونوں کے پاس جو اموال واملاک ہیں ان کے وہ خود مالک ہیں، شوہر کے مال میں عورت اور عورت کے مال میں مرد ان کی مرضی کے بغیر تصرف نہیں کر سکتے، یہی حکم ان کی معلومات واسرار کا بھی ہے، ممکن ہے کہ دونوں یا کسی کے پاس کچھ ایسی چیزیں ہوں جن سے دوسروں کا واقف ہونا انہیں پسند نہ ہو، ایسی صورت میں

----- حواشی--

1226 - سنن ابی داود، کتاب الخراج والامارۃ والفیئ، قبیل باب احیاء الموات: ۸۱/۲

دونوں پر ایک دوسرے کے حدود کی رعایت لازم ہے، جس طرح ان کا مال ان کی اجازت کے بغیر استعمال نہیں کرسکتے اسی طرح انٹرنیٹ پر پوشیدہ اسرار ورموز بھی ان کی ملکیت ہیں ،دوسرے کے لئے اجازت کے بغیر وہاں تک پہونچنے کی خفیہ کوشش کرنا درست نہیں۔

ولا يجوز التصرف في ملك الغير بغير إذنه[1227]

☆ نیز اس سے بدگمانیوں کے دروازے کھلتے ہیں ،اور دونوں کے دل ودماغ خیالات فاسدہ سے مسلسل آلودہ اور گناہ گار ہوتے رہتے ہیں، یہ وہ بدترین مرض ہے جس میں مبتلا شخص ساری زندگی بے سکون رہتا ہے، قرآن کریم میں ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَايَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوااللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ[1228]

نیز ارشاد نبوی ہے:

عن أبي هريرة :عن النبي صلى الله عليه و سلم قال (إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا ولاتباغضوا وكونوا عباد الله إخوانا[1229]

اسی لئے قرآن کریم نے تجسس سے منع کیا ہے:

وَ لَا تَجَسَّسُوا[1230]

----- حواشی---

[1227] - بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ٥ ص ١٨٨ تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي 587ھ دار الكتب العلمية – بيروت – لبنان الطبعة الثانية 1406ھ – 1986م محمد عارف بالله القاسمي

[1228] -الحجرات : ١٢ -

[1229] - الجامع الصحيح المختصرج ٥ ص ٢٢٥٣ حديث نمبر : ٥٧١٧ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب

[1230] - الحجرات :١٢

زبان رسالت مآب ﷺ سے بھی بہت مؤثر انداز میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے:

ولا تتبعوا عوراتهم فإنه من تتبع عورة أخيه المسلم تتبع الله عورته ومن تتبع الله عورته يفضحه ولو في جوف رحله[1231]

محکمۂ پولیس کا دوسروں کی خفیہ معلومات تک رسائی حاصل کرنا

سوال نمبر ۴:- حکومت اور محکمۂ پولس بعض دفعہ امن عامہ کے لئے شخصی معلومات حاصل کرتی ہیں، تاکہ جرائم پیشہ اور دہشت گرد عناصر پر نظر رکھی جاسکے، کیا اس مقصد کے لئے دوسروں کی خفیہ معلومات تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے؟

جواب: ملک و قوم کے تحفظ اور امن وامان کے قیام کے لئے جرائم پیشہ افراد اور دہشت گرد عناصر پر نظر رکھنا درست ہے اور اس کے لئے ان کے شخصی احوال و کوائف کی واقفیت حاصل کرنا بھی جائز ہے، علامہ ابن فرحونؒ لکھتے ہیں:

قَالَ ابْنُ حَبِيبٍ وَسَمِعْت ابْنَ الْمَاجِشُونِ يَقُولُ فِي اللُّصُوصِ وَقُطَّاعِ الطَّرِيقِ :أَرَى أَنْ يُطْلَبُوا فِي مَظَانِّهِمْ وَيُعَانُ عَلَيْهِمْ حَتَّى يُقْتَلُواأَوْيُنْفَوْا مِنْ الْأَرْضِ بِالْهَرَبِ تَنْبِيهٌ:وَهَلْ لِلْقَاضِي أَنْ يَتَعَاطَى هَذَا الْكَشْفَ فَظَاهِرُ كَلَامِهِمْ أَنَّ ذَلِكَ لِلْوَالِي وَ الشُّرْطِيِّ دُونَ الْقَاضِي ، وَذَكَر الْقَرَافِيُّ أَنَّ لِلْمُحْتَسِبِ أَنْ يَفْعَلَ ذَلِكَ،لِأَنَّ قَاعِدَةَ وِلَايَتِهِ الْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنْ الْمُنْكَرِ[1232]

----- حواشی--

[1231] - الجامع الصحيح سنن الترمذي ج ۴ ص ۳۷۸ حديث نمبر :۲۰۳۲المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت تحقيق : أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء : 5 الأحاديث مذيلة بأحكام الألباني عليها -

[1232] -تبصرة الحكام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام ج ۴ ص ۳۸۹ المؤلف : إبراهيم بن علي بن محمد، ابن فرحون، برهان الدين اليعمري (المتوفى : 799هـ)مصدر الكتاب : موقع الإسلام-

ضرر رساں خفیہ معلومات سے متعلقہ شخص کو آگاہ کرنا

سوال نمبر ۵- اگر کوئی شخص دوسرے کی خفیہ معلومات تک پہنچ جائے اور ان معلومات سے یہ بات واضح ہو کہ وہ کسی اور کو نقصان پہچانے کا ارادہ رکھتا ہے، تو کیا اس شخص کے لئے اس دوسرے آدمی کو صورت حال سے واقف کرانا درست ہو گا؟

جواب نمبر ۵-: اگر کوئی دوسرا شخص اس راز سے واقف نہ ہو اور خود اسے اس کی مدد کی صورت میں کسی ضرر کا اندیشہ نہ ہو تو اس وقت متعلقہ شخص کو مضرت سے بچانے کے لئے صورت حال سے ممکنہ طور پر آگاہ کرنا ضروری ہو گا، قرآن کریم کا حکم ہے:

وتعاونوا على البر والتقوى[1233]

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما أخبره أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه ومن كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته ومن فرج عن مسلم كربة فرج الله عنه كربة من كربات يوم القيامة ومن ستر مسلما ستره الله يوم القيامة[1234]

فقہاء نے لکھا ہے کہ نابینا کے کنواں میں گرنے یا معصوم بچے کو سانپ یا بچھوڈس لینے کا اندیشہ ہو تو ان کی مدد کرنا واجب ہے[1235]۔

----- حواشی ---

[1233] - سورة المائدة / 2 .

[1234] - **الجامع الصحيح المختصر ج ٢ ص ٨٦٢ حديث نمبر : ٢٣١٠ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق :د مصطفى ديب البغاأستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة–جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا**

[1235] - حاشية الدسوقي 1 / 289 ط دار الفكر ، والحطاب 2 / 36 ط ليبيا ، وابن عابدين 1 / 440 ، 478 .

فیس بک اکاؤنٹ سے معلومات جمع کرنا

سوال نمبر ٦-: بہت سے لوگوں نے فیس بک اکاؤنٹ کھول رکھا ہے اور اس میں ان کی بہت سی معلومات بھی موجود ہیں، بعض کمپنیاں تجارتی مقاصد کے تحت ماہرین سے کہتی ہیں کہ وہ ان معلومات کا ڈاٹا جمع کر کے ان کو مہیا کریں، کیا متعلقہ شخص کی اجازت کے بغیر ایسی معلومات کا ڈاٹا جمع کر کے کمپنیوں کو مہیا کرنا اور ان سے اس کی اجرت حاصل کرنا جائز ہوگا؟

جواب: اگر فیس بک پر یہ معلومات مخفی نہ رکھی گئی ہوں، تو ان کی تفصیلات جمع کرنا درست ہوگا، اور اگر مخفی رکھی گئی ہوں تو بلا اجازت کسی کا ڈاٹا حاصل کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کی اجرت لینا درست ہے۔

خفیہ کیمروں کا استعمال

سوال نمبر ۷-: بعض تنظیمیں مجرموں کے جرائم پر شہادت فراہم کرنے کے لئے خفیہ کیمروں کا استعمال کرتی ہیں، جیسا کہ ہندوستان کی "تہلکہ ڈاٹ کام" کئی خوفناک مجرمین کے جرم کو منظر عام پر لا چکی ہے، اور اس کے مظلوموں کو مدد بھی ملی ہے، کیا اس طرح کی کاروائی شرعاً جائز ہوگی؟

جواب: اگر یہ تنظیمیں حکومت کی طرف سے اس قسم کے کاموں کے لئے مامور ہوں یا ان کو ان چیزوں کا اختیار حاصل ہو تو ملکی مفادات اور امن عامہ کے مقاصد تحت یہ اقدامات درست ہیں، اس لئے کہ یہ بھی ملک کی ضرورت ہے اور ان سے سب ہی کا مفاد وابستہ ہے۔

مسروقہ سافٹ ویر کی خرید و فروخت

سوال نمبر ۸- فنی ماہرین مخصوص مقاصد کے لئے سافٹ ویئر تیار کرتے ہیں؛ چونکہ اس کی تیاری کے مرحلہ میں کافی صرفہ آتا ہے، اور صلاحیتیں اور محنتیں خرچ ہوتی ہیں، اس لئے قانونی طور پر اس کو ان کی ملکیت مانا جاتا ہے اور اس کا قفل توڑ کر اس سے استفادہ کرنا قانوناً جرم مانا گیا ہے، تو کیا کسی شخص کا اپنی صلاحیت

کے ذریعہ اس کا قفل توڑ دینا، پھر اس سے استفادہ کرنا یا گاہکوں کو بیچنا جائز ہو گا؟ اور کیا اس کا اور اس سے خرید کرنے والے شخص کا اس سافٹ ویئر کو فروخت کرنے میں ایک ہی حکم ہو گا؟

جواب: یہ چوری اور گناہ ہے، اور جو لوگ اس میں شریک ہیں وہ سب گناہ گار ہیں، اور جو لوگ چوری کی چیز جانتے بوجھتے ہوئے خرید کر آگے بیچتے ہیں اور اس کا کاروبار کرتے ہیں وہ بھی اس جرم میں برابر کے شریک ہیں، حدیث پاک میں ہے:

عن أبی هريرة عن النبی–صلى الله عليه وسلم–أنه قال«من اشترى سرقة وهويعلم أنهاسرقةفقد شرك فی عارها وإثمها[1236]**-**

دوسروں کے کمپیوٹر ہیک کرنا یا ان میں وائرس چھوڑنا

سوال نمبر ۹-: بعض اوقات کسی شخص کے کمپیوٹر میں یا اس کے خاص پروگرام میں وائرس داخل ہوتا ہے، یہ وائرس اسے نقصان پہنچاتے اور برباد کر دیتے ہیں، اس کا استعمال خراب اور غیر اخلاقی مواد کو ضائع کرنے کے لئے بھی کیا جا سکتا ہے، اس پس منظر میں رہنمائی فرمائیں کہ دوسرے کے کمپیوٹر کو ہیک کرنے یا اس پر وائرس چھوڑنے کا کیا حکم ہو گا؟

جواب: دوسرے کے کمپیوٹر میں اس کی مرضی کے بغیر تصرف کرنا اور اس کو نقصان پہونچانا صریح ظلم ہے، جس کی شریعت میں قطعی اجازت نہیں ہے۔

بدائع میں ہے:

ولا يجوز التصرف في ملك الغير بغير إذنه[1237]

----- حواشی---

[1236] - السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي ج ۵ ص ۳۳۵ حديث نمبر : ۱۱۱۴۱المؤلف : أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي مؤلف الجوهر النقي: علاء الدين علي بن عثمان المارديني الشهير بابن التركماني المحقق :الناشر : مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آباد الطبعة : الطبعة : الأولى . 1344 ه عدد الأجزاء : 10

[1237] - بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۵ ص ۱۸۸ تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي 587ھ دار الكتب العلمية – بيروت – لبنان الطبعة الثانية 1406ھ – 1986م محمد عارف بالله القاسمي

شامی میں ہے:

لَا يَجُوزُ التَّصَرُّفُ فِي مَالِ غَيْرِهِ بِلَا إِذْنِهِ[1238]۔

محور سوم

سوشل میڈیا پر آنے والی خبروں کو آگے بھیجنا

سوال نمبر ا-: سوشل میڈیا اور الکٹرانک ذرائع ابلاغ سے بہت سی خبریں ایک دوسرے کو پہنچائی جاتی ہیں، ان میں بعض خبریں درست ہوتی ہیں، بعض قابل تحقیق اور بعض خلاف واقعہ، عام طور پر لوگ ان خبروں کو ایک دوسرے کے پاس بھیجتے چلے جاتے ہیں اور اس طرح وہ خبر عام ہو جاتی ہے، اس لئے یہ بات قابل غور ہے کہ کن خبروں کو آگے بڑھانا جائز ہے اور کن کو آگے بھیجنا درست نہیں؟ اس سلسلے میں ضروری اصول متعین فرمائیں۔

جواب: سوشل میڈیااورالیکٹرانک ذرائع ابلاغ پر بہت سی خبریں خلاف واقعہ بھی ہوتی ہیں اس لئے ان کو بلا تحقیق آگے بھیجنا درست نہیں ہے، بے تحقیق خبروں سے اکثر معاشرہ میں فساد پیدا ہوتا ہے، اور یہ کام فساد پسند لوگ کرتے ہیں، قرآن کریم میں ہے:

:وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ[1239]

ترجمہ: اور جب ان کو کوئی بھی خبر پہنچتی ہے، چاہے وہ امن کی ہو یا خوف پیدا کرنے والی، تو یہ لوگ اسے (تحقیق کے بغیر) پھیلانا شروع کر دیتے ہیں۔

علامہ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وقوله: {وَإِذَاجَاءَهُمْ أَمْرٌمِنَ الأمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ }إنكار على من يبادرإلى الأموقبل تحققها،فيخبرها ويفشيها وينشرها، وقد لا يكون لها

----- حواشی---

1238 -الدر المختار مع الشامی، کتاب الغصب بیروت:۲۹۱/۹

1239 -النساء :۸۳

صحة.[1240]

حدیث میں آیا ہے کہ کسی انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو دوسروں تک پہونچادے:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم– « كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَاسَمِعَ[1241]

اسی لئے قرآن کریم نے ہدایت کی ہے کہ کسی خبر پر یقین کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی تحقیق کی جائے، ورنہ اکثر وہ ندامت کا باعث ہوتی ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍفَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ [1242]

کسی کے مراسلہ میں کمی بیشی کرنا

سوال نمبر ۲-: فنی مہارت کے ذریعہ غالباً یہ بات بھی ممکن ہوگئی ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو جو مراسلہ لکھتا ہے، اس میں اضافہ یا کمی کر دی جائے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ دوہرا گناہ ہے، اس لئے کہ اس میں دوسرے کی چیز میں ناجائز تصرف کے علاوہ اس کی طرف غلط بات کا انتساب بھی ہے، جو کذب اور افتراء ہے۔

----- حواشی---

[1240] - تفسير القرآن العظيم ج ٢ ص ٣٦٥ المؤلف : أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (المتوفى : 774هـ) المحقق : سامي بن محمد سلامة الناشر : دار طيبة للنشر والتوزيع الطبعة : الثانية 1420هـ – 1999 م عدد الأجزاء : 8

[1241] - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ١ ص ٨ حديث نمبر : ٧ المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق :الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة ـ بيروت الطبعة : عدد الأجزاء : ثمانية أجزاء في أربع مجلدات

[1242] - الحجرات : ٦

حکومت کا کسی کی نجی معلومات کو عام کرنا

سوال نمبر ۳-: کیا حکومت کو اس بات کا حق ہے کہ کسی شخص کی نجی معلومات کو دوسرے تک پہنچائے یا لوگوں میں عام کر دے؟ اسی پس منظر میں سپریم کورٹ میں آدھار کارڈ سے متعلق مقدمہ چل رہا ہے۔

جواب: حکومت ہو یا کوئی دوسرا شخص کسی کو بھی دوسرے کی نجی ملکیت میں جھانکنے، دخل دینے اوراس کو عام کرنے کی اجازت نہیں ہے، اسلام کے نزدیک امیر وقت کو بھی یہ اجازت نہیں ہے کہ کسی کے مکان میں مالک کی اجازت کے بغیر مقررہ دروازہ کے علاوہ کسی اور راستہ سے داخل ہونے کی کوشش کرے، قرآن کریم میں اس مضمون کی بہت با معنیٰ آیت موجود ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُواعَلَى أَهْلِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ [1243]

انٹرنیٹ پر آنے والے تجارتی اشتہارات کو آگے بھیجنا

سوال نمبر ۴- انٹرنیٹ پر بہت سے تجارتی اشتہارات ڈالے جاتے ہیں، یا متعین اشخاص کو بھیجے جاتے ہیں، اور ان سے خواہش کی جاتی ہے کہ وہ مختلف گروپ یا افراد کے ذریعہ سے لوگوں تک پیغام کو پہنچائیں، ان اشتہارات میں ایسی اشیاء کی ترغیب بھی ہو سکتی ہے جن کا استعمال جائز ہو اور ایسی اشیاء کی بھی جن کا استعمال جائز نہ ہو، ایسے اشتہارات کو پھیلانے اور دوسرے تک بھیجنے کا کیا حکم ہو گا؟

جواب: انٹرنیٹ پر آنے والے تجارتی اشتہارات کو کمپنی کی تحقیق کئے بغیر آگے بھیجنا درست نہیں ہے، یا اگر بھیجے تو ذریعۂ اطلاع کو واضح کر دے، اس لئے کہ ان میں ایسی اشیا کی ترغیب بھی ہو سکتی ہے جن کا استعمال جائز نہ ہو، قرآن کریم نے معصیت میں تعاون اور شر کی اشاعت سے روکا ہے:

----- حواشی ---

1243 - النور ۲۷:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ[1244]
إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ [1245]۔

معزز شخصیات کے کارٹون بنانا

سوال نمبر ۵- انٹرنیٹ پر ڈیجیٹل تصویر کی شکل میں کارٹون بھی بنائے جاتے ہیں، اس وقت یہ دریافت کرنا مقصود نہیں کہ ڈیجیٹل تصویر شرعاً تصویر ہے یا نہیں؟ بلکہ یہ جاننا مقصود ہے کہ جو حضرات ڈیجیٹل عکس بندی کو جائز تصور کرتے ہیں، ان کے نزدیک اس طرح کا کارٹون بنانا کیا جائز ہوگا؟ زیادہ تر ایسے کارٹونوں میں طنز مقصود ہوتا ہے، اور قانونی اعتبار سے ملک کے بعض معزز ترین عہدہ داروں کے علاوہ دوسروں کا کارٹون بنانا ممنوع نہیں ہے، ان کارٹونوں میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص کا سر کسی اور شخص یا جانور کے جسم میں لگا دیا جاتا ہے یا ایک شخص کی آواز کسی جانور کے ذریعہ پیش کی جاتی ہے، ایسا لگتا ہے کہ جیسے گدھا بول رہا ہے، کیا تعمیری تنقید کے جذبہ کے تحت اس طرح کے کارٹون بنائے جاسکتے ہیں؟

جواب: ان کارٹونوں کی بنیاد ہی طنز و تشنیع اور استہزاء و تمسخر پر ہے، اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا، اصلاح کے سنجیدہ طریقے بھی موجود ہیں، قرآن کریم میں ہے:

لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ [1246]

تمسخر و استہزاء سے ہتک عزت ہوتی ہے جو ناجائز اور حرام ہے، حدیث شریف میں ہے:

كل المسلم على المسلم حرام عرضه وماله و دمه[1247]

موبائل پر ہونے والی گفتگو کو ریکارڈ کرنا

سوال نمبر ۶- موبائل کمپنیاں لوگوں کی آپسی گفتگو کو محفوظ کر کے حکومتوں کو فراہم کرتی ہیں

----- حواشی ---

1244 -المائده :۲

1245 - النور:۱۹

1246 -الحجرات:۱۱

1247 - ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ما جاءفی شفقۃ المسلم علی المسلم:۲/۱۴

، کیاان کا یہ عمل شرعاً جائز ہو گا؟

جواب: اگر موبائل کمپنیاں حکومت کی طرف سے مامور ہیں تو کچھ مضائقہ نہیں، حکومت کو کبھی جرائم پیشہ افراد تک پہونچنے کے لئے ایسی ضرورت پیش آسکتی ہے:

فَقَدْ نُقِل عَنِ ابْنِ الْمَاجِشُونِ أَنَّهُ قَال: اللُّصُوصُ وَقُطَّاعُ الطَّرِيقِ أَرَى أَنْ يُطْلَبُوا فِي مَظَانِّهِمْ وَيُعَانَ عَلَيْهِمْ حَتَّى يُقْتَلُوا أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الأْرْضِ بِالْهَرَبِ. وَطَلَبُهُمْ لاَ يَكُونُ إِلاَّ بِالتَّجَسُّسِ عَلَيْهِمْ وَتَتَبُّعِ أَخْبَارِهِمْ.[1248]

الضرورات تبیح المحظورات[1249]

والله اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم

تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

۱- اسمارٹ فون موجودہ دور کی ایک اہم ایجاد ہے، جس کے ساتھ منافع اور مفاسد دونوں وابستہ ہیں، اگر اسمارٹ فون کا استعمال دینی، علمی، اصلاحی اور جائز مقاصد کے لئے کیا جائے تو درست ہے، لیکن اگر غیر شرعی امور کے لئے کیا جائے تو درست نہیں ہے۔

۲- اسمارٹ فون میں قرآن شریف اور دیگر دینی کتب کا رکھنا اور ان سے استفادہ کرنا جائز ہے۔

۳- اگر موبائل میں قرآن مجید محفوظ ہو تو جب تک آیات قرآنی اسکرین پر ظاہر نہ ہوں موبائل سیٹ قرآن کے حکم میں نہیں ہو گا، البتہ اگر آیات قرآنی اسکرین پر نمودار ہوں تو اسکرین والے حصہ کو بلا وضو چھونا درست نہیں ہو گا، اگر موبائل پر

----- حواشی---

[1248] - الموسوعة الفقهيه : ۱۰/ ۱۶۴

[1249] الاشباه والنظائر: ۴۳

اسکرین گارڈ اور گلاس لگے ہوئے ہوں تب بھی یہی حکم ہو گا۔

۴- دینی معلومات اور مفید باتوں پر مبنی پیغامات خواہ تحریر کی شکل میں ہوں یا کسی اور شکل میں انہیں صراحتاً یا دلالۃً اجازت کی صورت میں آگے بھیجنا درست ہے۔

۵- کسی ضرورت شرعی کے بغیر کسی مرد کا غیر محرم عورت کو یا کسی عورت کا غیر محرم مرد کو میسیج کرنا جائز نہیں ہے۔

۶- مختلف عمومی مصالح اور حفاظتی مقاصد کے پیش نظر دینی مدارس، مساجد و دیگر ضرورت کی جگہوں میں سی سی ٹی وی کیمرہ نصب کرنا درست ہے۔

۷- انٹرنیٹ پر کسی کی محفوظ معلومات کا قفل توڑنا جائز نہیں ہے، اور اس کو آگے بڑھانے کا بھی یہی حکم ہے۔

۸- شوہر و بیوی کا رشتہ باہمی اعتماد پر مبنی ہوتا ہے، اس لئے عام حالات میں ایک دوسرے کی اطلاع کے بغیر ایک دوسرے کی معلومات حاصل کرنا درست نہیں ہے

۹- نجی زندگی کا تحفظ ہر انسان کا بنیادی حق ہے، لہذا کسی ضرورت کے بغیر دوسروں کی خفیہ معلومات حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

۱۰- اگر کسی کو دوسرے شخص کی خفیہ معلومات حاصل ہو جائیں، اور ان معلومات سے واضح ہو کہ وہ کسی اور کو نقصان پہونچانے کا ارادہ رکھتا ہے، تو اس شخص کے لئے اس دوسرے آدمی کو صورت حال سے واقف کرانا درست ہے۔

۱۱- سوشل میڈیا اکاؤنٹ رکھنے والے نے مخصوص معلومات کو خفیہ رکھا ہو تو اس کی اجازت کے بغیر ڈاٹا جمع کرنا اور کسی کمپنی کو ڈاٹا فراہم کرنا اور اس کی اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

۱۲- مجرم کے جرائم پر شہادت فراہم کرنے کے لئے خفیہ کیمرہ استعمال کرنا درست ہے۔

۱۳- سافٹ ویر بنانے میں کافی محنت صلاحیت اور بڑا سرمایہ خرچ ہوتا ہے، وہ بنانے والے کی ملکیت ہے، اس لئے اس کا قفل توڑنا اور اس کی خرید فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

۱۴- کسی کے کمپیوٹر کو ہیک کرنا یا اس پر وائرس چھوڑنا جائز نہیں ہے، البتہ مخرب اخلاق اور مضر مواد کو ضائع کرنے کے لئے اس کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔

۱۵- جس خبر کا مصدقہ ہونا معلوم ہو اور اس کو پھیلانے سے کسی ضرر کا اندیشہ نہ ہو تو اسے آگے بڑھانا درست ہے، البتہ جو چیز خلاف واقعہ یا قابل تحقیق یا مضر ہو، اسے آگے بڑھانا درست نہیں ہے۔

۱۶- کسی کے مراسلہ اور تحریر میں کمی بیشی کرنا جائز نہیں ہے۔

۱۷- حکومت یا کسی اور کے لئے درست نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کی نجی معلومات کو اس کی اجازت کے بغیر دوسروں تک پہونچائے یا لوگوں میں عام کرے۔

۱۸- جن اشیاء کا استعمال درست ہے، ان کی تشہیر بھی درست ہے، بشرطیکہ تشہیر کے طریقہ میں کوئی خلاف شرع بات نہ ہو۔

۱۹- تمسخر اور استہزاء کے طور پر کسی کا کارٹون بنانا جائز نہیں ہے۔

۲۰- موبائل کمپنیوں کا لوگوں کی آپسی گفتگو محفوظ کرکے حکومت کو یا کسی اور کو فراہم کرنا امانت میں خیانت ہے اس لئے اس کی اجازت نہیں ہوگی[1250]۔

----- حواشی--

1250 - جدید مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، حصہ دوم ص ۴۰ تا ۴۲

نوازل الفقہ
6
5
4
3
2
1
جدید مالی معاملات اور مسائل
نکاح و طلاق
اختر امام عادل قاسمی